شیشے کا گھر پتھر کے لوگ

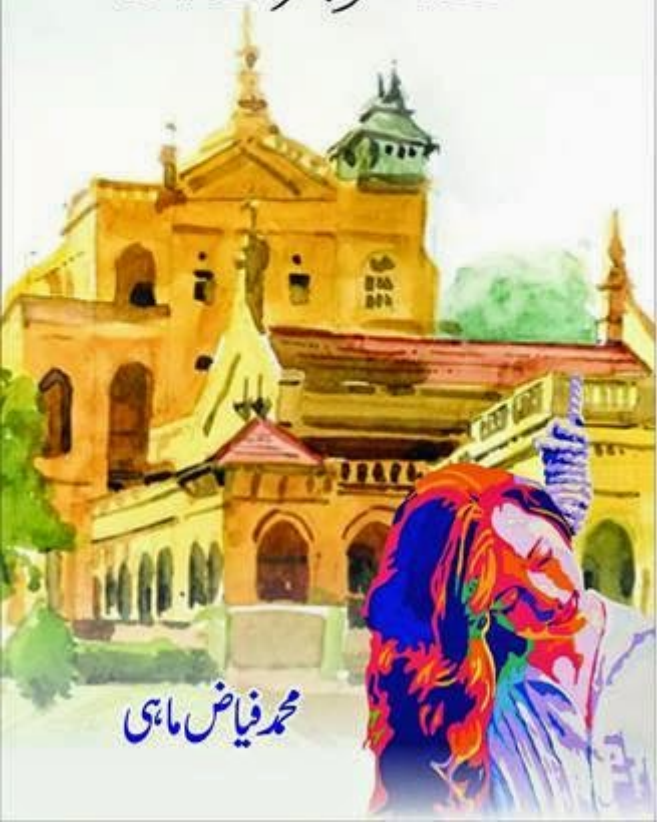

محمد فیاض ماہی

شیشے کا گھر پتھر کے لوگ

محمد فیاض ماہی

علم و عرفان پبلشر
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون 37352332-37232336

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	.....	شیشے کا گھر پتھر کے لوگ
مصنف	.....	محمد فیاض ماہتی
ناشر	.....	گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	.....	زاہدہ توحید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	.....	زاہد ملک
کمپوزنگ	.....	ساجد، انیس احمد
سن اشاعت	.....	دسمبر 2013ء
قیمت	.....	-/400 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں 0300-9450911

..... ملنے کے پتے .....

ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی
رشید نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ اردو بازار، کراچی
خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی
کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
کلاسیک بکس بوہڑ گیٹ، ملتان
کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال
رائل بک کمپنی
مکتبہ رشیدیہ، جنرل مارکیٹ
فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک راولپنڈی
چکوال فون: 0301-5785262

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب!

قارئین کی اُن محبتوں کے نام

جو مجھ پر اللہ کی رحمت بن کر

ہمیشہ برستی رہتی ہیں۔

http://kitaabghar.com

پیش لفظ

الحمدللہ آج اپنے دسویں ناول کا پیش لفظ لکھ رہا ہوں اور اس بات پر خوشی اور فخر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بہت ہی اچھا پڑھنے والے قارئین ملے ہیں اور یقینی طور پر ان کی محبت ہی ہے جو بار بار میرے قلم کو اپنی تنقیدی اصلاحی اور علم کے تجربہ کی عدالت کے کٹہرے میں طلب کر لیتی ہے اور ان کی محبتوں کو خراج تنقیدت پیش کرنے کے لیے میرا قلم بھی سر جھکا کر ان قارئین کا فیصلہ سن کر مزید بہترین تخلیق کا وعدہ کر کے ایک بار پھر صفحہ قرطاس سے اپنا رشتہ جوڑ کر علم کے قدردانوں کے لیے ان کی طلب اور منشاء و معیار کے مطابق لکھنے میں مصروف ہو جاتا ہے اس ناول کو جناب گل فراز صاحب نے اپنے ادارہ کا پلیٹ فارم مہیا کر کے یقیناً مجھ سے اپنی بے پایاں محبت کا ثبوت دیا ہے میں اس مہربانی پر محترم برادر کا دل سے مشکور ہوں۔

اس سے پہلے میرا ناول ''میرا عشق فرشتوں جیسا'' آپ لوگوں کی نظروں سے گزرا اور ہمیشہ کی طرح آپ کی رہنمائی اور اصلاحی آرا نے اس کو جو پذیرائی بخشی ہے میں اس محبت کا جواب دینے کے لیے ایک بار پھر ''شیشے کا گھر پتھر کے لوگ'' لے کر حاضر ہونے کی جسارت کر چکا ہوں۔

میری ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ میں مختلف موضوعات پر لکھنے کی کوشش کروں اور آپ لوگوں کی قیمتی آراء مجھے یہ بتاتی رہتی ہیں کہ میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

آج کل ٹی وی پر دکھائے جانے والے ڈرامے یکسانیت کی وجہ سے اپنا معیار یقیناً برقرار رکھنے میں ناکام نظر آنے لگے ہیں۔ کیونکہ بھارتی چینلز کی یلغار سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے نئے اور اچھوتے موضوعات کی ضرورت ہے جو ہمارے معاشرے کی ثقافت کو اجاگر کرتے ہوئے حقیقت کے قریب تر ہوں۔

اس ناول میں میں نے کوشش کی ہے کہ برائی کو ختم کرنے کے لیے برائی کی ہی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ہم میں سے اگر ایک شخص غلط اور بُرے کام کو چھوڑنا چاہے تو ہمیں اس کی مدد اور رہنمائی ضرور کرنا چاہیے۔ طوائف اور یا استاد ان دو ایسے کردار ہیں جن کی موجودگی سے ہی ہمارا معاشرہ بگاڑ اور سدھار پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دونوں ہی اپنا اپنا منفی کردار نبھا کر اس معاشرے کی خدمت کے دعویدار ہیں۔

میں نے اس ناول میں ایک طوائف زادی کا ذکر کیا ہے جو اپنے ماحول سے فرار چاہتی ہے اس کی نیت کو دیکھتے ہوئے تقدیر بھی اس کی مدد کرتی ہے اور اس کو ایک مضبوط سہارا میسر آ جاتا ہے۔ لیکن قدم قدم پر اس کا داغدار ماضی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اس کی مستقل مزاجی اور قوت ارادی اپنے ماضی کو شکست دینے کے لیے قرآن کریم کا سہارا لیتی ہے تو اس کا انسانی سہارا رویتی بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو واپس اسی دلدل میں دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس طوائف زادی نے قرآن کریم کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی اولاد کو بھیک مانگ کر کھانا کھلایا لیکن اس بازار کا رُخ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اپنے ہی گھر اور خاندان کی عزت کو نقب لگانے والی ایسی لڑکی کی عبرت ناک داستان بھی آپ کو چونکا دے گی۔ کیونکہ محبت کے نام پر لٹنے والی دوشیزہ مکافاتِ عمل کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی کوئی غلطی تھی کہ اس کا ماضی اس کو سزا دینے کے لیے اس کا حال بن کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

دل و جان سے بڑھ کر کسی کو چاہنے والی خوبرو حسینہ سے محبت نے ایسا تاوان وصول کیا کہ وہ شک کے زہریلے تیر کا ایسا شکار بنی کہ اس کو طلاق جیسے سہرے کو اپنے ماتھے پر سجانا پڑا لیکن کوئی اس کو اس سے بھی بڑھ کر چاہتا تھا۔ وہ اپنی محبت کا پیرہن لے کر اس کے بے رنگ اور محبت سے خالی بدن کو لپیٹنے کے لیے چلا آیا۔ کیا اس کی محبت میں سچائی تھی یا محض دکھاوا ہی تھا؟

بنتے بگڑتے رشتوں کی بساط پر پھیلے ہوئے نفرت محبت اور پیار کے ساتھ ساتھ سازشی اور مکار وعیار پیادوں اور بادشاہوں کی کہانی آپ کو ورطہ حیرت میں ضرور مبتلا کر دے گی۔ سسپنس اور تجسس کو برقرار رکھتے ہوئے میں نے خود بھی ایک قاری بن کر اس کتاب کا انتظار کرنا شروع کر دیا ہے۔

اس کے بعد میرا ناول ''پرندے کیوں نہیں آتے'' بھی اسی ادارہ سے شائع ہو گا نام کی طرح کہانی بھی سسپنس سے لبریز ہے اس کے بارے میں اگر میں کچھ کہوں گا تو اس کہانی کا مزہ ہی کرکرا ہو کر رہ جائیگا۔ اس لیے اس ناول کو پڑھ کر اپنی قیمتی آرا کا ضروری سلسلہ مجھ سے ضرور جاری رکھیں جیسا کہ اس سے پہلے آپ نے مجھ پر اپنی جتنی بھی محبتیں نچھاور کی ہیں میں ان محبتوں کو گنگنا دوں تک ہی محدود سمجھتا رہتا لیکن آپ کے شوق نے مجھے گیلے پتھر لکھنے پر مجبور کیا تو میں کانچ کا مسیحا بن کر کاغذ کی کشتی میں سوار ہو کر تاوان عشق ادا کرتا ہوا عین شین قاف کا ایسا اسیر بنا کہ آپ لوگ مجھے موم کا کھلونا سمجھنے لگے حالانکہ میں تو کاغذ اور قلم کی طرح ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند ایک ہی جگہ رک گیا کیونکہ مجھے آپ سب کی پُرخلوص محبتوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یہ ضروری کہنا تھا کہ میں آپ کے لیے لکھتا رہوں گا کیونکہ میرا عشق فرشتوں جیسا ہے۔ بے شک آج میں شیشے کے گھر میں پتھر کے لوگ دیکھ رہا ہوں جو اس بات کے منتظر ہیں کہ اب پرندے کیوں نہیں آتے جو اپنی چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں لے کر کفار کی فوج کو نیست و نابود کر دیتے تھے اور اللہ کی فوج بن کر ہر معاملے اور ہر عشق امتحان میں لبیک اے عشق کہتے ہوئے باعزت سرخرو ہوتے رہے ہیں۔

اُمید کرتا ہوں کہ آپ کو میری یہ تحریر بھی پہلی تحاریر کی طرح پسند آئیگی اور میں آپ کی محبتوں کا منتظر رہوں گا۔ آپ فیس بک پر لکھ کر سرچ کر سکتے ہیں۔ www.facebook.com/fayyaz.urdunovelist

میں آخر میں ریت (وی آر گنائزرز ڈرامیٹک اینڈ آرٹ سوسائٹی) کا بے حد مشکور ہوں جن کی محبتوں کی بدولت لوگ مجھے آج آرٹ کی دُنیا میں بھی جانتے ہیں۔

مخلص

محمد فیاض ماہی

http://kitaabghar.com

ناشتے کی میز پر نعمان ایزد کی پوری فیملی جمع تھی جو کہ اس عظیم الشان محل کے سربراہ کی آمد کی منتظر تھی ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ گھر کے کسی فرد نے ان کے بغیر ناشتہ کیا ہو۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ اگر کسی کو جلدی جانا ہو تو وہ بغیر ناشتہ کیے ہی جا سکتا تھا یہ اس محل کا سنہری اصول تھا اور اس اصول کے موجد خود نعمان ایزد تھے۔ جن کی بارعب شخصیت اور پرجلال لب ولہجہ نے گھر کے ہر فرد پر اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی بلکہ ان کے سیاسی مخالفین بھی ان کی رعب دار اور قد آور شخصیت سے متاثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج تک جتنے بھی الیکشن لڑے تھے ان سب میں کامیاب بھی ہوئے تھے بلکہ اپنے مخالف کو کئی ہزار ووٹوں سے شکست دے کر مخالف پارٹیوں کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ ان کے مقابلے میں اب کوئی بھی الیکشن لڑنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ کئی ایکٹر پر محیط اس محل میں کئی نوکر چاکر کام پر لگے رہتے تھے لیکن ان سب میں اگر کسی ملازم نے اپنا مقام بنایا تھا تو وہ تابی تھا۔ شرارتی چلبلا اور پھرتیلے بدن کا نوجوان چند ہی دنوں میں ان سب کے دلوں میں گھر کر گیا تھا۔

''کیسی جا رہی ہے آپ کی ماڈلنگ..... بواء'' حارث نے جہان اور کنواری اقصیٰ کو چھیڑا جو کہ نعمان ایزد کی اکلوتی اور چھوٹی بہن تھی اور ملک کی نامور ماڈل بھی تھی آج کل کمرشل اور دیگر ضروری تقریبات میں اقصیٰ کے حسن کے چرچے تھے اور اس کی اداؤں کا ہی طوطی بولتا تھا۔

''حارث!'' اقصیٰ مصنوعی طور پر برا منانے والے انداز میں بولی۔ ''تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ مجھے بوا مت کہا کرو..... جسٹ کال می اقصیٰ۔''

شمعون اور مطربہ کا قہقہہ سن کر جہان آراء نے غصیلی نظروں سے بچوں کی طرف دیکھا تو وہ یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

''سوری مام!'' شمعون بولا۔ ''بھائی تو اقصیٰ بواء کو یونہی چھیڑتے رہتے ہیں اور بواء ہیں کہ.....''

''حارث۔ شمعون اور مطربہ تم تینوں کان کھول کر سن لو.....'' اقصیٰ کا انداز اور اس کے ہاتھ کی اٹھی ہوئی انگلی یہ بتا رہی تھی کہ کوئی نہ کوئی حکم صادر ہونے والا ہے۔ لہٰذا تینوں ہی ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''آج کے بعد تم صرف مجھے اقصیٰ پکارا کرو گے..... جسٹ اقصیٰ سمجھ.....'' اقصیٰ نے اپنے باپ کا نام ساتھ جوڑتے ہوئے کہا تو حارث کی ہنسی نکل گئی اور وہ بولا۔

''ٹھیک ہے اقصیٰ سمجھ..... لیکن آج کے بعد سے ہی کہنا ہے نا؟..... تو پھر ٹھیک ہے بواجی۔''

''بھابی..... اپنے اس لخت جگر کو سنبھال کر رکھیں ورنہ یہ مجھ سے کس دن پٹ جائیگا۔'' اقصیٰ کا بھی موڈ خوشگوار تھا وہ بھی جانتی تھی کہ حارث جیسا سمجھا ہوا سمجھدار اور باشعور کاروباری بندہ صرف اس کو تنگ کر رہا ہے اس نے بھی سرسری سے لہجے میں جہان آراء سے شکایت کرتے ہوئے وارننگ دی تھی اور جہان آراء اس کی وارننگ پر بیٹے کو صرف گھور کر رہ گئیں کیونکہ نعمان ایزد آ رہے تھے۔

نعمان ایزد کا رکھ رکھاؤ ان کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا اور بہترین لباس کا چناؤ اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ ان کو اپنی شخصیت میں

http://kitaabghar.com

آج بھی لڑکپن اور نوجوانی کو زندہ رکھنا ہے اور اس کو زندہ رکھنے کے لیے جن جن لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعمان ایزدان کو پورا رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بڑے بیٹے حارث جیسے ہی ڈیشنگ اور چارمنگ نظر آئے تھے۔ بلکہ کبھی کبھار تو ان کا خوشگوار موڈ دیکھ کر حارث یہ تک کہہ دیتا تھا کہ بابا جان لگتا ہی نہیں کہ آپ تین تین جوان بچوں کے باپ ہیں۔ جواب میں نعمان ایزد مسکرا کر رہ جاتے تھے۔

''السلام علیکم بابا جان۔'' نعمان ایزد کے اپنی کرسی پر بیٹھنے سے پہلے ہی تینوں نے مسکراتے ہوئے ان کو سلام کیا تو نعمان ایزد نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ہمیشہ کی طرح ناجی نے ان کے سامنے تازہ اخبار رکھ دیا۔ ناشتہ شروع ہو گیا تھا اور جہان آرا بیگم نے ایک مگ میں چائے ڈال کر ان کے سامنے رکھی اور دو سلائس پر جام لگا کر ایک پلیٹ میں رکھ کر ان کے سامنے رکھا تو نعمان ایزد نے اخبار سے نظریں ہٹا کر چائے کا مگ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا اور مزیدار چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے بولے۔

''میرا خیال ہے کہ اس کو کچھ زیادہ ہی دیش بھگتی کی عادت ہے؟''

''آپ انکل بصیر احمد کی بات کر رہے ہیں بابا جان؟'' حارث کی ہی اتنی جرأت تھی کہ کوئی بات ان سے پوچھتا یا سوال کرتا۔ گھر میں کوئی اور فرد اتنی طاقت نہ رکھتا تھا کہ نعمان ایزد کی بات کو رد کرتا یا پھر ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا۔ جہان آرا بیگم ایک این جی او چلا رہی تھیں اور اس میں بھی نعمان ایزد کی مرضی شامل تھی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ عورتوں کی این جی اور ایکشن میں ان کی کمپین چلانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور ان کا خیال سو فیصد درست بھی تھا اور وہ اس سے فائدہ بھی اٹھا چکے تھے اور مستقبل میں بھی ان کے ارادے ایسے ہی تھے۔

نعمان ایزد اتنی دیر میں سلائس کا ٹکڑا منہ میں ڈال چکے تھے وہ صرف سر ہلا کر رہ گئے تو حارث مسکراتا ہوا بولا۔

''بابا جان! آپ کی دوستی تو مثالی ہے.....''

''ہاں بھئی وہ میرا بچپن کا دوست اور پھر کلاس فیلو بھی ہے ہم نے بہت سا وقت اکٹھے ہی گزارا ہے۔'' نعمان ایزد آج خوشگوار موڈ میں لگ رہے تھے۔ ''ہم آج بھی پرانے وقت کو یاد کرنے کے لیے مہینے میں ایک آدھ بار کسی نہ کسی پوائنٹ پر ملتے ہیں اور پرانی یادیں تازہ کرتے ہیں۔

''یہ تو اچھی بات ہے بابا جان۔'' ناشتہ کیا گیا تو حارث نے اٹھنے کے لیے اپنی کرسی کھسکائی تو نعمان ایزد اس سے مخاطب ہوئے۔

''کینیڈا کب جا رہے ہو؟'' وہی دبنگ لہجہ اور بارعب آواز لیکن لگتا ہی نہ تھا کہ ایک باپ نے یہ بات اپنے جوان بیٹے سے پوچھی ہے بلکہ انداز ایسا تھا کہ دو دوست آپس میں گفتگو کر رہے ہیں لیکن انتہائی میچور اور سلیقے سے چنے جانے والے الفاظ یہ ظاہر کرتے تھے کہ تعلق دوستی کا نہیں بلکہ تقدس اور احترام کا ہے۔

''اگلے ہفتے بابا جان۔'' اس بار حارث کی نظریں اخبار کی مین سرخی پر تھیں اور وہ بھی زیر لب مسکرا دیا تھا کیونکہ جسٹس بصیر احمد نے اس بار کی اسمبلی کو برا بھلا کہا تھا اور اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ نعمان ایزد نے بصیر احمد کے بارے میں دیش بھگت کا لفظ کیوں استعمال کیا تھا۔

http://kitaabghar.com

''جس پارٹی نے تمہارا ایڈوانس واپس کیا تھا ان کا کیا ہوا؟'' نعمان ایزد اپنے معمولات سے ہٹ کر حارث اقصیٰ، شمعون اور مطربہ کی ایکٹویٹی پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔

''ان سے ہر قسم کا کاروباری تعلق ختم کر دیا ہے بابا جان۔'' حارث کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

''گڈ..... باپ کی طرح مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے کام کرو گے تو کامیابی تمہارے قدموں میں بچھ جائیگی اور.....؟''

حارث کو ان کا خاموش ہو جانا کھٹکنے لگا تو وہ بول پڑا۔

''اور کیا بابا جان؟'' نعمان ایزد نے اخبار ایک طرف رکھا اور اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ تو سب ہی ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔

''اور یہ کہ دنیا کو اپنے قدموں میں جھکانے کا فن بھی جان جاؤ گے۔'' نعمان ایزد وہاں سے باوقار انداز میں چلتے ہوئے چلے گئے تو جہان آرا بیگم ان سب کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔ کیونکہ ان چاروں کی نظریں اسی طرف تھیں جدھر ابھی ابھی نعمان ایزد گئے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے ناجی جا رہا تھا۔

نعمان ایزد نے اپنا نام اور مقام بنانے کے لیے بہت محنت کی تھی اور ان کا نام سیاسی حلقوں میں احترام سے لیا جانا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنی عزت کروانا جانتے ہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر شمعون اور مطربہ اپنی اپنی گاڑی میں کالج کی جانب روانہ ہو گئے جبکہ حارث اپنے آفس کے لیے نکل گیا۔

اور اقصیٰ اپنے لیپ ٹاپ پر ای میلز چیک کرنے اور ان کے جواب دینے میں گم ہو گئی۔ لیکن جہان آرا بیگم کچھ بے چین دکھائی دے رہی تھیں وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگیں تو اقصیٰ بول پڑی۔

''کیا بات ہے بھابی جان۔ کوئی پریشانی ہے؟'' جہان آرا بیگم خاصے رکھ رکھاؤ والی عورت تھیں وہ بھی نعمان ایزد کو اپنی این جی او سے خاصی سپورٹ کرتی تھیں اور اچھے سیاسی گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ ان کا بھائی سیاسی پارٹی کا چیئرمین تھا اور ملک کی بھاگ ڈور سنبھالنے میں اس کا اچھا خاصا ہاتھ تھا۔

''مجھے ایک فکر لاحق ہے اقصیٰ۔'' جہان آرا بیگم اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں تو اقصیٰ نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوئی بولی۔ ''میں آپ کی کچھ ہیلپ کر سکتی ہوئی بھابی؟''

''تم ہی تو میری بہترین اور مخلص دوست ہو۔'' جہان آرا بیگم بظاہر اپنی پریشانی چھپاتی ہوئی مصنوعی مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولیں۔

''تو پھر بے فکر ہو کر کہہ دیجیے، کیا پرابلم ہے؟''

''مجھے یقین نہیں ہے لیکن شک ہے صرف۔'' جہان آرا گومگو کی حالت میں تھیں۔

''اگر صرف شک ہے تو نہ کہیں رہنے دیں۔'' اقصیٰ کا انداز عامیانہ تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تمہارے بھائی جان نے دوسری شادی کر لی ہے۔'' جہان آرا بیگم دل کی بات زبان پر لائیں تو اقصیٰ ان کی

http://kitaabghar.com

طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے بھابی؟''

''اُن کا ویل ڈریس رہنا اور کئی کئی دن گھر سے غائب رہنا۔'' جہان آرا کو بھی معلوم تھا کہ اس کی بات میں کتنا وزن ہے۔ اقصیٰ کے زوردار قہقہے نے ان کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی تھی وہ اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگیں۔

''بھابی جان!'' اقصیٰ ایک خاص ادا سے بولی تھی اس کا لہجہ خالصتاً گرلز جیسا تھا۔ ''آپ کو بھائی جان پر شک نہیں بلکہ رشک کرنا چاہیے.....'' یہ بات شاید جہان آرا کی سمجھ میں نہ آئی تھی ان کی آنکھوں میں استفسار دیکھ کر اقصیٰ پھر بولی۔

''بھائی جان اس ملک کے نامور سیاستدان ہیں۔ اس ملک کی ترقی میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور پھر وہ جس سیٹ پر ہیں وہاں ان سے کوئی نہ کوئی غیر ملکی سفیر ملنے آتے ہی رہتے ہیں۔ اور آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کے میاں آج بھی نیک ہیں کہ کوئی بھی لڑکی ان کی پرسنالٹی دیکھ کر ان پر فریفتہ ہو سکتی ہے۔'' اقصیٰ سمجھ گئی تھی کہ جہان آرا بیگم ایک عورت ہونے کے ناطے اپنے خوبصورت اور ہینڈسم شوہر کے بارے میں فکر مند رہتی ہیں حالانکہ وہ پڑھی لکھی اور باشعور عورت تھیں لیکن عورت کے اندر بھی جو ایک عورت ہوتی ہے وہ ان کو چین سے نہ رہنے دیتی تھی۔

اقصیٰ اپنے تئیں ان کو مطمئن کر کے چلی گئی تھی لیکن جہان آرا بیگم اپنے شک کو اپنے ساتھ لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

وہ اپنی این جی او کی بلا شرکت غیرے مالک تھیں اور ان کی این جی او میں کافی ممبرز موجود تھیں ایسی تھیں جو کہ کافی امیر کبیر گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن جہان آرا بیگم کا ہر لحاظ سے پلڑا بھاری تھا۔ اور وہ اسی غرور میں ہی رہتی تھیں۔

حارث نعمان اپنے ذوق اور شوق سے مجبور تھا یہی وجہ تھی کہ وہ آفس جانے سے پہلے ہر روز شہر کے مشہور بک پوائنٹ پر ایک نظر ضرور مارتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو رک کر کئی اچھی کتب بھی خرید لیتا تھا وہ ملک سے اکثر باہر جاتا رہتا تھا تو اس کے بیگ میں اچھی اچھی کتب ضرور ہوتی تھیں کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ یورپ اور امریکہ کینیڈا کے دوروں پر جو تھکان ہوتی ہے وہ اس تھکان کو اچھی کتب سے دور کرتا ہے اور اسی مطالعہ نے اس کو بہت سی معلومات بھی فراہم کی تھیں جن کی بدولت وہ کسی بھی موضوع پر بہترین اور سیر حاصل گفتگو کر سکتا تھا اور دوسرے لوگ اس کی باتیں سن کر عش عش کرتے تھے۔ عرفان صدیقی اپنے اچھے گاہک کو اچھی طرح پہچانتا تھا یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی حارث دکان میں داخل ہوا تو عرفان صدیقی نے اُسے ہونٹوں پر مسکان سجاتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

''کیسے ہیں صدیقی صاحب!'' حارث کا لہجہ اور انداز ٹھہرا ہوا تھا۔

''آپ جیسے مخلص دوستوں کی دعائیں ہیں جناب۔'' عرفان صدیقی کا انداز کاروباری طرز کا نہ تھا بلکہ وہ بھی حارث کے سٹیٹس کو اچھی طرح جانتے تھے۔

''کوئی نئی کتب آئی ہیں تو بتا دیں.....'' حارث نعمان نے پوچھا تو صدیقی کے ایک جانب اشارہ کرنے پر وہ تین چار ریک چھوڑ

http://kitaabghar.com

کرایک ریک کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ صبح صبح کا وقت ہونے کی بنا پر دکان میں رش کم تھا لیکن حارث نے ایک بات محسوس کی تھی کہ گاہکوں میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ زیر لب مسکرایا کیونکہ لڑکیوں نے ہمیشہ ہی لڑکوں پر تعلیمی میدان میں سبقت حاصل کی تھی اور یہ سبقت کتاب دوستی کی مرہون منت تھی۔

''ایکسکیوزمی!'' مترنم آواز سن کر وہ اپنے پیچھے دیکھنے کے لیے گھوما تو پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ چاندنی چاند سے بغاوت کر کے زمین پر اتر آئی ہو۔ نرگسی آنکھوں اور یاقوتی ہونٹوں والی چاندنی کی ستواں ناک اور گلابی گالوں نے اس چاندنی کا حسن اس طرح دوبالا کر دیا تھا کہ تقدیر نے اسے حور کے روپ میں زمین پر بھیج دیا تھا۔ وہ ایک کتاب ہاتھوں میں پکڑے حیران و پریشان حارث نعمان کو دیکھ رہی تھی جو اس کے سراپا میں ہی کھو گیا تھا اور یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور اس کا سٹیٹس کیا ہے؟

''وہ پھر گویا ہوئی۔'' کیا آپ راستہ دینے کی زحمت کریں گے؟'' یاقوتی ہونٹ پھڑ پھڑائے تو وہ یکدم چونکتا ہوا ایک طرف ہو گیا اس کے تفنوں میں الفاظ اور لہجے کی خوشبو اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ وہ اندر کو کھینچا ہوا سانس باہر کو چھوڑنا بھول گیا۔

''جی سوری..... پلیز۔'' وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ چاندنی نما حور اس کے پاس سے گزر گئی۔ وہ بادِ صبا کی طرح اس کے وجود کو مہکاتی ہوئی آگے کی جانب بڑھ چکی تھی اور حارث نعمان ہونق بنا ابھی تک اس راہ کو ہی دیکھ رہا تھا جو راہ اس کے لیے بھی تھی لیکن وہ پیچھے جانے کی جرأت نہ کر سکا۔

☆.....☆.....☆

ریشم نے ایاز کی شرٹ پریس کر کے اس کو پکڑائی اور بولی۔ ''کم از کم ایک شرٹ ہی خرید لو ایاز۔''

ایاز مسکراتا ہوا بولا۔ ''آپی جی..... آپ کو معلوم ہی تو ہے کہ میں فضول خرچی پسند نہیں کرتا۔'' وہ شرٹ پہن کر کتابیں اُٹھائے کالج جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ صائمہ کے کمرے میں اس کو سلام کرنے جانے لگا تو وہ چہرے پر ماتا کا لمس اور ہونٹوں پر دعاؤں کا ورد کرتی ہوئی باہر ہی آ گئی۔

''میں کالج جا رہا ہوں امی جی..... خدا حافظ۔'' صائمہ نے محبت کی مہر اس کی پیشانی پر ثبت کی تو ایاز نے محبت سے آنکھیں بند کر لیں اور اس بوسے کی محبت بھری مہک اور احساس کو محسوس کرتا ہوا اپنی سانسوں میں فرحت اور تازگی کی لہر کو سموتا ہوا بولا۔

''اے اللہ میری ماں کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھنا۔''

صائمہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''خیر سے جاؤ اور خیر سے آ بیٹا۔'' صائمہ نے اس کو دعاؤں کی چھاؤں میں رخصت کیا اور پھر ریشم سے مخاطب ہوئی۔ ''ہاں اب بتاؤ کیا ہوا تمہاری نوکری کا؟''

''کچھ نہیں امی.....'' ریشم بے زاری سے بولی تھی۔ ''وہی گھسی پٹی باتیں تجربہ کتنا ہے تعلیم کتنی ہے؟ وہی سوال بے ہودہ نظریں .....وغیرہ وغیرہ۔'' صائمہ اس کا جواب سن کر ہنسنے لگی اور بولی۔

http://kitaabghar.com

''تم فکر نہ کرو..... میں جج صاحب سے بات کروں گی۔'' وہ باہر جاتی ہوئی دروازے میں کھڑی ہوگئی اور پیچھے مڑتی ہوئی کہنے لگی۔'' دروازہ بند کرلو..... میں شاید آج دیر سے آؤں؟''

''وہ کیوں امی جی؟'' ریشم کا فطری سوال اور لہجہ پریشان بھی تھا۔

''پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے آج عدالتوں سے کچھ مہمان آنے ہیں اُن کے لیے کھانے تیار کرنا ہیں۔'' یہ کہہ کر صائمہ باہر نکل گئی تو ریشم نے آگے بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کر کے کنڈی لگائی تو یک دم ٹرین کی تیز آواز نے اس کو ڈرا دیا وہ چونک کر خود ہی ماتھے پر ہاتھ مارتی ہوئی بڑبڑائی۔

''پتہ نہیں کب اس جگہ سے جان چھوٹے گی۔'' وہ کمرے کے دروازے سے اندر بڑھی اور کھڑکی سے اس گزرنے والی ٹرین کو دیکھنے لگی جو دوسرے کوارٹرز کی طرح ان کے کوارٹر کے سامنے سے بھی گزرتی تھی کیونکہ وہ اس وقت ریلوے کوارٹرز کالونی کے ایک کوارٹر میں رہائش پذیر تھے۔

ریشم ایاز سے بڑی تھی اور اپنی تعلیم مکمل کر چکی تھی صائمہ نے دن رات لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے اس کو اس کی خواہش پر اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ صائمہ نے کئی کئی فاقے کر کے اپنے دونوں بچوں کو پڑھانے کا جو بیڑہ اُٹھایا تھا اس میں وہ نصف کامیاب ہوئی تھی ابھی ایاز کی تعلیم کے کافی مراحل باقی تھے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری تھی۔ اور اپنے کام میں مصروف تھی۔ دونوں بچوں کو معلوم تھا کہ ان کی ماں ہی ان کا باپ بھی ہے کیونکہ دونوں نے ہی اپنے باپ کی شکل نہ دیکھی تھی کیونکہ صائمہ نے ان کو بتایا تھا کہ ان کا باپ انتقال کر چکا ہے۔

ریشم اور ایاز نے اس کی امیدوں کو تر و تازہ رکھا تھا اور دل لگا کر پڑھائی کی تھی اور اچھے نمبروں سے پاس ہو کر تعلیمی سیڑھیوں کو پار کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا تھا کہ تعلیم حاصل کرنا صرف امیروں کا ہی نہیں بلکہ غریبوں کا بھی حق ہے اور وہ اپنے حق کی خاطر بھوک اور فاقے بھی کاٹ سکتے ہیں۔

ایاز جیسے ہی کالج کے گیٹ سے اندر داخل ہوا تو اس کے کلاس فیلوز اور دیگر سٹوڈنٹس اِدھر اُدھر بکھرنے لگے ان کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایاز سے کنی کترا رہے ہیں۔ لیکن شمعون ہی واحد تھا جو کھڑا رہ کر اس کو دیکھتا رہا اور مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا تو ایاز بھی مسکراتا ہوا کترا کر جانے والے کلاس فیلوز کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تم کیوں نہیں گئے ان کے ساتھ؟''

''کیونکہ میں اُن کے ساتھ نہیں ہوں.....'' شمعون نے ایاز کے لہجے کا دُکھ محسوس کر لیا تھا۔ ''میں تمہارے ساتھ ہوں ایاز..... اپنے دوست کے ساتھ ہوں۔''

''غریب اور امیر کی دوستی کب تک چل سکتی ہے؟'' ایاز اس کا ہاتھ پکڑ کر گراؤنڈ میں آ گیا تھا۔ شمعون اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

http://kitaabghar.com

''جب تک تم چاہو گے.....تب تک یہ دوستی قائم رہے گی.....لیکن آج میں تمہارے گھر ضرور آؤں گا۔''

''ایاز کی ہنسی یکدم ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ اس نے شمعون کو کبھی بھی یہ نہ بتایا تھا کہ وہ ریلوے کوارٹرز میں رہتا ہے۔ اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ غریب ہیں اور ایک اچھے صاف ستھرے مکان میں رہتے ہیں۔ ان کی ماں نے ایک اکیڈمی بنا رکھی ہے جس میں وہ بچیوں کو پڑھاتی ہے۔ ایاز بھی ان کی مدد کرتا ہے اور اس طرح گھر کا نظام چلتا رہتا ہے۔ لیکن کئی بار اصرار پر بھی ایاز نے یہ نہ بتایا تھا کہ وہ یتیم ہیں۔ بلکہ یہی بتایا تھا کہ ان کا باپ ایک فیکٹری میں ملازم ہے۔ ان سب باتوں کو شمعون سے چھپانے کا مطلب یہی تھا کہ کہیں امیر کبیر شمعون یہ نہ سمجھ لے کہ ایاز اپنی غربت کا رونا رو کر اس سے کچھ مالی فوائد چاہتا ہے۔''

شمعون جس کلاس اور سٹیٹس سے تعلق رکھتا تھا اس میں اتنا ٹائم ہی نہ ملتا تھا کہ وہ ایک کلاس فیلو کے بارے میں اتنی گہرائی تک جائے کیونکہ وہ جس کالج میں پڑھ رہے تھے وہاں کی فیس کافی تھی اور یہ فیس صائمہ نے اپنے زیور بیچ کرادا کی تھی اور کچھ بچا لیے تھے تاکہ ایاز اپنا خواب پورا کر سکے اور اس معاشرے کا باشعور اور اچھا شہری بن کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

''کیا ہوا کس سوچ میں پڑ گئے ہو بابا؟'' شمعون نے ایاز کو سوچ میں ڈوبے ہوئے دیکھا تو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا تو ایاز بھی چونک کر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''میرا خیال ہے کہ پڑھائی شروع ہوگئی ہے چلیں؟'' وہ شمعون کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تو شمعون مسکراتا ہوا اس کے پیچھے چل پڑا اور زیر لب بڑبڑایا۔ ''میں خود ہی آ جاؤں گا تمہارے گھر۔''

شمعون کو نہ جانے کیوں اس بات کی ٹوہ لگی تھی کہ وہ اپنے سب سے بہترین دوست کے گھر جائے اور معلوم کرے کہ وہ اس شہر کے کس علاقے میں رہتا ہے۔ اس کے ابو کس جگہ کام کرتے ہیں۔ کیونکہ شمعون نے کئی بار کہا تھا کہ وہ اپنے بابا جان سے کہہ کر ایاز کے ابو کو اچھی ملازمت دلوا دیتا ہے۔ لیکن پُراسرار طور پر ایاز نے ہر بار ہی منع کیا تھا۔ یہی تجسس شمعون کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ ایاز کے بارے میں مکمل معلومات جمع کرے۔ وہ اس وقت ایاز کے پیچھے چلتا ہوا کلاس روم میں داخل ہو گیا۔

ایاز کلاس بھر میں لائق تھا کیونکہ اس کے گھر میں کمپیوٹر اور دیگر ایسے لوازمات نہ تھے جن کی بدولت امیروں کے بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اس کے گھر میں صرف ٹیلی ویژن تھا وہ بھی کبھی کبھار نیوز دیکھ لیتا تھا باقی اس کو کسی بھی ڈرامے یا پروگراموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ زیادہ تر توجہ اپنی تعلیم پر دیتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ کلاس میں لائق فائق تھا اور انگلش کے پروفیسر جمیل سراج تو اس کے دیوانے تھے اور کہا کرتے تھے یہ لڑکا ہے اس کی ذہانت کی قدر کرنے کے لیے اس کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ وہ بھی جمیل سراج صاحب سے اپنے دل کی باتیں کر لیتا تھا اس نے تمام حالات و واقعات سے جمیل سراج کو آگاہ کر رکھا تھا اور وہ رشک بھری آنکھوں سے اس کو دیکھا کرتے تھے کیونکہ وہ بن باپ کے جس مقصد کے لیے تعلیم حاصل کر رہا تھا وہ قابل قدر تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی ماں اب لوگوں کے گھروں میں کام کاج نہ کیا کرے وہ حج کرے اور سکون سے باقی زندگی گزارے۔ اس نے جمیل سراج سے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی اچھی سی ٹیوشن کا انتظام کر دیں تا

http://kitaabghar.com

کہ گھر کے اخراجات کا بوجھ کچھ تو کم ہو سکے اور اس طرح ایاز بھی مصروف ہو جائے گا۔ جمیل سراج نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے لیے کسی اچھے سے کھروں میں ٹیوشن کا انتظام کروا دیگا۔ لیکن ابھی تک کوئی بھی انتظام نہ ہو سکا تھا اور اب تو ایاز نے بھی ان سے پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن وہ دن رات صائمہ کو مصروف دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا۔ اس کی یہی خواہش تھی کہ وہ اب صائمہ کو آرام کروائے کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ صائمہ کے ہاتھوں کی لکیریں بھی اب گھس گئی تھیں اس بات کا دکھ اور پھر اب ریشم آپی کی شادی بھی اس کی ذمہ داری تھی وہ دن رات کی اس پریشانی میں اپنی تعلیم پر توجہ دینا نہ بھولا تھا۔

اُسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں کسی نہ کسی دن شمعون اس کا پیچھا کرتا ہوا اس کے گھر تک نہ پہنچ جائے پھر اس کا پول کھل جانا تھا اور اس کی دوستی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی اور شمعون جیسے دوست کا اس سے ناراض ہو جانا اس کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا کیونکہ پورے کالج میں کوئی بھی اس سے دوستی کرنے کو تیار نہ تھا۔ ایاز کا خیال تھا کہ جب تک کالج میں رہنا ہے شمعون جیسے دوست کی دوستی غنیمت ہے کیونکہ وہ اس سے پیار کرتا تھا اور امیر ہونے کے باوجود بھی اس سے دوستی نبھا رہا تھا۔

☆☆☆

جسٹس بصیر احمد آج کافی خوش نظر آ رہے تھے کیونکہ ان کے اکلوتے بیٹے انصر احمد کی سالگرہ تھی ویسے تو بصیر احمد ان رسموں کے قائل نہ تھے لیکن بیٹا پولیس فورس میں ایس پی تھا اور اس کی مانا بھی ضروری تھا کیونکہ وہ پچیس برس کی عمر کا وہ نوجوان تھا جو ایس پی کی عہدے پر فائز تھا اور ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا ہوا ترقی کی منازل پر گامزن تھا اور پھر جسٹس بصیر احمد اپنی بیگم ثانیہ سے بھی بے پناہ محبت کرتے تھے ان کی فرمائش اور دو خوبصورت کلیوں جیسی بیٹیوں کی فرمائش بھی پوری کرنا ضروری تھا۔

بصیر احمد کی بڑی بیٹی جویریہ اور چھوٹی بیٹی ہدیقہ تھی دونوں بیٹیاں اور انصر احمد، بصیر احمد اور ثانیہ بیگم کی جان تھے اور فرمانبرداری میں بھی ان تینوں بچوں نے مثالیں قائم کر دی تھیں۔ والدین کی اطاعت اور محبت کی زندہ مثالیں دونوں بیٹیاں اور بیٹا تھا۔ پھر جسٹس بصیر احمد نے بھی کبھی ان کی خواہشات کو رد نہ کیا تھا بلکہ ہمیشہ یہی کوشش کی تھی کہ بچوں کو کسی بھی چیز کی کمی نہ ہو اور ابھی تک تو وہ اس میں کامیاب ہی رہے تھے۔

انصر باپ کی طرح ایماندار اور ہونہار تو تھا ہی لیکن جوانی اس پر دیوانوں کی طرح فدا تھی وہ بصیر احمد سے بھی دراز قد اور سمارٹ تھا۔ پورے گھر کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا گھر کے باہر باوردی سکیورٹی گارڈز کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں کیونکہ گاڑیوں کی چیکنگ اور ان کی پارکنگ اس طریقے سے کروانا تھی کہ واپسی پر کسی بھی مہمان کو کوئی دقت نہ ہو اور متعلقہ افراد اس کام کو چابکدستی اور مہارت سے انجام دے رہے تھے۔

جسٹس بصیر احمد ایماندار اور کامیاب جج تھے ان کے کیریئر پر کرپشن کا کوئی بھی داغ نہ تھا یہی وجہ تھی کہ میڈیا اور عدالتوں میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا تھا ان کے دوستوں کے ساتھ ساتھ رشتہ دار اور میڈیا کے لوگ بھی مدعو تھے۔ جج صاحب نے اپنی کوٹھی کے وسیع ترین لان میں ہی انتظام کر رکھا تھا کیک تیار تھا تقریباً سبھی مہمان بھی آ چکے تھے اب انتظار تھا تو وی آئی پی شخصیت جناب انصر صاحب کا ہی تھا جو کہ گزشتہ دو گھنٹوں سے اپنے کمرے میں تیار ہونے کے مراحل سے گزر رہا تھا۔

http://kitaabghar.com

ثانیہ بیگم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے وہی آواز "امی جی صرف پانچ منٹ اور" پھر بیس منٹ گزر گئے تو بصیر احمد نے ثانیہ بیگم کو اشارہ کیا کہ وقت کافی ہو رہا ہے مہمانوں نے واپس بھی جانا ہے اور کیک کاٹنے کے بعد ابھی کھانے کا بھی اہتمام تھا۔ جویریہ اور انیقہ اپنی اپنی دوستوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں جبکہ بصیر احمد بھی مہمانوں میں گھرے ہوئے تھے۔ سب کا دل چاہتا تھا کہ یہ تقریب رات بھر جاری رہے اور وہ انجوائے کرتے رہیں اور اسی طرح دن طلوع ہو جائے۔

انصر اپنے کمرے سے نکل سیڑھیاں اُترنے لگا تو بہت سی پسندیدگی کی نظریں اس کی جانب اُٹھ گئیں کیونکہ وہ بلیک پینٹ اور شرٹ میں کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ وہ لان میں پہنچا تو جویریہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"بھائی..... ماشاء اللہ آپ تو دُلہا لگ رہے ہو۔" جویریہ کے اس خوبصورت فقرے کو انصر نے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم کہاں بھاگی جا رہی ہو؟"

"وہ میرا سیل کمرے میں ہی رہ گیا ہے میں ابھی آتی ہوں۔" جویریہ یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو انصر چلتا ہوا مہمانوں میں پہنچ گیا۔ بصیر احمد کے دوست اور باقی مہمان بھی فرداً فرداً اس سے ملنے لگے وہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ہوئے ان کو ویل کم کہہ رہا تھا اور ان کی آمد پر شکر گزار بھی ہو رہا تھا۔

جویریہ اور انیقہ کی سہیلیاں تو رشک بھری نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھیں اور سرگوشیوں میں اپنے کومنٹس بھی ایک دوسرے سے شیئر کر رہی تھیں۔

"کیوں بھئی آفیسر اتنی دیر کیوں؟" بصیر احمد نے مہمانوں کے سامنے اپنے پوزیشن واضح کرنے کی غرض سے انصر سے پوچھا تاکہ وہ خود ہی ان کو مطمئن کر سکے۔ "شادی پر ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے برخوردار۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں جج صاحب۔" ثانیہ بیگم نے انصر کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "ماشاء اللہ کہیں..... میرے بیٹے کو نظر نہ لگا دینا کہیں۔" بصیر احمد اور انصر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

جویریہ موبائل فون کان سے لگاتی ہوئی کسی دوست کو دیر سے آنے پر ڈانٹ رہی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ موبائل سیٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا اور وہ خود سے ٹکرانے والے کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی کیونکہ یہ وہی تھا جو ایک دن کتابوں کی دکان میں اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ مگر وہ آج اس کے گھر میں اس سے ٹکرایا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ یہ اجنبی بھی مدعو تھے۔ جبکہ یہی حالت حارث نعمان کی بھی ہو رہی تھی۔ وہ بصیر احمد کو ڈھونڈتا ہوا اس آفت کی پرکالہ کو بھول گیا تھا جو تیزی سے چلتی ہوئی اس سے آ ٹکرائی تھی۔

حارث تو ابھی تک ان لمحات کو بھی نہ بھولا تھا جو کتب کی دکان پر اس کی زندگی کو مہکا گئے تھے اور وہ آج قدرت کے حسین طریقہ واردات پر حیران اور خوش بھی ہو رہا تھا۔

انصر سٹیج پر پہنچ چکا تھا اور کیک پر چھری چلنے والی تھی جویریہ کو بھائی کے پہلو میں پہنچنا تھا اور حارث کو اپنی اس غلطی پر شرمندگی ہو رہی

http://kitaabghar.com

تھی۔ وہ دونوں ہی موبائل اُٹھانے کے لیے جھکے ہی تھے کہ ان کی ہلکی سی ٹکر ایک بار پھر ہوگئی تو دونوں ہی نادم ہو گئے۔

حارث نے ہاتھ کے اشارے سے جویریہ کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود جھک کر موبائل اُٹھایا اور اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''آئی ایم سوری! میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا۔'' جویریہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا اور بولی۔

''کوئی بات نہیں اینڈ سیم ہیر۔'' (And Same Here) یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی تو حارث کی آواز پر اس کو رک جانا پڑا۔

''اگر آپ برا نہ منائیں تو بتا سکتی ہیں کہ جسٹس صاحب کہاں ملیں گے؟''

''نہیں بتا سکتی..... کیونکہ ابھی تو مجھے بھی معلوم نہیں کہ اتنے مہمانوں میں پاپا کہاں ہیں؟'' وہ تو آگے بڑھ گئی لیکن حارث نعمان کے دل کو جھنجھوڑ گئی تھی اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی تھی۔ حارث نعمان کو ایک انجانی سی خوشی ہو رہی تھی کہ یہ جسٹس بصیر احمد کی بیٹی ہے اور بصیر احمد اس کے بابا جان نعمان ایزد کے لنگوٹیے ہیں۔ وہ دور تک سوچ رہا تھا لیکن اس کی سوچوں کو جسٹس بصیر احمد کی آواز نے منتشر کر دیا تھا جو کہ انصر کی برتھ ڈے کا اعلان کر رہے تھے۔

تالیوں کی گونج میں انصر نے کیک پر چھری چلا دی تو ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو انصر'' کی آوازیں گونجنے لگیں انصر نے کیک کے ٹکڑے تانیہ بیگم اور بصیر احمد کے منہ میں ڈالے تو تالیاں پھر گونج اُٹھیں۔

ٹھٹھرتی رات کی تاریکی نے اس جگہ سے خاموشی سے گزر جانے میں عافیت سمجھی تھی کیونکہ برقی قمقموں اور آرائشی لائٹوں نے رات میں ہی دن کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ اور مبارک باد کی صدائیں رات کی خاموشی کا سینہ چیرتے ہوئے امیر لوگوں کے چونچلوں پر ہنس کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم انکل!'' حارث نعمان نے آگے بڑھ کر بصیر احمد کو سلام کیا اور ان سے ہاتھ ملایا تو انہوں نے خوش دلی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مہمانوں میں طائرانہ نگاہ دوڑائی اور بولے۔

''وہ اُلو کہاں ہے۔'' حارث سمجھ گیا کہ بصیر احمد اس کے باپ نعمان ایزد کا پوچھ رہے ہیں اور ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ واقعی گہرے دوست ہیں۔ وہ شرمندگی محسوس کرتا ہوا بولا۔

''انکل..... آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ بابا کافی بزی رہتے ہیں..... انہوں نے مجھے بھیج دیا اور کہا ہے کہ میری طرف سے سوری کر لینا۔'' حارث کا معصوم انداز دیکھ کر بصیر احمد مسکراتے ہوئے بولے۔

''تم شرمندگی محسوس نہ کرو۔ میں اس سوری کے بچے کو دیکھ لوں گا۔'' ان کی اس پیار بھری بات پر حارث نعمان صرف مسکرا کر رہ گیا جبکہ بصیر احمد اس کا ہاتھ پکڑ کر انصر کی جانب بڑھ گئے۔

''آؤ میں تمہیں اپنی فیملی سے ملواتا ہوں۔'' اس وقت کیک کاٹ کر تقسیم ہو رہا تھا اور جویریہ ایقہ اور تانیہ بیگم بھی سٹیج پر ہی تھیں۔

''یہ انصر بصیر احمد ہیں میرا بیٹا۔'' بصیر احمد نے انصر کا تعارف حارث سے کروایا تو حارث نعمان نے گرم جوشی سے انصر سے ہاتھ

http://kitaabghar.com

ملایا۔ بصیر احمد نے ثانیہ بیگم اور پھر باری باری جویریہ انیقہ کا تعارف بھی کروانے کے بعد حارث نعمان کا بتایا کہ یہ ان کے جگری یار نعمان ایزد کا بیٹا حارث نعمان ہے۔

''اور حارث نعمان ان تینوں بچوں میں ہی میری جان ہے۔'' بصیر احمد نے اپنے دل کی بات کہی تو حارث نعمان مسکراتا ہوا جویریہ کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا کہ واقعی یہ تو جان ہی ہے۔ لیکن اس کی تو جان ہی نکال کر لے گئی تھی۔

''کیا کرتے ہو بیٹا؟'' ثانیہ بیگم نے تعارف مکمل ہونے پر حارث نعمان سے پوچھا تو وہ خاصی سعادت مندی سے سر جھکاتا ہوا بولا۔ ''گارمنٹس کا بزنس کرتا ہوں۔''

''آپ تو ایسے شرما رہے ہیں بھائی کہ جیسے آپ کی عمر پوچھ لی ہو ماما نے؟'' یہ انیقہ تھی شرارتی اور چلبلی سی یہی وجہ تھی کہ اس کی بات پر سبھی کھلکھلا کر ہنس پڑے لیکن جویریہ کی گھائل کر دینے والی نظریں حارث نعمان کے دل کے آر پار ہو چکی تھیں۔ وہ مدہوشی کی کیفیت میں آنکھیں بند کرتا ہوا نظریں جھکا گیا۔

''ایکسکیوزمی!'' بصیر احمد یہ کہتے ہوئے سٹیج سے اُتر کر مہمانوں میں گھل مل گئے جبکہ انفر کو پہلے ہی اس کے دوست لے گئے تھے۔

''آپ لوگ باتیں کرو..... میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔'' ثانیہ بیگم سٹیج سے نیچے اُترتی ہوئی واپس مڑ کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

''حارث بیٹا کھانا کھا کر جانا''۔ وہ اپنا حکم صادر کر کے اُتر گئیں جبکہ حارث نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اب جویریہ انیقہ اور حارث نعمان ہی سٹیج پر تھے۔

''ویسے بائی دے وے جتنے بڑے باپ کے آپ بیٹے ہیں..... بات بھی اتنی بڑی کریں نا۔'' انیقہ اب براہ راست اس سے مخاطب تھی۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا جبکہ جویریہ بول پڑی۔

''آپ پلیز اس کی باتوں کا برا نہ منایئے گا اس کو تو بولتے رہنے کی عادت ہے۔''

''آپی.....'' انیقہ مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور پاؤں پٹختی ہوئی سٹیج سے نیچے اُتر گئی۔

''آپ نے اُسے ناراض کر دیا۔'' انیقہ کے جانے کے بعد حارث نعمان جویریہ سے مخاطب ہوا تو جویریہ کے دل کی تہہ دھڑکنیں مزید تیز ہو گئیں۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے..... وہ میری جان ہے۔ اور مجھے پتہ ہے مجھ سے ناراض نہیں ہوتی۔''

''ایکچوئیلی!..... اس دن بک شاپ میں.....'' حارث کچھ کہنا چاہتا تھا کہ جویریہ اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔

''کوئی بات نہیں..... وہاں پر جگہ ہی اتنی ہے کہ بمشکل ہی ایک کسٹمر گزر سکتا ہے۔''

''آپ کو بھی کتابوں سے دلچسپی ہے کیا؟'' حارث نعمان کو بات آگے بڑھانے کا موقع مل گیا تھا۔

''میں کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں لیکن کتب ضرور خریدتی ہوں۔'' جویریہ کو بھی یہ موضوع پسند تھا اس لیے وہ بے خودی میں نظریں اُٹھا

http://kitaabghar.com

کر حارث نعمان کی آنکھوں میں دیکھ بیٹھی بس نگاہیں جھکانا ہی بھول گئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب اور بے قابو ہو کر سینے سے باہر آنے کو مچل رہی تھیں۔

''کتابوں سے اتنی محبت کرتی ہیں آپ؟'' حارث نعمان کا فقرہ مختصر تھا لیکن تذکرہ محبت کا تھا تو جویریہ کی نظریں جھک گئیں اور وہ دھیمی آواز سے بولی۔

''جی..... محبت.....'' نامکمل جواب اور دو حرفی فقرہ حارث نعمان کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ وہ اپنی تسلی کے لیے پھر بولا۔

''میں تو عشق کرتا ہوں۔'' ایک بار پھر جویریہ کی نظریں اٹھیں لیکن اس بار قتل ہونے کی باری حارث نعمان کے دل کی تھی۔ تبھی تو وہ دل پکڑ کر رہ گیا۔

''عشق.....؟'' وہ تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ وہ مسکرانے لگا۔

''کتابوں سے عشق کرتا ہوں تو آج کسی سے بات کرنے کے قابل ہوا ہوں۔'' دل کے تاروں کو چھیڑنے والا بہت ہی گہرا فقرہ تھا۔ بُرا ہو سائنس کی اس ایجاد کا جس نے موبائل بنا دیا تھا جویریہ کے موبائل پر بیل ہوئی تو اس نے ''ایکسکیوزمی'' کہہ کر نمبر دیکھا تو ایقہ تھی جو اس کو کچھ کہنا چاہتی تھی۔ جویریہ نے کال ڈس کنکٹ کرتے ہوئے مہمانوں میں نگاہ دوڑائی تو اس کو ایقہ نظر آ گئی جو اس کی کلاس فیلوز کے ساتھ کھڑی اس کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلا رہی تھی۔

''ایم سوری..... مجھے جانا ہے۔'' جویریہ نہ چاہتے ہوئے بھی حارث نعمان کو یہ فقرہ کہنے پر مجبور تھی۔

''پلیز.....'' حارث نعمان نے اچھے انداز میں اُسے اجازت دی تو وہ اس کے سامنے سے گزر کر سٹیج سے نیچے اتر گئی۔ حارث نعمان اس پارٹی میں مہمان بن کر آ رہا تھا تو اس کو اُلجھن ہو رہی تھی کیونکہ وہ بہت کم ایسی پارٹیوں اور دعوتوں میں جاتا تھا جن میں اس کو مدعو نہ کیا گیا ہو لیکن یہاں معاملہ چونکہ نعمان ایزد کا تھا اور پھر ان کے گہرے دوست کا تھا اس لیے اس کو حامی بھرنے میں کوئی عار محسوس نہ ہوئی۔

نعمان ایزد کو عین وقت پر اسمبلی سے ایمرجنسی کال پر وہاں جانا پڑا تو اس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس دعوت کو کبھی مس کرنے کا بہانہ یا کوئی بھی جواز نہ بنا دے۔ نعمان ایزد نے خود اس کو گاڑی میں بٹھا کر جسٹس بصیر احمد کے گھر کی جانب روانہ کیا تھا اب تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ حارث نعمان راستے سے واپس چلا جائے یا پھر اس پارٹی کو مس کر دے کیونکہ نعمان ایزد کا غصہ اور حارث کی لاپروائی اس کو معلوم تھی۔ اس لیے اس کو پارٹی اٹینڈ کرنی ہی تھی لیکن یہاں آ کر اس کو معلوم ہوا کہ گزشتہ کئی راتوں سے اس کے خوابوں کو مہکانے والی بے نام لڑکی کا نام جویریہ ہے اور وہ جسٹس بصیر احمد کی بڑی بیٹی ہے۔

وہ تو اس لمحے کو دعائیں دینے لگا تھا جب نعمان ایزد کو اسمبلی سے کال آ گئی تھی۔ جویریہ اس کو بک شاپ میں کیا ملی تھی کہ اس کی نیندیں ہی چرا کر لے گئی تھی۔ وہ کسی بھی کام میں دھیان نہ دے پا رہا تھا۔ اس کی کل کینیڈا کے لیے فلائٹ تھی لیکن اس پارٹی میں آنے کے بعد اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کینیڈا جائے لیکن بزنس ڈیل کے لیے جانا لازمی تھا۔

http://kitaabghar.com

انصر کی پارٹی عروج پر تھی سردی بھی انتہا کو چھونے لگی تھی لیکن بصیر احمد نے بہت اچھے انتظامات کیے تھے جن کی بدولت پنڈال میں سردی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ مہمانوں نے اچھے اور پر تکلف کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بصیر احمد کے ذوق کی تعریف کی تھی۔ کھانا کھا کر جانے والے مہمان ان سے اجازت طلب کر کے پنڈال سے جانے لگے تھے۔ حارث نعمان بھی جانے کے لیے بصیر احمد سے ملنے پہنچا تو ایک بار صرف جویریہ کو دیکھنے کی خواہش دل میں مچلی تو فوراً ہی اس کی پکار دل کی عدالت میں سنی گئی کیونکہ جویریہ آہستگی سے بصیر احمد کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی اپنی دوستوں کو سی آف کر رہی تھی۔ لمبے بالوں کو جھٹکا دے کر اس نے گردن گھمائی تو ایک بار پھر آنکھیں حارث نعمان سے دوچار ہوئیں تو ہونٹوں پر مسکان اور بھی گہری ہو گئی لیکن دل اتنے زور سے دھڑکا تھا کہ اس نے خوفزدہ نظروں سے اپنے آس پاس دیکھا کہ کہیں اس کی چوری پکڑی تو نہیں گئی۔ لیکن سب کو اپنے اپنے کام میں محو دیکھ کر وہ خود پر مسکرائی اور طویل سانس خارج کی۔

حارث نعمان نے بصیر احمد سے اجازت طلب کی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

''حارث تم ایسا کرو کہ مجھے اپنا سیل نمبر دو..... کیونکہ وہ الو تو مصروف رہتا ہے..... اگر رابطہ کرنا ہوا تو میں تم سے کر لیا کروں گا۔''

یہ سننا تھا کہ جویریہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ فرمانبرداری سے بولا۔

''جی کیوں نہیں انکل..... پلیز۔''

اس نے اپنا نمبر بتایا تو بصیر احمد نے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔ لیکن ایک اور موبائل بھی ایسا تھا جس میں وہ نمبر محفوظ ہو چکا تھا۔ اور وہ موبائل جویریہ کے دل کے نہال خانوں میں محفوظ تھا۔ وہ بظاہر مہمانوں کو رخصت کر رہی تھی لیکن اس کے کان اور دل کی دھڑکنیں حارث کی آواز پر ہی مرکوز تھیں۔

''خدا حافظ انکل..... خدا حافظ آنٹی.....'' وہ جاتے ہوئے بصیر احمد اور ثانیہ سے مخاطب ہوا اس کا انداز بھی ایسا تھا کہ وہ اجازت طلب نہ کر رہا تھا لیکن اس کو جانا بھی تھا۔ ''آپ لوگ آیئے نا کبھی ہمارے گھر۔''

''ضرور آئیں گے یار کیوں نہیں۔'' بصیر احمد نے مسکراتے ہوئے کہا تو انصر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے بھی حارث نعمان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور حارث نعمان کو رخصت کیا۔

وہ چلا تو گیا تھا لیکن جویریہ کی کوئی چیز چرا کر لے گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ یکدم پارٹی بے رنگ اور پھیکی سی ہو گئی ہو۔ اس نے بے ساختہ ہو کر پنڈال سے باہر دیکھا تو وہ اس کو دور کھڑا نظر آیا لیکن یہ کیا وہ بھی اسی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ جویریہ نے پلکیں جھکا کر اس کو سلام کیا تو واپسی جواب میں حارث نعمان کی پیاری سی مسکراہٹ جویریہ کو سکون بخش گئی تھی۔

وہ تاریکی کا حصہ بنا تو جویریہ کی تھکی نظریں واپس پلٹ آئیں۔ اس نے باقی مہمانوں کو بے دلی سے رخصت کیا اور اپنے کمرے میں آ کر حارث کے بتائے ہوئے کنٹیکٹ نمبر کو اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ وہ انجان لڑکی بن کر حارث نعمان کو

http://kitaabghar.com

تنگ کیا کرے گی۔

''لیکن وہ کیوں اس کو تنگ کرتی؟'' وہ خود ہی سے خود ہی سوال کر بیٹھی۔ ''وہ اس کا کیا لگتا ہے؟''

''کچھ بھی نہ لگتا ہو..... لیکن جویریہ کا دل چرا کر ضرور لے گیا تھا۔'' وہ خود ہی جواب دے کر مسکرانے لگی۔

☆.....☆.....☆

نعمان ایز کو سیاسی دورے پر ملک سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ اور ایسا پہلی بار نہ ہوا تھا وہ اکثر اوقات غیر ملکی دورے کرتے رہتے تھے وہ اپنی متحرک شخصیت کے بل بوتے پر خود کو پارٹی میں منوا چکے تھے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ اس وقت پارٹی کے سیاسی وجود میں ان کا کردار ریڑھ کی ہڈی کا تھا اس پر نعمان ایز کو کافی تنگ و دو کرنا پڑی تھی یہی وہ تھی کہ وہ آج پارٹی سربراہان اور کارکنوں کی جان بنے ہوئے تھے۔

جہان آرا بیگم اور اقصیٰ زرق برق قیمتی لباسوں میں ملبوس ہو کر کسی پارٹی میں جا رہی تھیں جبکہ مطربہ ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد حارث آفس سے آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ مطربہ کبھی اس کی طرف اور کبھی ٹی وی سکرین پر اپنی نظروں کو گھماتی رہی لیکن جب حارث نعمان کی طرف سے خاموشی رہی تو اس سے رہا نہ گیا وہ ریموٹ سے ٹی وی آف کرتی ہوئی بولی۔

''بھائی؟ مجھے یاد آیا..... کل رات بابا نے آپ کو جس پارٹی پر بھیجا تھا وہ کیسی تھی۔'' حارث نعمان اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنا بھول گیا تھا۔ اس کے ہاتھ رک گئے تھے وہ تصور ہی تصور میں رات والی پارٹی میں پہنچ گیا تھا جہاں جویریہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ موجود تھی وہ اپنی تمام دل کشی کے ساتھ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

مطربہ نے حارث کو کھوئے ہوئے دیکھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو حارث نعمان کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ وہ ایک کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ مطربہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''بس اچھی تھی۔''

''بھائی آپ جھوٹ بولتے ہوئے ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔'' مطربہ گو کہ حارث سے چھوٹی تھی لیکن دونوں ہی بھائی اور بہن مل کر دوستوں کی طرح ہی رہتے تھے۔ شمعون ان سے چھوٹا تھا اس لیے اس کو کبھی بھی اتنی جرات نہ ہوئی تھی کہ وہ حارث یا مطربہ سے اس طرح فری انداز میں بات کر سکتا۔

حارث اور مطربہ ایک دوسرے سے دوستوں کی طرح رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹ سکیں۔ یہ تو گوارہ تھا کیونکہ انہوں نے سکھ ہی سکھ ہی دیکھے تھے دکھ نام کی چڑیا کیا ہوتی ہے ان کو معلوم ہی نہ تھا۔

''میں سمجھا نہیں موتی۔'' وہ مطربہ کو موتی کہہ کر ہی پکار لیتا تھا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی ایک عجیب سی مسکان مطربہ کو شک میں مبتلا کر رہی تھی۔

''پارٹی کیسی تھی؟'' مطربہ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

http://kitaabghar.com

''واؤ.....کیا شاندار پارٹی تھی۔'' وہ پھر مطربہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اب ٹھیک ہے موتی؟''

''بھائی.....آپ بابا جان کے دوست کے گھر گئے تھے اور مجھے معلوم ہے کہ بابا جان یونہی کسی کو دوست نہیں بناتے اور پھر دوست بھی بابا جان کے بچپن کے ہیں۔ مجھے صحیح صحیح بتائیں بھائی کہ پارٹی کیسی تھی؟'' مطربہ تو مجھے سے ہی اُکھڑ گئی تھی اور اس کو اس طرح لڑتا دیکھ کر حارث نعمان بے ساختہ ہنس رہا تھا بلکہ ہنستے ہنستے وہ اپنا پیٹ پکڑ کر صوفے پر لیٹ گیا تھا۔

''کم آن موتی.....یار.....جیسی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ ویسی ہی پارٹی تھی اور بس.....؟'' وہ کچھ سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔

''اچھا پلیز ایک کپ چائے پلوا دو۔ رات کو میری فلائٹ ہے میں نے کینیڈا کے لیے بھی نکلنا ہے پلیز میری اچھی بہنا۔'' مطربہ سمجھ گئی کہ حارث نعمان کچھ بھی بتانے کے موڈ میں نہیں ہے یا پھر کچھ بھی ایسا نہ تھا کہ اس کو بتایا جاتا۔ یا پھر کچھ ایسا خاص ضرور تھا جو اس سے چھپایا جا رہا ہو۔ لیکن وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں کبھی بھی کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ اس کا مطلب کہ کوئی بھی بات نہ تھی جو خاص ہوتی اور مطربہ سے شیئر نہ کی جاتی۔ وہ وہ کندھے اچکاتی ہوئی ناجی کو آوازیں دینے لگی تو حارث اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

''بس موتی بی بی.....ناجی پریذینٹ ہو گیا جی۔'' ناجی کی انگلش بولنے کی عادت سے وہ بہت خائف تھی کیونکہ وہ انگلش کے لفظ کو نجانے کہاں کہاں کیسے کیسے استعمال کر جاتا تھا۔ فقرے کی سمجھ بعد میں آتی تھی۔ اب بھی کچھ دیر بعد ہی مطربہ کو پتہ چلا کہ ناجی حاضر ہو گیا ہے۔

''میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ مجھے بی بی نہ کہا کرو۔ اچھی بھلی ہوں یہ کیا بوڑھی عورتوں کی طرح بی بی، بی بی کہتے رہتے ہو۔'' وہ غصے میں لگ رہی تھی ناجی نے ادب سے سر جھکا لیا اور بولا۔

''او کے جی.....کوئی آرڈر کریں جی، ناجی وائٹ گو جی۔'' اس کی معصومیت دیکھ کر مطربہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتی ہوئی بولی۔

''حارث بھائی کو چائے دے کر آؤ ان کے کمرے میں۔''

''بس جی.....ابھی گو ینگ جی۔'' وہ یہ کہہ کر واپس چلا گیا تھا۔

''پتہ نہیں اس کو اتنی اچھی انگلش کون سکھاتا ہے؟'' وہ خود ہی بڑبڑائی اور مسکرانے لگی اور پھر ریموٹ سے ٹی وی آن کیا تو اتفاق کا شو آ رہا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی لیکن آج تو ابھی وہ گھر سے ممی کے ساتھ گئی تھی۔ اور اتنی جلدی وہ ٹی وی پر بھی آ گئی.....مطربہ خود ہی ہنس پڑی کیونکہ وہ ریکارڈنگ دکھا رہے تھے۔

اصل میں ناجی کی انگلش نے ہی اس کو بوکھلا دیا تھا۔

ناجی نے حارث کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کم آن کی آواز سن کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ اس نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور بولا۔

''ہوٹ ہوٹ ٹی کا کپ لیں جی۔'' حارث نے کوئی خاص ری ایکٹ نہ کیا تو وہ شرمندہ سا ہو کر لوٹ آیا۔

http://kitaabghar.com

حارث نعمان نے گرم گرم چائے کا ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ اس کے موبائل پر بیل ہونے لگی اس نے دیکھا کہ آفس سے اس کے سیکریٹری کا نمبر تھا۔ کال ریسیو کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ایئر پورٹ پہنچ چکا ہے اور حارث کا انتظار کر رہا ہے۔ حارث نے بھی نکلنے کا کہہ کر کال ختم کی اور چائے پینے لگا ایک بار پھر موبائل بول پڑا تو اس کو اُلجھن ہونے لگی اس نے انجانا نمبر دیکھا اور کال ریسیو نہ کی لیکن مسلسل گھنٹی بجنے پر اس کو کال ریسیو کرنا ہی پڑی۔

''ہیلو!'' حارث نعمان نے کہا لیکن دوسری طرف سے مکمل خاموشی پا کر اس نے دو تین بار ہیلو ہیلو کہا اور کوئی بھی جواب نہ پا کر اس نے موبائل رکھ دیا۔

چائے پینے کے بعد اس نے کچھ ضروری کاغذات بریف کیس میں رکھے اور اپنا لیپ ٹاپ اُٹھا کر سامان کے ساتھ رکھا۔ اس نے نعمان ایزد کا نمبر ملایا اور ان کو بتایا کہ وہ کینیڈا جا رہا ہے۔ پھر اس نے جہان آرا بیگم کا نمبر ڈائل تو ان سے بھی بات کرنے کے بعد اس نے موبائل رکھا ہی تھا کہ گھنٹی کی آواز سن کر اس نے موبائل سکرین پر دیکھا تو وہی انجان نمبر تھا جس سے اس کو پہلے بھی کال کی گئی تھی مگر بات نہ ہو سکی تھی۔

اس نے پھر کال ریسیو کی لیکن اس بار بھی جواب ندارد والی صورت حال نے اس کو جھنجلا دیا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ اس ایجاد کو سامنے دیوار سے پٹخ کر توڑ دے۔ لیکن اس کے فوائد زیادہ تھے اس لیے وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے باز ہی رہا۔

اُس نے آئینے کے سامنے اپنے سراپا کو دیکھا تو چونک گیا کیونکہ جویریہ اس کے پیچھے اس کے ساتھ کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھی اس نے تڑپ کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ خود ہی مسکرا پڑا لیکن دوبارہ آئینے میں وہ اس کے ساتھ کھڑی نظر آنے لگی تو وہ آئینے کو محویت سے دیکھنے لگا۔ جویریہ نے اس کے حواس پر قابو پا لیا تھا۔ وہ اس کی نیندوں کو چرا کر لے گئی تھی کل کی رات بھی وہ آفس میں نہ بھول پایا تھا۔ آج سارا دن وہ جویریہ کے تخیل میں ہی ڈوبا رہا تھا۔

وہ آئینہ دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اس کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ ناجی کمرے میں برتن اُٹھانے آ چکا ہے حارث کو اس طرح آئینہ دیکھتے ہوئے وہ واپس جانے لگا تو حارث کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''ٹھہرو.....'' وہ اپنی جگہ پر ہی رک گیا تھا۔ لیکن واپس مڑ کر دیکھنے کی جرات نہ کر سکا تھا کیونکہ حارث کی آواز نے اس کو حیران کرنا شروع کر دیا تھا۔

''کیوں مجھ کو اس طرح تڑپا رہی ہو..... کبھی خوشبو بن کر ہواؤں کو مہکا دیتی ہو۔ کبھی خواب بن کر آنکھوں کو سجا دیتی ہو۔ کبھی ہوا بن کر دبے پاؤں میرے ساتھ آ کر کھڑی ہو جاتی ہو۔ کبھی مہکی سانسیں بن کر مجھے زندگی کا پتہ دیتی ہو..... مت کرو میرے ساتھ ایسا..... مت کرو ایسا پلیز..... آ جاؤ..... میری چاہت تمہیں پکارتی ہے۔ پلیز..... اک بار آ جاؤ۔ اک بار آ جاؤ۔'' ناجی نے یہ سن کر زوردار چیخ ماری اور کمرے سے باہر نکل گیا لیکن اس کی چیخ نے حارث نعمان کی محویت توڑ دی تھی۔ وہ اس بات پر کھسیانا سا ہو گیا تھا کہ اس کی باتیں ناجی نے سن لی تھیں۔ لیکن اُسے کوئی ڈر نہ تھا کیونکہ ناجی اس کا ملازم تھا۔ لیکن وہ جویریہ کے حسن کا دیوانہ ہو گیا تھا اس بات کا اظہار اُس نے ابھی ابھی

http://kitaabghar.com

آئینے کے سامنے کیا تھا۔ اور اپنے بچپنے پر وہ خود ہی مسکرا پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

فجر کی اذان نے حسب معمول صائمہ کی نیند اور سستی دور کر دی تھی وہ گرم رضائی چھوڑ کر معمول کے مطابق نماز کا اہتمام کرنے لگی تو کوارٹر کے پیچھے سے گزرنے والی تیز ٹرین کی آواز نے ایاز کو بھی بیدار کر دیا تھا۔ وہ بھی لحاف میں کروٹیں بدلنے لگا تھا صائمہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور قرآنی آیات کا ورد کر کے اس کے ماتھے پر پھونک ماری اور بولی۔

''اُٹھ جاؤ بیٹا نماز کا وقت نکلتا جا رہا ہے۔''

''جی امی..... اُٹھتا ہوں۔'' وہ بوجھل آواز سے بولا تو صائمہ اپنے جائے نماز پر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی اور نیت باندھنے سے پہلے روزانہ کا فقرہ کہنا نہ بھولی تھی۔ ''منافع کمانے کا اس سے اچھا اور سنہری وقت کوئی نہیں ہے۔'' پھر اس نے نیت باندھ لی اور اُسے معلوم تھا کہ ایاز بھی اُٹھ جائیگا۔

ایاز اپنے نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر اُٹھ گیا جو کہ زمین پر ایک پرانے میٹرس کے اوپر ہی چادر بچھا کر بنایا گیا تھا۔ اس لیے وہ نرم بھی تھا اور اس کے رات بھر سونے سے گرم بھی تھا۔ اتنی دیر میں صائمہ نے سلام پھیر کر بیٹے کو دیکھا تو مطمئن ہو کر دوبارہ نماز کی نیت باندھ کر قیام میں کھڑی ہوئی۔

ایاز وضو کر کے فارغ ہوا تو صائمہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھی اس دوران ریشم بھی جاگ گئی تھی یہ اس چھوٹے سے گھر کا معمول تھا اور یہ وہ صبح تھی جو ہر روز ان تینوں کی نماز سے شروع ہوتی تھی اس کے بعد ایاز صبح کی سیر کے لیے چلا جاتا تھا صائمہ ایاز اور ریشم کے لیے ناشتہ تیار کرتی تھی۔

اس طرح وہ تینوں بظاہر تو اپنی زندگی سے مطمئن تھے لیکن صائمہ کی خواہش تھی کہ ریشم کی پڑھائی کام آ جائے اس کو اچھی سی نوکری مل جائے تا کہ وہ اپنے جہیز کا بوجھ بھی خود ہی اُٹھا سکے اور ایاز کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اس معاشرے کا باشعور شہری ہونے کا کردار ادا کر سکے۔ لیکن ان خواہشات کے ساتھ ساتھ اس کی ایک دلی خواہش بھی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح نعمان ایز کو اس دنیا کے سامنے ذلیل کرے۔ ایسا کیوں تھا اس بات کا صائمہ کو پتہ تھا یا پھر سکندر کو جو کہ صائمہ کا چھوٹا بھائی تھا جو ایک قتل کے کیس میں جیل کاٹ رہا تھا۔

ایاز اور ریشم کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا ایک ماموں بھی ہے جو کہ جیل میں ہے۔ صائمہ نے ان کو کبھی بھی یہ بات نہ بتائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر سکندر کے بارے میں بچوں کو بتایا تو پھر وہ صائمہ کے ماضی کے متعلق بھی اس سے سوال کریں گے اور ان سوالوں میں وہ اپنے باپ کے بارے میں بھی جان جائیں گے یا پھر جاننے کی تگ و دو میں اپنے تعلیمی کیریئر کو برباد کر لیں گے۔ بہت سی مصلحتوں کے تحت صائمہ نے ان کو کچھ بھی نہ بتایا تھا بلکہ یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی تھی کہ ان کا باپ مر چکا ہے اور وہ یتیم ہی ہیں۔ اب اس کو سکندر کی رہائی کا

http://kitaabghar.com

انتظار تھا۔ اس کے بعد ہی وہ اپنی سکیم پر عمل درآمد کرنے کے قابل ہو سکتی تھی۔ وہ گزشتہ کئی سالوں سے جسٹس بصیر احمد کے گھر ہی کام کاج کر رہی تھی۔ ان کے کھانے وغیرہ پکانا اور کچن کا تمام کام صائمہ کے ذمہ تھا باقی چھوٹے موٹے کاموں کے لیے دوسرے ملازم تھے جو صائمہ کی بہت عزت کرتے تھے۔

یہ بصیر احمد کی مہربانی اور خصوصی شفقت تھی کہ انہوں نے کبھی بھی اس بات کی نوبت نہ آنے دی تھی کہ صائمہ اپنے منہ سے کسی ضرورت کو پورا کرنے کا کہتی بلکہ وہ خود ہی اس کی ضروریات پوری کر دیا کرتے تھے۔ ان کی چھوٹی بیٹی انیقہ صائمہ کی اس گھر میں موجودگی میں ہی پیدا ہوئی تھی اور صائمہ نے اس کو اپنی ریشم کی طرح پالا پوسا تھا۔ اور وہ تینوں بچے بھی صائمہ کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور تانیہ بیگم تو فرشتہ تھیں کبھی بھی اونچی آواز میں اس سے بات نہ کی تھی بلکہ اپنی بہن ہی سمجھتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی اور گھر میں کام کاج کے لیے نہ گئی تھی بلکہ اس کو ضرورت ہی نہ پڑی تھی اس کے گھر کی تمام ضروریات جسٹس بصیر احمد کے گھر سے ہی پوری ہو جاتی تھیں۔

ایاز کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح اپنی تعلیم مکمل کر کے اچھی سی جاب پر لگ جائے اور اپنی ماں کو باقی زندگی آرام اور سکون سے بیٹھ کر کھلائے۔ لیکن ابھی کافی کٹھن مراحل طے کرنا تھے اور وہ ان مراحل کو طے کرنے کے لیے دل و جان سے تیار بھی تھا۔

ریشم کا مسئلہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ وہ اپنی تعلیم کو نوکری نہ ملنے کی وجہ سے ضائع ہوتا ہوا سمجھ رہی تھی۔ وہ جب بہت اداس ہوتی تو کھڑکی میں کھڑی ہو کر آنے جانے والی ٹرینوں کو دیکھنے لگتی تھی۔ اس کے پاس اچھی جاب اور اچھے مستقبل کے لیے رشوت اور سفارش نہ تھی۔ وہ خوبصورت اور حسین تھی لیکن یہ ڈگریاں اس کو کوئی بھی اچھی جاب نہ دلا سکتی تھیں۔ وہ اخبار اور ٹی وی میں نوکریوں کے اشتہارات دیکھتی دیکھتی تھک گئی تھی۔

ناشتہ تیار تھا۔ ایاز اور ریشم ناشتہ کرنے میں مصروف تھے اور صائمہ محبت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور ان کو انصر کی سالگرہ کی باتیں بھی بتا رہی تھی ریشم حیرت کا اظہار کر کے کوئی بات پوچھتی تو ایاز اس کے ایک چپت لگا دیتا تو وہ احتجاجاً اس کو گھورتی تھی کیونکہ وہ اس کی بڑی بہن تھی۔

''ایاز بیٹا کیا بنا؟'' صائمہ کا سوال ایاز کی سمجھ میں نہ آیا تو وہ استفہامیہ انداز میں ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ٹیوشن کا انتظام ہو جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ اضافی آمدنی سے ریشم کے جہیز کی کوئی چیز بنا لوں۔''

ایاز اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا تھا۔

''امی پلیز..... مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' ریشم چیخنے والے انداز میں بولی تو ایاز قہقہہ لگا کر ہنس پڑا ''میڈم! ابھی صرف جہیز کی بات ہی ہوئی ہے۔ شادی کی نہیں۔'' ایاز نے اس کو چھیڑا تو وہ آنکھوں میں آنسو بھرتی ہوئی کہنے لگی۔ ''ایاز! تم دیکھنا..... میری رخصتی پر سب سے زیادہ تم ہی روؤ گے۔'' ریشم ناراض ہو کر وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی تو گاڑی کے تیز وسل نے ان سب کو چونکا دیا تھا۔

''تم کیوں اس کو تنگ کرتے رہتے ہو؟'' صائمہ نے اس کو مصنوعی انداز میں ڈانٹا۔

http://kitaabghar.com

''امی مجھے مزہ آتا ہے اس کو چھیڑنے میں۔'' وہ اُٹھ کر اندر کی جانب بڑھا اور حسب معمول ریشم کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا اور ریشم کو بھی پتہ چل گیا کہ ایاز اس کے پیچھے اس کو منانے کے لیے آ گیا ہے۔

''آئی ایم سوری آپی۔'' وہ بولا تو ریشم نے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اس نے ایاز کی بات ہی نہیں سنی تھی۔ وہ پھر بولا۔

''ہم دو ہی تو ہیں۔ نہ کوئی دوست۔ نہ کوئی ہمدرد نہ ہمسایہ..... آپس میں باتیں نہیں کریں گے تو کس سے کریں گے۔'' ریشم ایاز کی بھرائی ہوئی آواز سن کر تڑپ کر مڑی اور بھائی کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ جہاں پر سچائی اور خلوص کا پانی جگمگا رہا تھا۔

''تم دعا کرو۔ اچھی سی دو تین ٹیوشنز مل جائیں۔ میں آپ کی شادی اچھے سے گھر میں کروں گا۔''

''ایاز!'' وہ رندھائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔ ''کیا میں تم پر بوجھ ہوں؟''

''تم اس گھر کی بیٹی ہو اور کوئی بھی بیٹی اپنے گھر میں بوجھ یا فالتو سامان کی طرح نہیں ہوتی۔ بلکہ رحمت ہوتی ہے۔'' وہ ریشم کے جذبات سمجھتا ہوا بولا۔ ''جس گھر میں بیٹی نہیں اس گھر میں رحمت نہیں۔''

''تو پھر اس رحمت کو زحمت کیوں سمجھا جا رہا ہے؟'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''یہ تو تمہارا وہم ہے۔ شادی یا جہیز کا تذکرہ کرنا یہ تو ثابت نہیں کرتا کہ تم زحمت ہو۔ یہ گھر اتنا ہی تمہارا بھی ہے جتنا میرا ہے۔''

اتنی دیر میں صائمہ اندر داخل ہو چکی تھی اس نے دونوں کی باتیں بھی سن لی تھیں۔

''تم جاب کرو اپنی زندگی انجوائے کرو جب اچھا رشتہ آئیگا تو شادی بھی ہو جائیگی۔'' ریشم صائمہ کی بات سن کر ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''میں جا رہی ہوں ایاز تم دروازہ بند کر لینا۔'' صائمہ نے آج کالج سے چھٹی ہونے کی بنا پر ایاز سے کہا تھا ورنہ ہر روز یہ ڈیوٹی ریشم کی ہوتی تھی۔

''میں بھی جا رہا ہوں امی جی..... وہ پروفیسر صاحب سے ایک ٹیوشن کا پتہ کرنا ہے۔ شاید بات بن جائے۔'' صائمہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی ریشم سے مخاطب ہوئی۔

''ریشم بیٹی تم دروازہ لگا لو۔'' وہ جاتی ہوئی واپس مڑی ''آج چھٹی ہے میں کوشش کروں گی کہ جلدی ہی آ جاؤں جج صاحب آج گھر پر ہی ہونگے۔'' ایاز جا چکا تھا۔ صائمہ کے باہر نکلنے پر ریشم نے اندر سے کنڈی لگا لی۔ وہ گھر کی صفائی میں مصروف ہو گئی اور پھر ناشتے والے برتن سمیٹے ان کو دھو کر لوہے کے سٹینڈ میں سجایا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہو گئی۔ وہ حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دوسری بار دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو وہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچی اور بولی۔

''کون ہے؟''

http://kitaabghar.com

''جی میں شمعون ہوں۔ مجھے ایاز سے ملنا ہے۔'' دروازے کے دوسری طرف سے ایک وجاہت بھری آواز سنائی دی۔

''شمعون کون؟'' وہ یہ نام کئی بار ایاز کے منہ سے سن چکی تھی لیکن اس نے شمعون کو نہ دیکھا تھا۔ اب پتہ نہیں کہ یہ وہی شمعون ہے جو ایاز کا کلاس فیلو ہے۔

''میں ایاز کا دوست ہوں اور وہ میرے ساتھ ہی کالج میں پڑھتا ہے۔ میں اس سے ملنے آیا ہوں۔'' مردانہ آواز میں شائستگی اور ٹھہراؤ تھا۔

''ایاز تو گھر میں نہیں ہے وہ پروفیسر صاحب سے ملنے گیا ہے۔'' ریشم نے جواب دیا۔ مکمل تعارف کے باوجود بھی اس نے دروازہ کھولنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

''جی ٹھیک ہے۔ آپ مجھے یہ کنفرم کر دیں کہ یہ وہی ایاز کا گھر ہے نا جو..... کالج میں پڑھتا ہے۔'' یہ سوال ریشم کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ لیکن جواب دینا ضروری تھا۔

''جی ہاں۔''

''شکریہ۔'' اس کے ساتھ ہی قدموں کی آواز مدہم ہو گئی اس کا مطلب تھا کہ شمعون جا چکا تھا۔ لیکن اس نے یہ کیوں کنفرم کیا تھا کہ یہ اسی ایاز کا گھر ہے جو شہر کے مشہور کالج میں پڑھتا ہے۔ اس بات کی ریشم کو سمجھ نہ آئی تھی۔ وہ کندھے اچکائی ہوئی واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

صائمہ کو ویگن سے اتر کر کافی پیدل چلنا پڑتا تھا کیونکہ جس کالونی میں جسٹس بصیر احمد رہتے تھے وہاں تک براہ راست کوئی پبلک ٹرانسپورٹ نہ جاتی تھی۔ ایک بازار کراس کر کے پھر اس کالونی کا مرکزی گیٹ آتا تھا۔ وہ اس وقت بازار سے ہی گزر رہی تھی۔ اکا دکا دکاندار اپنی اپنی دکانیں کھول کر صفائی ستھرائی میں مصروف تھے اور کئی تو دکانیں سجا کر آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر دھوپ کا مزہ لے رہے تھے اور اخبارات کا مطالعہ بھی کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک نوجوان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا صائمہ کے برابر چلنے لگا۔ صائمہ نے احساس ہونے پر غور سے اس نوجوان کی طرف دیکھا تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی اور اپنے قدم روک لیے صائمہ نے دیکھا کہ اس نوجوان کی آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی تھی۔ اور وہ روتی ہوئی آنکھوں سے صائمہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ صائمہ بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتی ہوئی پھڑ پھڑاتے ہونٹوں سے بولی۔ ''سکندر..... میرے بھائی۔''

☆.....☆.....☆

گاڑی کا اسٹیرنگ حسب معمول شمعون کے ہاتھوں میں کسی ننھے منے بچے کے کھلونے کی مانند کھیل رہا تھا۔ اور وہ ماہر ڈرائیور کی طرح اسٹیرنگ کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہوا گاڑی کو گھما رہا تھا اور اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا ایاز اپنا دل تھام کر رہ گیا تھا لیکن اس کے فن کی داد بھی دل ہی دل میں دے رہا تھا۔ وہ کئی بار شمعون کے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھا تھا اتنی ٹریفک سے گاڑی نکل کر لے آتا جو ئے شہر سے لانے

http://kitaabghar.com

کے مترادف تھا کہ کسی سے بھی ٹکرائے بغیر گاڑی اب کھلی جگہ پر آ گئی تھی اور چند منٹوں بعد ہی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

''یہ منہ پھلا کر کیا سوتن کی طرح بیٹھے ہوئے ہو؟'' شمعون نے ایاز کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پوچھا تو ایاز نے پرسکون سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''تم امیر ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مثالیں بھی اچھی دیتے ہو۔'' ایاز کی بات سن کر شمعون کے ہونٹوں پر مسکان پھیل گئی۔ وہ بولا۔ ''شکر ہے کہ تمہاری آواز تو نکلی ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ساتھ کوئی زندہ لاش ہے جو بول نہیں سکتی بس دیکھ سکتی ہے۔'' دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''دیکھو یار میرے علم کے تم تو معترف ہو ہی..... اور رہ گئی امیری غریبی تو اس کا علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔'' شمعون بولا تو ایاز اس کی طرف گھور کر دیکھتا ہوا کہنے لگا۔

''تمہارے علم کا معترف اور میں.....؟ واہ بیٹا۔ واہ خوش کر دیا آج تو تم نے۔''

''شہزادے تم شمعون کے یار ہو۔ اسی طرح خوش رہا کرو گے۔'' شمعون اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''ویسے ہم جا کہاں رہے ہیں؟'' یہ سوال وہ کافی دیر سے کرنا چاہ رہا تھا۔ ''اچانک ہی اس طرح؟''

''اچانک؟'' شمعون حیرانگی سے بولا۔ ''او بھائی..... میں تمہیں کوئی لڑکی سمجھ کر گھر سے بھگا کر تو نہیں لے جا رہا ہوں۔ ہم ذرا گاؤں تک جا رہے ہیں۔'' اتنی دیر میں گاڑی ایک گاؤں کو جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

''یہ ہمارا گاؤں ہے۔'' شمعون کے منہ سے سن کر ایاز ہکا بکا رہ گیا تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ بابا جان کا گاؤں ہمارا ہی ہوا نا؟''

''ہاں ہاں.....'' ایاز بمشکل ہی بولا تھا۔

''اس گاؤں میں ہمارے دادا، دادی اور پھوپھیاں رہتی ہیں۔'' شمعون بتا رہا تھا۔ ''بابا جان کے چچا اور تایا جان ان کی بیٹیاں بیٹے اور دیگر تمام رشتہ دار یہیں رہتے ہیں۔ تایا اور چچا کی بیٹیاں جو ہیں وہ بابا جان کی بہنیں ہی ہوئی نا..... تو ہماری پھوپھیاں ہوئیں۔ ویسے بابا جان کی سگی ایک ہی بہن ہے۔ ابھی ہم اس کو ہی لینے آئے ہیں۔'' شمعون بولتا جا رہا تھا۔ اور ایاز اردگرد کے ماحول کو بڑی دل جمعی سے دیکھ رہا تھا۔

''وہ کیا ہے کہ یار کی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے کال کر دی میں بھی فری تھا سوچا دادا دادی کو سلام بھی کر لیں گے اور یار پر احسان بھی کر دیں گے۔''

شمعون خاموش ہوا تو ایاز بولا۔

''ویسے یار شمعون اس جگہ رہنے والے لوگ کتنے صحتمند اور چاک و چوبند ہوتے ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے گاؤں کی زندگی شہر سے بہت مختلف ہوتی ہے نہ دھواں، نہ شور، نہ کوئی غل غپاڑہ اور پھر صبح صبح تازہ پھل اور تازہ

http://kitaabghar.com

سبزیاں ان لوگوں کو فریش رکھتی ہیں لیکن کیا ہے یار کہ ہم لوگ شہر میں رہنے کے عادی ہو گئے ہیں نا..... اس لیے گاؤں میں نہیں رہ سکتے۔"

"تو کیا پھوپھو کو بھی شہر میں رہنا اچھا لگتا ہے؟" ایاز پوچھ بیٹھا تو شمعون مسکرانے لگا۔

"اُلو کے کان بوا قصیٰ کبھی کبھار دادا جی سے ملنے گاؤں آ جاتی ہیں۔ ہم ان کو ہی لینے آئے ہیں۔" اتنی دیر میں گاڑی ایک بہت ہی شاندار اور بڑی سی حویلی کے سامنے جا کر رک گئی۔ ایاز حیرت سے اس حویلی کو دیکھ رہا تھا کہ شمعون نے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا اور بولا۔

"حضور تشریف لے آیئے۔" ایاز شرمندگی محسوس کرتا ہوا گاڑی سے نیچے اُترا تو حیران رہ گیا۔ کئی ملازم شمعون کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ وہ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر شمعون کو سلام کر رہے تھے اور وہ مسکرا کر ان کے سلام کا جواب بھی دے رہا تھا اور کئی لوگوں سے ہاتھ بھی ملاتا ہوا حویلی کے بڑے سے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

"بابا، آپ ایاز کو مہمان خانہ میں بٹھائیں۔ میں آتا ہوں۔" شمعون نے ایک ملازم کو حکم دیا تو وہ تعمیل کرتا ہوا ایاز کو اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے گیا۔ ایاز جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوا تو اس کی چھٹی حس اس کو کچھ کہنے لگی۔ اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی لیکن وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔ وہ ایک رنگلے پلنگ پر اس طرح بیٹھ گیا کہ جیسے ابھی کے ابھی اُٹھ کر بھاگ جائے گا۔

ملازم نے اس کو چائے اور دیگر لوازمات پیش کیے وہ بے دلی سے چائے کا کپ پینے لگا اس کو اس حویلی کے کمرے سے انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی عورت چیخ رہی ہو۔ بین کر رہی ہو۔ کسی ظالم و جابر حکمران کے سامنے فریاد کر رہی ہو لیکن یہ حویلی آسیب زدہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ اس نے پڑھا تھا کہ ایسی حویلیاں جو کہ پرانی اور تاریخی ہوں یا تو آسیب زدہ ہوتی ہیں یا پھر ان حویلیوں کی دیواروں میں انارکلی کی طرح کئی دوشیزاؤں کو چنوایا گیا ہوتا ہے۔

وہ کسی بھی نتیجہ پر نہ پہنچا تھا اس نے چائے کا کپ بمشکل ختم کیا اور اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ بڑے سے دروازے کو پار کر کے واپس گاڑی تک پہنچا تو سکون کی سانس خارج کی۔ وہ خوفزدہ نظروں سے اس حویلی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ سمجھ نہ پایا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا تھا۔ وہ حویلی کے باہر بچھی ہوئی ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اندر سے شمعون ایک بارعب مردانہ وجاہت سے لبریز ایک شاندار مرد کے ساتھ باہر آیا تو ایاز بے اختیار ہو کر اُٹھ گیا۔

"ایاز یہ میرے دادا جی سمیع اللہ ہیں۔" شمعون نے تعارف کروایا۔ "اور دادا جی یہ میرا دوست ایاز ہے۔ ہم کالج میں اکٹھے ہی پڑھتے ہیں۔" سمیع اللہ نے ایاز سے ہاتھ ملایا تو ان کے ہاتھوں کی گرمی اور نرمی اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ جوانی میں یہ شخص خاصا متحرک اور ہوشیار ہوگا۔ ان کی قابل رشک صحت اب بھی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو صحت مند رکھنے کے لیے احتیاطی تدابیر صبح کی سیر وغیرہ پر عمل کرتے ہیں۔

"کیسے ہو برخوردار۔" سمیع اللہ کا دبنگ لہجہ ایاز کو اچھا نہ لگا تھا۔ ان کا انداز ایسا تھا کہ وہ غریبوں کو نظر انداز کرنا ہی اپنی شان سمجھتے

http://kitaabghar.com

ہیں لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ ایاز غریب ہے۔ اس کی اس بات کا جواب اُسے خود ہی مل گیا تھا کیونکہ اس کی پھٹی ہوئی شرٹ پینٹ سے باہر نکل آئی تھی۔

''آپ کی دعائیں ہیں دادا جی!'' ایاز نے بھی شمعون کے دادا کو دادا جی کہا تو تینوں ہی مسکرا دیے تھے۔ لیکن ایاز کو سبح اللہ کی مسکراہٹ حقیقت سے عاری لگی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے شمعون تم اقصیٰ کو لے جاؤ..... اگر ہمارا چکر لگا تو ہم شہر ضرور آئیں گے۔'' یہ کہہ کر دادا جی اندر کی جانب چلے گئے اور شمعون ایاز سے مخاطب ہوا۔

''تم اندر سے باہر آ گئے ہو..... اور میں دادا جی سے تمہیں ملوانے کے لیے باہر تک لے آیا۔''

''دادا جی اچھے بھلے ہیں وہ کون سا چل پھر نہیں سکتے۔'' ایاز نے پہلی بار تلخی سے جواب دیا تو شمعون نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ ''تم گاڑی میں بیٹھو میں بوا کو لے کر آ رہا ہوں۔'' وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تو ایاز چلتا ہوا گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس نے دیکھا کہ شمعون کے ساتھ اس ملک کی نامور ماڈل اقصیٰ چلی آ رہی تھی۔ اس نے کئی بار اقصیٰ کو ٹی وی اسکرین پر اور اخبارات میں دیکھا تھا۔ لیکن اس کا شمعون کے ساتھ اس طرح آنا ثابت کرتا تھا کہ یہی اس کی وہ بوا ہے جس کو لینے کے لیے وہ آئے ہیں۔

ایاز سمجھ رہا تھا کہ کوئی بوڑھی عورت ہوگی جس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں بٹھانا پڑے گا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا تھا۔ اقصیٰ حسن کی وہ شمع لگ رہی تھی جو سورج کی روشنی کو بھی مدہم کر رہی تھی۔ تیز لیکن پیاری لگنے والی دھوپ میں اقصیٰ کا حسن جگمگا رہا تھا۔

ایاز نے احتراماً نظریں جھکا لیں لیکن وہ اقصیٰ کو جی بھر کے دیکھ چکا تھا اور اس کا حسن آنکھوں کے راستے دل میں سمو چکا تھا۔ لیکن اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچنے کے قابل تھا اس کا اپنا سٹیٹس اور شمعون اور پھر اقصیٰ کا اپنا سٹینڈ رہ کبھی بھی افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

اقصیٰ چلتی ہوئی گاڑی تک پہنچی اور پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

شمعون نے گاڑی ریورس کی اور گاؤں سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑا دی۔

''شمعون جلدی کرو۔ اگر آج کا شو مس ہو گیا تو بہت نقصان ہو جائیگا۔'' اقصیٰ کی مترنم آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی لیکن وہ سامنے سڑک پر دیکھتا رہا۔

''بوا ابھی تو کافی وقت ہے۔ آپ فکر نہ کریں ہم سکون سے بھی جائیں تو پہنچ جائیں گے۔''

''شمعون.....'' اقصیٰ کا انداز ناراضگی سے بھرا ہوا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری اقصیٰ.....'' اقصیٰ نے اس کو منع بھی کیا تھا کہ اس کو بوا نہ کہنا۔ شمعون کو یاد آیا تو اس نے معذرت کی۔ ''اقصیٰ یہ میرے کلاس فیلو ایاز ہیں اور ایاز یہ اقصیٰ ہیں اس ملک کی نامور ماڈل۔ اور رشتہ میں یہ بابا جان کی چھوٹی لاڈلی بہن ہیں۔'' اس بار شمعون نے تعارف کا انداز بدلہ تو ایاز اور اقصیٰ زیر لب مسکرا دیے۔

http://kitaabghar.com

''میں نے کئی بار دیکھا ہے ان کو ٹی وی سکرین پر..... نائس ٹو میٹ یو میڈم!'' ایاز نے اخلاقاً کہا تو اقصیٰ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''اچھا لگا کہ آپ بولتے بھی ہیں..... ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ.....'' ''ایاز سمجھ گیا کہ اقصیٰ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی ہے۔

''اقصیٰ جی پلیز..... آپ میرے دوست سے اس طرح فری نہ ہوں۔'' شمعون نے ٹوکنے والے انداز میں کہا تو ایاز مسکراتا ہوا کہنے لگا۔ ''ارے یار کوئی بات نہیں مجھے اچھا لگا کہ میں اس ملک کی نامور پرسنالٹی کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں''

''گڈ..... اب میری فیلڈ سٹڈی تو نہیں کہ میں آپ سے کچھ سوال پوچھوں۔ اس لیے آپ کو ہی کچھ نہ کچھ مجھ سے پوچھنا ہوگا۔''

''ویسے بواء..... میرا مطلب ہے کہ اقصیٰ میں نے ایاز کو نہیں بتایا تھا کہ آپ یگ پرسنالٹی ہیں۔ میں نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ ہم گاؤں سے بوا کو لینے جا رہے ہیں..... میرے خیال میں ایاز کے ذہن میں بھی یہی ہوگا کہ بوا کوئی ایسی عورت ہوگی جس کو لوگ پکڑ کر گاڑی میں سوار کرائیں گے۔ کیوں ایاز؟''

اب گاڑی میں شاہراہ پر دوڑنے لگی تھی۔

ایاز نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی تو اقصیٰ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''مجھے اچھا لگا کہ آپ سیدھی اور کھری بات کرتے ہیں۔''

''بس میں ایسا ہی ہوں میڈم!'' ایاز نے کہا تو وہ مسکرانے لگی۔ اور گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

''گاڑی کا ننھا منا کھلونے جیسا اسٹیرنگ شمعون کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ تیزی سے گاڑی دوڑاتا ہوا شہر کی جانب جا رہا تھا۔ ایاز کا ذہن ایک بار پھر حویلی کے اس کمرے کی جانب چلا گیا تھا جہاں سے وہ خوفزدہ ہو کر باہر نکل آیا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس جگہ کا تذکرہ اپنی امی صائمہ سے کرے گا۔''

☆.....☆.....☆

نعمان ایزد نے غور سے سکندر کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہاتھوں سے وہ رقعہ لے لیا جو کہ ایک نامور سیاستدان کا تھا جس کی تحریر میں سکندر کو بھروسے کا آدمی بتایا گیا تھا اور اس کو نعمان ایزد کے پاس نوکری کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ اس کو اپنے پاس ہی رہنے کی جگہ مہیا کی جائے اور دن رات یہ آدمی آپ کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار ہوگا۔

نعمان ایزد کو ملک کے بگڑتے ہوئے حالات نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ بھی اپنے لیے کوئی سیکیورٹی گارڈ یا خصوصی گارڈ کا انتظام کر لے لیکن بھروسے کا بندہ ملنا اس دور میں مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ کیونکہ وہ کئی ایسے واقعات دیکھ چکا تھا کہ سیکیورٹی گارڈز نے ہی اپنے مالک کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ لیکن وہ نوجوان اور ہوشیار سکندر کو دیکھ کر ایک نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اس بندے کو آزمایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جس سیاستدان کا رقعہ لے کر آیا تھا وہ نعمان ایزد کی پارٹی کا پھرتیلا اور نامور سیاستدان تھا۔ ان دونوں کی گاڑھی چھنتی تھی نعمان ایزد نے رقعہ تہہ کر کے جیب میں ڈالا اور سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کرسی سے اُٹھ کر لان میں ٹہلنے لگے۔

http://kitaabghar.com

''کیا کام کر سکتے ہو؟'' سکندر کا انٹرویو شروع ہو گیا تھا۔

''جان لینے اور دینے سمیت ہر وہ کام جس میں آپ کی مرضی شامل ہو گی۔'' سکندر نے مدلل جواب دیا تھا۔ نعمان ایزد اس کی طرف دیکھ کر رہ گئے اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''جیل کیوں گئے تھے؟''

''ایک ایسا جرم کیا تھا جو میں نے نہیں کیا تھا۔ اس کی سزا بھگت کر آیا ہوں۔''

''گاڑی ڈرائیو کر سکتے ہو؟''

''جی سر، ہر قسم کی گاڑی ڈرائیو کر لیتا ہوں۔'' وہ سعادت مندی سے بول رہا تھا۔ ''اور ہر گاڑی کو ٹھیک بھی کر لیتا ہوں سر۔''

''جس آدمی نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے..... وہ میرا محسن ہے۔'' نعمان ایزد ایک بار پھر کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

''یہ میرا گھر ہے میری نوکری کرنے کے بعد تم پر اس گھر کی ذمہ داری بھی آ جائیگی۔'' اتنی بات سن کر وہ سر ہلا کر مزید توجہ سے سننے لگا۔ ''میرے دو بیٹے، ایک بیٹی اور ایک بہن ہے وہ میں اور میری بیوی اس گھر میں رہتے ہیں۔ تمہاری وفاداری ان سب کے ساتھ بھی یکساں ہونی چاہیے۔''

نعمان ایزد نے گویا اس کو خبردار کیا تھا کہ تم بھی نوجوان ہو اور گھر میں جوان لڑکیاں بھی ہیں۔ اگر تم میرے نوکر ہو تو ان کے بھی نوکر ہی رہو گے۔

''میں سمجھتا ہوں سر۔ آپ مجھے وفاداری میں سرخرو پائیں گے۔'' سکندر کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

''یہ باڈی گارڈز اور سیکیورٹی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ سیاست اتنا گندا کھیل ہے جس میں باپ بیٹے کو، خاوند بیوی کو بھائی بھائی کو اور بیٹا باپ کو کرسی کی خاطر قتل کروا دیتا ہے۔'' وہ سکندر کو سمجھا رہے تھے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

''کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں؟''

سکندر مسکراتا ہوا بولا۔ ''میں آپ کا کوئی عزیز نہیں ہوں جناب اور نہ ہی مجھے سیاست کی ابجد سے کوئی شناسائی ہے۔ اور نہ ہی مجھے کرسی کی لگن ہے۔ اعتماد پوچھ کر نہیں کیا جاتا جناب دل کی آواز پر کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کا دل مطمئن نہیں تو کوئی بات نہیں..... نوکر تو نوکری ہی کریگا۔ کہیں بھی کر لے گا۔''

''اگر تمہیں میرے مخالفین خرید لیں تو.....؟'' نعمان ایزد نے دل کی چبھن کو الفاظ بنا کر اس کی طرف گولہ بنا کر پھینکا تو وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

''ناراض نہ ہونا سر جی میں سیاستدان نہیں ہوں جو بک جاؤں گا۔'' بہت بڑی بات وہ آسانی سے اور روانی سے کہہ گیا تھا۔ اس

http://kitaabghar.com

نے اس کی سیاست پر اچھا خاصا طنز ہی نہ کیا تھا بلکہ الفاظ کے بم برسا کر اپنا غصہ بھی نکالنے کی کوشش کی تھی۔

''میرا نام نعمان ایزد ہے..... آج سے تم میرے گھر کے ملازم ہو۔ مجھے کبھی ضرورت پڑی تو تمہیں کسی خاص کام کے لیے بلا لیا کروں گا..... جانتے ہو خاص کام؟'' نعمان ایزد کا ذو معنی فقرہ سمجھ کر وہ زیر لب مسکرایا اور بولا۔

''اس ملک کے کس کس کونے میں کیا کیا ہوتا ہے سکندر کو علم ہے سر جی۔ اور جو بھی کہیں گے سکندر کی ایک کال پر ہی وہ سر کے بل نہ آئے تو سکندر کا جینا بھی کیا جینا ہے؟''

''گڈ..... میرا آفس گھر سے دور ہے وہاں پر ایک سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ لیڈیز سیکریٹری۔'' سکندر مسکرایا اور بولا۔

''صرف سیکریٹری ہو یا.....؟'' نعمان ایزد کا قہقہہ بلند ہوا تو سکندر اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگا۔

''سمجھدار تو لوگ ہی رہے تھے لیکن بی دار بھی ہو..... عمر یا تیس تیئس سال.....'' وہ اندر جانے کے لیے واپس مڑے تو پھر رک گئے۔ اُلٹے پاؤں گھومتے اور سکندر کو متوجہ پا کر متاثر کن انداز میں بولے۔

''پچیس ہزار روپے تمہاری تنخواہ ہوگی..... تم فی الحال گھر کے ڈرائیور بن کر رہو گے۔ اور وہ سامنے والی عمارت کے پیچھے ایک صاف ستھرا کوارٹر ہے..... وہ تمہاری بہترین رہائش گاہ ہوگی۔'' نعمان ایزد نے ایک طرف اشارہ کیا جو کہ اقصیٰ کے کمرے کے پیچھے کوارٹر تھا۔ سکندر خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا۔ اس کا پہلا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ اس کو بہت کچھ کرنا تھا۔ اتنا کچھ کرنا تھا کہ اس نے جیل میں جو زندگی کی تلخ راتیں اور ظلم و بربریت کے جو بدترین دن گزارے تھے ان لمحوں کا سُن سُن کر حساب لینا تھا۔ نعمان ایزد نے اس کو گھر میں رکھ کر اس کا کام آسان کر دیا تھا۔ وہ کوارٹر کی جانب بڑھ گیا اس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو کوارٹر واقعی صاف ستھرا تھا اینچ باتھ اور دیگر ضروری تمام لوازمات اس کوارٹر میں موجود تھے جو ایک آدمی کو درکار تھے۔ اس کو اس سے بہترین اور محفوظ رہائش گاہ نہ مل سکتی تھی۔ وہ اس اہم ترین خبر کو اپنی آپا صائمہ سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔ لیکن صائمہ نے سختی سے اس کو منع کیا ہوا تھا کہ وہ اس کو ملنے اس کے گھر نہ آئے۔ کیونکہ اگر وہ بچوں کو سکندر کا تعارف کرواتی تو پھر اپنے کربناک ماضی سے بھی پردہ اٹھانا پڑے گا اور صائمہ یہ نہ چاہتی تھی کہ بچے اس کے المناک ماضی کی جھلک اپنے روشن مستقبل پر محسوس کرتے ہوئے ترقی کی بجائے تنزلی کی جانب جائیں۔

سکندر نے صبح سویرے ہی بازار میں صائمہ سے ملنے کا فیصلہ کیا اور پرسکون ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

انصر نے اپنے علاقہ میں آنے والے تمام تھانوں کے عملہ کی تفاصیل جمع کر لی تھیں وہ اب ان تھانوں کے سرپرائزوزٹ کر رہا تھا اس کے ساتھ اس کا ماتحت ٹیپو بھی ہوتا تھا۔ وہ نام کا ہی نہیں بلکہ کام کا بھی ٹیپو سلطان تھا۔ وہ نڈر اور بہادر تھا اور انصر کو ایسے ہی کسی ساتھی کی ضرورت تھی جو ایماندار اور بہادر بھی ہو۔ اور ابھی تک تو ٹیپو اس کے معیار پر پورا اُترا تھا۔

انصر کی پشت پر اس کے جسٹس باپ کا بہت بڑا اخلاقی ہاتھ تھا اور یہی وجہ تھی کہ انصر نے دل لگا کر محنت کی اور اپنی خواہش پر

http://kitaabghar.com

پولیس فورس جوائن کرلی۔ اس نے اپنی محنت اور کوششوں سے ترقی کی تھی۔ آج محکمہ پولیس میں اس کی بہادری کا طوطی بولتا تھا۔ اس نے بھی باپ کی طرح آج تک ایک روپیہ رشوت و بے ایمانی کا نہ لیا تھا۔ ایمانداری اور فرض شناسی اس کی گھٹی میں شامل تھیں۔

جسٹس بصیر احمد نے اس کو یہی بات سمجھائی تھی کہ وہ دیانتداری اور جذبے سے کام کرے گا تو اس کو عزت بھی ملے گی اور مقام و مرتبہ بھی ملے گا۔

اس نے اصول بنا لیا تھا کہ وہ اچانک کسی نہ کسی تھانے کے سرپرائزوزٹ کے لیے نکل پڑتا تھا۔ ٹیپو نے کئی اعلیٰ ترین سینئر آفسران کے ساتھ کام کیا تھا لیکن اس کو انصر کا انداز سب سے مختلف لگ رہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ بھی ڈیوٹی میں دلچسپی لیتا ہوا کام کو کام سمجھ کر کرنے میں مزہ محسوس کر رہا تھا۔

انصر نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ اس کے تحت کام کرنے والے تھانوں کا عملہ یا تو کرپٹ تھا یا پھر کام چور تھا۔ اس نے کئی انسپکٹرز کی انکوائری ڈیوٹ بھی کی تھی اور ان کو اچھے نتائج کی وارننگ بھی دی تھی۔ اس کے کام کرنے کا الگ ہی انداز تھا وہ بھیس بدل کر کبھی بائیک پر نکل جاتا اور کبھی جان بوجھ کر اشارہ کراس کر جاتا تھا۔ روکنے پر پولیس کے کانسٹیبل یا انسپکٹر کی منتیں کرتا اور پھر اس کی جیب میں سو یا پچاس کا نوٹ دے کر اپنی جان چھڑانے والے انداز میں وہاں سے آجاتا اور اس سپاہی کا نام اپنی بلیک لسٹ والی ڈائری میں لکھ کر اس کی خلاف اندر ہی اندر کاروائی شروع کر دیتا تھا۔

ٹیپو ملک کے نامور مزاحیہ اداکار سے خاصا متاثر نظر آتا تھا وہ ان کی طرح باتیں بھی کرتا تھا لیکن باتوں ہی باتوں میں اپنا کام بہترین طریقے سے کرنے کا ماہر بھی تھا۔ وہ اُلٹے سیدھے فقرے اور محاورے بھی بول جاتا تھا جن کو نہ اصلیت کر کے انصر خاصا محظوظ ہوتا تھا۔

آج بھی ان کے سرپرائزوزٹ میں تھانہ کہکشاں کالونی میں کافی بے قاعدگیاں دیکھنے میں آئی تھیں اور بہت سے کام ایسے تھے جو قانون سے ماورا تھے چونکہ یہ انصر کا پہلا دورہ تھا وہ ان سب کو صرف وارننگ ہی دے رہا تھا جبکہ دیگر افسران اس کے وارننگ دینے پر بھی اس سے ناراض تھے۔ وہ انصر کو بھی اسی تالاب کی مچھلی سمجھ رہے تھے جس گندے تالاب میں وہ گندی مچھلیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن یوں لگتا تھا کہ کسی نے گندے تالاب میں انصر نامی صاف ستھری مچھلی ڈال دی تھی جو گندے تالاب کو صاف کرنے کی تگ و دو میں تھی لیکن اس تالاب میں رہ کر مگرمچھوں اور نوکیلے دانتوں والی شارک مچھلیوں سے اپنی جان بھی بچانا تھی۔ لیکن انصر اکیلا تو تمام گلے سڑے سسٹم سے لڑنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اتنا ضرور تھا کہ وہ اپنے تئیں پوری کوشش ضرور کر رہا تھا۔ جسٹس بصیر احمد کو اپنے بیٹے پر فخر تھا کہ اس نے کبھی بھی رشوت یا بے ایمانی کا سہارا لے کر میرٹ کو ڈی گریڈ نہ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

جویریہ نے گاڑی بیک کی تو وہ زوردار انداز میں پیچھے کھڑی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ جویریہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اس نے بیک مرر سے دیکھا تو پچھلے والی گاڑی نئی بھی تھی اور قیمتی بھی لگ رہی تھی اور اس کا مالک ابھی تک ڈرائیونگ سیٹ پر ہی بیٹھا ہوا تھا اور اس کا

http://kitaabghar.com

مطلب تھا کہ وہ جویریہ کو گھور رہا ہے اور کھا جانے والی نظروں سے ہی دیکھ رہا ہے۔

جویریہ کو اب گاڑی نکالنے کے لیے پیچھے والی گاڑی کے مالک کی منت بھی کرنا تھی اور معذرت بھی کرنا تھی شاید اس کا نقصان بھرنے کی حامی بھی بھرنا پڑتی۔ وہ گاڑی کو آگے بھی نہ لیجا سکتی تھی کیونکہ آگے بھی گاڑی کھڑی تھی اور بھاگنے کا راستہ صرف یہی تھا کہ وہ اپنی غلطی کو مان کر معذرت کر کے جان چھڑائے۔ اس نے یہ سوچا اور گاڑی سے نیچے اُتر آئی۔ یہ تو اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ ایک فائیو سٹار ہوٹل میں کھانا کھانے آئی تھی اور اس وقت وہ پارکنگ میں تھے اور پارکنگ بھی بیسمنٹ میں تھی ورنہ ابھی کے ابھی مجمع جمع ہو جاتا اور نیا ہی تماشہ کھڑا ہونا تھا۔

وہ ابھی تک اسی شش و پنج میں مبتلا تھی کہ گاڑی کا مالک ابھی تک اس پر لال پیلا ہوتا ہوا ناراض کیوں نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ہی وہ گاڑی کی طرف مڑی تو پیچھے والی گاڑی کے پاس حارث کو کھڑے دیکھا تو اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے وہ دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے بڑی محبت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

جویریہ اس کے اس طرح محویت سے دیکھنے پر کچھ جھینپ سی گئی مگر غلطی تو اس کی تھی اور معذرت کرنا بھی اس کا حق تھا۔ وہ چلتی ہوئی حارث کے پاس پہنچی تو اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں وہ نعمان سے سوری کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ کچھ بھی کہنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''آئی ایم سوری۔'' جویریہ نے آنکھیں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو تیرانگی کی بجائے محبت ہی محبت تھی دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور آنکھیں جھپکنا بھول گئے تھے جویریہ کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا کیونکہ حارث کی نظریں پیار کے تیر بن کر اس کے دل میں کھب رہی تھیں۔ وہ اس کی دل آویز اور سحر کن شخصیت میں مزید کھونے ہی والی تھی کہ وہ پھر بول پڑا۔

''ایکچوئیلی غلطی میری ہے مجھے یہاں گاڑی کھڑی نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

اس کی بات سن کر جویریہ نے دیکھا کہ حارث نے جس جگہ گاڑی کھڑی کی تھی وہ راستہ تھا اور گاڑیوں کو ٹرن لینے کے لیے نشان دیا گیا تھا۔ اب اس کو سکون ہوا تھا کہ اس کی غلطی نہ تھی بلکہ حارث کی غلطی تھی اور وہ اپنی غلطی کو مان بھی گیا تھا۔ جویریہ کی پرسکون سانس خارج ہوتی دیکھ کر وہ بولا۔

''آپ یہاں؟'' اس کا میٹھا لہجہ شیرینی اور خلوص سے بھرپور تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ باقی لوگ.....؟''

''ایکچوئیلی میری فرینڈ کی برتھ ڈے تھی اور مجھے ہی آنا پڑا۔'' جویریہ اس کے مٹھاس بھرے لہجے سے گھائل ہوتی ہوئی آہستگی سے بولی تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''عجیب اتفاق ہے کہ..... میں نے آج ہی سوچا تھا کہ آپ سے ملوں۔'' یہ فقرہ سن کر جویریہ کی نظروں کا اُٹھ جانا فطری عمل تھا۔ وہ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''میرا مطلب تھا کہ.....'' وہ جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ گیا تھا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے..... مما پاپا پریشان ہو رہے ہونگے۔'' جویریہ کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کس دل سے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔ وہ کندھے اچکا کر بولا۔

http://kitaabghar.com

''مگر میں نے تو آپ کو نہیں روکا ہوا؟'' وہ اس کے دُرشت انداز پر فریفتہ ہوتی ہوئی گاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''راستہ تو آپ کی گاڑی نے روکا ہے۔'' حارث نعمان خفت محسوس کرتا ہوا سوری بول کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی ریورس کر لی۔

جویریہ نے اپنی گاڑی وہاں سے نکالی اور الوداعی نظروں سے اس کو سلام کیا اور گاڑی پارکنگ سے نکال کر باہر سڑک پر ہی آئی تھی کہ اس کے موبائل کی بیل ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ گھر سے کال آگئی ہوگی وہ بتا دیتی ہے کہ راستے میں ہے ابھی گھر پہنچنے والی ہے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ کوئی انجان نمبر تھا۔ اب گاڑی روک ہی لی تھی تو کال بھی سن لی جائے اس نے یہ سوچ کر کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔'' اتنا ہی کہنا تھا کہ دوسری طرف سے ابھرنے والی مردانہ وجاہت سے بھرپور آواز نے اس کو مسحور کر دیا۔

''گاڑی احتیاط سے ڈرائیو کیا کریں..... کسی کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔'' کال تو بند ہو گئی تھی لیکن وہ موبائل کو دیکھے جا رہی تھی وہ حارث نعمان کی آواز کو بخوبی پہچانتی تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ حارث نعمان کو پتہ چل گیا ہے کہ جویریہ ہی ہے جو اس کو کال کر کے تنگ کرتی ہے حارث نعمان نے بہت اچھے طریقے سے اس کو سمجھا دیا تھا کہ وہ صرف سمجھدار ہی نہ ہے بلکہ دماغی طور پر جینئیس بھی ہے۔

جویریہ نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور ہونٹوں پر مسکان سجائے گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

جمیل سراج صاحب نے ایاز کو اچھی نیوز سنانے جانے کی خوش خبری سنائی تھی۔ ایاز خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا وہ بہت خوش تھا کیونکہ ایک اچھے گھر میں ٹیوشن کا مل جانا اس بات کی علامت تھی کہ اس کے اور گھر کے اخراجات میں کچھ تو ''افاقہ'' ہوگا۔

جمیل سراج صاحب نے اس کو بتایا تھا کہ امیر کبیر باپ کی بیٹی کو ٹیوشن پڑھانا ہے وہ تمہیں اچھی فیس بھی دیا کریں گے۔ بس وہ اب صبح کا ناشتہ کرنے کے لیے صائمہ کے پاس بیٹھا تھا۔

صائمہ نے پراٹھا پکا کر ایاز کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بنا بیٹا؟'' پھر وہ دوسرے پراٹھے کا آٹا بنانے لگی۔ ''تم نے کہا تھا کہ اچھی سی ٹیوشن ملنے والی ہے۔''

''آپ کی دعا سے اللہ نے کرم کر دیا ہے امی جی۔'' ریشم اور صائمہ اس کی طرف دیکھنے لگیں کیونکہ ایاز نے یہ بات ان دونوں کو نہ بتائی تھی۔ اب وہ دونوں جوان بھی تھے اور ریشم کی شادی بھی کرنا تھی اور گھر کے اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ صائمہ کی مزدوری سے اب گھر چلتا نظر نہ آ رہا تھا۔

''ایاز..... تم اب بتا رہے ہو۔'' ریشم کا انداز چیخنے والا تھا جبکہ وہ پرسکون انداز میں ناشتہ کر رہا تھا۔

''آپ ہم اٹھے بھی تو ابھی ہی ہوئے ہیں۔ امی رات کو دیر سے آئی تھیں اور تم بھی سو رہی تھی۔'' ایاز کی فطری دلیل سن کر وہ خاموش ہو گئی۔

http://kitaabghar.com

''اچھا اچھا اب لڑنا نہ شروع کر دینا..... کتنی تنخواہ ہوگی تمہاری۔'' صائمہ کا محبت بھرا انداز دیکھ کر اور الفاظ سن کر دونوں ہی بہن بھائی ہنس پڑے۔ یہ ان کی ماں کی سادگی تھی۔ وہ دونوں کی طرف حیرت و استعجاب سے دیکھتی ہوئی دوبارہ پراٹھے پکانے لگی تو ایاز بولا۔

''اماں جی! ٹیوشن کی تنخواہ نہیں ہوتی فیس ہوتی ہے۔'' ایاز نے نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''لو بھئی کر لو بات۔'' وہ روٹیاں پکانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔ ''تنخواہ ہو یا فیس..... بات تو ایک ہی ہے نا..... پیسے تو مہینے بعد ہی ملتے ہیں نا؟''

''ویسے ایاز! کتنی فیس دیں گے وہ تمہیں؟'' ریشم نے تجسس سے پوچھا تو وہ بولا۔

''پتہ نہیں آپی۔ میں نے بات نہیں کی کیونکہ آج شام کو میں نے جانا ہے۔ ایڈریس میری جیب میں ہے۔ کوئی حارث نعمان ہے ان کی بہن کو پڑھانا ہے۔'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرا اور خالی کپ کو زمین پر رکھتا ہوا بولا۔ ''جا کر یہ پتہ چلے گا کہ کیا دیتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں وہ بچی جو پڑھنا چاہتی ہے۔ کہیں کوڑھ دماغ ہی نہ ہو؟''

''تمہاری شرٹ پریس کر دی ہے۔'' ریشم نے اُسے اندر جاتے دیکھا تو آواز لگائی لیکن گاڑی کی تیز آواز نے ان سب کو خاموش کروا دیا تھا۔

شرٹ تبدیل کر کے وہ باہر نکلا تو صائمہ نے اس کو کچھ روپے دیے اور کہا۔

''تمہاری نوکری لگی ہے۔ شام کو مٹھائی لیتے آنا۔'' وہ پیسے پکڑ کر ہنستا ہوا بولا۔

''اماں نوکری نہیں..... بس ایک ٹیوشن ہی ملی ہے ابھی تو۔''

''تم دیکھنا کہ میرا دل کہتا ہے اس ایک ٹیوشن سے ہی تمہارے لیے ترقی کے راستے کھلتے جائیں گے۔'' صائمہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ''میں جج صاحب سے بھی بات کروں گی کہ اگر ان کو بھی بچوں کے لیے کوئی ٹیوشن چاہیے تو ایاز کو ہی بلائیں۔ صائمہ کے انداز میں گرم جوشی دیدنی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے بیٹے کو اس قابل تو بنا دیا ہے کہ اب وہ استاد بن گیا ہے ترقی کی جانب پہلا قدم ہی اگر استاد بن کر اٹھایا جائے تو یقینی طور پر کامیابی قدموں میں بچھی جاتی ہے اور پھر ترقی کے راستے خود بخود ہی کھلتے جاتے ہیں۔

ایاز نے محبت سے صائمہ کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ میرے لیے دعا کرتی ہیں تو کامیابی کی کیا مجال ہے کہ مجھ سے دور بھاگے؟''

''تم دونوں ہی تو میرا سہارا ہو..... بس ایک آس پر جی رہی ہوں..... تمہیں تمہارا حق دلانے کے لیے اپنی سانس کی آخری ڈور تک بھی لڑتی رہوں گی۔'' ریشم اور ایاز پھر ہنسنے لگے تو صائمہ حیرت سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اب کیا غلط کہہ دیا ہے میں نے؟''

''اماں آپ کبھی بھی غلط نہیں کہتیں بس سادگی میں الفاظ آگے پیچھے کر جاتی ہیں۔'' ریشم نے کہا تو وہ ہنسنے لگی ناشتے سے فارغ ہو کر

http://kitaabghar.com

روزانہ والی روٹین وہی تھی۔

ایاز کالج چلا گیا اور صائمہ جسٹس بصیر احمد کے گھر کی جانب چلی گئیں۔ ریشم نے اندر سے کنڈی لگالی اور گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

جسٹس بصیر احمد اپنے دوستوں کے ساتھ ایک کافی شاپ میں موجود تھے کہ نعمان ایزد پورے قد و کاٹھ کے ساتھ اندر داخل ہوا بصیر احمد جو کہ کافی وغیرہ سے فارغ ہو چکے تھے نعمان ایزد کو آتا دیکھ کر دوستوں سے ایکسکوز کرتے ہوئے اُٹھے اور نعمان ایزد کی طرف بڑھ گئے۔

''جس قوم کے لیڈر تم جیسے ہوں گے تو پھر اس قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔'' بصیر احمد نے کہا تو نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر ان کو گلے لیا اور بولے۔ ''اور تم جیسے جج جس قوم کو مل گئے ان سائل بے چاروں کے آنسو کون پونچھے گا؟'' ترکی بہ ترکی جواب پر وہاں بیٹھے اعلیٰ سوسائٹی کے لوگ مسکرانے لگے۔

نعمان ایزد کے باڈی گارڈز کافی شاپ کے باہر ہی کھڑے تھے۔ اندر کا ماحول پرسکون بھی تھا اور کچھ گرم بھی تھا گیس ہیٹر نے اندر اپنا کام دکھا کر باہر کی سردی کو روکے رکھا تھا۔

بچپن کے دوست اور کلاس فیلوز چلتے ہوئے ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔

''کہاں ہو یار..... اتنی دیر بعد شکل دکھائی ہے۔'' بصیر احمد کا لہجہ شکایت سے بھرپور تھا۔ ''تم انصر کی برتھ ڈے پر بھی نہیں پہنچے!''

نعمان ایزد ان کے پیار بھرے پرشکوہ انداز پر ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے بولے۔

''تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ آج کل سیاسی بساط عجیب ہی رنگ دکھا رہی ہے۔'' نعمان ایزد نے اپنی بات پوری کی ہی تھی کہ ویٹر نے ان کے سامنے دو مگ کافی لا کر رکھ دی۔

ویٹرز اور کافی شاپ کا مالک نعمان ایزد اور جسٹس بصیر احمد کی طرح اپنے ہر اچھے گاہک کے مزاج اور رویے کو سمجھتا تھا یہ شہر کا مہنگا ترین کافی شاپ تھا اور معیار کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نعمان ایزد جیسا ٹریک سیاستدان اور پھر جسٹس بصیر احمد جیسے نامور جج حضرات اس کافی شاپ کے مستقل گاہک تھے اور بہت سے ایسے امرا بھی اچھی کافی پینے کے لیے اسی شاپ کا رُخ کرتے تھے۔

''تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟ بھابی اور بچے کیسے ہیں؟'' نعمان ایزد دونوں ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے بصیر احمد سے پوچھنے لگے تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''سب اچھا ہے۔ انصر نے پولیس جوائن کر لی ہے۔''

''واہ بھئی واہ..... جیسا باپ ویسا ہی بیٹا.....'' یہ مبارک دینے کا ایک انداز تھا جو نعمان ایزد نے اختیار کیا تھا۔

''تھینکیو..... جویریہ اور ایقہ ابھی پڑھ رہی ہیں۔'' بصیر احمد نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا اور ایک سپ لیتے ہوئے بتایا۔ نعمان

http://kitaabghar.com

ایزد نے کافی کے مگ سے نکلنے والے دھوئیں کو اپنی انگلی سے منتشر کرتے ہوئے کہا۔

''پولیس جوائن تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کہ وہ کوئی سپاہی ہو..... سیدھا سیدھا بتاؤ کس پوسٹ پر ہے میرا بھتیجا؟'' نعمان ایزد کا دھمکی آمیز لہجہ سن کر جسٹس بصیر احمد ہنستے ہوئے بولے۔

''تم فکر نہ کرو..... اپنے کالے کرتوتوں کو چھپا کر ہی رکھو..... وہ ایس پی ہے۔''

''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو مجھے سب معلوم ہے کہ وہ کس جگہ ہے اور کس پوسٹ پر ہے۔'' دونوں کے ہی قہقہے بلند ہوئے تو لوگ ایک بار پھر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اچھا تم ایک کام کرو گے؟'' بصیر احمد یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

''بولو۔'' نعمان ایزد کافی کا گھونٹ بھر چکے تھے۔

''تم اس سنڈے کو بھابی اور بچوں کو لے کر میرے گھر ڈنر پر آ جاؤ۔''

''سچ؟'' نعمان ایزد اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے پرجوش انداز میں بولے۔ اور اپنی بات کی تصدیق کے لیے ایک بار پھر بصیر احمد سے مخاطب ہوئے۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو نا؟''

''اس میں جھوٹ بولنے والی کیا بات ہے؟'' بصیر احمد کا انداز سلجھا ہوا تھا۔

''تمہارا کوئی اعتبار نہیں ہے نا..... میں فیملی لے کر تمہارے گھر آؤں اور تم کہہ دو..... کدھر بھئی؟ میں تو بچوں اور بیگم کے سامنے ذلیل ہو جاؤں گا نا؟''

بصیر احمد ہنسنے لگے۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''نہ بھئی..... مجھے یاد ہے ایک بار تم مجھے گھر بلا کے گھر سے ہی بھاگ گئے تھے۔'' نعمان ایزد نے ذرا اونچی آواز میں کہا تو بصیر احمد سبکی محسوس کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ کر گلا کھنکار کر بولے۔

''بندے کے پتر بنو..... ایسا نہ ہو کہ میں بھی تمہارے پول کھولنا شروع کر دوں؟'' نعمان ایزد قدرے ان کے قریب ہو گئے اور سرگوشی میں بولے۔ ''وہ کھانے والی بات نہ بتانا باقی سب خیر ہے۔''

''اچھا وہ بات جب تم نے کھانا کھا کر.....'' نعمان ایزد نے بصیر احمد کے منہ پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

''بہت کمینے ہو تم..... خاموش رہو۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... اب بتاؤ..... آ رہے ہو سنڈے کو یا نہیں؟'' جسٹس بصیر احمد نے پوچھا تو نعمان ایزد ہاتھوں کی انگلیوں سے میز بجاتے ہوئے بولے۔

''سوچوں گا۔''

http://kitaabghar.com

''کیا.....؟'' بصیر احمد چیخنے والے انداز میں بولے۔ ''سوچو گے.....اس کا مطلب کہ وہ بات مجھے بتانا ہی پڑے گی۔'' بصیر احمد گلا کھنکھار کر اُٹھ گئے ان کا انداز ایسا تھا کہ وہ سب کو اپنی جانب متوجہ کرنے والے ہیں۔

''آؤں گا یار.....آؤں گا۔ آؤں گا یار.....پلیز۔'' نعمان ایزد نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا تو بصیر احمد قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''اُلو کی دُم.....اب ہم بال بچوں والے ہیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی حرکتیں ہمیں زیب نہیں دیتیں۔'' بصیر احمد نے کہا تو نعمان ایزد مسکراتے ہوئے بولے۔ ''ٹھیک ہے ڈن ہو گیا۔'' نعمان ایزد نے بصیر احمد سے ہاتھ ملایا اور کہا۔ ''اب چاہے کچھ بھی ہو جائے میں اس سنڈے ضرور آؤں گا۔''

''اکیلے نہیں آؤ گے.....پوری فیملی کے ساتھ آؤ گے ورنہ گیٹ سے اندر نہیں گھسنے دوں گا یاد رکھنا۔'' بصیر احمد کا دھمکی آمیز فقرہ سن کر نعمان ایزد بولے۔

''اگر میں فیملی لے کر آ گیا تو کیا ٹریٹ دو گے؟''

''تم نہیں آؤ گے مجھے معلوم ہے۔''

''میں ضرور آؤں گا۔ تم دیکھنا.....یہ میری اَنا کا مسئلہ ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر تم آ گئے تو کھانا میرے گھر پر کھائیں گے۔ اگر تم نہ آئے تو تم اس جگہ پر آ کر اسی میز پر کان پکڑ کر مرغا بنو گے۔'' بصیر احمد کی انوکھی شرط پر نعمان ایزد ''اونہہ.....'' کر کے رہ گئے۔

''ڈن! اس سنڈے کو ڈنر تمہارے گھر ہی ہو گا۔ یاد رکھنا میں بڑے پائے شوق سے کھاتا ہوں۔'' نعمان ایزد نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ملایا اور کافی کے مزے لیتے ہوئے اپنا اپنا کپ دونوں نے ختم کیا اور ماضی کے قصوں میں مگن ہو گئے۔ ان دونوں کی باتیں سن کر لگتا ہی نہ تھا کہ ایک اس ملک کا نامور اور منجھا ہوا سیاستدان ہے اور دوسرا سینئر ترین جج ہے جس کے قلم کی ایک جنبش کی زندگی پل بھر میں موت کا بے رحم لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے غور سے سکندر کی طرف دیکھا اور پاس کھڑے ہوئے ملازم سے اس کا حدود اربع معلوم کرنے لگی لیکن وہ صرف اتنا ہی بتا پایا کہ صاحب نے نیا ڈرائیور رکھا ہے جو باڈی گارڈ بھی ہے اور گھر کے دیگر امور بھی نپٹایا کرے گا۔ اقصیٰ نے اس کو بلانے کے لیے کہا تو ملازم نے جا کر سکندر کو اقصیٰ بی بی کا پیغام سنایا۔ سکندر اس وقت کسی کام میں مگن تھا وہ کاغذات کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس نے بھی اقصیٰ کو دیکھ لیا تھا لیکن نظریں جھکا کر اپنے کام میں مگن ہو گیا تھا۔

وہ چلتا ہوا وسیع لان کی گھاس کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا اقصیٰ کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا ہینڈسم اور سمارٹ

http://kitaabghar.com

سکندر اقصیٰ کو پہلی نظر میں ہی بھا گیا تھا۔ چمکتی دھوپ میں آرام دہ کرسی پر بیٹھی ہوئی اقصیٰ سکندر کو سر تا پاؤں دیکھتی ہوئی بولی۔

''آنکھوں کی چلمن پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ دوبارہ آنکھیں اُٹھنا ہی بھول جائیں۔'' اقصیٰ نے اس کی جھکی ہوئی نظروں اور سعادت مندی پر گہرا طنز کیا تھا۔ سکندر کا یاں نوجوان تھا اس نے بچپن اور لڑکپن جیل میں گزارا تھا اس نے ہر رنگ اور ہر طرح کے آدمی کے ساتھ جیل کے ٹھنڈے اور گرم فرش پر اپنی راتیں اس طرح گزاری تھیں کہ اس کو ان کی خدمت کرنا پڑی تھی۔ ٹانگیں دبا کر کبھی سروں کی مالش کر کر کے اس نے وہ سفر طے کیا تھا۔ اب بھی وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ خوبصورت تتلی نعمان ایزد کی کوئی خاص ہی رشتہ دار ہے۔ بیٹی یا بہن تو ضرور ہوگی اس لیے دل ہی دل میں اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر بات کا موزوں اور مختصر سا جواب دینا ہوگا۔ کیونکہ اقصیٰ قیمتی لباس میں ملبوس تھی اور اس کا چائے پینے کا انداز بتا رہا تھا کہ اس میں تکبر اور غرور کی علامتیں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

''ملازموں کی نظریں نیچی ہی رہیں تو اچھا ہے میڈم!''

''ملازم!؟'' وہ خاص ادا سے بولی۔ ''ملازموں کے لباس اور حلیے تو ایسے نہیں ہوتے؟''

''میرا نام سکندر ہے اور میں صاحب کا نیا ملازم ہوں میڈم۔'' اس نے اپنے لہجے کو خاص مؤدب رکھا تھا کیونکہ وہ اس محل میں ایک مشن پر آیا تھا اور وہ مشن اسے ہر حال میں پورا کرنا تھا۔ نظریں جھکا کر اور زبان کو بتیس دانتوں کے تالے میں بند کر کے ہی وہ اپنا کام پورا کر سکتا تھا۔

''رہ گئی بات حلیے کی..... تو میڈم..... اچھا لباس پہننا میری کمزوری ہے۔'' اسے بہت ہی محتاط رہنے کی ضرورت تھی اور وہ الفاظ بھی وہ استعمال کر رہا تھا جن سے سامنے والے کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

''الفاظ سے کھیلنا مجھے بھی اچھا لگتا ہے۔'' اقصیٰ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ''مگر مرد کی نظریں جھکی ہوئی ہوں تو یہ مردانہ شان کے خلاف ہے۔'' سکندر نے اقصیٰ کی بات سن کر نظریں اُٹھائیں اور اس کے خوبصورت چہرے پر گاڑھ دیں۔ ''جی میڈم'' وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

''میں میڈم نہیں ہوں..... میرا نام اقصیٰ ہے۔ اس ملک کی مشہور ماڈل اقصیٰ سیج؟؟.....'' غرور اس کی باتوں سے جھلکنے لگا تھا۔

''نعمان ایزد میرے بڑے بھائی ہیں۔''

سکندر کو ایسے ہی کسی رشتے کی توقع تھی کیونکہ نعمان ایزد خود بھی جوان تھا اور پھر اس نے اقصیٰ کا نام کئی بار جیل کی سلاخوں کے پیچھے سنا تھا۔ لیکن آج اس کے گھر میں اس کے برابر کھڑا تھا۔ قیدیوں کی جیسی زبان اور جیسا لحجہ بین والا لہجہ اس نے اقصیٰ کے بارے میں سنا تھا۔ وہ اس سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ یا پھر ریپ پر لباس اور حسن کی اداؤں کو کھیر نے کا نام ہی ماڈلنگ تھا۔ سکندر کا کام آسان ہوتا جا رہا تھا۔

''نعمان بھائی نے تمہیں کس کام کے لیے رکھا ہے؟'' ایک اور سوال کیا گیا۔

''ہر اس کام کے لیے جو اس گھر کی حفاظت میں کام آسکے۔'' مختصر مگر جامع جواب سن کر وہ قائل ہوتی ہوئی بولی۔

''کون سا کام بہتر اور اچھا کر سکتے ہو؟''

http://kitaabghar.com

''کوئی بھی کام۔''

''کوئی بھی کام؟'' انداز چیخنے والا تھا مگر وہ خود پر قابو پاتی ہوئی بولی۔ ''مثلاً سیکریٹری، میڈیا ایڈوائزر باڈی گارڈ، ڈرائیور وغیرہ وغیرہ۔''

''سب کام کر سکتا ہوں اقصیٰ میڈم۔ لیکن ایک وقت میں ایک۔'' اس نے جان بوجھ کر پہلی بار اس کا نام لیا تھا۔

''اگر اپنے منہ سے اپنی تعریف کروں گا تو آپ کو بُرا لگے گا۔'' سکندر کی گہری بات سن کر اقصیٰ اپنے ہونٹوں کو سیٹی بجانے والے انداز میں سکیڑ کر رہ گئی۔

''تم دلچسپ آدمی لگتے ہو۔ تم سے کمپنی رہے گی۔'' وہ واپس مڑ گئی تو سکندر کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ اُبھری۔

''آپا صائمہ آپ کا کام ہونا شروع ہو گیا ہے۔'' ان الفاظ میں کتنی کڑواہٹ تھی اس بات کا اندازہ خود سکندر کو بھی نہ تھا۔

''مسٹر سکندر!'' وہ اپنے عقب سے نعمان ایزد کی بات سن کر گھوما تو وہ بالکل اس کے سامنے کھڑے تھے وہ چونک کر رہ گیا۔

''جی سر جی!'' وہ مؤدب ہوتا ہوا بولا تو نعمان ایزد نے اس کے حلیے کی طرف دیکھا اور تعریفی انداز میں بولے۔

''گڈ۔ نعمان ایزد کے ملازم کو ایسا ہی لباس پہننا چاہیے۔''

''شکریہ سر جی!'' وہ سعادت مندی کا نمونہ بنا ہوا تھا۔

''ہم ابھی نکل رہے ہیں اور شہر سے باہر جانا ہے۔ تیار ہو؟'' نعمان ایزد کا سوالیہ انداز میں حکم دینا یہ ثابت کرتا تھا کہ وہ سکندر کو ڈ اسی طور پر ہر وقت کسی بھی جگہ لیجانے کے لیے تیار ہی چاہتے تھے۔

''میں ہر لمحہ تیار ہوں سر۔ آپ حکم کریں۔''

''گڈ، نعمان ایزد تمہیں کبھی بھی کہیں بھی بھیج سکتا ہے۔'' نعمان ایزد اس سے کہتے ہوئے آگے آگے چل پڑے تو سکندر کو ان کی تقلید کرنا پڑی۔

وہ پہلی بار کسی حکومتی رکن کے ساتھ اس کی قیمتی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا ایک انجان منزل کی جانب جا رہا تھا۔ وہ اس وقت نعمان ایزد کے برابر میں بیٹھا اپنی بڑی اکلوتی بہن صائمہ کو یاد کرنے لگا جو اس شخص کی وجہ سے دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اُس نے جیل میں بڑا کٹھن وقت گزارا تھا۔ اذیت ناک راتوں اور تڑپتے سلگتے دنوں کے ساتھ عملے کے تشدد سہتا ہوا وہ جوان ہوا تھا۔ اس نے جیل میں ہر وہ کام سیکھا تھا جو اس کے کام آ سکتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے گاڑی ڈرائیو کرنا ہی سیکھا تھا۔ وہ ایس پی صاحب کی گاڑی چلایا کرتا تھا۔ اس کی قید میں تین مہینے رہ گئے تو جیلر نے اس کو ایس پی کی گاڑی کا ڈرائیور بنا دیا تھا۔ جیلر چاہتا تھا کہ یہ ڈرائیونگ کے بہانے بھاگ جائے اور پھر اس کو مفرور قرار دے کر کسی مقابلے میں پار کر دیا جائے۔ لیکن سکندر نے جیل میں رہ کر یہ سارے داؤ پیچ سیکھ لیے تھے۔ وہ ان سب کی پلاننگ سمجھ گیا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹوں ایس پی صاحب کا انتظار کرتا رہتا تھا۔ وہ کسی اہم اجلاس میں یا اس کو آزمانے کے طور پر ایک جگہ کھڑا کر کے جاتے تو وہ گھنٹوں وہیں کھڑا رہا تھا۔ وہ دیکھ لیتا تھا کہ اس کے آس پاس سفید کپڑوں میں ملبوس

http://kitaabghar.com

پولیس والے اس کی تاک میں ہیں۔ لیکن اس نے اپنے تین ماہ انتہائی اذیت میں کاٹ کر ان کی تمام پلاننگ پر پانی پھیر دیا تھا۔

اُسے آج بھی یاد آ رہا تھا کہ جب وہ جیل سے نکلنے لگا تھا تو اس کے ساتھی قیدی اس کو رہائی کی مبارک بادیں دے رہے تھے لیکن جیلر اور عملہ اس کو گھور رہا تھا۔ وہ جیلر کے کمرے میں پہنچا تو جیلر کے ساتھ ہونے والی گفتگو اس کو آج بھی اچھی طرح یاد تھی کیونکہ وہ ماضی قریب کی ہی باتیں تھیں۔

''تم نے بہت اچھا وقت گزارا ہے۔ اس لیے تمہاری سزا میں کمی کرتے ہوئے تمہیں رہا کر دیا جاتا ہے۔'' جیلر نے اس سے ایک کاغذ پر دستخط کرواتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''آپ کی مہربانی ہے جناب کہ مجھے تین دن قبل ہی رہا کر رہے ہیں اور میں حکومت کی اس اعلیٰ ظرفی کا قائل ہو گیا ہوں۔''

''کوشش کرنا کہ دوبارہ جرم کی دنیا میں نہ آنا پڑے۔'' جیلر کی بات وہ سمجھتا ہوا بولا۔

''جیلر صاحب! میں نے اس جرم کی سزا بھگتی ہے جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔ لیکن وہ جرم ضرور کروں گا اور آپ سے کبھی بھی ملاقات نہیں ہو گی۔'' سکندر کا اعتماد بھرا لہجہ دیکھ کر جیلر دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ سکندر مسکراتا ہوا جیل سے نکلا تھا۔ اس نے جیل میں جن جن لوگوں کی خدمت کی تھی ان میں اس کے بہت سے مہربان بھی شامل تھے۔ وہ ایک ہفتہ تک تو صائمہ کو تلاش کرتا رہا۔ اس کی آخری اطلاع کے مطابق صائمہ ریلوے کوارٹرز میں رہتی تھی اور جسٹس بصیر احمد کے گھر میں گزشتہ بیس بائیس سالوں سے کام کر رہی تھی۔

اس نے ایک دن صبح صبح صائمہ سے مل کر اپنی رہائی کی اطلاع خوش خبری کی صورت میں دی تھی۔ اُن دونوں نے بیٹھ کر نعمان ایزد کے بارے میں ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ ماضی کو یاد کر کے وہ دونوں بہن بھائی بہت روئے تھے۔ سکندر نے صائمہ کی گود میں سر رکھ کر دل کھول کے آنسو بہائے تھے۔ اس نے ماں کی لوریاں نہ سنی تھیں۔ اس نے ماں کے ہاتھوں سے چوری نہ کھائی تھی اس نے ممتا کی نرمی و گرمی کا لمس نہ لیا تھا۔ اس نے اپنی جوانی جیل کی قید سے رہا ہو کر گزارنے کے لیے ایمانداری اور شرافت سے قید کاٹی تھی۔

اس کو جیل کی چار دیواری میں کئی بار ایسے مواقع ملے تھے کہ وہ با آسانی فرار ہو سکتا تھا لیکن وہ باقی زندگی مفرور بن کر یا پولیس سے چھپ چھپا کر نہ گزارنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام قیدیوں کی رپورٹ بناتے وقت جیلر کو مجبوراً اس کی رپورٹ بھی مثبت الفاظ کے ساتھ بنانا پڑی۔ اور آج وہ اپنے بہترین مشن پر عمل کرنے کے لیے اپنے ٹارگٹ کے ساتھ تھا لیکن کام بہت کرنے والا تھا۔ اور اس تمام کام میں ہدایات صرف اور صرف صائمہ کی ہی چلتی تھی کیونکہ وہی اس کی ماں تھی باپ تھا اور سب کچھ تھا۔ وہ اس دوران کوئی بھی کام اپنی مرضی سے کر کے بنا بنایا کھیل نہ بگاڑنا چاہتا تھا۔ اس نے ہر بات میں نعمان ایزد کی ہاں میں ہاں ملانے کو ہی اپنی کامیابی سمجھی۔

آج اس نے اقصیٰ کو اپنی باتوں سے قائل کرنے کی ہلکی سی کوشش کی تھی لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اقصیٰ جس فیلڈ میں ہے اس نے اس فیلڈ میں اپنا لوہا منوایا ہے اور وہ کافی کایاں بھی ہے لیکن سکندر کو پہلی فرصت میں ہی اقصیٰ کا دل جیتنا تھا۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

''آپی..... آپی پلیز بتاؤ نا؟'' انیقہ ایک کتاب پکڑے اس کی منت کر رہی تھی لیکن جویریہ تھی کہ ایک ناول پڑھنے میں مگن تھی۔

''میں پاپا کو بتاتی ہوں کہ آپی مجھے تنگ کر رہی ہے۔'' انیقہ سے جب کچھ نہ بن پڑا تو وہ اُٹھ کر کمرے سے ہی چلی گئی تو جویریہ کی دلچسپی کتاب میں اور بھی بڑھ گئی۔ اب وہ مزید انہماک سے ناول پڑھنے میں کھو گئی تھی۔ لیکن ابھی چند ہی منٹ گزرے ہونگے کہ موبائل کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ اس نے دیکھا کہ انجان نمبر ہے تو کال بجنے دی۔ وہ کسی بھی انجان نمبر کی کال کو ریسیو نہ کرتی تھی۔ لیکن بار بار گھنٹی بجنے پر اس کو کوفت ہونے لگی تھی اور اس شور میں وہ ناول میں اپنی محویت برقرار نہ رکھ پائی تھی اس نے غصے سے کال ریسیو کی۔

''یس!'' وہ اتنا ہی بولی تھی باقی دوسری طرف سے بات کرنے والے کی بات اور آواز سن کر بات کیا کرتی تھی۔ اگر کوئی نہ بولے تو وہ کال ڈس کنکٹ کر دیتی تھی۔ لیکن اس بار سب کچھ ہی مختلف ہو گیا تھا۔ اس کے یس کہنے پر دوسری طرف سے بولنے والے نے سیدھا سیدھا ہی بول دیا تھا۔

''میں حارث نعمان بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے کوئی بھی لگی لپٹی بغیر ہی اپنا تعارف کروانے والا حارث نعمان اپنی خوبصورت آواز میں بول رہا تھا۔ جویریہ کو شرارت سوجھی۔

''کون حارث نعمان.....؟ آئی ایم سوری۔'' وہ کال کو ڈس کنیکٹ کر کے اپنے بد اخلاق ہونے کا تاثر نہ دینا چاہتی تھی۔ اس کا دل فریب انداز یقیناً حارث نعمان کے دل میں بھی کھب گیا ہوگا لیکن وہ دوسری طرف سے صرف جذبات کا اظہار ہی کر سکتا تھا اپنی موجودہ صورت حال نہ دکھا سکتا تھا۔

''نہیں پہچانا.....؟ اچھا سچ کہہ رہی ہیں آپ؟'' دوسری طرف سے اس فقرے میں جتنا بھرپور اعتماد تھا جویریہ اس کو محسوس کر سکتی تھی اور وہ اس کیفیت کا مزہ لے رہی تھی جو اس وقت حارث نعمان پر گزر رہی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے نہیں پہچانا تو میں فون بند کر دیتا ہوں۔'' حارث نعمان کی دھمکی کام کر گئی تھی وہ تو زا بولی۔ ''میرا نام جویریہ بصیر احمد ہے اور میں دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔'' اس نے تو حارث نعمان کو اپنی طرف سے چڑایا تھا لیکن وہ قہقہہ لگا کر ہنستا ہوا بولا۔

''اگر جویریہ بصیر احمد کسی دھمکی سے نہیں ڈرتی تو فون بند کر دے۔'' وہ بھی بات کو آگے بڑھانے کا فن جانتا تھا۔

''جی کہیے۔'' وہ شاید ہار مان گئی تھی۔

''مجھے ایک ایف آئی آر درج کروانا ہے آپ میری ہیلپ کر سکتی ہیں؟'' جویریہ کو اس لمحہ وہ کچھ کھسکا ہوا لگا تھا وہ صرف ''جی.....؟'' ہی کہہ سکی۔

''میرا دل چوری ہو گیا ہے میڈم!'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا تھا شاید الفاظ کو ترتیب دے رہا تھا یا پھر اپنے کیے ہوئے الفاظ کا رد عمل دیکھنا اور سننا چاہتا تھا۔

''میں آپ کی کیا ہیلپ کر سکتی ہوں۔'' جویریہ کا لہجہ شرارتی تھا مگر دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں اور ان کو قابو میں کرنا اس کے بس

http://kitaabghar.com

میں نہ تھا۔ دوسری طرف سے وہ پھر بولا تھا۔

''آپ جج صاحب سے کہہ کر میرا کیس ان کی عدالت میں لگوا دیں پلیز۔'' وہ اپنے عام سے الفاظ کو اخلاقیات کا پیرہن اوڑھا کر جویریہ کو پرپوز کر گیا تھا اور جویریہ اس کی بات سمجھتے ہوئے سرخ گالوں پر تپش کو محسوس کرتی ہوئی بولی۔

''میں اس سلسلہ میں آپ کی کوئی بھی ہیلپ نہیں کر سکتی۔'' وہ شرارتی انداز اور چلبلی بات کو محسوس کرتا ہوا بولا۔

''اگر میں کہوں کہ مجھے چور کا بھی پتہ ہے اور اس کے گھر کا بھی..... تو پھر بھی آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟''

''چور کا نام پتہ بتا دیں..... میں کوشش کروں گی کہ آپ کی رپورٹ درج ہو سکے۔'' وہ اس وقت ناول کو بورترین تفریح قرار دے کر سائنس کی اس ایجاد کی دیوانی ہوگئی تھی جس نے کتابوں کے کرداروں کو الفاظ کی بجائے زبان دی تھی۔ اور وہ اس وقت خود کو بھی کسی کہانی کا کوئی کردار ہی سمجھ رہی تھی۔

''اگر میں خود ہی چور کو پکڑ دوں تو.....؟'' وہ پیار سے بولا تھا۔

''کیسے؟'' مختصر اسوال اس بات کی نشان دہی کر رہا تھا کہ وہ یہ جاننا چاہتی ہے کہ حارث نعمان کیا چاہتا ہے۔

''بابا جان بتا رہے تھے کہ انکل نے ہماری ساری فیملی کو اپنے گھر پر انوائٹ کیا ہے۔'' حارث نعمان مطلب کی بات پر آ رہا تھا لیکن جویریہ حیران رہ گئی تھی۔

''انکل.....؟ یو مین پاپا نے.....؟'' وہ بوکھلا گئی تھی۔

''کیا آپ نہیں چاہتی کہ ہم آپ کے گھر آئیں؟'' وہ مسکراتا ہوا بول رہا تھا۔

''نہیں نہیں.....''

''جی؟'' وہ اس کی نہیں نہیں سن کر بولا تھا اس کے ''جی'' کہنے میں حیرت نمایاں تھی۔

''نہیں..... میرا مطلب تھا کہ پاپا نے آپ کی فیملی کو انوائٹ کیا ہے لیکن گھر میں تو بات نہیں کی ابھی تک۔'' وہ اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتی ہوئی بولی تو حارث نعمان مسکرانے لگا۔

''جسٹس صاحب نے فیصلہ محفوظ کر لیا ہوگا.....''

''کب..... کب آ رہے ہیں آپ لوگ؟'' وہ خاصی نروس لگ رہی تھی۔

''اسی سنڈے کو آپ سے ملاقات ہوگی۔ آپ کے گھر پر۔'' حارث نعمان نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

جویریہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ وہ موبائل کو غصے سے دیکھی جا رہی تھی۔ اُسے بصیر احمد پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے گھر میں کیوں نہیں بتایا کہ نعمان ایز دکی فیملی آ رہی ہے اور ان کی دعوت بھی ہے۔

''وہ اس بارے میں پاپا سے ضرور پوچھے گی۔ ضرور پوچھے گی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بڑبڑائی تھی کہ ایسے کسی دشمن کے گولے کی

http://kitaabghar.com

طرح دندناتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''آپی..... آپی.....'' انیقہ کی چیختی ہوئی آواز نے اس کو چونکا دیا تھا۔ وہ آفت کی پرکار اس کے سر پر آن دھمکی تھی۔

''پاپا بلا رہے ہیں فوراً نیچے آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی شکل گم کرتی ہوئی جتنی تیزی سے آئی تھی اتنی ہی تیزی سے واپس چلی گئی تھی۔

جویریہ نے اپنے بال پونی میں سمیٹے اور بیڈ سے اُتر کر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپا کا جائزہ لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ انفر کوئی میگزین دیکھنے میں مگن تھا۔ جبکہ بصیر احمد اور ثانیہ بیگم چائے پینے میں مصروف تھے جبکہ انیقہ سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی ان کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔ جویریہ کو دیکھ کر بصیر احمد مسکرائے اور بولے۔

''آؤ آؤ جویریہ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' وہ پوچھنے کی گستاخی نہ کر سکتی تھی لیکن حیرت کا اظہار کرتی ہوئی انیقہ کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''کم آن جینٹل مین مے آئی ہیو یور اٹین شین پلیز (Come on Gentle man may I have u' Attention Please)

بصیر احمد نے یہ فقرہ خصوصی طور پر انفر سے کہا تھا۔

وہ میگزین بند کر کے ان کی جانب متوجہ ہو گیا تو بصیر احمد بولنے لگے۔

''تم لوگ تو جانتے ہو کہ نعمان ایز دمیرے بچپن کا دوست ہے۔'' بصیر احمد کہہ رہے تھے تو انیقہ کی ناک چڑھ گئی۔ کیونکہ وہ اپنا کیس باپ کی عدالت میں لے کر آئی تھی لیکن یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا تھا۔ خیر دوسروں کی طرح ہمہ تن گوش ہو کر باپ کی باتیں سننا اس کا فرض تھا۔

''وہ میرا کلاس فیلو بھی ہے ہم ہفتہ میں یا مہینہ میں ایک بار ضرور ملتے ہیں اس بار ہم دونوں میں شرط لگی ہے۔'' بصیر احمد خاموش ہوئے تو انفر بول پڑا۔

''کیسی شرط پاپا؟''

''وہ اُداس بار ملا تو میں نے اس سے گلہ کیا کہ وہ انفر کی برتھ ڈے پارٹی پر کیوں نہیں آیا..... تو اس کا مصروفیت کا بہانہ اس کو بچا گیا لیکن اس نے کہا کہ میں آپ سب کو لے کر اس کے گھر دعوت پر آؤں۔ لیکن میں نے اُسے کہا کہ پہلے وہ آئے کیونکہ اس نے انفر کی پارٹی مِس کی ہے۔ اس طرح میری فیملی تمہاری فیملی سے بھی مل لے گی اور کھانا بھی مل بیٹھ کر کھا لیں گے۔''

بصیر احمد کی بات تو سادہ تھی مگر کھڑاگ پھیلا دیا گیا تھا۔ اسی لیے انیقہ خاموش نہ رہ سکی اور بولی۔

''لیکن پاپا جی اس دعوت میں کیا خاص تھا کہ آپ نے ہم سب کو جمع کر کے یہ خبر سنائی۔'' بصیر احمد اس کی بات سن کر ہنسنے لگے اور بولے۔

http://kitaabghar.com

''میں چاہتا ہوں کہ..... وہ نہ آئے۔'' بصیر احمد کی یہ بات سن کر سبھی ہکا بکا ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ تو وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔ کیسا؟..... یہی تو سسپنس ہے۔ وہ نہیں آئے گا تو میں شرط جیت جاؤں گا۔''

بصیر احمد کی بچوں جیسی بات سن کر انصر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو بصیر احمد اس کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے دوستانہ انداز میں بولے۔ ''ہاتھ پھینکو..... کیسا رہا..... میری پلاننگ کیسی ہے؟''

انصر نے باپ کے ہاتھ پر دوستانہ انداز میں ہاتھ پھینکا تو وہ یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے جویریہ سے مخاطب ہوئے۔

''تمہاری سٹڈی کتنی ہے ابھی؟'' جویریہ چونک کر رہ گئی اور جسٹس صاحب کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ابھی ایگزام ہونے ہیں اور پھر تین ماہ بعد رزلٹ ہوگا۔''

''لیکن پاپا جویریہ کی سٹڈی کا اس دعوت سے کیا تعلق؟'' انصر حیرت سے بولا تو بصیر احمد نے دوستانہ موڈ میں اس کو اشارہ کیا کہ اس کی شادی کرنی ہے۔ تو انصر خوش ہوتا ہوا اس کو چھیڑنے والے انداز میں ہاتھ کو منہ پر رکھ کر باجا بنا کر منہ سے آواز نکالتا ہوا ناچنے لگا تو جویریہ کی حیرت دوگنی ہوگئی جبکہ باقی سبھی مسکرانے لگے۔

جویریہ اُٹھ کر جانے لگی تھی وہ روہانسی ہوگئی تھی۔ ''مگر پاپا..... میں ابھی شادی نہیں کروانا چاہتی۔''

بصیر احمد آگے بڑھے اور جویریہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے بولے۔

''چڑیاں اپنے گھونسلے میں ہی اچھی لگتی ہیں۔''

''لیکن میں..... قید نہیں رہ سکتی پاپا۔'' وہ احتجاجاً بولی تو ثانیہ بیگم بھی اس کے پاس آگئیں اور اس کو سمجھانے لگیں۔

''اپنے گھر قید خانے نہیں ہوتے بیٹا۔''

''لیکن ماما..... پاپا..... میں نے آپ کو کوئی دکھ دیا ہے جو آپ مجھے اس گھر کو چھوڑنے کا کہہ رہے ہیں؟'' اس بار تو وہ رو پڑی تھی۔ بصیر احمد نے اس کو پیار سے سینے سے لگایا اور بولے۔

''جب تمہاری پیدائش ہوئی تھی تو میں نے اس گھر کو ایک چھت سے ڈھانپ دیا تھا..... جانتی ہو کیوں؟'' وہ جویریہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے پوچھ رہے تھے جبکہ وہ استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتی رہی۔

''اس لیے کہ کھلے صحن کو دیکھ کر کوئی بھی پرندہ پانی پینے یا دانہ چگنے کے بہانے اپنا ڈیرہ نہ ڈال لے.....'' اس بار بصیر احمد کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ ''مجھے پردیسی پرندوں سے بہت خوف آتا ہے بیٹا..... ان کو ڈال ڈال پر بیٹھنے کی عادت ہوتی ہے۔ اور وہ ایک دن اپنے وطن کو لوٹ جاتے ہیں تو پیار کرنے والوں کی آنکھیں ان کے انتظار میں رو رو کر بصارت بھی کھو دیتی ہیں۔''

جویریہ باپ کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر تڑپ کر رہ گئی تھی۔ ثانیہ بیگم تو باقاعدہ آنسو پونچھ رہی تھیں۔

''تم حارث نعمان کو اچھی طرح دیکھ لو۔ اس سے مل لو۔ جان لو پرکھ لو..... اگر تم مطمئن ہوگی تو میں ہاں کروں گا ورنہ نہیں۔''

http://kitaabghar.com

''اگر میں انکار کردوں تو پاپا.....؟'' وہ نمی کو چھپاتی ہوئی بولی تو بصیر احمد ایک کرب سے اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تو پھر میں سمجھوں گا کہ تم کسی اور شاخ کی تمنائی ہو۔''

''کیا آپ کو اپنی تربیت اور پرورش پر اعتماد نہیں ہے پاپا جی؟'' اس کے آنسو ڈھلک گئے تھے۔

''تمہاری نیک چلنی ہی میرا اعتبار ہے اور اعتماد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو میری زندگی اتنی پرسکون نہ ہوتی۔ اور نہ ہی ہم اتنے خوشگوار ماحول میں بات کر رہے ہوتے۔'' وہ بصیر احمد سے الگ ہو کر تانیہ بیگم کے گلے لگ کر رونے لگی تو انصر بول پڑا۔

''پاپا یہ اداکاری کر رہی ہے رونے کی۔'' انصر کے لقمے نے جلتی پر تیل کا کام کیا وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ ایقہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی گئی تو تانیہ بیگم نے انصر کو ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

''تم کیوں اس کو ہر وقت تنگ کرتے رہتے ہو..... شرم کیا کرو۔ وہ تمہاری بہن ہے۔'' انصر سر جھکا کر خاموش ہو گیا تو تانیہ بیگم بولیں۔ ''میں صائمہ سے کہتی ہوں کہ کھانا لگوا دے۔'' وہ کچن کی جانب جانے ہی لگی تھیں کہ صائمہ آ گئی۔

''کھانا لگا دیا ہے بیگم صاحبہ!''

''ٹھیک ہے صائمہ! تم سنڈے کو جلدی آنا۔ کچھ مہمان آ رہے ہیں کام تھوڑا زیادہ ہو گا۔'' تانیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔ ''آپ کیوں فکر کرتے ہیں..... میں آج تک بھلا دیر سے آئی ہوں کبھی؟''

''یہی تو تمہاری خوبی ہے صائمہ آپا۔'' بصیر احمد بولے تھے۔ ''ہمیں آج تک احساس ہی نہیں ہوا کہ تم اس گھر کا فرد نہیں ہو..... ہر موقع پر تمہارے ہاتھوں کے کھانے کھا کر ہمارے مہمان تو انگلیاں چاٹتے رہتے ہیں۔''

''لیکن پاپا! ذرا ان کو بتا دیں کہ یہ مہمان ذرا نخرے والے ہیں۔'' انصر نے لقمہ دینا فرض سمجھتے ہوئے فرض ادا کر دیا تو صائمہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولی۔

''تمہیں صائمہ کے ہاتھ کے کمال کا پتہ سنڈے کو ہو جائیگا۔'' وہ بصیر احمد سے مخاطب ہوئی۔ ''ویسے بیج صاحب کون آ رہا ہے جو انصر بیٹا نخرے والے کہہ رہا ہے۔ کہیں اس کو تو دیکھنے نہیں آ رہے لڑکی والے؟''

''ارے نہیں صائمہ آپا..... میرا بچپن کا دوست آ رہا ہے۔ اپنی فیملی کے ساتھ۔'' بصیر احمد مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تانیہ بیگم بھی ان کے پیچھے ہی ہو گئیں۔

''پاپا کے ان دوست کا دماغ ذرا ساتویں آسمان پر ہے..... آپ احتیاط کیجیے گا۔'' انصر صائمہ سے مذاق کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تو وہ بڑبڑائی۔

''ساتویں آسمان پر تو صرف ایک ہی شخص کا دماغ ہے اور اس کو اتارنا بھی مجھے آتا ہے۔'' وہ بھی کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

ایاز جمیل سراج کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو اُسے نعمان ایزد کے گھر جا کر ان کی بیٹی کو ٹیوشن دینے کا کہہ رہے تھے۔ ''تمہیں اچھی فیس بھی ملا کریگی اور اس ایک ٹیوشن سے آگے اور بھی ٹیوشنز مل سکتی ہیں۔'' جمیل سراج مسکراتے ہوئے اس کو ٹائم بتا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ وہ دور سے شمعون کو آتا دیکھ کر نہ جانے کیوں نظریں چرا گیا اور دوسری جانب چل پڑا۔

''کیا کروں؟'' وہ خود ہی بڑبڑایا تو جواب بھی اُسے اپنے اندر سے مل گیا تھا۔ ''جانا چاہیے۔''

''لیکن وہ بہت امیر لوگ ہیں۔''

''تم استاد ہو۔ وہاں تمہاری حیثیت ان امیر لوگوں سے کہیں زیادہ اوپر والے درجہ پر ہوگی۔'' وہ اندر کی آواز سن کر چور نظروں سے شمعون کی طرف دیکھنے لگا جو اسی کو اِدھر اُدھر تلاش کر رہا تھا۔

''کیا تم نہیں چاہتے کہ بوڑھی ماں کا ہاتھ بٹاؤ؟'' وہ ایک بار پھر اندر کی آواز سن کر چونک پڑا۔

''لیکن.....؟'' وہ آگے کچھ نہ بول سکا تھا کیونکہ اندر کی آواز اس کے ہر جذبہ پر وزنی ہو رہی تھی۔

''ریشم کی شادی کے لیے کچھ روپے جمع ہو جایا کریں گے۔ ماں کی پریشانی کم ہو جائیگی۔''

''ٹھیک ہے میں جاؤں گا..... وہ لوگ مجھے کھا تھوڑا جائیں گے..... میں کالج کے بعد ضرور جاؤں گا۔'' اُس نے اپنے اندر کے ایاز کو جواب دے کر مطمئن کیا اور کلاس روم کی طرف چلا گیا۔

شام کو وہ ایک بس کے ذریعے نعمان ایزد کی عظیم الشان کوٹھی تک پہنچا تھا۔ وہ خاصا نروس اور سہما ہوا لگ رہا تھا۔ اس نے گیٹ پر کھڑے سیکیورٹی گارڈز دیکھے تو اس کی روح ہی فنا ہو گئی تھی۔ وہ واپس مڑنے لگا تو اندر کے بہادر ایاز نے اس کو ڈانٹ دیا۔

''تم استاد ہو..... استاد کا درجہ ان محلوں سے کہیں اونچا ہے۔ آگے بڑھو۔'' وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور ایک گارڈ سے بولا۔

''شمعون صاحب سے کہو کہ ٹیوشن پڑھانے کے لیے ایاز آیا ہے۔'' لیکن وہ حیران رہ گیا کہ گارڈ نے بڑے گیٹ کا ذیلی دروازہ کھول دیا اور بولا۔ ''آپ تشریف لایئے سر۔'' وہ گارڈ کی سربراہی میں چلتا ہوا جیسے ہی اندر داخل ہوا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

وہ کسی بھی طرح خود کو شمعون کی دوستی کے قابل نہ سمجھتا تھا اربوں روپوں کی لاگت سے تعمیر ہونے والی یہ عمارت کسی تاج محل کا منظر پیش کر رہی تھی۔ وہ سہما ہوا اس انداز سے محل کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے کہ وہ الف لیلوی داستان کا کردار بن گیا ہو۔ وسیع ترین لان اور سلیقے سے قطار در قطار لگے ہوئے درخت۔ جن میں کھجور، سفیدہ، انگور کی بیلیں اور انار کے درخت بھی شامل تھے۔

گارڈ نے اس کو سامنے والی عمارت کے باہر پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اندر چلا گیا۔ اس نے نعمان ایزد کو کئی بار ٹی وی سکرین پر دیکھا تھا۔ لیکن وہ آج ان کے گھر میں کھڑا تھا بلکہ ایک سپیشل پرسن کی حیثیت سے آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نعمان ایزد کا اگر اس سے آمنا سامنا ہو گیا تو وہ کیا کریگا۔ اور ابھی تک شمعون کیوں نہیں آیا تھا۔ یہ گارڈ بھی اندر جا کر ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس کو طرح

http://kitaabghar.com

طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ وہ خوفزدہ لگ رہا تھا۔ اتنی دیر میں اس کی پریشانی ختم ہو گئی کیونکہ شمعون اندر سے مسکراتا ہوا برآمد ہوا تھا۔

ایاز اس کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا تو شمعون نے آگے بڑھ کر اس کو گلے لگا لیا۔ اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں اس عنایت کو کیا سمجھوں شمعون؟'' وہ رہ نہ سکا اور دل کی بات کر گیا۔

''یہ کوئی عنایت نہیں ہے۔ بلکہ پوری یونیورسٹی میں تم ہی ایسے تھے جو مجھے اس قابل لگے کہ میرے گھر تک آ سکتے ہو۔ یہاں تک۔''

شمعون کی بات کی گہرائی کو وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ''مطربہ میری بہن ہے اور اس کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔ اور تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ میں اس کو پراپر ٹائم نہیں دے سکتا۔ اور حارث بھائی بزنس کی وجہ سے زیادہ تر بیرونی ملکوں کے دوروں پر رہتے ہیں۔ اور پاپا..... ماشاء اللہ بزی مین ہیں۔''

''شمعون اس کو اپنی فیملی کے بارے میں تفصیل بتانے لگا تو ایک ملازم چائے لے کر آ گیا۔ اس نے دو مگ بڑے سلیقے سے ان کے سامنے رکھے اور واپس چلا گیا۔''

''شمعون۔ سچ بتاؤ۔ تم نے۔ جمیل سراج صاحب سے کہا کہ میں ہی ٹیوشن دینے آؤں؟'' ایاز کو کچھ حوصلہ ہو گیا تھا اور وہ شمعون کی موجودگی کو اپنے لیے غنیمت جان رہا تھا۔

''دیکھو ایاز۔'' شمعون سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔ ''ہم دوست ہیں اور میں نے تم میں ایک بات دیکھی ہے کہ تم کسی کی بھی مدد نہیں لیتے۔ میرا مقصد تمہاری توہین نہیں اور نہ ہی یہ دہراؤں کہ تم غریب ہو۔ مقصد صرف خودداری اور صاف گوئی کو ترجیح دینا ہے۔ اور میں کسی بھی طرح نہیں چاہتا تھا کہ میرے گھر تک کوئی ماڈرن یا فنڈر قسم کا کوئی لڑکا ٹیچر بن کر آئے۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ یہ تمہارا حق ہے اور تم اس کے حقدار ہو۔''

''شکریہ شمعون۔'' ایاز نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''مجھے شرمندہ نہ کرو۔'' اتنی دیر میں مطربہ بھی آ گئی۔

''السلام علیکم!'' اس کی شوخی بھری آواز سن کر ایاز نے نظریں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا سلام کا جواب دے کر نظریں جھکا کر چائے پینے میں مصروف ہو گیا۔

''یہ مطربہ ہے تمہاری سٹوڈنٹ..... اور مطربہ یہ تمہارے ٹیوٹر ہیں ایاز احمد صاحب۔''

شمعون نے ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا تو وہ بھی شمعون کے ساتھ والی کرسی پر ایاز کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ وہ ایاز کو خاصی گہری نظروں سے دیکھنے لگی تھی اور یہ بات ایاز نے بھی محسوس کی تھی لیکن وہ نروس ہونے کی بجائے اس سے تعلیم کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

http://kitaabghar.com

''اگر آپ برا نہ منائیں تو ہم اسی لان میں پڑھائی وغیرہ کا سلسلہ شروع کر لیں؟'' اس نے مطربہ سے پوچھا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''لیکن یہاں تو سردی ہوتی ہے۔ اور پھر آپ یونیورسٹی ٹائم کے بعد آیا کریں گے میں بھی کالج ٹائم کے بعد فارغ ہوتی ہوں تو یہاں اندھیرا ہو جایا کریگا۔'' شمعون اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوا بولا۔

''ہاں یار ایاز..... ویسے بھی گراؤنڈ میں مناسب تو نہیں لگتا نا؟''

''ٹھیک ہے پھر جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ بولا تو شمعون اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا اس کو اُٹھاتا ہوا بولا۔

''آؤ میں تمہیں اپنا گھر دکھاتا ہوں۔ پڑھائی کل سے شروع کریں گے۔'' وہ ایاز کو لے کر اندر چلا گیا۔ بس پھر کیا تھا ایاز کو واضح طور پر محسوس ہوا تھا کہ غریبوں کو کیڑوں مکوڑوں سے کیوں تشبیہ دی جاتی ہے۔ وہ تو خود کو ایک پینڈو سمجھ رہا تھا جو کہ اچانک ہی آنکھ کھلنے پر خود کو دبئی میں پا کر حیرت و استعجاب میں آنکھیں مل مل کر ارد گرد دیکھ رہا تھا۔

وہ جا کر صائمہ کو بتائے گا تو وہ کتنی خوش ہوگی کہ اس کے بیٹے کو ٹیوشن بھی ملی ہے تو اس شہر کے سب سے امیر آدمی کے گھر میں اس کی اکلوتی بیٹی کو پڑھانے کی ملی ہے۔ بے شک وہ اپنی اس کاوش کو اپنی ماں کی دعاؤں کا ہی نتیجہ گردانتا تھا۔

☆.....☆.....☆

سکندر اپنی کامیابی کی ابتدائی رپورٹ صائمہ کو بتا رہا تھا وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ وہ ایک ایک بات کو کئی بار سکندر سے پوچھ چکی تھی۔

''تم اپنے طریقے سے چلو سکندر..... میں اس شخص سے اپنی اور اپنے دونوں بچوں کی ہر محرومی کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔''

صائمہ یکدم سنجیدہ ہوتی ہوئی بولی۔ ''اس نے میرے بچوں کو بھکاری بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور میں اس سے ایسا انتقام لوں گی کہ اس کی نسلیں بھی کانپ کر رہ جائیں گی۔''

''تم فکر نہ کرو آپا..... سکندر بھی کچھ نہیں بھولا..... مجھے آج بھی ہر وہ بات اور ہر وہ ظلم یاد ہے جو اس شخص کی خاطر میں نے اپنے وجود پر سہا ہے۔'' سکندر نے کہا۔

''میں سمجھ سکتی ہوں کہ سات سال کی عمر سے جیل میں اب تک تم پر کیا کیا گزری ہوگی۔'' وہ رنجیدہ ہو گئی تھی۔

''آپا! میں راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر روتا تھا تو سپاہی مجھے ٹھوکروں اور گھونسوں سے مارتے تھے۔'' سکندر رونے لگا تھا۔ ''میں ماں کی گرم گود کو سردیوں کی ٹھٹھرتی راتوں میں یاد کر کے دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر رویا کرتا تھا۔''

صائمہ نے اس کو اپنے گلے سے لگا لیا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''میں بہت مجبور تھی میرے بھائی۔ تم سے ملنے نہیں آسکتی تھی۔''

''مجھے آپ سے کوئی گلہ ہی نہیں ہے..... بس تقدیر کی ستم ظریفی پر دل کڑھتا رہا ہے۔ میں اندر ہی اندر گھٹتا رہا ہوں آپا۔'' سکندر کا

http://kitaabghar.com

سر صائمہ کے کندھے پر تھا۔ وہ اس وقت سکندر کے ایک جیل کے دوست کے گھر تھے اور وہ دوست سکندر پر جان چھڑکتا تھا۔

''سکندر تم اس کے گھر۔ فیکٹریوں، کارخانوں، بزنس اور دیگر تمام کاموں کی تفصیل جان لو..... اس کے اتنا قریب ہو جاؤ کہ وہ تمہارا محتاج ہو جائے..... جب لوہا اچھی طرح گرم ہوگا تب تم دیکھنا..... کہ کس طرح صائمہ اس پر زوردار چوٹ سے اس کی ہیئت بدلتی ہے۔'' صائمہ نے اس کو اپنے سامنے کیا تو وہ آنسو پونچھتا ہوا بولا۔

''گڈی اور پپو کیسے ہیں؟'' وہ ریشم اور ایاز کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ صائمہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''ماشاء اللہ جوان ہو گئے ہیں۔ پپو تو تم سے بھی بڑا جوان نکلا ہے۔ اور سولہویں ستارہویں میں پڑھتا ہے۔ اور گڈی اپنی پڑھائی مکمل کر چکی ہے۔ اب نوکری کی تلاش میں ہے۔''

سکندر چونک گیا کہ نوکری کی تلاش میں ہے.....'' مگر گڈی نوکری کیوں کریگی آپا..... میں ہوں نا۔ اب کمانے کے لیے..... تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔ تمہیں باقاعدہ ہر ماہ خرچہ دیا کروں گا۔ تم اب ان بچوں کی فکریں نہ کرو۔''

''نہیں سکندر؟'' صائمہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولنے لگی۔ ''ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ میں کام کاج چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤں۔ بچوں کو مطمئن کرنا بہت مشکل ہوگا..... جب وقت آئے گا۔ میں تمہیں خود بتا دونگی۔''

''میں سمجھتا ہوں آپا..... تم بھی مجبور ہو۔ لیکن پپو کو کبھی بھی اس کھیل میں نہ کودنے دینا کیونکہ یہ جنگ ہم دونوں کی ہے اور میں اس کو لڑنے کی ہمت اور طاقت رکھتا ہوں۔'' سکندر نے صائمہ کو حوصلہ دیا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا..... نعمان ایزد بہت مکار آدمی ہے..... اور اس کا باپ اس سے بھی بڑا مکار ہے۔'' صائمہ سکندر کو سمجھا رہی تھی وہ مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

''میں نے ابھی تک اس محل میں سمیع اللہ کو نہیں دیکھا لیکن جیسے ہی وہ نظر آئیگا..... اُسے بھی اس طرح اپنے جال میں قید کروں گا کہ وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتا رہے گا۔'' سکندر کے لہجے کی نفرت بتا رہی تھی کہ اُسے گزشتہ بیس سالوں کے وہ تمام کردار یاد ہیں جو اس کہانی سے جڑے ہوئے ہیں۔

صائمہ اس کو ضروری تاکیدیں کرتی ہوئی وہاں سے نکلی اور گھر کی جانب چل پڑی۔

گھر پہنچتے ہی ایک اور بڑی خوش خبری اس کی منتظر تھی۔ ایاز مٹھائی لے کر آیا تھا۔ اس نے ریشم کے لاکھ اصرار پر بھی اس کو نہ بتایا تھا کہ اس کو کس گھر میں ٹیوشن ملی ہے۔ وہ کہتا رہا کہ امی آئینگی تو پھر ساری بات نئے سرے سے ان کو بتانا پڑے گی۔

ریلوے ٹریک پر سے تیزی سے گزرنے والی ٹرین اس سٹیشن پر نہ ٹھہرتی تھی اسی لیے یوں لگ رہا تھا کہ کوارٹر میں زلزلہ سا آ گیا ہو۔ مگر گھر کے مکین مطمئن اور پرسکون انداز میں ٹرین گزر جانے کے منتظر تھے۔ جیسے ہی گاڑی دھول اڑا کر اس جگہ سے گزر گئی تو ایاز نے خوشی میں دیوانے ہوتے ہوئے صائمہ کو بانہوں میں بھر کر اوپر اُٹھا لیا اور ناچنے والے انداز میں گھومنے لگا۔

http://kitaabghar.com

''کیا کر رہے ہو..... مجھے نیچے اُتارو۔ مجھے گرانا ہے کیا؟'' صائمہ مسکرا بھی رہی تھی اور بیٹے کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوشی کو دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کر رہی تھی۔

ایاز نے اس کو دھیرے سے زمین پر کھڑا کیا اور اپنا سانس درست کرتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ اس نے مٹھائی کا ٹکڑا نکال کر اس کو آدھا کیا اور صائمہ کے منہ میں ڈالا اور پھر باقی ٹکڑی ریشم کے منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

''مجھے اتنے بڑے گھر سے ٹیوشن ملی ہے کہ آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔'' وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ وہ ریشم سے مخاطب ہوتا ہوا بولا۔ ''آپی بھلا گیس کرو کہ کون سے گھر سے ٹیوشن ملی ہوگی؟''

وہ اس شہر کے چند بڑے بڑے نامور لوگوں کے نام گنوانے لگی مگر وہ ہر نام پر انکار میں سر ہلا دیتا تو وہ چڑ سی جاتی تھی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو بتا دو نا۔'' صائمہ بولی تو وہ اپنے جذبات پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''ایاز صاحب کو اس علاقے کے سب سے امیر ترین آدمی اور با اثر سیاست دان نعمان ایزد کی بیٹی کو پڑھانے کا چانس ملا ہے۔ اور وہ یہ ذمہ داریاں نبھانے کے لیے پوری طرح تیار ہیں.....'' نعمان ایزد کا نام سن کر ریشم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا جبکہ صائمہ کے دل کی دھڑکنیں یک دم تیز ہو کر سینے میں دھک دھک دھک دھک کی آواز بلند کرنے لگی تھیں۔ وہ بھی حیرت و استعجاب سے ایاز کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ ایاز مٹھائی کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

''واہ بھائی..... کمال کر دیا تم نے تو.....'' ریشم نے ایک ٹکڑی اُٹھا کر ایاز کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''مبارک ہو۔''

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو ایاز؟'' صائمہ کو یقین نہ آ رہا تھا۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایاز اپنی خوشی پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''ہاں امی جان..... میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میرا یقین کریں۔''

''اچھا اب اور نہ اترواؤ..... ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ کیسے تم ان کے گھر تک پہنچے اور کیا ہوا ان کی کوٹھی کیسی ہے۔ وہ لڑکی کیسی ہے جس کو پڑھانا ہے۔ ان لوگوں نے تمہاری کیا خدمت کی؟'' ریشم نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تو ایاز اس کے منہ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''امی جی اس کے منہ پر ڈرائیپ لگائیں..... اتنے سارے سوالات..... توبہ توبہ..... تمہیں تو نعمان ایزد کی سیکریٹری ہونا چاہیے۔'' صائمہ اس بات پر چونک گئی۔

''بتاؤ کیا ہوا ہے.....'' صائمہ ابھی تک شاکڈ تھی۔

''میں جمیل سراج صاحب سے ملا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تم نے نعمان ایزد کے گھر جانا ہے۔ بس پھر نہ پوچھیں امی کہ میرے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے..... میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔'' صائمہ بڑے تجسس سے ایک ایک لفظ سننے لگی تھی وہ ایاز کی بات میں اس فقرے کو ڈھونڈ رہی تھی یا اس فقرے کی متلاشی تھی کہ وہ یہ کہے کہ وہ نعمان ایزد سے بھی ملا ہے۔ لیکن پوری بات ختم ہو گئی تھی نعمان ایزد نہ ہی ایاز

http://kitaabghar.com

سے ملا تھا اور نہ ہی ایاز اس سے ملا تھا۔

اس چھوٹے سے کوارٹر میں اتنی ساری خوشیاں آجائیں گی کہ صائمہ کو یقین ہی نہ آرہا تھا۔ وہ جس نعمان ایزد کو تسخیر کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ اتنا ارزاں ہو گیا تھا کہ تقدیر خود بخود اس کو صائمہ کی چوکھٹ کا بھکاری بنانے میں اس کوارٹر کے مکینوں کی مدد کر رہی تھی۔

''تم نے شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھروں سے بنے ہوئے لوگوں کو اپنا دشمن بنا کر بہت بڑی غلطی کی ہے نعمان ایزد'' صائمہ بڑبڑائی تھی اس کی بڑبڑاہٹ کوئی نہ سن سکا تھا۔

☆.....☆.....☆

جویریہ اپنے کمرے میں پہنچی تو بری طرح رو رہی تھی۔ انیقہ اس کو دیکھ کر شش و پنج میں مبتلا تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ ایسے موقع پر کن الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے اور پھر جویریہ اس سے بڑی تھی۔ اس کو حوصلہ دینے کے لیے انیقہ کے پاس الفاظ تو تھے مگر وہ مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی تاکہ وہ جویریہ کو حوصلہ دے سکے۔

''آپی!'' وہ بہت ہمت کر کے بولی تھی۔ ''آپ کی شادی ہو گئی تو میں کس سے پڑھوں گی۔؟'' اُس نے اپنی طرف سے بہترین الفاظ کا چناؤ کیا تھا۔ لیکن جویریہ کو اس کے عاقل و بالغ ہونے کے باوجود الفاظ کی امید نہ تھی۔ وہ یکدم روتی ہوئی ہنس پڑی۔ اور اداس پریشان انیقہ کو گلے لگا لیا۔

''میری شادی سے بھی گھمبیر تو تمہارا مسئلہ ہے۔'' دونوں بہنیں ہی ہنس پڑی تھیں۔

''ویسے آپ روکیوں رہی ہیں۔ کیا حارث بھائی اچھے نہیں ہیں؟'' اس بار سوال کافی گہرا تھا۔

''مجھے کیا پتہ کہ وہ اچھے ہیں یا نہیں؟'' وہ انیقہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''میں کیونکر کہہ سکتی ہوں۔ میں کون سی ان سے ملی ہوں یا جانتی ہوں؟'' جویریہ اب کچھ سنبھل گئی تھی۔

''مجھے تو حارث بھائی دیکھنے میں اچھے ہی لگے ہیں۔'' وہ چہکتی ہوئی بولی تو جویریہ نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی اور بولی۔ ''دیکھنے میں لڑکے سبھی اچھے لگتے ہیں۔ مگر شادی کرنا کوئی گڈی گڈے کا کھیل تو نہیں ہے کہ اگر کوئی گڈا نہ لگا تو آپ اپنی گڈی کو اٹھا کر گھر چلے جاؤ گے۔''

''دیکھو آپی! وہ نامور سیاستدان کا بڑا بیٹا ہے اور آپ اس گھر کی بڑی بہو بن جاؤ گی۔'' اب انیقہ اس کو چھیڑنے والے انداز میں کہنے لگی تھی۔ ''پھر ہر طرف تمہارا ہی رعب ہوگا۔ ساس بھی پکارا کریگی۔ جویریہ بیٹی..... کوئی بھی بات کوئی بھی مشورہ کرنا ہوگا تو سب سے پہلے بڑی بہو کو ہی پوچھیں گے۔''

''بس کرو..... تم بہت بولتی ہو؟'' جویریہ کا غصہ مصنوعی تھا۔ وہ خاموش نہ رہ سکی پھر اپنے مسئلے پر آگئی۔

''کچھ بتایا نہیں آپ نے..... میرا کیا ہوگا.....؟''

http://kitaabghar.com

''انصر کے بعد تمہاری بھی شادی ہو جائیگی۔'' اس بار جویریہ نے اُسے چھیڑا تھا۔

''آپی پلیز.....'' وہ روہانسی ہونے لگی تو جویریہ نے اس کو مزید چڑا دیا۔

''اپنی باری پلیز.....اور مجھے تو ساس، بہو، شوہرے.....اوہو.....کیوں شرما شرما آ رہی ہیں؟''

''میں نے پھر رو دینا ہے.....آپ مجھے تنگ کر رہی ہونا؟'' انیقہ واقعی رونے والی ہو رہی تھی۔

''نہ نہ نہ.....تم رونا نہیں.....قسم سے بہت بُری لگتی ہو.....بس ایسے ہی اچھی لگ رہی ہو۔'' جویریہ نے بھانپ لیا تھا کہ اگر انیقہ رونا شروع ہو گئی تو گھر بھر میں اداسی پھیل جائیگی۔

''بتاؤ نا.....پھر.....میں کس سے پڑھا کرونگی؟'' انیقہ پٹڑی پر آ گئی تھی۔

''میں انصر بھائی سے کہہ دونگی کہ وہ تمہارے لیے کوئی ٹیوٹر کا بندوبست کر دے.....'' جویریہ نے کہا تو وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔

''آپ کا مطلب ہے کہ اب میں کسی مرد ٹیوٹر سے پڑھوں گی؟'' جویریہ بھی جواباً آنکھیں نکالتی ہوئی بولی۔ ''تو اس میں حرج ہی کیا ہے.....وہ مرد ٹیوٹر تمہیں کھا نہیں جائیگا۔''

''لیکن آپی!'' وہ احتجاجاً بولی تو جویریہ نے اس کو خاموش کروا دیا۔

''میں ابھی ادھر ہی ہوں۔ شادی کی ابھی بات ہی ہوئی ہے اور تم تو مجھے وفا نے تک پہنچ گئی ہو۔''

''ویسے جوڑی اچھی لگے گی حارث بھائی اور جویریہ آپی۔ واہ کیا بات ہے؟'' انیقہ اگر بھاگ نہ جاتی تو اس کی کمر پر کشن لگ چکا ہوتا۔ وہ کمرے سے گئی ہی تھی کہ دوبارہ دروازہ کھول کر جویریہ کو چھیڑنے کے لیے آ گئی۔ وہ دروازے میں ہی کھڑی ہو کر بولی۔

''مس جویریہ بصیر احمد کن خیالوں میں کھو گئیں ہیں آپ.....ابھی حارث بھائی تو آئے نہیں۔'' جویریہ نے اس کو غضبناک نظروں سے دیکھا اور اُٹھ کر انیقہ کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

صائمہ کا امتحان تھا کہ وہ آنے والے مہمانوں کو کس طرح اپنے کھانوں سے محظوظ کرتی ہے اس کی بنی ہوئی ڈشز تو بصیر احمد کی فیملی کو بہت ہی سوار دیتی تھی اور ان کے گھر میں آنے والے مہمان بھی لذیز اور عمدہ کھانوں کی تعریفوں کے پل باندھتے نہ تھکتے تھے بلکہ کئی جج صاحبان کی فیملی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ بھائی یہ خانساماں ہمیں ہی دے دو۔ لیکن بصیر احمد ان کو کہتے تھے کہ اب وہ اس عمر میں تانیہ بیگم کو کھانے پکانے کی زحمت نہیں دینا چاہتے تو محفل زعفران بن جاتی تھی۔

صائمہ جانتی تھی کہ بصیر احمد کے گھر آنے والے مہمانانِ گرامی کوئی عام سے مہمان نہیں ہوتے بلکہ امیر کبیر اور سلجھے ہوئے تمام مہمان ہی کھانوں کی تعریف کرتے تھے تو اس کا دل خوش ہو جاتا تھا۔ آج بھی جو مہمان آنے والے تھے بصیر احمد کی طرف سے صائمہ کو کہا گیا تھا کہ وہ اس کا خاص دوست ہے اور ان کے گھر شاید جویریہ بی بی کا رشتہ بھی ہو جائے۔ اب تو صائمہ کو اپنا ہنر دکھانا ہی تھا۔ وہ کچن میں مصروف تھی کہ انیقہ بھاگتی ہوئی آ کر اس کے پیچھے چھپ گئی۔

http://kitaabghar.com

''کیا ہو گیا گڑیا..... کیا ہو گیا؟'' صائمہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتی ہوئی بولی تو انیقہ جو کہ اس کو صائمہ بواہ کہتی تھی اپنی ہنسی پر قابو پاتی ہوئی بولی۔

''صائمہ بواہ..... وہ آپی..... آپی جویریہ مجھے مار رہی ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے باہر کی جانب اشارہ کیا تو جویریہ غصے میں دندناتی ہوئی کچن کی جانب ہی آتی ہوئی دکھائی دی تو صائمہ نے انیقہ پر اپنا دوپٹہ ڈال دیا اور جویریہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا بات ہے جویریہ بی بی؟''

''اماں..... اِدھر انیقہ تو نہیں آئی؟'' صائمہ کے دوپٹے کے نیچے اشارہ کرنے سے پہلے ہی جویریہ نے دیکھ لیا تھا کہ انیقہ وہیں چھپی ہوئی ہے۔ لیکن وہ نظر انداز کرتی ہوئی واپس پلٹی۔ ''میرے ہاتھ آ جائے تو اس کو کھا جاؤں گی۔''

جویریہ کے واپس پلٹ جانے پر انیقہ صائمہ کی چادر سے نکلی اور خوش ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ اس انداز میں مارا کہ اُن کی پلاننگ سے جویریہ اس کو ڈھونڈ نہیں سکی۔

''اب دیکھنا صائمہ بواہ کتنا مزہ آئیگا جب آپی کو دیکھنے والے مہمان آئینگے۔'' انیقہ خوشی سے بولی تو صائمہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''کہاں سے مہمان آ رہے ہیں بیٹی..... حج صاحب کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑ رہے۔''

''پاپا کے دوست ہیں۔ ان کی فیملی آ رہی ہے دعوت پر۔ اور پاپا کا خیال ہے کہ آپی کی شادی ان کے گھر میں کر دی جائے..... آپ کی تیاری مکمل ہے نا بواہ؟'' انیقہ محبت سے سب کچھ بتاتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے گاڑی ایک جگہ پر روکوائی اور پچھلی سیٹ سے اتر کر آگے سکندر کے برابر بیٹھ گئی۔

''چلو۔'' وہ ایک لفظ ہی بولی تھی کہ سکندر نے گاڑی گیئر میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''کدھر جانا ہے میڈم؟'' وہ اس کی طرف ایک خاص ادا سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''اس سے پہلے کہاں ڈرائیونگ کرتے رہے ہو؟''

''میں اس سوال کا مقصد نہیں سمجھا میڈم!'' سکندر واقعی حیران تھا۔

''اگر میں کہوں کہ شالیمار مارکیٹ چلو تو راستہ تمہیں معلوم ہے کیا؟'' اقصیٰ نے اپنا سوال واضح کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''گاڑی کا اسٹیرنگ سکندر کے ہاتھوں کا محتاج ہے اور راستہ خود بخود ہی اس گاڑی کے لیے بنتا جائیگا۔'' اس نے گاڑی شالیمار مارکیٹ جانے والے راستے پر موڑ دی۔

''تمہیں اپنی شخصیت پر اتنا غرور ہے؟'' اقصیٰ غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''غرور نہیں میڈم..... اعتماد ہے۔'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا تھا۔

http://kitaabghar.com

''اس سے پہلے کہاں نوکری کی ہے؟'' اقصیٰ نے اس بار اپنے گلاسز کو درست کرتے ہوئے سوال کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''جیل میں تھا۔'' اقصیٰ یکدم چونک کر اس کو دیکھنے لگی اس کو چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ وہ اس جھٹکے سے نہ نکلی تھی کہ وہ پھر بولا۔

''قتل کے جرم میں عمر قید کاٹ کر آ رہا ہوں۔''

''نعمان بھائی کو پتہ ہے؟'' وہ بمشکل تھوک نگلتی ہوئی بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا لیکن اقصیٰ کی موجودگی نے اس کو ''سوری'' کہنے پر مجبور کر دیا۔

''سر جی کی بدولت ہی تو میں اس گھر میں ہوں میڈم!'' یہ ذو معنی فقرہ اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی لاعلمی ظاہر کرتی ہوئی استفہامیہ انداز میں بولی۔

''سر جی.....؟ یعنی کہ نعمان بھائی.....؟ ان کی بدولت کیسے.....؟ میں سمجھی نہیں؟'' اس کے فقروں میں سوال ہی سوال تھے۔ سکندر لفظوں کے ذریعے اس کو مطمئن کرتے ہوئے بولا۔

''میڈم! اگر میں براہ راست آپ سے یا حارث صاحب سے نوکری مانگتا تو کیا آپ مجھے نوکری دیتے؟'' اس بار اس نے انداز اقصیٰ کی آنکھوں میں دیکھا تھا کیونکہ اقصیٰ کالے شیشوں والی عینک لگائے ہوئے تھی۔ لیکن سکندر کا نشانہ تھا بالکل ٹھیک لگا تھا۔ اقصیٰ کے اندر ہلچل مچا گیا تھا۔

''بالکل بھی نہیں..... کیونکہ ہم تمہیں جانتے بھی نہیں ہیں۔'' اقصیٰ کی صاف گوئی نے اس کو اپنی بات واضح کرنے میں کافی مدد دی۔ ''تو بس میڈم! سر جی کی محبت ہے کہ میں ان کے ایک دوست کی معرفت سے یہاں پہنچا ہوں۔ اور ان کو بھی علم نہیں ہے کہ میرا گھر بار کہاں ہے۔ کیونکہ میرا کوئی بھی گھر بار نہیں ہے۔''

''اگر تم کوئی واردات کر کے بھاگ گئے تو.....؟'' اقصیٰ حقیقت میں اس سے ڈر گئی تھی۔ وہ سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔

''میں جس آدمی کی معرفت یہاں تک پہنچا ہوں اس آدمی نے مجھے اپنا بیٹا بنایا ہوا ہے۔ اور وہ آدمی سر جی کا محسن ہے اور واردات میں کس طرح کر سکتا ہوں میڈم..... آپ کون سا سونا اور زیورات باہر رکھ کر سوتے ہیں اور بھی تو ملازم ہیں محل میں..... واردات وہ بھی کر سکتے ہیں۔''

''وہ جیل کاٹ کر نہیں آئے۔'' اقصیٰ صاف گو تھی۔

''تو پھر ان کے پیچھے سر جی کے محسن کی پرچی بھی نہیں ہوگی میڈم؟'' اس نے گاڑی شالیمار مارکیٹ میں روکی اور اقصیٰ نے ایک آہ بھرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔ کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' وہ خود گاڑی سے اتر گئی تو سکندر نے گاڑی گھما کر پارکنگ میں کھڑی کر کے اس کو آٹو لاک کیا اور اقصیٰ کے ساتھ شاپنگ سنٹر میں داخل ہو گیا۔ وہ ہر بات صاف صاف بتا رہا تھا اور اس کی صاف گوئی میں کچھ تلخی بھی نمایاں تھی لیکن وہ اقصیٰ کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کے پیر بنا ہوا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ پیر جھوٹ نہیں بولتے۔

http://kitaabghar.com

''مجھے تمہاری صاف گوئی اچھی لگی۔ لیکن مجھے تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔'' اقصیٰ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

''حالانکہ میرے ہوتے ہوئے آپ کو ڈر نہیں لگنا چاہیے۔'' اس بار وہ براہ راست اقصیٰ کی آنکھوں میں اُتر گیا تھا پتہ نہیں دل تک پہنچا تھا کہ ابھی نہیں اس کا فیصلہ اقصیٰ کے اگلے فقرے نے ہی کرنا تھا۔

''تم میرے باڈی گارڈ نہیں ہو۔''

''تو پھر ملازم سے ڈر کیسا میڈم؟'' اس بات کا جواب شاید اقصیٰ کے پاس نہیں تھا یا پھر وہ کچھ بھی نہ کہنا چاہتی تھی۔ وہ ایک دکان میں داخل ہو گئے تھے۔ اقصیٰ نے اپنے لیے کچھ ڈریسز تیار کروائے تھے وہ لیے اور کچھ ضروری اشیاء خرید کر وہ واپس گھر کی جانب جا رہی تھی۔

''تمہارے پاس موبائل ہے تو اپنا نمبر دو مجھے..... اگر تمہیں بلانا پڑے تو کس طرح رابطہ ہو سکتا ہے؟'' اقصیٰ نے کہا تو وہ بولا۔

''سر جی کہہ رہے تھے کہ کل مجھے موبائل لے دیں گے پھر آسانی ہو جائیگی۔'' گاڑی گھر پہنچ کر رک گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''تم نے ابھی تک چینج نہیں کیا۔'' جج صاحب انصر پر برہم ہو رہے تھے۔ ''کیا کر رہے ہو۔ اگر وہ لوگ وقت پر پہنچ گئے تو پھر چینج کرو گے؟'' انصر مسکراتا ہوا بولا۔

''ویسے پاپا جان! یہ حارث نعمان کرتا کیا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ بزنس وغیرہ۔'' بصیر احمد اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''تمہاری سوچ اور سوال اچھا ہے۔ ناریل دیکھا جائے تو وزیروں اور حکومتی رہنماؤں کے بیچ کرتے کچھ بھی نہیں ہوتے بس آوارگی کر لی اور بس۔'' انصر ان کی بات سن کر منہ کھولنے ہی والا تھا کہ جج صاحب پھر بولے۔ ''لیکن حارث نعمان ان سب سے مختلف ہے۔ وہ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتا ہے۔ اِدھر سے دھاگہ بھجواتا ہے اور اُدھر سے گارمنٹس منگواتا ہے۔ اس کا اپنے باپ کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اب انصر کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھتے ہوئے بصیر احمد پھر بولے۔''

''اب جاؤ گے یا پھر ان لوگوں کی آمد کے منتظر ہو؟''

انصر وہاں سے چلا گیا تھا۔ ثانیہ بیگم بالکل تیار ہو کر ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں تو جج صاحب نے مسحور کن انداز میں آنکھیں بند کر کے ایک لمبا سانس ناک کے ذریعے اندر کی جانب کھینچا اور بولے۔

''یہ خوشبو تو ہمیں مار ہی ڈالے گی ثانیہ بیگم!'' انہوں نے آنکھیں کھولیں تو بیگم کو سامنے کھڑے پا کر پھر بولے۔

''آپ تو آج بھی اتنی ہی سمارٹ اور ینگ ہیں جتنی شادی والے دن تھی۔''

''اور آپ نے کبھی خود پر غور کیا ہے۔'' ثانیہ بیگم ان کی ٹائی کی ناٹ درست کرتی ہوئی کہنے لگیں۔ ''لگتا ہی نہیں کہ انصر اور دو جوان بیٹیوں کے باپ ہیں۔ منڈے ہی لگتے ہیں۔''

http://kitaabghar.com

''بھئی ثانیہ بیگم! ایک بات تو ہم مان گئے۔'' بصیر احمد کا موڈ عاشقانہ ہو رہا تھا۔

''وہ کیا جی؟'' ثانیہ بیگم بھی ایک خاص ادا سے بولیں۔

''باتیں آپ خوب کرتی ہیں۔'' بصیر احمد کی بات پر وہ دونوں ہنسنے لگے تو پاس ہی انیقہ کا شرارتی انداز میں گلا کھنکارنا ان کو چونکا کر گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''آپ دونوں ہی بہت پیارے لگ رہے ہو۔ ماما پاپا۔'' پھر تینوں ہی کے ہنسنے کی آواز سن کر جویریہ بھی وہاں پہنچ گئی اس نے سیاہ رنگ کی قمیض پر ہلکی ہلکی میرون رنگ کی کڑھائی کروائی ہوئی تھی وہ آج تو یوں لگ رہی تھی کہ جیسے کوئلے کی کان سے کوئی ہیرا نکلا ہوا ہو۔

''پاپا جان۔ آپ انکل نعمان سے کنفرم کر لیں کہ وہ لوگ آ بھی رہے ہیں یا نہیں۔'' انیقہ نے جویریہ کو چھیڑنے والے انداز میں کہا تو بصیر احمد ہنستے ہوئے ان دونوں سے مخاطب ہوئے۔

''میں اپنی دونوں بیٹیوں کے لبوں پر اسی طرح ہنسی اور مسکان دیکھنے کی دعا کرتا ہوں۔''

''اور پاپا جان اہم بھی آپ کی محبتوں بھرا سایہ اپنے سروں پر قائم رہنے کی دعا کرتی ہیں۔'' جویریہ سنجیدہ ہو کر بولی تو انیقہ چہکتی ہوئی کہنے لگی۔

''آپی۔ آپ تو چلی جاؤ گی..... پھر میں کس سے پڑھا کروں گی؟'' اس کو اس دن کی بات یاد تھی اور آج موقعہ دیکھ کر اس نے تیر نشانے پر لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''تم کیوں فکر کرتی ہو..... کوئی نہ کوئی ٹیوٹر رکھ لیں گے بیٹا۔'' ثانیہ بیگم نے اس کی بات سنتے ہی کہا تو وہ فکر مندی سے بولی۔ ''تو کیا میں مرد ٹیوٹر سے پڑھوں گی۔''

''کوئی سنیئر استاد کا انتظام ہو ہی جائے گا۔ تم تو ایسے کہہ رہی ہو کہ جیسے آج ہی جویریہ کی رخصتی ہے۔'' بصیر احمد خوشگوار موڈ میں بولے تو جویریہ مصنوعی انداز میں پاؤں پٹخ کر صرف اتنا ہی کہہ پائی۔

''پاپا..... میں نہیں آپ سے بولتی۔''

''تم روٹھ گئی تو مجھے یوں لگے گا کہ مجھ سے زندگی روٹھ گئی ہے۔'' بصیر احمد نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تو وہاں کی فضا اور ماحول یکدم سنجیدہ ہی ہو گیا تھا۔ ملازم نے آ کر بتایا کہ مہمان آ گئے ہیں۔ اور کیا ہی خوب ٹائمنگ تھی کہ انصر بھی تیار ہو کر آ گیا تھا۔

بصیر احمد پوری فیملی کے ساتھ گیٹ پر پہنچے تو نعمان ایزد اپنی فیملی کے ساتھ گاڑیوں سے اُتر رہا تھا۔ اقصیٰ بھی ان کے ساتھ تھی۔

جویریہ اور انیقہ اس کو دیکھ کر حیران رہ گئیں کیونکہ وہ ٹی وی سکرینوں اور میگزینوں کی زینت تھی اور ملک کی نامور ماڈل تھی۔

''آپی یہ تو اقصیٰ ہے۔'' انیقہ نے جویریہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ اس کو کہنی مارتی ہوئی بولی۔

''مجھے بھی پتہ ہے۔'' انیقہ کہاں خاموش رہنے والی تھی۔

http://kitaabghar.com

''لیکن ان کے ساتھ یہ کیا کر رہی ہے؟''

''تم اپنی چونچ بند رکھو گی تو معلوم ہو گا نا۔'' جویریہ نے اس کو ڈانٹ دیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

سب سے پہلے نعمان ایزد مسکراتے ہوئے آگے بڑھے اور ''السلام علیکم!'' کہتے ہوئے بصیر احمد کے گلے لگ گئے۔ پھر باری باری سب لوگ سلام کرتے ہوئے گیٹ سے اندر آ چکے تھے۔ تانیہ بیگم اور جہان آرا بیگم بھی کشادہ دلی سے ملی تھیں۔ اقصیٰ اور مطربہ نے جویریہ اور ایقہ سے ہاتھ ملائے۔ جبکہ شمعون اور حارث نے انصر اور بصیر احمد سے گلے ملنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی ملائے۔

ایک ملازم نے پھولوں کی ٹوکری اور دیگر ایسا سامان لا کر رکھ دیا جسے دیکھ کر بصیر احمد نعمان ایزد سے مخاطب ہوئے۔ ''تم گدھے ہی رہنا۔''

''گدھا میں ہوں کہ تم ہو..... اپنے گھر بلا کر بچوں کے سامنے مجھے گدھا کہہ رہے ہو۔'' نعمان ایزد مسکراتے ہوئے بولے تو بصیر احمد کو یکدم احساس ہوا تو وہ شرمندگی سے بولے۔

''میرا مطلب تھا کہ ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی۔''

''اب گھر کے اندر بھی لیجاؤ گے یا یہیں سے ہی فارغ کر دو گے بھائی؟'' نعمان ایزد نے بصیر احمد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو سبھی مسکرانے لگے۔

اسی دوران حارث اور جویریہ کی نظریں دو چار ہوئیں تو وہ پسندیدگی کے تاثر کو چھپا نہ سکا۔ اور جویریہ نے بھی محسوس کیا کہ حارث اس پر فریفتہ ہو چکا ہے۔

نعمان ایزد نے مطربہ، جہان آرا اور اقصیٰ کا تعارف کروایا تو جویریہ اور ایقہ کی ''اوہ'' کی آواز دبی دبی دونوں سن سکی تھیں۔ مطربہ بھی کافی پیاری لگ رہی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ پیاری وہ انصر کو لگی تھی۔ وہ چور نظروں سے اس کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور مطربہ بھی پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گئی تھی۔

نعمان ایزد اور بصیر احمد اپنے ماضی کے قصے بتا بتا کر بچوں کو محظوظ کر رہے تھے۔ جبکہ ملازموں کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں۔

مہمانوں کی بہترین مشروبات سے خدمت کی گئی تھی۔ جویریہ اور مطربہ کی چند ہی لمحوں میں دوستی ہو گئی تھی۔ ایقہ اور اقصیٰ بھی کسی لاحاصل گفتگو سے دل بہلا رہی تھیں۔ تانیہ بیگم نے دو تین بار کچن میں جا کر سائمہ سے کھانوں کے متعلق بریفنگ بھی لے لی تھی اور اس کے تسلی بخش جواب نے ہی تانیہ بیگم کو مطمئن کر دیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گے؟'' بصیر احمد نے کہا تو نعمان ایزد ہنستے ہوئے بولے۔

''اب تیار ہو..... تم شرط ہار چکے ہو۔ اب کافی شاپ میں بات ہو گی۔'' دونوں کے قہقہے بلند ہوئے تو انصر اور حارث ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر باہر لان میں چلے آئے۔ وہ ایک دوسرے سے بزنس، سیاست اور دیگر امور پر باتیں کر رہے تھے کہ انصر کے موبائل پر بیل ہونے لگی۔ وہ ایکسکیوز کرتا ہوا کال سننے میں مصروف ہو گیا تھا۔ جبکہ حارث نعمان کی نگاہ سامنے کھڑی جویریہ پر پڑ گئی تو اس کو

http://kitaabghar.com

ایسا لگا کہ وہ چند ثانیے پہلے اسی کو دیکھ بھی رہی تھی اور مطربہ سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ حارث کے ہونٹوں پر مسکان پھیل گئی تھی۔

شمعون دونوں بوڑھوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا اور محظوظ بھی ہو رہا تھا۔

حارث نے دیکھا کہ مطربہ بھی کسی سے موبائل پر بات کرنے لگی ہے تو وہ چلتا ہوا جویریہ کے پاس پہنچا جو پھولوں کی کیاری کے پاس کھڑی خود بھی ایک پھول ہی لگ رہی تھی۔

''پھول مجھے بھی اچھے لگتے ہیں۔'' اس نے گلا کھنکھار کر بات کا آغاز کیا تو جویریہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''پھول تو ہر کسی کو اچھے لگتے ہیں لیکن مزہ تو تب ہے کہ کانٹوں سے بھی محبت کی جائے۔'' گہری بات تھی اور حارث نعمان کو جویریہ کا لب و لہجہ ہی بھا گیا تھا۔

''لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیر رہا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں کی منزلیں الگ الگ ہیں۔''

شاید جویریہ کو یہ مثال سمجھ نہ آسکی تھی۔ ''میرا مطلب بحری جہاز سے تھا۔'' وہ اپنی بات کو سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''منزل تک پہنچانا تو پائلٹ یا کپتان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لوہا اور لکڑی تو ایک بہانہ ہوتا ہے۔'' وہ نظریں جھکاتی ہوئی بولی تو وہ مسکرانے لگا۔

''بالکل اسی طرح جس طرح یہ دعوت.....؟''

''وہ حیرت سے نظریں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی چور ہی ہوئی تھی کہ دل کے مندر میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔''

''جی۔'' وہ اتنا ہی کہہ کر اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

''تقدیر ہمیں بار بار کیوں ملوا رہی ہے جویریہ۔ کبھی سوچنا ضرور۔'' اس نے پہلی بار جویریہ کا نام لیا تھا اور اس کے منہ سے اپنا نام سن کر جویریہ دھیرے سے بولی۔

''آپ نے سوچا ہے؟'' وہ اس خوبصورت جواب کی توقع ہی کر رہا تھا اسی لیے اس کے پاس الفاظ پہلے سے ہی جمع تھے۔

''تقدیر مہربان ہے تو پھر میں اس کی نافرمانی کیوں کروں..... اگر میں تمہیں.....'' اس نے اس انداز میں کہا کہ جویریہ کی سانسیں اس کے حسن کو بے ترتیب کرنے لگیں اور بے قابو دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے وہ حارث نعمان کو گھائل کر دینے والی استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ اپنی بات پوری کیوں نہیں کر رہا۔ اس کی نظروں سے چھلکنے والی بے تابی اور بے قراری حارث نعمان کے دل میں گھر کر گئی۔

''اگر میں تمہیں پرپوز کروں تو.....؟'' جلترنگ سا بجا تھا جو دل میں جھرنوں سے گرنے والی دھاروں سے پیدا ہونے والے شور کی مانند گونجنے لگا تھا۔ وہ بمشکل تھوک نگلتی ہوئی وہاں سے اندر کی جانب چل دی۔

''میں انتظار کروں گا۔'' گو کہ حارث نعمان کی آواز دھیمی تھی لیکن جویریہ کی سماعتیں اسی جانب تھیں۔ وہ واپس مڑی اور چند

http://kitaabghar.com

ساعتوں کے لیے ٹھہری نظریں اُٹھائیں اور پیار نچھاور کرنے والے انداز میں حارث نعمان کو اسی لمحہ کچھ بھی کہے بغیر اس کی بات کا جواب دیا اور واپس اندر چلی گئی۔

حارث نعمان وہیں کھڑا تھا اور وہیں کھڑا ہی رہ گیا۔ جویریہ کب کی جا چکی تھی لیکن اس کی خوشبو اس ماحول میں ابھی تک بسی ہوتی تھی لیکن وہ ان کہی باتوں کی طرح اپنی آنکھوں کی زبان سے وہ کچھ کہہ گئی تھی جس کی حارث نعمان کو امید تو تھی لیکن اتنی جلدی جواب مل جانے کی شاید توقع نہ تھی۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ کھانا بہترین تھا اور ہر ڈش کو بڑی محنت اور مہارت سے تیار کیا گیا تھا۔ مہمانوں کا تو دل چاہتا تھا کہ انگلیاں ہی چاٹ جائیں لیکن ان کا سلیقہ اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ ٹشو کا استعمال ہی ان کے لیے فائدہ مند رہے گا۔

''تو بھئی بصیر احمد! اس میں کوئی شک نہیں کہ کھانا بہت مزیدار ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا خانساماں تمہاری صحت کا خاصا خیال رکھتا ہے؟'' نعمان ایزد مسکراتے ہوئے کہنے لگے تو بصیر احمد بولے۔

''وہ میرا خانساماں نہیں ہے بلکہ ہمارے گھر کے ایک فرد کی طرح ہی ہیں۔''

''میں تو کہتا ہوں جج صاحب کہ یہ خانساماں ہمیں ہی دے دو یار۔'' نعمان ایزد واقعی کھانوں کے گرویدہ ہو گئے تھے۔

''ایسا کھانا میرا خیال ہے کہ بیس پچیس سال بعد کھایا ہے۔'' اس بات کی ماضی میں کیا حیثیت تھی یہ تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا لیکن جیسے ہی صائمہ چائے کی ٹرالی لے کر ڈرائنگ میں داخل ہوئی تو بصیر احمد بول پڑے۔

''لو بھئی نعمان! میرے گھر کے اس فرد سے بھی ملو جو ہمیں لذیذ کھانے مہیا کرتا ہے۔'' نعمان ایزد کی پشت چونکہ صائمہ کی طرف تھی۔ وہ گردن گھما کر دیکھنے لگے تو ان کو بے ساختہ ہو کر کھڑے ہونا پڑا۔

یہی حالت صائمہ کی بھی تھی اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ جن مہمانوں کے لیے کھانے تیار کر رہی ہے وہ نعمان ایزد کی فیملی ہے۔ اور نعمان ایزد کی سانسیں پھولنے لگی تھیں وہ حیرانگی سے صائمہ کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ ان کے دل و دماغ میں گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔ لیکن یہ گھنٹیاں خطرے کی تھیں۔ اس بات کو نعمان ایزد خوب سمجھ رہے تھے جبکہ باقی لوگ ان کی اس حالت سے محفوظ ہو رہے تھے کہ نعمان ایزد کو خانساماں کے کھانے تو لذیذ لگے ہی تھے اب اس کی صورت بھی اتنی بھا گئی تھی کہ وہ آنکھیں جھپکنا بھی بھول گئے تھے لیکن ماضی ایک کربناک چیخ بن کر ان کے دماغ میں ابھرا تو نعمان ایزد بمشکل تھوک نگل کر واپس مڑے اور اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

ایاز نے کھلے میدان میں ہی مطربہ کو پڑھانے میں دلچسپی لی تھی۔ وہ لان میں بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''میں ایک بات آپ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں مطربہ۔'' ایاز نے کہا تو وہ آنکھیں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''جی سر پلیز۔'' ایاز کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ بات کیسے اور کہاں سے شروع کرے۔ اُس کو جتنی عزت اس گھر میں ملی تھی اس پر

http://kitaabghar.com

تقدیر اس طرح سے بھی مہربان ہوگی اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اور وہ تقدیر کی اس مہربانی پر اس کی ناشکری نہیں کر سکتا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں سر؟'' مطربہ نے اپنی پیاری سی آواز میں کہا۔ تو وہ چونک کر مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''رشتے سٹیٹس کے محتاج نہیں ہوتے۔'' وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو مطربہ استفہامیہ انداز میں بولی۔

''میں سمجھی نہیں سر!''

''مطربہ! میں اس گھر میں ٹیچر بن کر آیا ہوں۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ بہت مقدس اور احترام والا ہوتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں سر!'' مطربہ اس کی بات سن کر بولی تو وہ پن سے کھیلتا ہوا کہنے لگا۔

''مطربہ! میں چاہوں گا کہ یہ رشتہ اور تقدس بالکل اسی طرح برقرار رہے جس طرح آج پہلے دن ہے۔''

''میں سمجھی نہیں سر؟'' مطربہ کا حیرت سے بھرپور فقرہ اس بات کی علامت تھا کہ وہ واقعی ہی نہ سمجھی تھی کہ ایاز کیا کہنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی بات کو سمجھانے والے انداز میں بولنے لگا۔

''میری ایک بڑی بہن ہے کیا میں تمہیں..... میرا مطلب ہے کہ..... آپ کو اپنی چھوٹی بہن سمجھ کر پڑھا سکتا ہوں؟'' ایاز نے بہت مشکل بات اس طرح ادا کی تھی کہ مطربہ ابھی تک حیران تھی۔

''آف کورس سر! کیوں نہیں.....؟'' مطربہ بولی تو ایاز کی پریشانی حل ہو گئی۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''تھینک یو مطربہ.....؟ ایکچوئلی شمعون میرا اکلوتا دوست ہے وہ مجھے بھائی سمجھتا ہے۔ تو میں بھی چاہتا ہوں کہ تم مجھے شمعون کی طرح سمجھو تاکہ میں تمہیں اچھے طریقے سے پڑھا سکوں۔''

''لیکن سر! میں نے تو پہلے دن ہی شمعون کو بتا دیا تھا کہ آپ اس قدر اپنے لگے ہیں کہ اپنا ہی خون لگتا ہے۔ اور آج آپ نے بات کر کے میری بات کی تصدیق کر دی ہے۔'' مطربہ نے کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

''سر! میں آپ کے لیے چائے منگواتی ہوں۔'' مطربہ نے موبائل سے ملازم کو کال کی اور چائے لانے کا کہا تو ایاز بولا۔

''مطربہ! میں دل سے چاہوں گا کہ تم اچھے مارکس لے کر اچھی پوزیشن لو۔''

''آپ جیسا استاد ہو تو پھر پوزیشن تو خود ہی میرے قدموں میں آ گرے گی۔'' مطربہ چہکتی ہوئی بولی۔

ایاز نے اس کو پڑھانا شروع کر دیا۔ وہ نوٹ بک پر اہم ترین پوائنٹ نوٹ بھی کرواتا جا رہا تھا۔ مطربہ کو واقعی پڑھنے کی لگن تھی۔ حالانکہ ایاز نے یونیورسٹی میں دیکھا تھا کہ امیر ترین باپوں کی اولاد تعلیم کو محض انجوائے سمجھ کر ہی اپنا رہی تھیں بلکہ جدید فیشن شو کا باقاعدہ انعقاد نہ تھا ورنہ ہر روز نئے ڈریسز اور نئے ڈیزائننگ سے مزین ملبوسات انوکھا ہی رنگ پیش کر رہے تھے۔

چائے آ گئی تھی وہ چائے پینے لگے تو اقصیٰ بھی ان کو دیکھ کر ادھر آ نکلی۔ وہ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی تو ایاز خاصا نروس دکھائی دینے لگا تھا۔

''آپ چائے لیں گی بواہ۔'' مطربہ نے پوچھا تو وہ ایاز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''نہیں یار..... میں نے چائے دوبار پی لی ہے..... ویسے بھی اتنی زیادہ چائے پڑھا کو لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔''

''بواء چائے انسانی نظام کو درست رکھتی ہے۔''

''اور انسانی دماغ کو خشک بھی کر دیتی ہے۔'' اقصیٰ نے فی البدیہہ ہی مطربہ کی بات کا جواب دیا تو ایاز کو واضح طور پر محسوس ہوا کہ یہ بات اس کے لیے ہی کہی گئی ہے۔

''بواء۔ یہ میرے سر ہیں سر ایاز۔'' اس نے تعارف کروایا تو ایاز بولا۔

''ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔'' ایاز کی بات سن کر مطربہ حیرت سے اقصیٰ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''بواء۔ آپ نے تو کبھی بتایا ہی نہیں۔''

''وہ ایک چھوٹا اور بورسا سفر تھا..... اس کا تذکرہ کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا جانی۔'' وہ بے نیازی سے بولی تو مطربہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''سر آپ ٹھہرنا چاہیں تو آپ کی مرضی ہے۔ مجھے اجازت ہے؟'' مطربہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تو ایاز کو اخلاقاً اثبات میں سر ہلانا پڑا۔ مطربہ کے جانے کے بعد وہ اب جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا کیونکہ اب اس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی اور اس کے ٹھہرے رہنے کا کوئی جواز نہ بنتا تھا۔

''مغرور لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں مسٹر ایاز!'' اقصیٰ بولی تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا رُک گیا۔ ''اس کی کیا وجہ ہے؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں میڈم!'' اس کی سمجھ میں اس سوال کی منطق نہ آئی تھی۔

''تم ٹیچر ہو..... پڑھاتے ہو..... سکھاتے ہو۔ میرا یہ سوال اتنا عجیب تو نہیں ہے۔'' وہ ایک خاص ادا سے بولی تو وہ زیر لب مسکراتا ہوا اس کی بات کا جواب دینے لگا۔

''ٹیچر خود بھی کسی کا شاگرد ہوتا ہے۔ پڑھانا، سکھانا اس کی وہ ذمہ داری ہوتی ہے جو اس نے اپنے اساتذہ سے سیکھی ہوتی ہے اور اپنے کندھوں پر اُٹھائے درد اس کو نبھانے کی کوشش میں خود بھی سیکھنے کے عمل سے گزرتا رہتا ہے..... میں بھی ابھی سیکھ رہا ہوں۔'' جامع جواب سن کر اقصیٰ کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''اچھی باتیں اور اچھے لوگ کم کم ہی رہ گئے ہیں لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ جو رہ گئے ہیں وہ بھی کم کم ہی بولتے ہیں۔''

''اور جب بولتے ہیں تو کمال بولتے ہیں کیونکہ کم بولنے والے پہلے تولتے ہیں پھر بولتے ہیں۔'' اس کے جواب نے اقصیٰ کی بولتی ہی بند کر دی تھی۔ ''چلتا ہوں..... خدا حافظ۔'' وہ گیٹ کی جانب بڑھ گیا تو اقصیٰ اپنے نظر انداز کیے جانے پر تلملا کر رہ گئی۔ وہ دانت پیستی ہوئی مڑی تو سامنے ہی سکندر کو کھڑے دیکھ کر دیکھتی ہی رہ گئی۔ سکندر آج پہلے سے بھی سمارٹ اور خوبصورت لگ رہا تھا۔

''مسٹر ایاز! تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو..... تم جیسے تو سینکڑوں میرے آگے پیچھے کتے کی طرح دم ہلاتے رہتے ہیں۔'' وہ خود ہی بڑبڑائی تھی لیکن الفاظ اور لہجہ ایسا تھا کہ دانت پیس کر وہ بولی تھی گویا ایاز کی شخصیت کو کچل رہی ہو۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

نعمان ایزد کے محل کے دو حصے اس طرح تعمیر کیے گئے تھے کہ ایک حصے کو آفس کی شکل دی گئی تھی۔ اس میں بھی ایک وسیع لان موجود تھا۔ اس میں کمرے اور دیگر ایسے لوازمات بھی تھے کہ آنے جانے والے لوگوں کو راتوں کو ٹھہرانا بھی پڑتا تو نعمان ایزد کو کوئی پرابلم نہ ہوتی تھی۔ اس پورشن کو ایک دیوار سے الگ کیا گیا تھا۔ مگر مین روڈ سے اس کا انٹری گیٹ بھی رہائشی حصے کے گیٹ جیسا تھا۔

وہاں پر نعمان ایزد کی میٹنگز اور ہر وہ پرسنل کام ہوتا تھا جو آج کے ناخداؤں کا شوق ہے۔ گھر کے افراد میں سے کسی کو بھی اس حصے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور اُدھر سے بھی کسی کو اِدھر آنے کی اجازت نہ تھی یہی وجہ تھی کہ آج تک نعمان ایزد کی تمام خفیہ حرکات و سکنات پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ آج تک کافی سیکریٹریز بدل چکے تھے اور ان سب کا حاصل اس کنویں کی اینٹ کی مانند تھا جو پانی والے کنویں میں گر کر باہر خشک نہ نکل سکی تھی۔

نعمان ایزد نے زیادہ دیر کسی بھی فی میل سیکریٹری کو نہ رکھا تھا۔ بس اپنا شوق پورا کیا اس کو اچھی خاصی رقم دی اور فارغ کر دیا۔ اگر کسی نے زبان کھول کر ندامت بھری راتوں اور غلاظت بھرے دنوں کا تذکرہ کسی سے بھی کرنا چاہا تو اس کو دنیا سے ہی فارغ کر دیا جاتا تھا۔ اور آج تک کسی کو بھی پتہ نہ چلا تھا کہ مرنے والی کو کس گاڑی نے کچلا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ صاف رکھتے تھے اور کسی کے بھی خون کا ایک بھی چھینٹا ان کے دامن پر نہ تھا۔ کیونکہ ان کے بہت سے چیلے ان پر جان دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے اور اب ان چیلوں میں سکندر نامی نوجوان کا اضافہ بھی ایک خوبصورت اضافہ تھا۔ نعمان ایزد اس پر اعتماد کرنے لگے تھے اور وہ ''کچہری'' وقت آفس میں بیٹھا کرتا تھا۔ یہ وہ کچہری ہوتی تھی جو نعمان ایزد ہر سیاستدان کی طرح لگایا کرتا ہے اور اپنے ووٹروں کے کام سنوارنے کے لیے دو دو رنگوں والی پنسلوں سے مخصوص دستخط کر کے کام کروا کے سرخرو ہوتا ہے۔

آج پبلک کے لیے کچہری کی چھٹی تھی اسی لیے سکندر اس خوبرو اور سمارٹ لڑکی کی طرف حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

''آج تو نعمان صاحب نہیں بیٹھیں گے۔ آپ کل آجائیں۔''

''میں کوئی فریاد لے کر نہیں آئی..... بلکہ نوکری کی تلاش میں یہاں تک آئی ہوں۔'' لڑکی کی پیاری آواز اور حسین شکل و صورت نے سکندر کو بھی یہ عندیہ دے دیا کہ اس کا کام آسان ہو جائے گا جو اس کے ذمہ سیکریٹری ڈھونڈنے کا لگایا گیا تھا۔ لڑکی نے وہ اخبار سکندر کے آگے رکھ دیا جو نعمان ایزد کے آفس کی جانب سے اشتہار دیا گیا تھا۔

''اس سے پہلے کہیں جاب کی ہے آپ نے؟'' وہ براہ راست لڑکی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو لڑکی نے اپنی نظریں جھکا لیں اور بولی۔

''جی نہیں۔ یہ میرا پہلا تجربہ ہے۔'' اس نے اپنی سندیں اور ڈگریاں وغیرہ سکندر کے سامنے رکھیں اور پھر بولی۔

''میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی سر پلیز میرے لیے کچھ کیجیے۔'' اس کے لہجے میں منت تھی۔ ''نعمان صاحب ہی کچھ کریں گے میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔'' سکندر کے لیے یہ پہلا تجربہ تھا کہ وہ انٹرویو کر رہا تھا اور اس کے سامنے پڑی ہوئی فائل میں جو ڈگریاں تھیں وہ اس

http://kitaabghar.com

اپنے ہی گھر اور خاندان کی عزت کو نقب لگانے والی ایسی لڑکی کی عبرت ناک داستان بھی آپ کو چونکا دے گی۔ کیونکہ محبت کے نام پر لٹنے والی دوشیزہ مکافاتِ عمل کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی کوئی غلطی تھی کہ اس کا ماضی اس کو سزا دینے کے لیے اس کا حال بن کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

دل و جان سے بڑھ کر کسی کو چاہنے والی خوبرو حسینہ سے محبت نے ایسا تاوان وصول کیا کہ وہ شک کے زہریلے تیر کا ایسا شکار بنی کہ اس کو طلاق جیسے سہرے کو اپنے ماتھے پر سجانا پڑا لیکن کوئی اس کو اس سے بھی بڑھ کر چاہتا تھا۔ وہ اپنی محبت کا پیرہن لے کر اس کے بے رنگ اور محبت سے خالی بدن کو لپیٹنے کے لیے چلا آیا۔ کیا اس کی محبت میں سچائی تھی یا محض دکھاوا ہی تھا؟

بنتے بگڑتے رشتوں کی بساط پر پھیلے ہوئے نفرت محبت اور پیار کے ساتھ ساتھ سازشی اور مکار وعیار پیادوں اور بادشاہوں کی کہانی آپ کو ورطہ حیرت میں ضرور مبتلا کر دے گی۔ سسپنس اور تجسس کو برقرار رکھتے ہوئے میں نے خود بھی ایک قاری بن کر اس کتاب کا انتظار کرنا شروع کر دیا ہے۔

اس کے بعد میرا ناول ''پرندے کیوں نہیں آتے'' بھی اسی ادارہ سے شائع ہو گا نام کی طرح کہانی بھی سسپنس سے لبریز ہے اس کے بارے میں اگر میں کچھ کہوں گا تو اس کہانی کا مزہ ہی کرکرا ہو کر رہ جائیگا۔ اس لیے اس ناول کو پڑھ کر اپنی قیمتی آرا کا ضروری سلسلہ مجھ سے ضرور جاری رکھیں جیسا کہ اس سے پہلے آپ نے مجھ پر اپنی جتنی بھی محبتیں نچھاور کی ہیں میں ان محبتوں کو گنگنا دوں گا لیکن آپ کے شوق نے مجھے گیلے پتھر لکھنے پر مجبور کیا تو میں کانچ کا مسیحا بن کر کاغذ کی کشتی میں سوار ہو کر تاوان عشق ادا کرتا ہوا عین شین قاف کا ایسا اسیر بنا کہ آپ لوگ مجھے موم کا کھلونا سمجھنے لگے حالانکہ میں تو کاغذ اور قلم کی طرح ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند ایک ہی جگہ رک گیا کیونکہ مجھے آپ سب کی پُرخلوص محبتوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یہ ضروری کہنا تھا کہ میں آپ کے لیے لکھتا رہوں کا کیونکہ میرا عشق فرشتوں جیسا ہے۔ بے شک آج میں شیشے کے گھر میں پتھر کے لوگ دیکھ رہا ہوں جو اس بات کے منتظر ہیں کہ اب پرندے کیوں نہیں آتے جو اپنی چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں لے کر کفار کی فوج کو نیست و نابود کر دیتے تھے اور اللہ کی فوج بن کر ہر معاملے اور ہر عشق امتحان میں لبیک اے عشق کہتے ہوئے باعزت سرخرو ہوتے رہے ہیں۔

اُمید کرتا ہوں کہ آپ کو میری یہ تحریر بھی پہلی تحاریر کی طرح پسند آئیگی اور میں آپ کی محبتوں کا منتظر رہوں گا۔ آپ فیس بک پر لکھ کر سرچ کر سکتے ہیں۔ www.facebook.com/fayyaz.urdunovelist

میں آخر میں ریت (وی آر گنائزرز ڈرامیٹک اینڈ آرٹ سوسائٹی) کا بے حد مشکور ہوں جن کی محبتوں کی بدولت لوگ مجھے آج آرٹ کی دُنیا میں بھی جانتے ہیں۔

مخلص

محمد فیاض ماہی

http://kitaabghar.com

بیس ہزار مہینہ یقیناً بہت بڑی رقم تھی۔ وہ لوہا گرم دیکھتا ہوا ایک اور زوردار چوٹ لگاتا ہوا بولا۔ ''آپ کو لنچ بھی اِدھر ہی ملا کریگا اور دیگر بونس وغیرہ کی بھی فکر نہ کرنا۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ میں کل سے آفس جوائن کرلوں سر؟'' لڑکی کی آواز میں کامیابی اور شادمانی کا عنصر نمایاں تھا۔

''جی ضرور کیوں نہیں..... آپ ابھی سر جی سے مل لیں۔ وہ آپ سے چند سوالات پوچھنا چاہتے ہیں۔'' سکندر نے اندر کی جانب اشارہ کیا تو وہ لڑکی اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اسی دروازے سے اندر چلی گئی۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی اس نے گویا یوں محسوس کیا کہ اس کی دنیا ہی بدل گئی ہو۔ وہ خود کو خواب نگری میں محسوس کر رہی تھی۔ نرم و دبیز قالین نے اس کو ہواؤں میں محسوس کروایا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک ریوالونگ کرسی پر نعمان ایزد براجمان تھا اُن کی پرسنالٹی اس قدر دلفریب اور دل کش تھی کہ لڑکی اپنا آپ بھول بیٹھی تھی۔

وہ جس جگہ کھڑی تھی وہیں جم کر رہ گئی۔ نعمان ایزد اس کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے شیشے کی خوبصورت میز پر کمپیوٹر اور ایل سی ڈی سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کے کونے میں ایک بڑی سکرین والی ایل سی ڈی دیوار پر لگی ہوئی اس ملک کے سیاسی حالات کو جانچنے کے لیے کافی تھی۔

قیمتی صوفوں اور دبیز پردوں کی مالیت کا وہ اندازہ نہ کرسکتی تھی۔

''یہیں کھڑی رہوگی یا آگے بھی بڑھنے کا ارادہ ہے۔'' نعمان ایزد کا یہ فقرہ کتنا گہرا تھا اس کا اندازہ وہ لڑکی ابھی لگانے سے قاصر تھی وہ خفت مٹاتی ہوئی آگے بڑھی تو دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوگئیں کیونکہ نعمان ایزد اپنی کرسی سے اُٹھ گئے تھے۔

''تشریف رکھیں پلیز۔'' نعمان ایزد کے کہنے پر وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی لیکن انداز ایسا تھا کہ وہ اُٹھ کر بھاگنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائے گی۔

''ری لیکس ہو کر بیٹھیں پلیز! اور میرے چند سوالوں کے جوابات دیں۔'' نعمان ایزد اس کی حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔

''آپ کا نام؟'' پہلا سوال تھا حالانکہ وہ درخواست پر لکھ چکی تھی اور اس کی ڈگریوں پر بھی درج تھا کہ اس کا نام اور ولدیت کیا ہے۔ لیکن جواب دینا ضروری تھا۔

''ریشم!'' وہ کوئل جیسی آواز سے کوکی تو نعمان ایزد اس کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے اور اس کی جھکی ہوئی آنکھوں کو دیکھنے لگے اور بولے۔

''تم تو واقعی ریشم ہو۔'' لہجہ خمار آلود تھا اور الفاظ شراب کے پیگ میں بھیگے ہوئے تھے۔

''جی؟'' وہ نظریں اُٹھا کر اتنا ہی کہہ پائی تھی۔ اس کی رنگت مزید سرخ ہوگئی تھی اور دل کی دھڑکنیں اس کو بار بار اس بات کا اشارہ دے رہی تھیں کہ بیس ہزار ماہانہ بہت بڑی رقم ہے۔ صرف سیکریٹری ہی بننا ہے سر جی کا ''ہر کام'' ان کی فرمائش پر کرنا ہوگا۔

http://kitaabghar.com

''تجربہ؟'' دوسرا سوال ہے۔

''جی کوئی نہیں۔'' وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی تو نعمان ایزد کا جاندار قہقہہ اس کو حیران کر گیا۔

''پہلی بار گھر سے نکلی ہو کیا؟''

''جی سر!'' وہ مختصر سوالوں کے جوابات اور بھی مختصر دے کر بری ہوتی جا رہی تھی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے مس ریشم!'' نعمان ایزد بولے۔ ''آپ کو معلوم ہے کہ سیکریٹری کا کیا کام ہوتا ہے؟''

''جی سر! تھوڑا بہت معلوم ہے اور کچھ آپ کی صحبت میں رہ کر سیکھ لوں گی۔'' وہ اس بار کچھ ہمت کرتی ہوئی اپنی طرف سے لمبی بات کر گئی تھی۔ نعمان ایزد مسکراتے ہوئے بولے۔

''کہاں رہتی ہو؟''

''جی..... ریلوے کوارٹرز کالونی میں۔'' وہ اپنی رہائش کا بتاتے ہوئے پھر نروس ہو گئی تھی کہ کہیں اس کی رہائش کا پتہ سن کر نعمان ایزد اس کو ری جیکٹ ہی نہ کر دیں۔

''کیا اتنا حسن..... اس کالونی میں بھی پایا جاتا ہے ریشم؟'' یہ بے تکلفی کا پہلا پتھر تھا جو نعمان ایزد نے اس کی تعریف کے تالاب میں پھینکا تھا اور ارمانوں میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ وہ اداس آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر ہی رہ گئی۔

''تمہاری تعلیم اچھی ہے۔ اس لیے ہم نے تمہیں دیکھنے اور ملنے کی خواہش کی تھی۔'' نعمان ایزد بولنے لگے تو وہ سننے لگی۔ ''لیکن دیکھنے کے بعد احساس ہوا کہ آج تک ہم نے حسن کا نام ہی سنا تھا دیکھا نہ تھا۔'' وہ ایک بار پھر اس کے سامنے بیٹھ گئے اور اپنی انگلی سے اس کے بالوں کی لٹ کو اس کے چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے بولے۔

''ان زلفوں کو ناگن کی طرح اس چاند جیسے چہرے پر قابض نہ ہونے دیا کرو۔'' وہ کھلم کھلا اظہار اور پھر نعمان ایزد کی آزادی جرات سے سمجھ گئی کہ وہ اس کو آزما رہے ہیں کہ ریشم سیکریٹری بننے کے قابل بھی ہے یا نہیں..... ریشم ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو نعمان ایزد مخمور لہجے میں بولے۔

''اب جاؤ یا قتل کرنے کا ارادہ ہے جانِ من۔'' وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی اٹھی اور سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

''تو میں صبح آ جاؤں سر جی؟''

''میں تو کہتا ہوں کہ ابھی سے ہی یہیں رہ جاؤ۔'' ذو معنی بات تھی لیکن نعمان ایزد کی مسکراہٹ نے ریشم کو کچھ بھی نہ سمجھنے دیا تھا۔

''ضرور آنا..... تمہاری نوکری پکی ہے..... لیکن ''نوکری'' کرنے کی ہمت لے کر آنا۔'' وہ لفظ نوکری پر زور دیتے ہوئے واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور انٹرکام پر سکندر کو ہدایت دینے لگے کہ مس ریشم کو دس ہزار روپے ایڈوانس میں دے دیے جائیں۔

ریشم اس فراخدلی پر حیران تھی۔ ''تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ تم کیا ہو جانِ من؟'' وہ نعمان ایزد کے یہ آخری الفاظ نہ سن سکی تھی

http://kitaabghar.com

کیونکہ وہ اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر کمرے سے نکل کر سکندر کے سامنے پہنچ چکی تھی۔ جس نے دس ہزار روپے گن کر اس کو ایک لفافے میں ڈال کر دے دیے اور بولا۔

''ہم نے آپ کے تمام کاغذات کی نقول رکھ لی ہیں۔ آپ کل سے ڈیوٹی پر آ جائیں۔ آپ کو یہ رقم سر جی کی طرف سے تنخواہ میں سے ایڈوانس کے طور پر دی گئی ہے۔''

وہ اپنی فائل اٹھاتی ہوئی پیسے پکڑ کر آفس سے باہر نکلی تو اس کے پاؤں ہی زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ وہ نعمان ایزد کی پرسنل سیکریٹری بن گئی تھی۔ یہ تقدیر کی بہت بڑی مہربانی تھی۔ وہ یہ بات جا کر صائمہ کو بتائے گی تو وہ کتنی خوش ہوگی کہ نعمان ایزد جیسا سیاستدان اس کا باس ہے۔ اور پھر وہ ایاز کو بھی جیلس کر گئی کہ اس نے نعمان ایزد کی بیٹی کو ٹیوشن پڑھانے کا کام کر کے کوئی تیر نہیں مارا ہے بلکہ اصل کمال تو ریشم نے کیا ہے جو نامور سیاستدان کی پرسنل اور خاص سیکریٹری بن گئی ہے۔

صائمہ خلاف معمول آج گھر پر ہی تھی اُس نے ریشم کے چہرے پر برسنے والی خوشی دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اُس کو آج وہ خوشی مل گئی ہے جس کی وہ کئی مہینوں سے متلاشی تھی۔

''امی!'' ریشم کی چہکتی ہوئی آواز نے اس کو بھی خوش کر دیا تھا۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''آج تمہاری آواز بتا رہی ہے کہ تمہیں تمہاری مرضی کی جاب مل گئی ہے۔'' ریشم نے صائمہ کے گلے میں اپنی باہیں حمائل کی تو صائمہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو لے کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''آپ بتائیں بھلا میں آج خوش کیوں ہوں؟'' ریشم کی آواز میں آسودگی اور کھلا کھلا پن اس بات کا غمازی تھا کہ صائمہ کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بیٹی کی خوشی کی خاطر انجان بنتی ہوئی بولی۔

''کوئی اچھی ہی جاب ہوگی جو آج تم چہک رہی ہو۔''

''امی امی امی..... آپ یقین نہیں کر سکتی کہ میں آج کتنی خوش ہوئی..... یہ لیں میری پہلی تنخواہ کا ایڈوانس دس ہزار روپیہ!'' ریشم حد سے زیادہ خوش تھی اور صائمہ اس کی خوشی میں ہی خوش تھی لیکن دس ہزار کے نوٹ دیکھ کر اتنی ہی حیران بھی تھی کیونکہ ریشم نے ابھی کیا ہی کیا تھا کہ یہ اس کی پہلی تنخواہ میں سے ایڈوانس دس ہزار ہیں۔ یہ کون سی ایسی نوکری تھی کہ اس کو ایڈوانس میں دس ہزار بھی مل گیا تھا اور ابھی نہ جانے تنخواہ کتنی تھی یہ بات صائمہ نے پوچھنا ہی چاہی تھی کہ ریشم پھر بول پڑی۔

''امی جی! بس کچھ نہ پوچھیے۔ کتنا بڑا دفتر ہے میرا محل لگتا ہے محل..... اور اس دفتر کا فرنیچر اور پردے..... واہ واہ کیا کہنے..... کیا بات ہے امی جی..... اب ہم بھی اپنے گھر میں قالین بچھائیں گے..... اچھے اور قیمتی پردے لٹکائیں گے اور.....'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی گاڑی کے تیز ہارن نے اس کے خوابوں کو چکنا چور کر دیا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ ''اوہ مائی گاڈ..... توبہ ہے اس..... کی آواز.....'' وہ تیزی سے کھڑکی کی جانب گئی اور ایک پٹ کھولتی ہوئی بولی۔ ''اوئے..... بدتمیز ڈرائیو..... میں اس کھڑکی کے سامنے اتنا

http://kitaabghar.com

موٹا پردہ لٹکا دوں گی کہ تمہاری گاڑی کی آواز بھی میرا خواب منتشر نہ کر سکے گی۔ دیکھ لینا تم۔'' وہ ٹرین کے ڈرائیور کو سنا رہی تھی اور صائمہ اس کی اس بیوقوفی پر مسکرا رہی تھی۔ اُس نے ریشم کو پیچھے سے کندھے سے پکڑا اور بولی۔

''وہ تمہاری بات کون سا سن رہا ہے۔ مجھے سنا جو سننے کو بے تاب ہے کہ کتنی تنخواہ ہے کیا جاب ہے۔ کون لوگ ہیں۔ تمہارا دفتر کہاں ہے۔ تمہارا باس کیسا ہے؟''

صائمہ نے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال کر ڈالے تھے ریشم مسکراتی ہوئی واپس مڑی اور صائمہ کو ایک بار پھر اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے بتانے لگی۔

''بیس ہزار روپے تنخواہ ہے بس دفتر میں بیٹھنا ہے۔ سیکریٹری کے فرائض انجام دینے ہیں۔ گرمیوں میں ایئر کنڈیشنڈ، سردیوں میں ہیٹر۔ اور لمبی لمبی گاڑیوں میں باس کے ساتھ گھومنا۔ اچھے اچھے کھانے کھانا اور عیش ہی عیش.....'' ریشم نے سب سوالوں کے جواب دے دیئے تھے لیکن صائمہ کا ایک اہم ترین سوال رہ گیا تھا۔ وہ پھر سے اپنا سوال دہراتی ہوئی بولی۔

''تمہارا باس کیسا ہے۔ کام کیا ہے کچھ تو بتاؤ۔''

''میرا باس کافی سمارٹ اور ہینڈسم ہے اس کی پرسنالٹی..... واہ واہ..... اماں..... آپ ان کو دیکھ لیں تو بس دیکھتی ہی رہ جائیں گی۔'' ریشم نے باس کی کافی تعریفیں کیں تو صائمہ نے اس کے کندھے پر کہنی مارتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیا پاگل سمجھ رکھا ہے..... اب اس عمر میں میں کسی کو کیا دیکھوں گی۔'' صائمہ کا انداز خالص دوستانہ تھا اور وہ اس انداز پر دونوں ماں بیٹی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''امی جان مجھے نعمان ایزد کی سیکریٹری بننے کا موقع ملا ہے۔'' ریشم تو پتہ نہیں اور بھی کچھ کہہ رہی تھی لیکن صائمہ کے ہاتھوں سے دس ہزار کے نوٹ بھی زمین پر گر گئے تھے اور اس کا منہ بھی کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کو زمین آسمان ایک ساتھ گھومتے ہوئے لگنے لگے۔ اور ساتھ ہی ٹرین بھی اتنی رفتار سے گزری کہ اس کو یوں لگا کہ وہ اس کو اتنا کچل گئی ہے کہ اس کی روح بھی کچلی گئی ہے۔

''نعمان ایزد؟'' وہ بڑبڑائی تو ریشم نے اس کی بدلتی ہوئی رنگت پر غور کیا تو وہ حیران رہ گئی اور زمین پر بکھرے ہوئے نوٹ بھی دیکھے اور ان کو اکٹھا کرتی ہوئی بولی۔

''کیا ہوا امی؟ آپ یکدم پریشان ہو گئی ہیں؟'' صائمہ اُس کی بات سن کر خود کو سکتے کی کیفیت سے نکالتی ہوئی اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کچھ نہیں کچھ نہیں..... تم بتا رہی تھی کہ.....؟'' صائمہ اپنی بات پوری نہ کر سکی تھی اس کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں سے بول رہی ہو۔

''باس کی پرسنالٹی تو شاندار ہے امی..... لیکن ان کا رکھ رکھا۔ بات کرنے کا انداز کیا شاندار لہجہ ہے۔ واہ واہ۔'' ریشم تعریفوں کے

http://kitaabghar.com

پل باندھ رہی تھی لیکن صائمہ کے دل میں جو پریشانی تھی وہ الفاظ بن کر باہر نکل آئی۔

''تم نعمان ایزد سے ملی ہو کیا؟''

''ملی ہو کیا مطلب؟'' ریشم حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے لبریز لہجے میں بولی۔ ''ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے باتیں کی ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے آفس بلایا تھا۔ مجھ سے باتیں کی اور کہا کہ تمہاری تعلیم اچھی ہے اس لیے تمہیں اتنی اچھی تنخواہ دے رہے ہیں۔ اب تو میں ان کے ساتھ ہی ان کے آفس میں بیٹھا کروں گی۔'' ریشم کی خوشی دیدنی تھی۔

''کیا ایاز بھی وہیں ہوتا ہے؟'' یہ سوال صائمہ نے کیوں کیا تھا وہ سمجھ نہ سکی۔

''امی! ایاز تو ان کے گھر میں ان کی بیٹی کو پڑھائے گا۔ میں ان کے آفس میں ان کے کام کروں گی۔'' ریشم کی بات درست تھی۔

''تم ایاز کو نہ بتانا کہ تم نعمان ایزد کی سیکرٹری ہو۔'' صائمہ کا پراسرار لہجہ سن کر ریشم چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''لیکن کیوں امی؟''

''وہ اس لیے بیٹی کہ وہ بھی اس گھر میں ملازم ہے اور تم جوان ہو خوبصورت ہو۔ وہ تمہیں تمہارے باس کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ دیکھے گا تو برا منائے گا۔'' صائمہ کی یہ کمزور دلیل شاید ریشم کو مطمئن نہ کر سکی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں استفسار دیکھ کر پھر بولی۔

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ نعمان ایزد کسی غلط فہمی میں ہی مبتلا ہو جائے کہ بہن اور بھائی اس کے دشمنوں کی طرف سے کسی پلاننگ کے تحت اس کے گھر میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ تم کو یا ایاز کو نوکریوں سے ہی نکال دے۔'' یہ دلیل کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ ریشم نے اثبات میں سر ہلایا تو صائمہ پھر بولی۔

''ان سیاسی لوگوں کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ ہر لحاظ سے چوکنے اور محتاط رہتے ہیں۔ اور میں نہیں چاہتی کہ اب تم دونوں میں سے کوئی بھی اُس گھر سے خالی ہاتھ نکلے۔'' آخری الفاظ میں پراسراریت اور لہجے میں نفرت کے عنصر نے ریشم کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''خالی ہاتھ.....؟'' وہ آخری دو لفظوں پر زور دیتی ہوئی صائمہ کی طرف دیکھنے لگی تو صائمہ نے یکدم اپنے آپ کو پرسکون کر لیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری بچی میرا مطلب تھا کہ تم اتنے پیسے کما لو کہ تمہارا بہترین جہیز تیار ہو سکے۔ اتنی اچھی تنخواہ والی نوکری کہاں ملتی ہے؟'' ریشم کچھ مطمئن دکھائی دی تھی۔

''اور ایاز کو کیا بتاؤں کہ نوکری کہاں ملی ہے؟'' یہ ایک ایسا سوال تھا کہ جس کا جواب دینا ضروری تھا۔

''میں خود ہی کہہ دوں گی کہ جج صاحب نے اپنے ہی کسی جاننے والے کے ہاں رکھوا دیا ہے۔'' صائمہ نے بیٹی کی پیشانی پر پریشانی کی لکیریں پڑھتے ہوئے اس کو تسلی دی۔

http://kitaabghar.com

''ٹھیک ہے پھر میں صبح سے نعمان ایزد کی پرسنل سیکریٹری بن کر گھر سے نکلوں گی۔'' ریشم پھر چہکی تو صائمہ اس کو سمجھانے والے انداز میں گویا ہوئی۔

''جس آنچل کو سر پر سجا کر گھر سے نکلنے لگی ہو..... یاد رکھنا اس میں کوئی بھی غلاظت کا ایسا چھینٹا نہ پڑے کہ جس سے تمہارا وجود بھی غلیظ اور آنچل بھی داغدار ہو جائے۔'' صائمہ دور تک سوچتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی۔

ریشم اُس کے قدموں میں بیٹھتی ہوئی بولی۔

''میرا سرمایہ شرم و حیاء اور میری عزت یہ بے داغ آنچل ہی تو ہے امی..... آپ فکر نہ کریں میں اپنی حیا اور شرم کی لاج رکھوں گی۔'' صائمہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو پیسے پکڑاتی ہوئی بولی۔

''مجھے تم پر فخر ہے۔ یہ پیسے ٹرنک میں رکھو اور کھانا بھی تیار کر لو۔ ایاز آتا ہی ہوگا۔'' ریشم پیسے لے کر وہاں سے چلی گئی تو صائمہ سامنے دیوار کی طرف دیکھتی ہوئی گہری سوچ میں گم ہو گئی۔ چند لمحوں بعد ہی اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ وہ خود ہی بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

''نعمان ایزد! میرے دونوں بچے اب تمہاری بل میں گھس آئے ہیں۔ تقدیر کا کھیل دیکھو اور اب صائمہ کا بھیانک انتقام بھی دیکھنا..... تمہاری نسلوں کی روح تک کانپ جائیگی نعمان ایزد.....''

اگر ایاز اور ریشم ان الفاظ کو سن لیتے تو واضح طور پر کانپ کر رہ جاتے کیونکہ الفاظ کی تلخی اور لہجے کی تپش یہ بتا رہی تھی کہ صائمہ خیال ہی خیال میں نعمان ایزد کو جھاڑ رہی ہے اور اس کی بے بسی پر قہقہے لگانا چاہتی ہے۔

لیکن صائمہ ہی بہتر جانتی تھی کہ اب کون سا کارڈ کھیلنا ہے اور کون سی چال چلنی ہے۔ وہ ایسی چال چلنا چاہتی تھی کہ تقدیر بھی اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائے اور اس کا برسوں کا خواب پورا ہو جائے اور وہ تقدیر کی کرم نوازی پر شکر گزار تھی کہ اس کا کام آسان بنانے کے لیے پہلے ایاز اور پھر اب ریشم کو بھی نعمان ایزد کے گھر میں ہی کام مل گیا تھا۔ اور نعمان ایزد اس بات سے بے خبر تھا کہ تقدیر صائمہ کے ساتھ مل کر کیا کھیل رچا رہی ہے جو اس کی تباہی و بربادی کا کھیل بننے جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ثانیہ بیگم اور جسٹس بصیر احمد کے بے حد اصرار پر حارث نعمان کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر آ گئی تھی۔ گاڑی کا اسٹیرنگ حارث نعمان کے ہاتھوں میں تھا اور گاڑی ساحل سمندر کی جانب بھاگی جا رہی تھی۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ باہر کی جانب دیکھنے لگتی اور کبھی ونڈ سکرین کے پار سامنے سڑک کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ اس کو یونہی لگ رہا تھا کہ سڑک ان کی طرف بھاگی چلی آ رہی ہے اور فاصلے سمٹ رہے ہیں۔

وہ بصیر احمد کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی جب انہوں نے کہا کہ حارث تمہیں لینے آ رہا ہے تیار ہو جاؤ۔ اور پھر ثانیہ بیگم نے بھی لقمہ دیا

http://kitaabghar.com

کہ اچھا سا ڈریس پہنا وہ تمہیں لانگ ڈرائیو پر لیجانا چاہتا ہے۔ وہ احتجاجاً بولی بھی تھی لیکن اس کی آواز انتہائی مدہم تھی یا پھر وہ اپنے احتجاج کو جان بوجھ کر ہی زوردار نہ بنانا چاہتی تھی۔

''کیا میرا ساتھ اچھا نہیں لگا؟'' حارث نے پہلی بار زبان کھول کر گفتگو کا آغاز کیا تو وہ چونک کر اس کی طرف ایک مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولی۔ ''ایسا کب کہا میں نے؟''

''خاموشی..... خاموشی اور مسلسل خاموشی سے تو مجھے یہی لگا تھا۔'' وہ سامنے دیکھتا ہوا مسکرانے لگا تھا۔

''خاموشی کئی سوالوں کا جواب ہوتی ہے۔'' وہ مختصراً بولی تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا ہوں..... جو انسان کے دل میں ہو..... وہ چہرے پر بھی عیاں ہو جاتا ہے۔''

''تو پھر میرے چہرے سے آپ نے کیا اندازہ لگایا۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی تو حارث نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اس کے چہرے پر اپنی پیار بھری نظریں گاڑھتے ہوئے اس کے حسین چہرے کا طواف کر کے دل کی نگری کو تواب پہنچایا تو ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا بولا۔

''دل میں ہاں ہے اور لب پر ناں ہے۔''

''جی.....؟'' وہ یکدم چونک کر اس کی جانب دیکھتی ہوئی بولی تو وہ شاندار انداز میں ہکا سا قہقہہ لگاتا ہوا گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جویریہ! مجھے پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں اب آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' محبت کا کھلم کھلا اظہار اور اس کی خوبصورت شخصیت کے سحر میں گرفتار ہونے کا مختصر اقرار جویریہ کے دل میں اُتر گیا تھا۔

''آپ کی یہ حالت کب سے ہے جناب!'' وہ بھی دوستانہ انداز اپناتے ہوئے بولی تو حارث نعمان کو کچھ تسلی ہوئی کہ اب باتیں ہونگی وہ مسکرانے لگا۔

''جب سے میں نے تمہیں پہلی بار کتب کی شاپ پر دیکھا ہے۔'' وہ بے تکلفی کی ایک اور حد پار کر گیا تھا۔ اس نے پہلی بار جویریہ کو آپ کی بجائے تم کہا تھا۔ اور یہ انداز بھی جویریہ کو بھا گیا تھا۔ ''اس دن سے نہ اچھی طرح سو سکا ہوں اور نہ ہی کچھ کھا پی سکا ہوں۔''

''یہ تو فلمی باتیں ہیں یا افسانوں میں ہوتی ہیں۔'' وہ اس کی باتوں سے حظ اٹھاتی ہوئی بولی تھی۔

''افسانے اور فلمیں بھی ہماری زندگی کا ہی حصہ ہوتی ہیں..... لیکن ان کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ سچائی اور حقائق مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں۔'' وہ کافی کتابیں پڑھ چکا تھا اور پھر وہ نامور سیاستدان کا بیٹا بھی تھا لیکن اس کے پہلو میں بیٹھنے والی جویریہ نے بھی کافی مطالعہ کیا تھا اور وہ ملک کے نامور جسٹس کی بیٹی تھی۔

''زندگی کے کچھ پہلو اتنے تلخ ہوتے ہیں کہ ان کو مسخ کر دینے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔''

''لیکن میں سچائی سے بھاگنے والا نہیں ہوں۔ اور حقائق پر یقین رکھتا ہوں۔'' وہ ٹھوس اور با اعتماد لہجے میں بولا تو جویریہ اس کے

http://kitaabghar.com

چہرے پر نظریں جماتی ہوئی بولی۔

''محبت پر آپ کو کتنا اعتماد ہے اور پیار کی سچائی کی کیا حقیقت ہے؟'' وہ اس سوال کو سن کر چونک گیا اور اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرانے لگا۔

''عورت اپنا آپ محفوظ کرنے کے لیے اگر اچھے لفظوں کا سہارا لے تو اس کو لفظوں کی بجائے جذبوں اور تاثرات سے قائل کرنا چاہیے۔'' گاڑی ساحل سمندر پر پہنچ کر رک گئی تو وہ دونوں گاڑی سے باہر نکل آئے۔

ساحل کی گیلی ریت پر چلتے ہوئے وہ لہروں کے شور اور اٹھکیلیاں کرتے ہوئے جوڑوں کو بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی حارث کے ساتھ تھی لیکن کس حیثیت سے تھی اس کا تعین بھی اسی کی مرضی پر تھا۔ وہ بھی حارث سے محبت کرنے لگی تھی لیکن ابھی تک اس نے اظہار نہ کیا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ حارث جیسا ہی خوبصورت نوجوان مستقل میں اس کا ساتھی ہو۔

''محبت کی یہی سچائی ہے کہ اس کی بنیاد اعتماد پر رکھی جائے۔'' حارث نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ شرماتے ہوئے اپنی نگاہیں جھکا گئی اور بولی۔ ''اعتماد؟''

''ہاں اعتماد..... یہ اعتماد ہی ہے جویریہ کہ تم اتنی دور میرے ساتھ چلی آئی ہو۔'' حارث نعمان نے اپنا بے تکلفانہ انداز اپناتے ہوئے کہا تو وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی ہوئی بولی۔

''اس اعتماد میں محبت اور پیار کی کیا اہمیت ہے؟''

''محبت یک طرفہ ہو تو بربادی بھی یک طرفہ ہوتی ہے لیکن اگر محبت دونوں طرف سے ہو اور اعتماد کی بنیادیں مضبوط ارادوں پر قائم ہوں تو زندگی دونوں طرف ہی خوشیاں اور مسرتیں لے کر آتی ہے۔'' وہ اپنے تئیں جویریہ بصیر احمد کو مطمئن کر رہا تھا۔ ''اور وہ سب خوشیاں اور راحتیں محبت اور پیار کی مرہون منت ہوتی ہیں۔''

''جیسے؟'' وہ ایک ہی لفظ میں کئی سوال کر گئی تو وہ چلتا ہوا رکا اس کی جانب گھوما تو وہ اپنی ہی لگن میں چلتی ہوئی اس کے سینے سے جا کر لگ گئی تو حارث نعمان نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اس کی جھکی جھکی نگاہوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''میری آنکھوں میں دیکھو جویریہ!''

جویریہ اس لمحے کو ٹھہر جانے کا کہہ رہی تھی مگر دھڑکنیں بے اعتدال ہو کر دل کو سینے کی قید سے باہر نکلنے کی ترغیب دے رہی تھیں۔ بے ترتیب سانسیں اور دل کی دھک دھک اس کے سینے کے ابھار کو مست کر رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے آنکھیں اوپر اٹھاتی ہوئی حارث نعمان کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی دوبارہ نظریں جھکانے لگی تو وہ پیار سے اس کے چہرے پر دیکھتا ہوا بولا۔

''میرا دل اپنے اندر کی سچائی کو میری آنکھوں کے ذریعے تم تک پہنچانا چاہتا ہے پلیز اپنی آنکھوں کو مت جھکانا جویریہ میں تم سے محبت کرتا ہوں..... اتنی محبت کہ کسی نے بھی کسی سے نہ کی ہوگی..... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں جویریہ کیا تم میرے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہو گی۔''

http://kitaabghar.com

وہ اس کے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو اپنے الفاظ سے اعتدال میں لانے پر کامیاب ہو گیا تھا۔ جویریہ کے گال سورج کی تپش اور حارث نعمان کے بدن کی گرمی سے کسی کوئلے کی مانند لگ رہے تھے جو دہک رہا تھا اور ہوا ملنے پر اور بھی دہکتا جا رہا تھا بلکہ دہکتا جا رہا تھا۔

''جویریہ! بولو نا.....؟'' وہ دوبارہ بولا تو جویریہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ایک آواز گونجی۔

''ریڈی پلیز؟'' ان دونوں نے فوٹو گرافر کی طرف دیکھا ہی تھا کہ کیمرے کے کلک کی آواز نے وہ خوبصورت منظر محفوظ کر لیا تھا۔ جویریہ نے دھیرے سے اپنے ہاتھ حارث نعمان کے ہاتھ سے چھڑائے اور سمندر کی جانب دیکھنے لگی تو اتنی دیر میں فوٹو گرافر حارث نعمان کو فوٹو دے کر رقم لے کر چلتا بنا تھا۔

''اتنی حسین فوٹو تو پہلے کبھی بھی نہیں بنی ہوگی۔'' اس نے فوٹو جویریہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ فوٹو پکڑتے ہوئے مسکراتی ہوئی بولی۔ ''اتنی حسین جوڑی بھی تو نہیں ہوگی۔'' وہ یہ بات کہتی ہوئی شرم و حیا کی لالی سے سرخ ہو گئی تھی۔

''رئیلی؟'' حارث نعمان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ گھوم کر جویریہ کے سامنے آیا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ایک بار پھر اس کے ہاتھ پکڑتا ہوا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''میں نے جو سنا.....وہ سچ ہے کیا؟''

جویریہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں نے جو کہا وہ سچ ہے۔'' وہ قہقہہ لگا کر ریت پر ہی لوٹ پوٹ ہو گیا تو جویریہ حیرانگی سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''کیا کر رہے ہیں آپ؟'' حارث نعمان کو احساس ہوا کہ وہ کون ہے، کیا ہے اور کس جگہ ہے تو وہ خود کو نارمل کرتا ہوا بولا۔ ''محبت واقعی پاگل بنا دیتی ہے۔''

اس کے کپڑے ریت سے بھر گئے تھے۔ جویریہ دیکھتی ہوئی بولی۔

''اب اس حالت میں گھر جائیں گے آپ؟''

''تم صاف کر دو نا۔'' وہ پیار سے بولا اور گھوم کر پشت اس کی طرف کر لی اور مخمور انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ چند ثانیے تک وہ منتظر رہا اور پھر اس کے جسم پر جویریہ کے ہاتھ لگے جو ریت کو صاف کرنے کے لیے تھے۔ لیکن وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ اس کھیل میں پیار اور محبت کی سچائی شامل ہے اور آج محبت اپنی فتح پر جشن منا رہی تھی۔ جویریہ نے ڈرتے ڈرتے انداز میں اس کی شرٹ پر سے ریت کو جھاڑا اور پھر خاموش ہو کر اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تو حارث نعمان نے آنکھیں کھولیں کر اس کو دیکھا اور دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی گردن کے پیچھے رکھ لیے اس کی اس ادا پر جویریہ دل و جان سے ہی فدا ہو گئی تھی۔

اس نے اپنے دوپٹے سے اس کی شرٹ کو جھاڑنا شروع کیا تو وہ مسحور کن انداز میں اپنی سانس اندر کھینچتا ہوا بولا۔

''کاش کہ وقت ٹھہر جائے..... لمحے تھم جائیں..... وقت کی نبض میرے ہاتھ میں ہو تو میں اس کو اپنے تابع کر لوں۔ اور اپنی مرضی سے چلنے اور ٹھہر جانے کا حکم دوں۔''

http://kitaabghar.com

''ریت ہٹ گئی ہے جناب.....اب شاعری بند کر دیں۔'' جویریہ کی کوئل جیسی آواز سن کر اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''یونہی سدا مسکراتی رہو۔'' وہ بولا

''یہ تو آپ پر منحصر ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی تو وہ مسکراتا ہوا اس کا ہاتھ تھام کر ایک بار پھر ساحل کی ریت پر چلنے لگا۔

''اس جہان کی ساری خوشیاں تمہارے قدموں میں لا کر ڈال دوں گا۔''

''مجھے کوئی بھی خوشی اپنے قدموں میں نہیں.....اپنے دل میں چاہیے۔'' وہ اس کے ہاتھ کو دباتی ہوئی بولی تو وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

''مجھے ایسا کیوں لگتا ہے جویریہ کہ جیسے میں تمہیں مدتوں سے جانتا ہوں۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں آپ کی اس کیفیت کے بارے میں.....'' وہ مسکراتی ہوئی اپنی تعریف کے جواب میں بول رہی تھی۔

''آپ کسی ماہر سے مشورہ لیں نا۔'' وہ چلتے چلتے رک گیا اور اس کے چہرے کا طواف کرتا ہوا بولا۔

''مجھے ماہر محبت کی ضرورت تھی جو میرے سامنے میرا مسیحا بن کر کھڑا ہے۔'' اس کا پیار انداز دل میں اُتر گیا تھا۔

''لیکن میرے پاس تو آپ کا علاج نہیں ہے۔'' وہ دوبارہ چل پڑے ان کے قدموں کے نشانات ساحل کی گیلی ریت پر نقش چھوڑ جاتے اگر پانی کی لہریں ان کو اپنے ساتھ بہا کر نہ لیجاتیں۔

''ہائے!'' وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا عاشقانہ انداز میں بولا۔ ''افسوس کہ میرا مسیحا ہی میرا قاتل ہے۔ اور میرے درد سے انجان ہے۔'' اس کی اداؤں پر جویریہ کھلکھلا کر ہنسی تو وہ نقرئی ہنسی پر دل و جان سے قربان ہو گیا۔

''میں نے کچھ غلط کہا ہے؟'' سوالیہ انداز آنکھوں کے راستے دل میں اُترنے کا ایک بار پھر جواز بن گیا تھا۔

''یہ انداز تو وہ لوگ اپناتے ہیں جو محبوباؤں کو خون سے خط لکھتے ہیں۔'' وہ ہنستا ہوا اس کی آنکھوں میں اُتر گیا تھا۔

''میرے خون کا ہر ایک قطرہ تمہاری محبت پر قربان ہونے کے لیے بے چین ہے۔ کبھی ضرورت پڑی تو بندہ ناچیز حاضر ہے۔'' وہ ایک بار پھر ہنسی تھی۔ وہ سمندر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کائنات میں ہر چیز ہمیں محبت سکھاتی ہے۔ پرندے، پھول کلیاں، پانی کی یہ لہریں، لہلہاتے ہوئے شجر اور ہر وہ چیز جس کو شاعر اپنے الفاظ میں محبت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔''

''یہ لہریں کیسے ہمیں سکھاتی ہیں؟'' وہ محبت کے موسم میں ڈوبتی ہوئی بولی۔

''کئی میل کا سفر طے کرتی ہوئی یہ لہریں ساحل سے ملنے آتی ہیں.....ان کا اگر کوئی رشتہ ہے تو صرف ساحل سے ہے۔ یہ اس کو بوسہ دینے کیلیے اپنی جان کا نذرانہ بھی دے دیتی ہیں۔ ساحل ان کو ہنس کر اپنے اندر سمو لیتا ہے۔'' وہ بتا رہا تھا تو وہ اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔

http://kitaabghar.com

''وہ کیسے؟'' وہ ہنسا اور اس کو پیچھے دیکھنے کو کہا جہاں ریت پر ان دونوں کے قدموں کے نشانات واضح تھے۔

''اگر لہروں کو ساحل نے اپنے اندر نہ سمویا ہوتا تو اس کی ریت گیلی نہ ہوتی اور ساحل پیاسا ہی رہتا۔''

''ویسے آپ باتیں تو اچھی خاصی کر لیتے ہیں۔'' وہ دونوں چلتے ہوئے گاڑی تک پہنچ گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی واپس گھر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ راستے میں حارث نعمان نے پیزا اور کولڈ ڈرنک سے جویریہ کی تواضع کی اور جسٹس بصیر احمد کے بنگلے کے سامنے گاڑی جا کر روکی تو وہ جویریہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ ''میں امید کرتا ہوں کہ میرا ووٹ پکا ہے۔'' جویریہ اس کی بات سن کر ہنستی ہوئی بولی۔

''اونہہ..... دیکھیں گے..... ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا میں نے۔'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تو حارث نعمان مسکراتا ہوا گاڑی کے دروازے کو گھور کر رہ گیا۔

اُس نے گاڑی واپس آفس کی جانب موڑ لی تھی اُس کو آج کا دن ہمیشہ یاد رہے گا۔ اُس نے اپنے باپ کے ذریعے جسٹس بصیر احمد سے کہلوایا تھا کہ وہ جویریہ کو اپنے ساتھ آؤٹنگ پر لیجانا چاہتا ہے۔ ان دونوں کے رشتے کی بات دونوں گھروں کے بڑوں کے درمیان چل رہی تھی۔ وہ بھی بچوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ بصیر احمد کے گھر میں تو تقریباً سبھی اس اچھے رشتے پر رضامند تھے بات صرف جویریہ کی تھی وہ کیا فیصلہ سنانے والی تھی بصیر احمد اس کے فیصلے کے منتظر تھے۔ جبکہ نعمان ایزد کے گھر میں اس بات کا علم صرف حارث نعمان اور خود نعمان ایزد کو ہی تھا۔

وہ دونوں چاہتے تھے کہ جویریہ دل سے اپنی رضامندی ظاہر کرے تو پھر جہان آرا بیگم اور انعمی کو بھیجا جائے گا کہ وہ جویریہ کو ایسی نظروں سے دیکھ لیں کہ محض کاروائی ہی ہو جو کہ آج کل دنیا کی رسم بنی ہوئی ہے۔ باقی سارا کام تو حارث اور نعمان ایزد کا ہی تھا۔

حارث نے فون ملا کر نعمان ایزد کو خوش خبری سنا دی کہ آدھا کام ہو گیا ہے اور آدھا اگلی ملاقات پر ہو جائیگا۔ وہ پہلے دن سے ہی جویریہ کے حسن کا دیوانہ بن گیا تھا۔ اس کا کام مزید تب آسان ہو گیا تھا جب وہ انھر کی برتھ ڈے پارٹی میں آیا تو پہلی نظر ہی جویریہ سے ہو گئی تھی۔

تقدیر اس پر مزید مہربان ہوتی گئی۔ وہ ان کے گھر دعوت پر پہنچے تو اس نے بلا جھجک ہی جویریہ کو پرپوز کر دیا۔ جس پر اس نے کسی بھی خفگی کا اظہار نہ کیا تھا بلکہ اس کی مسکان نے حارث نعمان کا حوصلہ ہی بڑھایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے باپ کو صاف صاف بتا دیا کہ وہ شادی کریگا تو صرف جویریہ بصیر احمد سے ہی کریگا ورنہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر کہیں بھی چلا جائیگا۔

جسٹس بصیر احمد نعمان ایزد کے بچپن کے دوست بھی تھے اور ملک کا نامور جج ہونے کے ناطے نعمان ایزد کے ہم پلہ بھی تھے۔ عزت اور وقار میں ان کا قد نعمان ایزد سے اونچا ہی تھا۔ اس لیے ان کو بھی بیٹے کی پسند پر کوئی بھی اعتراض نہ تھا بلکہ خوشی تھی کیونکہ شرافت اور اعلیٰ ظرفی بصیر احمد کی پہچان تھیں۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

مطربہ نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا کہ انصر اندر داخل ہوا ہے۔ وہ اس وقت سادہ لباس میں تھا۔ وہ خالی میز کی جانب نظریں دوڑاتا ہوا دور کونے میں بیٹھی ہوئی مطربہ کو بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ اس کی جانب بڑھا تو مطربہ کے دل کی دھڑکنیں نہ جانے کیوں بے ترتیب ہونے لگیں تھیں۔ حالانکہ وہ کوئی چور نہ تھی اور انصر اس کو گرفتار کرنے نہ آ رہا تھا۔ اتنی دیر میں وہ اس کی میز پر پہنچ چکا تھا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' وہ بولا کیا تھا کہ مطربہ خاصی نروس ہوتی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟''

''پلیز تشریف رکھیے۔'' انصر نے اُسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو مطربہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

''آپ بھی بیٹھیے نا پلیز۔'' وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تو سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا بات کرے۔ کیونکہ وہ تو ہر ویک اینڈ پر اسی جگہ کافی پینے آتا تھا مطربہ کو دیکھ کر وہ اخلاقاً اس کی طرف بڑھ آیا تھا۔ لیکن اب اس طرح خاموش بیٹھے رہنا اخلاقیات کے منافی بھی تھا اور وہ چاہتا بھی تھا کہ مطربہ سے باتیں کرے۔ کیونکہ اس دن گھر میں نظروں کے تبادلے میں دل نے دل کو جو پیغام رسانی کی تھی اس کو کھل کر کھول کر پڑھنے کا موقع آج مل گیا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتا ہوا بولا۔

''سٹڈی کیسی جا رہی ہے؟''

''جی..... ٹھیک ہے۔'' مطربہ بھی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ہیں..... آپ کو کیسا لگا ہمارے گھر کا کھانا؟'' اس سوال کی کوئی تک نہ بنتی تھی کیونکہ وہ ایسے پر تکلف کھانے تو ہر روز ہی کھاتی ہوگی کیونکہ وہ کوئی عام لڑکی نہ تھی بلکہ نعمان ایزدی کی بیٹی تھی۔

''جی کافی اچھا تھا۔ ایکچوئیلی کھانا تو عام سا ہی ہوتا ہے..... اصل بات تو خلوص کی ہوتی ہے۔'' وہ نعمان ایزدی کی بیٹی ہونے کا حق ادا کرنے لگی تھی۔ باتیں اور انداز اس کی گھٹی میں شامل تھا۔

''تو پھر مجھے یوں پوچھنا چاہیے کہ کیسا لگا ہمارا خلوص؟'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تو انصر بھی مسکرانے لگا۔

''بہت اچھا لگا! مجھے امیتہ اور جویریہ سے مل کر بہت اچھا لگا۔''

''گھر میں ان کے علاوہ بھی اور لوگ تھے۔'' انصر پتہ نہیں کیا پوچھنا چاہتا تھا وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر غلطی کر گئی اور دوسرے ہی لمحہ اس کو نظریں جھکانا پڑیں کیونکہ انصر اسی کی طرف ہی متوجہ تھا۔

''اور لوگوں سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی تو وہ مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

''شاید آج وہ موقع مل گیا ہو؟'' دل کے مندروں میں بجنے والی گھنٹیوں کی آوازیں وہ دونوں بخوبی سن رہے تھے۔

''ایکچوئیلی! میں یہاں اپنی فرینڈز کا انتظار کر رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ ابھی تک پہنچی کیوں نہیں۔'' وہ اپنی صفائی بیان کرنے لگی تو ویٹر نے دو مگ کافی لا کر ان کے سامنے رکھ دیئے تو مطربہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ انصر نے ایک مگ اس کی طرف بڑھایا اور بولا۔

http://kitaabghar.com

''میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔ اور ویسے بھی مجھے اکیلے کافی پینا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ اس کے ہاتھوں سے کپ لیتی ہوئی بولی۔ ''اگر میں نہ ہوتی تو پھر آپ کس کے ساتھ شیئر کرتے۔''

اچھا سوال اور فی البدیہہ الفاظ تھے لیکن انصر پولیس والا تھا بلکہ کئی تھانوں کی پولیس اس کے زیر سایہ کام کرتی تھی وہ ہنستا ہوا بولا۔

''اگر آپ نے ہوٹل تو میں کسی بھی ایسی ٹیبل پر بیٹھ جاتا جہاں کوئی بزرگ خاتون بیٹھی ہوتیں۔'' مطربہ اس کی بات سن کر نقرئی ہنسی سے ہنسی تو وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''یہ کافی محض ایک گرم پانی کا مگ ہے۔ لیکن اس میں میرا خلوص شامل ہے۔ امید ہے کہ آپ کو اچھی لگے گی۔''

''پولیس والوں میں خلوص بھی ہوتا ہے کیا؟'' وہ اس کا طنز سمجھتا ہوا بولا۔

''اپنوں کے لیے ضرور ہوتا ہے۔'' انصر کا یہ فقرہ مطربہ کے دل کے تاروں کو چھیڑ گیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک بیٹھے تھے اور نگاہیں واپس پلٹنے کا راستہ بھول گئی تھیں۔ دلوں کی دھڑکنوں نے بے ترتیب ہو کر جسموں کے نشیب و فراز میں ہلچل مچانا شروع کر دی تھی۔ اسی بے خیالی میں مطربہ کا ہاتھ کافی کے گرم مگ کو چھو گیا وہ ''اوئی'' کی آواز نکال کر تڑپی ہی تھی کہ انصر نے بے اختیار ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کیا ہوا جل تو نہیں گیا۔ یہ ظالم ویٹر اتنی گرم کافی لایا ہے.....'' اس نے مطربہ کے ہاتھ پر پھونک ماری تو وہ جی جان سے قربان ہو گئی۔ مسحور کن انداز میں پلکیں بند کرتی ہوئی بولی۔

''یہ ہاتھ نہیں تھا..... یہ ہاتھ تھا۔'' اس نے دوسرا ہاتھ آگے کر دیا تو انصر اپنی حقیقت ملاتا ہوا اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر اس کو پھونک مارنے لگا۔ مطربہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ وہ اس کا دل چرا چکا تھا۔ اور یہی کیفیت انصر کے ساتھ بھی تھی۔ وہ خود پولیس والا تھا۔ اس کا دل چوری ہو گیا تھا۔ چور اس کے سامنے تھا۔ اس کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ چور کا ہاتھ چھوڑ دے لیکن دل کی چوری کا معاملہ اتنا گھمبیر تھا کہ کوئی بھی رپورٹ لکھوانے نہ آیا تھا۔ چوری کا کوئی بھی گواہ نہ تھا۔ اس لیے مجبوراً ایس پی انصر کو مطربہ کا ہاتھ دھیرے سے چھوڑنا پڑا۔

''درد تو نہیں ہو رہا؟'' انصر نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''اب نہیں ہو رہا کیونکہ..... مرہم میں کافی اثر ہے۔'' بڑی گہری بات تھی۔ انصر بھیرا حمد اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''آپ کی فرینڈز ابھی تک پہنچی کیوں نہیں؟''

''دیر سے آنا ان کی ہابی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''آپ پھر بھی وقت سے پہلے اُن کی منتظر کیوں ہیں؟'' وہ سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔

''مجھے کسی نے بتایا تھا کہ اس جگہ اچھی کافی ملتی ہے۔ میں پہلے آ کر ٹیسٹ چیک کرنا چاہتی تھی۔ اتفاقاً آپ مل گئے۔''

''مل گئے؟'' اس نے پورے فقرے سے اپنی مرضی کا لفظ چنا اور سوالیہ انداز میں دہرایا۔

''آپ سے ملاقات ہونا تھی..... کافی بھی ٹیسٹ کے حساب سے چیک ہو گئی اور آپ کے ساتھ کافی پینے کا اعزاز بھی حاصل ہو

http://kitaabghar.com

گیا۔" خوب صورت الفاظ کو اپنے پیارے انداز کا پیرہن اوڑھا کر دوسرے کے کورٹ میں بال پھینکنا مطربہ کو آتا تھا۔ انصر احمد اس کی باتوں کا قائل ہو گیا تھا۔

"ویسے آج کل شہر میں آپ کے خوب چرچے ہو رہے ہیں۔" مطربہ نے اس کی تعریف کی تھی یا بات آگے بڑھائی تھی یا پھر وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ انصر احمد اپنی ڈیوٹی اور جاب سے کتنا خوش ہے۔

"چرچے تو میڈیا کرتا ہی رہتا ہے لیکن ابھی بہت سا کام ہونے والا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ پولیس والوں کا خوف عام آدمی کے دل سے نکل جائے۔" اس نے دیکھ لیا کہ تین لڑکیاں گلابوں کی طرح کھلی ہوئی مسکراہٹیں ہونٹوں پر سجائے ہوئے کافی شاپ میں داخل ہوئی تھیں اور ان کی نظریں مطربہ کو ہی ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ نظریں گھماتی ہوئی ان کی جانب آنے لگیں تو انصر احمد بول پڑا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو انہی کا انتظار تھا؟"

"جی..... لیکن مجھے انتظار کرنا راس آ گیا....." اس نے آخری فقرہ بھی ایسا ادا کیا تھا کہ انصر احمد کا دل موہ لیا تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھا اور مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

"آپ کے ساتھ کافی پینا مجھے کافی اچھا لگا۔ آپ نے کمپنی دی آپ کا شکریہ۔"

"سیم ہیئر" (Same Here) اس کی مسکان میں بھی جادو تھا جو انصر کو گھائل کر گیا۔ وہ مڑا تو وہ تینوں لڑکیاں ٹیبل تک پہنچ چکی تھیں۔

"ہیلو آئی ایم انصر احمد فرام پولیس ڈیپارٹمنٹ۔" انصر کا مقصد صرف ان پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ مطربہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ نہ تھی وہ مطربہ کو اس کی دوستوں کی نظر میں معتبر ہی رکھنا چاہتا تھا۔

"پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہینڈسم ہستیاں کب سے ہونا شروع ہو گئیں۔" ایک نے انصر احمد کے سمارٹ فیگرز کی تعریف کی تو باقی کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ مطربہ کو ایک انجانی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ نے ڈیپارٹمنٹ میں صرف کانسٹیبل حضرات کو ہی دیکھا ہوگا۔" دوسرا قہقہہ مطربہ کی جانب سے تھا وہ وہاں سے کاؤنٹر پر چلا آیا اور بل ادا کر دیا اور کافی جو ابھی سرد ہونا تھی بل میں وہ بھی شامل تھی۔

"بڑی گھنی ہو تم..... ہمیں ایک گھنٹہ بعد کا وقت دیا اور خود یہاں آ کر خوش گپیاں لگانے میں مصروف تھی۔" ایک نے اپنا ہینڈ بیگ مطربہ کے سر پر ہلکے سے مارا تو وہ ہنسنے لگی اور ان تینوں کو انصر احمد کا بتانے لگی۔

☆.....☆.....☆

ریشم نے صائمہ کی اجازت لی اور ایاز کے یونیورسٹی جانے کے بعد گھر سے نکلی۔ وہ آج پہلے دن اپنی جاب پر جا رہی تھی اور جاب بھی ایسی تھی کہ وہ اس ملک کے نامور سیاستدان نعمان ایزدی کی پرسنل سیکریٹری بن گئی تھی۔ تقدیر اُس پر اس طرح مہربان ہو گی اس نے کبھی

http://kitaabghar.com

سوچا بھی نہ تھا۔ کہاں اس کو نوکری نہ مل رہی تھی اور اگر ملی ہی تھی تو معقول تنخواہ اور اتنی اچھی جاب کہ اس کو خود پر رشک آ رہا تھا۔ وہ ویگن میں بیٹھ کر اپنے سٹاپ پر اُتری اور شیشے کے محل کی جانب چل پڑی جو کہ نعمان ایزد کی ملکیت تھا۔ وہ خود کو خود نصیب تصور کر رہی تھی کہ وہ اس عمارت کے اندر ایک آفس کی مالکن ہے اور اس محل کا مالک اس کی مرضی کا تابع ہوگا۔ وہ فخریہ انداز میں مسکراتی ہوئی گیٹ تک پہنچی تو سیکیورٹی گارڈ نے اس کے لیے گیٹ کھول دیا وہ گردن اکڑائے عمارت کے اندر داخل ہوئی اور اپنے آفس تک پہنچ گئی جہاں سکندر نے اس کا مختصر سا انٹرویو کیا تھا جو کہ اس کے خیال میں ایک کارروائی ہی تھی۔

آفس خالی تھا لیکن وہ حیران رہ گئی کہ اس کی ٹیبل پر اس کے نام کی تختی رکھی گئی تھی جس پر تحریر تھا۔ مس ''ریشم پرسنل سیکریٹری ٹو نعمان ایزد'' وہ ان الفاظ کو پڑھ کر خوشی اور حیرت کا اظہار کر رہی تھی کہ سکندر اندر والے دروازے سے داخل ہوا اور سلام دعا کے بعد بولا۔

''مس ریشم یہ سیٹ آپ کے لیے ہے اور آج سے آپ کی ڈیوٹی شروع ہوتی ہے۔'' اس نے میز کی دراز سے چند ڈائریاں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں اور پھر بولا۔ ''آپ ان کو اچھی طرح دیکھ لیں اور پڑھ لیں تاکہ آپ کو نعمان ایزد صاحب کے ساتھ کام کرنے میں آسانی رہے۔'' یہ کہہ کر سکندر باہر نکل گیا۔

ریشم پہلی بار نرم اور آرام دہ کرسی پر بیٹھی تو اس کو سکون محسوس ہوا اور وہ سوچنے لگی کہ امیر لوگ کتنی عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے لیے ہر وہ چیز موجود اور با آسانی دستیاب تھی جو صرف بنی ہی ان کے لیے تھی۔ اور غریب آدمی تو ان چیزوں کو چھونا تو درکنار ان کا خواب دیکھنے کا بھی حق نہیں رکھتا تھا۔

اُس نے ڈائریاں کھول کر ان کو پڑھنا شروع کر دیا تھا کچھ خاص نہیں تھا بس وہی شیڈول وغیرہ تھے کہ نعمان ایزد کو کس کس تاریخ پر کہاں کہاں جانا تھا اور کس کس جگہ پر منصوبوں کے افتتاحی پروگراموں میں شرکت کرنا تھی۔ اسمبلی اور دیگر تقریبات کی مکمل تفاصیل بھی موجود تھی۔ اس نے روزانہ کی تفاصیل ایک پیپر پر لکھ کر نعمان ایزد کی میز پر اس کے سامنے پہنچانا ہوگی۔

اس کو یہ کام بہت آسان لگا تھا اور اتنی اچھی تنخواہ ملنا بھی اس کے لیے یقیناً قدرت کی خاص مہربانی ہی تھی۔ وہ اب آسانی سے اپنا جہیز بنا سکتی تھی۔ اب وہ صائمہ کو بھی کام نہیں کرنے دیگی۔ یہ صائمہ کی ہمت اور محنت ہی تھی جو آج وہ اس مقام پر پہنچی تھی۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ یہ اس کی منزل نہیں ہے۔ اس کو اور ترقی کرنا ہے۔ اور بھی آگے بڑھنا ہے۔ وہ بھی امیر ہونا چاہتی تھی اور اتنی امیر کہ اس کے آگے پیچھے بھی کام کرنے والے ملازم ہوں۔ اس کی اپنی گاڑیاں ہوں اس کے اپنے شاندار گھر ہوں۔ اس کو اچھے اچھے لباس پہننے کی جو تمنا تھی وہ اب پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اب اس کا بھی حق بنتا تھا کہ وہ صائمہ کو بھی آرام کروائے اور ایاز کی تعلیم کا بھی خرچ اٹھائے۔ اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ اس گھر سے نکلے گی تو اکیلی نہ نکلے گی بلکہ اپنی خواہشات اور توقعات کو عملی جامہ پہنانے کے بعد ہی نکلے گی اور اس کی جھولی خوشیوں سے بھری ہوگی کہ وہ کسی بھی غریب سے آنکھ نہ ملایا کرے گی۔ اپنا گھر خرید لے گی۔ اس میں نوکر چاکر ہونگے اس کے نیچے ایک لمبی سی گاڑی ہوگی۔ وہ اپنی سوچوں میں مگن نجانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی کہ

http://kitaabghar.com

ابھی اور ترقی کرنا چاہتی تھی کہ یکدم آفس کا دروازہ کھلا اور ایک بہت پیارا نوجوان اندر داخل ہوا تو ریشم کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس کے سراپا میں کھو گیا تھا اور ریشم بھی آنے والے کو حیرانگی اور چاہت کی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ.....؟'' وہ بولا تو ریشم گلا کھنکھارتی ہوئی خود کو سیکریٹری بنا کر بولی۔

''ریشم'' اس کی ایک لفظی گفتگو سن کر وہ مسکرا کر اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی کو دیکھتا ہوا بولا۔

''اچھا.....تو آپ مس ریشم ہیں اور پاپا کی سیکریٹری ہیں۔''

''پاپا کی.....؟'' وہ چونکتی ہوئی اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی تو وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتا ہوا اس کو دیکھنے میں محو تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکان پھیلی ہوئی تھی۔

''تشریف رکھیں.....ویسے بھی آپ بابا جان کی سیکریٹری ہیں مجھے احترام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں کھب سا گیا تھا۔ ''میرا نام شمعون ہے اور میں بابا جان کا بیٹا ہوں۔'' اس نے اپنا نام اور تعارف بتایا تو ریشم کو یاد آ گیا کہ شمعون نامی ایک شخص ان کے گھر ایاز کا پتہ کرنے بھی آیا تھا۔ کیا یہ وہی ہے؟

لیکن پوچھنے کا مطلب تھا کہ ان کو بتانا پڑتا کہ وہ ایاز کی بہن ہے اور ریلوے کالونی میں رہتی ہے۔ اور صائمہ کی ہدایت بھی یہی تھی کہ ایاز کا کام علیحدہ تھا اور اس کا کام علیحدہ تھا۔

''جی..... میں کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟'' وہ میز پر اپنے ہاتھ رکھتا ہوا آگے کی جانب جھکا تو وہ ریشم کے اور بھی زیادہ قریب ہو گیا۔ ریشم کو اچھا تو لگا تھا لیکن وہ کہہ نہ سکتی تھی۔

''جو آپ چاہیں۔'' اس کو ابھی سمجھ نہ تھی کہ وہ کون سے الفاظ استعمال کرے۔ وہ اتنا ہی کہہ پائی۔ ''چائے، کافی.....؟'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔

''آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ! یہ ساتھ ہی میرا ہی گھر ہے..... میں ابھی ناشتہ کر کے ہی آیا ہوں۔'' وہ اندر کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا بابا جان اندر ہیں؟''

''نہیں..... سر ابھی آئے نہیں۔'' اس نے نگاہیں گھما کر پیچھے آفس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ جانے کے لیے مڑا اور پھر رُکتا ہوا بولا۔

''پتہ نہیں مجھے پہلی ہی ملاقات میں ایسا کیوں لگا ہے کہ یہ جگہ آپ کے قابل نہیں ہے.....'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ لیکن ریشم کے دل کو دھڑکا ضرور گیا تھا۔ وہ اس کے آخری الفاظ پر غور کر رہی تھی کہ یہ جگہ تمہارے قابل نہیں ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ریشم پر اپنا دل ہار بیٹھا ہے یا پھر وہ اس پر ترس کھاتے ہوئے کہہ گیا ہے۔ ریشم سمجھ نہ پائی تھی لیکن الفاظ کے ماخذ پر غور ضرور کرنے لگی تھی۔

میز پر پڑے ہوئے فون کی گھنٹی نے اُسے چونکا دیا تھا۔ وہ چونک کر فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ اس کا فون سننا

http://kitaabghar.com

چاہیے یا نہیں..... اسی شش و پنج میں گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اس نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اُٹھا کر کان کو لگایا تھا دوسری جانب سے نعمان ایزد کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''اندر آئیں مس ریشم!'' وہ اپنی حیرت پر قابو پاتی ہوئی ریسیور ہاتھ میں پکڑے ہی پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی تو شیشے کے پار نہ دیکھ سکی کیونکہ بلیک اور بلائینڈ ہونے کی وجہ سے شیشے کے پار کا منظر دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ یہیں بیٹھی تھی پھر نعمان ایزد اندر کیسے چلے گئے۔ لیکن یہ بات بعد میں سوچنے کے لیے تھی۔ اسی لیے وہ ریسیور کریڈل پر رکھتی ہوئی اندر داخل ہو گئی تو کرسی پر نعمان ایزد براجمان تھے۔ کمرے میں تیز کولون کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی وہ مسحور کن انداز میں خوشبو کو اپنی سانسوں میں بساتی ہوئی بولی۔

''السلام علیکم سر!'' آج اس کا پہلا دن تھا۔ نعمان ایزد نے سرسری نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خود کو کمپیوٹر کی ایل سی ڈی میں مصروف کرتے ہوئے بولے۔

''بیٹھو!'' وہ ان کی آواز سن کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ نعمان ایزد کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہے تھے۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اور اپنی چور آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لینے لگی کہ سرجی کس طرف سے اندر آئے ہونگے۔ وہ کوئی جاسوس تو نہ تھی لیکن اس نے ٹی وی ڈراموں میں دیکھا تھا کہ کوئی نہ کوئی خفیہ دروازہ ضرور ہوتا ہے جس میں سے باس گزر کر آتا اور جاتا ہے۔

''سامنے جو گھڑی لگی ہے اس کے نیچے ایک لکڑی کا ہینڈل ہے۔'' نعمان ایزد کی آواز اُبھری۔ ''وہ دروازے کا ہینڈل ہے اور یہ دروازہ پیچھے کی جانب کھلتا ہے میں اُدھر سے ہی آیا ہوں۔'' گویا کہ نعمان ایزد نے اس کی آنکھوں کی چوری پکڑ لی تھی اور دل میں آنے والے وسوسے بھی زبان ملنے پر خاموش ہو گئے تھے۔

نعمان ایزد کمپیوٹر سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوئے اور بولے۔

''آپ نے تمام ڈائریاں دیکھ لی ہیں کیا؟''

''جی سر!'' وہ مختصر اُبولی تھی لیکن اس کی توجہ نعمان ایزد کی طرف ہی تھی۔

''مس ریشم! آپ کو اس آفس میں جگہ اس لیے ملی ہے کہ آپ میں کئی خوبیاں ہیں۔'' نعمان ایزد نے کہا تو وہ چوکنی ہوتی ہوئی بولی۔ ''میں سمجھی نہیں سر!''

''تمہاری تعلیم اچھی ہے۔ تمہاری صورت اچھی ہے۔ تمہارا فیگر زاچھا ہے۔ لباس پہننے کا سلیقہ جانتی ہو۔ بات کرنے اور اُٹھنے بیٹھنے کا طریقہ ہے تمہیں حسین اور دل کش ہو۔ کسی کو بھی پاگل بنا سکتی ہو۔'' نعمان ایزد کی بے تکلفانہ انداز میں گفتگو پر اُسے غصہ آنا چاہیے تھا لیکن کیوں نہیں آیا اس بات کا اندازہ وہ خود بھی نہ کر سکی تھی بس نظریں جھکاتی ہوئی سنتی رہی اور اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

''تمہیں اگر میرے ساتھ تین چار راتوں کو باہر رہنا پڑے تو تمہارے گھر والوں کو تو اعتراض نہ ہوگا؟'' یہ نعمان ایزد نے کیسا

http://kitaabghar.com

سوال کیا تھا وہ اُن کی طرف دیکھ کر رہ گئی وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہے تھے ان کی نگاہوں کی مقناطیسی کشش نے ریشم کو نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے ریشم!'' پہلی بار مس ریشم کی بجائے ریشم کہا گیا تو وہ نظریں اُٹھا کر ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''سر! میرا باپ نہیں ہے۔ ماں اور ایک بھائی ہے..... بھائی مجھ سے چھوٹا ہے اور میں اُس سے اجازت لینے کی پابند نہیں ہوں لیکن ماں کی اجازت کے بغیر میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی۔''

''گڈ..... ویری گڈ!'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھے تو وہ بھی احتراماً اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس کے پاس آ کر اس کے چہرے پر نظریں گاڑھتے ہوئے بولے۔ ''اگر ماں نے اجازت نہ دی تو.....؟'' آفس میں خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ کچھ بھی جواب نہ دے سکی تو کچھ ہی توقف بعد نعمان ایزد خود بولے۔

''ایسا ہر ماہ میں ایک یا دو بار ہو سکتا ہے تمہیں میری پرسنل سیکریٹری کے طور پر میرے ساتھ جانا پڑ سکتا ہے۔ اگر تمہاری ماں کو اعتراض ہو تو تمہیں یہ نوکری چھوڑنا پڑے گی۔'' ایک بم ریشم کے سر پر آ کر پھٹ گیا تھا۔ اس کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ شیشے کے گھر میں کسی نے زور سے پتھر دے مارا تھا۔ وہ منہ کھولے ان کی طرف دیکھتی رہی تو وہ پاس آ کر اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی پھیرتے ہوئے بولے۔

''اس کام کی..... میرا مطلب ہے کہ اضافی کام کی تنخواہ اضافی ہی ملے گی..... اور ہاں..... اگلے مہینے سے گاڑی تمہیں لے کر آیا کرے گی اور گاڑی ہی چھوڑ کر آیا کرے گی۔'' بم گرانے کے بعد فوری طور پر ملبہ اُٹھانے والے الفاظ استعمال کر کے اس کے زخموں سے خون رسنے سے پہلے ہی مرہم بھی رکھ دیا گیا تھا۔

''آج تمہارا پہلا دن ہے..... تم اپنی سیٹ پر جاؤ اور مزے کرو۔ آج کوئی کام نہیں ہے۔'' وہ ان کی سحر زدہ شخصیت میں گم ہوتی ہوئی ان کی طرف یہی دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر آگے بڑھے اور اپنی انگلی سے اس کے بالوں کی لٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''اضافی کام کی اجرت تمہاری سوچ سے بھی زیادہ ہو گی ریشم!'' وہ یہ کہہ کر سامنے والے دروازے سے اندر کی جانب غائب ہو گئے تو وہ ہونق بنی اسی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

''اضافی کام!؟'' اس کو اس لفظ کی سمجھ نہ آئی تھی۔ ''اجرت.....'' یہ لفظ تو اس کی سمجھ میں آسانی سے آ گیا تھا۔ اور وہ اتنی نادان بھی نہ تھی کہ اجرت جیسے لفظ کے مطلب کو نہ سمجھ سکتی۔ کیونکہ یہی لفظ تو اس کی زندگی بدل سکتا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی تھی اور نعمان ایزد کی باتیں اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی تھیں۔

ہر مہینے میں دو ایک بار اضافی کام کی اضافی اجرت اُس کے کئی کام سنوار سکتی تھی۔ وہ اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنا سکتی تھی۔ وہ اپنے خوابوں کے تاج محل کو تعمیر کر سکتی تھی اور ان خوابوں کی تعمیر بھی حقیقت میں بدل سکتی تھی جس خوابوں کی تعبیر بھی اس کو خواب ہی لگتی تھی۔ اور پھر اگلے ماہ سے اس کو شاندار گاڑی لینے اور چھوڑنے پر مقرر ہو جانا تھی۔

http://kitaabghar.com

''میرا مطلب ہے کہ وہ ابھی آپ سے ملے ہیں اور آپ انہی کے خیالوں میں گم رہتی ہو.....اور مجھے ذرا بھی لفٹ نہیں کراتی ہو۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔اس کی معصوم انداز میں کہی ہوئی بات پر جویریہ ہنسنے لگی۔

''نہیں نہیں.....تم مجھے اُن سے زیادہ عزیز ہو.....'' جویریہ نے آگے بڑھ کر اس کو گلے لگا لیا۔''تم تو ایسے فکر کر رہی ہو کہ جیسے میں کوئی دوسرے ملک جا رہی ہوں۔یہ پاس ہی تو ہے ان کا گھر.....آتی جاتی رہوں گی ڈیئر۔'' جویریہ کے من میں خوشیاں پھوٹ رہی تھیں۔ انیقہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ابھی بات ہونا ہے پھر دونوں طرف سے ہاں ہوگی۔پھر منگنی ہوگی۔پھر شادی۔پھر رخصتی پھر ولیمہ اور اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جس کا ذکر آپ نے ابھی کیا ہے۔آتی جاتی رہونگی۔'' انیقہ نے شادی کی تمام تفصیل بتائی تو جویریہ غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ اب تم میرے ہاتھوں سے پٹو گی۔'' یہ کہہ کر جویریہ نے اُس پر کشن دے مارا اور انیقہ بھی کہاں خاموش رہنے والی تھی وہ بھی جوابی وار کے لیے تیار تھی اور پھر کمرے میں کشن کی روئی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرنے لگے۔اسی اثناء میں تانیہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو کمرے کی حالت زار پر افسوس کرتی ہوئی ان دونوں کو ڈانٹنے لگیں۔

''یہ کیا اودھم مچا رکھا ہے.....کچھ تمیز ہے تمہیں کہ نہیں؟'' وہ دونوں ہی تانیہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئیں اور اپنے اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹنے لگیں۔''تم.....جویریہ۔تم تو کچھ خیال کر دیتا۔اگر تمہارے سسرال والے آ جائیں تو کیا کہیں گے''۔وہ جویریہ سے مخاطب ہوئیں تو جویریہ نے کمرے کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے انیقہ کی طرف دیکھا۔

''مما! یہ سب اس کی شرارت ہے یہ مجھے تنگ کرتی ہے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا مما! اُس نے پہلے میرے سر پر کشن مارا تھا۔'' انیقہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دے کر تانیہ کو مطمئن کرنے لگی تھی۔تانیہ بیگم مسکراتی ہوئی آگے بڑھیں اور ان دونوں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور کہنے لگیں۔

''تم دونوں ہی تو اس آنگن کی چڑیاں ہو.....تمہاری چہچہاہٹ سے ہی تو اس گھر میں رونق ہے۔'' کمرے کا ماحول سنجیدہ ہو گیا تھا۔تانیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

''میری دعا ہے کہ تم دونوں کو ڈھیروں خوشیاں ملیں.....والدین کے گھر میں جو سکھ اور آرام تمہیں ملا ہے وہ کئی گنا زیادہ ہو کہ تمہارا نصیب بنے۔'' اس بار تو آنسو ڈھلک کر ان کے گالوں پر بہہ گئے تھے۔

''مما! میں تو آپ کے پاس ہی ہوں.....شادی تو آپی کی ہو رہی ہے۔'' انیقہ نے بات بدلتے ہوئے کہا تو وہ مسکرانے کی کوشش میں اپنے آنسوؤں پر ضبط نہ رکھ سکیں۔جویریہ نے اپنے ہاتھوں سے ان کی آنکھیں صاف کیں اور بولی۔

''مجھے نہیں کرنی شادی وادی.....مما.....ہم آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتیں۔پلیز.....آپ ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔'' تانیہ بیگم مسکراتی ہوئی بولیں۔

http://kitaabghar.com

وہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھی ہوئی سنہرے مستقبل کے خواب دیکھنے لگی تھی لیکن اس کی تان صائمہ کی اجازت پر آ کر ہی ٹوٹتی تھی۔ اگر صائمہ نہ مانی تو وہ کیا کرے گی۔ وہ نوکری چھوڑ دے گی۔ وہ ساری زندگی اُس گندے کوارٹر میں ہی گزار دے گی۔ اس کی شادی اچھی جگہ ہونا تو درکنار ہوگی ہی نہیں۔

ایاز اپنی تعلیم کے لیے اچھی ٹیوشنز ہی ڈھونڈتا رہے گا۔ صائمہ بڑھاپے میں بھی لوگوں کے گھروں میں کھانے پکا کر ان کے جھوٹے برتن مانجھ مانجھ کر ان کو امیروں کا جھوٹا سالن کھلاتی رہے گی۔ امیر زادیوں کی اُترن اس کا پہناوہ بنتی رہے گی۔ ایاز پھٹی ہوئی شرٹ کے ساتھ ہی یونیورسٹی جایا کرے گا۔ وہ بغیر موزوں کے ہی شوز پہنا کرے گا۔ بارش کے دنوں میں اس کے کوارٹر کی چھت ٹپکتی رہے گی۔ وہ جگہ جگہ سے ٹپکنے والی چھت کے سوراخوں کے نیچے گھر بھر کے برتن رکھ رکھ کر بارش سے لڑائیاں مول لیتی رہے گی؟

تقدیر نے اس کو موقع دیا تھا وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر صائمہ کو منانے لگی وہ اس کو بتائے گی کہ تقدیر اور خوش قسمتی صرف ایک بار ہی دروازے پر دستک دیتی ہیں۔ لیکن دروازہ نہ کھولنے والا ساری زندگی پچھتاوے کی آگ میں جلتا رہتا ہے اور بدقسمتی تب تک دستک دیتی رہتی ہے جب تک انسان دروازہ نہ کھول دے۔

وہ اپنے بنے ہوئے خوابوں کی تعبیر کو حقیقت دینے کے لیے صائمہ کو راضی کرے گی۔ اور اس کو بتائے گی کہ نعمان ایزد کی پرسنل سیکریٹری بن کر وہ اعلیٰ سوسائٹی میں جائے گی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوٹلوں میں جائے گی۔ اچھے اچھے کھانے کھائے گی اور بہترین قیمتی لباس پہنے گی۔ قیمتی اور شاندار گاڑیوں میں گھومے گی۔ وہ اس ملک کے نامور سیاستدانوں کی بیگمات سے ملا کرے گی۔ ان کی کمپنی کو انجوائے کیا کرے گی۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے ان خوابوں کو پورا کرے گی۔ اس نے سوتے میں بہت سا وقت برباد کر دیا تھا۔ اب اگر آنکھ کھلی تو سامنے سب کچھ ایک پلیٹ میں رکھ کر مل رہا تھا تو وہ کفرانِ نعمت کیوں کرے گی..... وہ صائمہ کا کام چھڑوا دے گی۔ اس کو آرام اور سکون دے گی۔ اس کو چارپائی پر بٹھا کر کھلائے گی۔ یہ سب کچھ سوچ کر اس نے ''اضافی کام اضافی اجرت'' والا فارمولا اپنانے کا ٹھوس فیصلہ کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

جویریہ نے ثانیہ بیگم کو بتا دیا تھا کہ وہ حارث نعمان کے ساتھ شادی پر رضامند ہے۔ ثانیہ بیگم نے اس کا منہ چوم لیا تھا اور یہ خبر جسٹس بصیر احمد کو پہنچائی تو وہ بھی خوش ہو گئے۔ اب نعمان ایزد سے بات کرنا ضروری تھا اور ابھی تو جویریہ کی تعلیم کے بھی تین ماہ باقی تھے۔ اور رزلٹ کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ جویریہ نے کوئی جاب نہ کرنا تھی بلکہ حارث نعمان کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا۔

''آپی..... آپی.....'' انیقہ جھلائی ہوئی آواز میں بولی تو جویریہ اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''کہو..... کیا بات ہے؟'' اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

''کیا حارث بھائی بہت اچھے ہیں؟'' انیقہ کے اس سوال پر جویریہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''کیا مطلب کہ بہت اچھے؟ کیا اچھے ہونے کی بھی کیٹیگری ہوتی ہیں؟'' وہ آنکھیں نکال کر بولی تھی۔

http://kitaabghar.com

''تم جب چھوٹی سی تھیں تو تمہارے درمیان اسی طرح جھگڑے میں مجھے اور جج صاحب کو منصف بننا پڑتا تھا۔ اور تم جانتی ہو وہ کہتے تھے کہ مجھے بڑے بڑے فیصلوں میں اتنی پریشانی نہیں ہوتی جتنی ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں ہوتی ہے۔'' وہ دونوں سن کر ہنسنے لگیں۔ ''تمہارے پاپا تو سب چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلتے تھے اور فیصلہ مجھے ہی کرنا پڑتا تھا۔''

''یو آر سو گریٹ مما!'' دونوں نے یک زبان ہو کر کہا اور تانیہ بیگم کے دونوں گالوں پر پیار اور محبت کی مہریں ثبت کر دیں۔

''کمرے کی صفائی اچھی طرح کر لو..... اگر کوئی آ گیا تو کیا کہے گا کہ جسٹس بصیر احمد کی بیٹیاں کتنی لڑاکو ہیں۔''

تانیہ بیگم یہ کہہ کر باہر نکل گئیں تو انیقہ جو یہ پر برسنے والے انداز میں بولی۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے مما سے ڈانٹ پڑی ہے۔''

''اور تم تو معصوم فرشتی ہو نا.....'' پھر دونوں کی سرد جنگ کا آغاز کشنوں کے ہتھیاروں سے ہو گیا تھا۔ اور اس بار دروازہ کھول کر اندر آنے والی اکیلی تانیہ بیگم نہ تھیں بلکہ جسٹس بصیر احمد اور انصر احمد بھی ساتھ تھے وہ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے اور جب وہ ان تینوں کو دیکھنے لگیں تو اپنی حالت کا خیال آیا اور اپنا آپ سمیٹنے لگیں۔ جسٹس بصیر احمد کمرے میں اڑتے ہوئے روئی کے گالوں کو دیکھ رہے تھے اور تانیہ بیگم ان کے چہرے پر چھا جانے والے غصے کو دیکھ رہی تھیں جبکہ انصر احمد خوش ہو رہا تھا کہ اب ان دونوں کی شامت آنے والی ہے۔

لیکن اچانک جسٹس بصیر احمد قہقہہ لگاتے ہوئے ہنسے اور ایک کشن پکڑ کر تانیہ بیگم کے دے مارا بس پھر کیا تھا کہ کمرے میں بھونچال سا آ گیا تھا۔

یہ سلسلہ چند منٹ تک جاری رہا اور بصیر احمد ہانپتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئے۔ وہ اپنا سانس درست کرنے لگے تو سب ہی انہی کی طرف دیکھنے لگے۔ سب کے چہروں پر خوشیاں رقصاں تھیں۔

انیقہ اور جویریہ ان کے قدموں میں ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گئیں تو وہ پیار سے ان کے سروں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ ''سدا خوش رہو..... اسی طرح خوشیوں اور مسکراہٹوں سے تمہاری آنے والی زندگی مہکتی رہے۔''

بصیر احمد سنجیدہ ہو گئے تھے۔ تانیہ بیگم ہی ان کو اور انصر احمد کو ان دونوں کے کمرے میں لائی تھیں۔

''پاپا جی۔'' جویریہ نے ایک کرب سے ان کی طرف دیکھا تو بصیر احمد نے ایک دردناک مسکان اپنے ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری خوشیاں بڑھانے کے لیے اس کمرے میں آیا ہوں..... پتہ نہیں پھر ہم زندگی میں کبھی اس طرح ایک ساتھ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بانٹ سکیں گے یا نہیں۔'' بصیر احمد سنجیدہ ہو رہے تھے۔ انصر آگے بڑھا اور بیڈ پر ان کے پیچھے بیٹھ کر ان کے کندھے دبانے لگا تو وہ بولے۔

''مجھے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے مجھے تم جیسا ہونہار بیٹا دیا ہے۔''

''یہ ہونہاری بس اتنی ہی دیر ہے پاپا جی..... جب تک بھابی نہیں آ جاتیں۔'' انیقہ نے لقمہ دینا ضروری سمجھا تھا یا پھر وہ سنجیدہ

http://kitaabghar.com

ماحول کو زعفران بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس میں وہ کامیاب بھی رہی تھی۔ سب ہی ہنس پڑے تو انصر احمد نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اچھا اب کمرے کو صاف کرنے کی ذمہ داری بھی تم دونوں کی ہے..... کسی ملازمہ سے نہ کہنا..... اوکے؟'' ثانیہ بیگم نے اپنا فیصلہ سنایا تو بصیر احمد اُٹھتے ہوئے مسکرائے اور بولے۔

''بھئی ان کا کہنا مانا کرو..... ان کا حکم تو جسٹس بصیر احمد بھی ماننے پر مجبور ہیں۔'' ثانیہ بیگم نے کہنی مار کر بصیر احمد کو اشارہ دیا کہ بچوں کے سامنے تو ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ ایک بار پھر کمرے میں قہقہے گونج اُٹھے تھے۔

ثانیہ بیگم بصیر احمد کا ہاتھ تھامے ہوئے باہر نکل گئیں تو انصر احمد شیر کی طرح اپنے پنجے بنا کر غراتا ہوا ایقہ کی طرف بڑھا اور وہ سہم کر رہ گئی تو اس نے ایقہ کی چٹیا پکڑ لی۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی کہ اپنی چونچ کھول لی۔'' وہ مصنوعی درد سے کراہتی ہوئی بولی۔

''اُف بھائی! تکلیف ہوتی ہے..... چھوڑیں نا پلیز.....'' جویریہ بھی آگے بڑھتی ہوئی انصر کا ہاتھ پکڑ کر ایقہ کی چٹیا اس کی گرفت سے چھڑاتی ہوئی بولی۔

''ویسے بھائی..... ایقہ کہتی تو ٹھیک ہی ہے۔'' انصر احمد نے آنکھیں نکال کر جویریہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

''اور..... وہ حارث بھائی بھی کوئی عالم دین نہیں ہیں..... بزنس مین ہیں۔ بزنس مین۔''

''یہ تو خوبی ہے کوئی عیب تو نہیں۔'' جویریہ حارث نعمان کے لیے دلیل بن گئی تو انصر غصے سے ہی اُکھڑ گیا اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''اچھا..... تو یہ بات ہے۔ ابھی سے اس کی فیور شروع ہو گئی..... ذرا انداز تو دیکھو محترمہ کے..... ابھی تم نے ہی ہاں کی ہے اس نے نہیں کی..... وہ انکار بھی کر سکتے ہیں۔'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ لیکن جویریہ سنجیدگی سے اس کی بات پر غور کرنے لگی..... اور سوچنے لگی کہ اگر حارث نعمان نے انکار کر دیا تو پھر کیا ہوگا؟ وہ مر جائیگی..... وہ اب حارث کے بغیر زندہ نہیں رہ پائیگی..... وہ ایک مچھلی ہے اور حارث نعمان سمندر ہے..... وہ ساحل پر آ کر خشک ریت پر مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ انصر کے کہے ہوئے الفاظ کو ایک بار حارث نعمان سے ضرور شیئر کریگی لیکن اپنے انداز میں اپنے طور پر اپنے الفاظ میں اپنے طریقے سے۔ وہ حارث سے اس بات کا حلف لے گی کہ وہ کبھی بھی جویریہ کو نہیں چھوڑے گا۔

جسٹس بصیر احمد نے نعمان ایز دکو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ اگلے ہفتہ اس کے گھر آ رہے ہیں اور ایک شاندار دعوت کا اہتمام کر چھوڑے۔ نعمان ایز داس کی بے تکلفی پر بہت ہنسے تھے اور بولے۔

''تم بھی گدھے ہی رہنا..... پر تکلف دعوت کا کیوں کہتے ہو..... تمہیں دال چاول تو نہیں کھلاؤں گا نا؟'' دونوں ہی قہقہے لگانے لگے تو بصیر احمد بولے۔

''تم اُلو ہو..... تمہارا اعتبار بھی کیا ہے اس دن سوئے رہو۔'' نعمان ایز دہنسنے لگے۔

''اچھا اچھا اب فون بند کرو..... میں تمہاری بھابی سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ ابھی سے اہتمام کرنا شروع کر دے۔'' رابطہ منقطع ہو گیا تو بصیر احمد ہنستے ہوئے تانیہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔

''لو بھئی بیگم اب تیاری کر لو..... ہم اگلے ہفتہ پوری فیملی اس اُلو کے گھر جائیں گے..... یہ ایک اور موقع ہو گا کہ حارث اور جویریہ ایک دوسرے سے مل لیں اور باتیں کر لیں۔ پھر ان کی تسلی کے بعد ہی منگنی کی رسم ادا کریں گے۔'' بصیر احمد بہت پرجوش دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ کچھ جلدی نہیں کر رہے، جویریہ کی شادی کے لیے۔'' تانیہ بیگم بولیں تو بصیر احمد ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہنے لگے۔

''آپ کو یاد ہے کہ آپ کی شادی اسی عمر میں ہو گئی تھی اور آپ بھی سٹوڈنٹ ہی تھیں۔''

''چھوڑیں میرا ہاتھ..... اگر بچے آ گئے تو کیا کہیں گے؟'' تانیہ بیگم شرماتی ہوئی بولیں اور اپنا ہاتھ چھڑا کر منہ اُدھر کر لیا تو بصیر احمد تھوڑا سا آگے ہو کر ان کے سامنے ہوتے ہوئے ان کی ٹھوڑی کو ہاتھ کی انگلی سے اوپر اُٹھاتے ہوئے بولے۔ ''کیا کہیں گے بچے! بھئی ہم نے آج سے تیس سال قبل نکاح کیا تھا اور پھر کیا ہوا کہ آج بوڑھے ہو گئے ہیں..... بوڑھے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس چاند جیسے مکھڑے کو دیکھیں بھی نہ؟''

''جسٹس صاحب! خیریت ہے آج بہت رومانٹک ہو رہے ہیں آپ؟'' تانیہ بیگم ان کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولیں تو بصیر احمد ہنسنے لگے۔

''تانیہ بیگم..... یہ تیس سال باتوں میں ہی گزر گئے۔'' وہ اُٹھ کر اس دیوار کی طرف بڑھے جہاں ان کی شادی کی تصویر آویزاں تھی جس میں انہوں نے تانیہ بیگم کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور تانیہ بیگم کا شرم وحیا سے جھکا ہوا سر ان کے سینے سے لگا ہوا تھا اور بصیر احمد کیمرہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولے۔

''تانیہ بیگم آج یہی وقت اپنے بچوں پر آیا ہے تو کتنا اچھا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے عزت اور آبرو سے ان کی دیکھ بھال کی ہے۔ ان کی پرورش کی ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے آج اس قابل بنایا ہے کہ یہ بچے اپنے اچھے بُرے کا فیصلہ خود کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔''

تانیہ بیگم ان کے پیچھے آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولیں۔

''جج صاحب! کیا ہم نے بچوں کو وہ خوشیاں دے دی ہیں جو ان کا حق ہے؟'' اس سوال پر وہ واپس مڑتے ہوئے تانیہ کی طرف دیکھنے لگے اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

''شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں..... ان کی مکمل خوشیوں کا پتہ تو اس بات سے ہی ہو گا کہ جویریہ اور ایقہ اپنے اپنے گھروں میں شاد آباد ہو گئی اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں گی۔''

http://kitaabghar.com

''میں کہتی ہوں کہ آپ ایک بار پھر جویریہ سے بھی پوچھ لیں اور اپنے طور پر بھی تسلی کر لیں کہ حارث نعمان کیسا ہے۔'' ثانیہ بیگم ڈرتے ہوئے انداز میں بولیں تو بصیر احمد استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے۔ تو ثانیہ بیگم کو اپنی بات واضح کرنا پڑی۔ ''حارث نعمان! ایک سیاستدان کا بیٹا ہے۔ رئیس زادہ ہے اور آج کل رئیس زادوں کے جو شوق ہوتے ہیں مجھے ڈر لگتا ہے کہیں حارث بھی ویسا ہی نہ ہو۔''

بصیر احمد کو یہ بات اچھی لگی تھی کیونکہ وہ نعمان ایزد کو اچھی طرح جانتا تھا حارث نعمان کو نہیں لیکن حارث نعمان کی مصروفیات جاننے کے لیے کیا کیا جائے کہ ان کو شک بھی نہ پڑے اور تحقیقات بھی ہو جائیں کہ اس کی ذات میں آج کل کے رئیس زادوں کے کون کون سے مشاغل چھپے ہوئے ہیں۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں ثانیہ بیگم!'' وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ ''میری بیٹی نے سکھ اور آرام ہی دیکھا ہے۔ میں کبھی بھی یہ نہیں چاہوں گا کہ وہ کوئی دکھ دیکھے!''

''السلام علیکم! پاپا۔ السلام علیکم امما!'' انصر احمد یونیفارم میں ملبوس ہو کر ڈیوٹی پر جانے کے لیے ان سے اجازت لینے آیا تو بصیر احمد بولے۔

''ادھر آؤ میرے پاس!'' انصر پولیس والا تھا اس نے بصیر احمد کے چہرے سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ معاملہ کچھ گھمبیر ہے وہ ''کیا بات ہے پاپا ہے..... آپ کچھ پریشان لگتے ہیں۔'' کہتا ہوا بیٹھ گیا۔

بصیر احمد نے اس کو بتایا کہ ہم اگلے ہفتہ نعمان ایزد کے گھر جا رہے ہیں۔ اس کے بعد حارث اور جویریہ کی منگنی طے کر دی جائیگی۔ لیکن تمہاری ماں کے خدشات یہ ہیں کہ نعمان کی تحقیق کی جائے کہ وہ آج کل کے رئیس زادوں جیسا تو نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں تم اپنے طریقے سے جو بھی کر سکتے ہو کرو اور ہفتے کے اندر اندر رپورٹ پیریم کورٹ یعنی کہ اس گھر کی سب سے بڑی عدالت ثانیہ بیگم کی میز پر پیش کر دو۔''

ثانیہ بیگم مسکرانے لگیں تو انصر احمد بھی مسکراتا ہوا بولا۔ ''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں نے اپنی رضامندی یونہی ظاہر کر دی ہے؟''

''کیا مطلب؟'' بصیر احمد تجسس سے بولے۔

''میں نے سب پتہ کروا لیا ہے کہ حارث نعمان! نہ شراب پیتا ہے نہ سموکنگ کرتا ہے نہ اس کو رئیس زادوں کی طرح حرام زندگی کا شوق ہے۔ اور نہ ہی اس کے حلقہ میں کوئی ایسا دوست ہے جس کی وجہ سے ان کا حلقہ احباب بدنام ہو۔'' بصیر احمد اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرانے لگے تو وہ ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

''آپ بے فکر ہو کر جویریہ کا رشتہ حارث نعمان سے کر دیں..... میری گارنٹی ہے۔'' وہ تینوں ہنسنے لگے تو انصر احمد اُٹھتے ہوئے بصیر احمد کو سیلوٹ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ جبکہ بصیر احمد نے ثانیہ بیگم کی طرف دیکھ کر بھنویں اُچکائے تو ثانیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اُن کے کندھے پر ٹکا لیا اور پرسکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

سکندر اور صائمہ کی خفیہ ملاقاتیں اسی آبادی کے باہر ایک مکان میں جاری تھیں۔ وہ دونوں بہن بھائی اپنے بچپن اور صائمہ جوانی کی بربادی پر رو رو کر اپنا غم کم کرتے تھے۔ صائمہ نے سکندر کو بھی نہ بتایا تھا کہ ایاز اور ریشم کو نعمان ایزد کے گھر اور آفس میں تقدیر لے گئی ہے۔ اور سکندر کو پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

''آپ بتاؤ گڈی کیسی ہے۔ اب گھر میں پڑی پڑی بور ہو رہی ہوگی۔'' سکندر مسکراتا ہوا بولا تو صائمہ اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ ''نہیں..... اس کو ایک اچھی کمپنی میں نوکری مل گئی ہے۔ اچھی تنخواہ ہے۔ اور ایاز اپنی تعلیم کو جاری رکھے ہوئے ہے۔'' صائمہ نے جھوٹ اور سچ ملا کر سکندر کو مطمئن کر دیا تھا۔

''تم بتاؤ کہ کہاں تک پہنچے ہو؟'' اس کا سوال سن کر سکندر کے چہرے پر کرختگی چھا گئی اور وہ بولا۔

''آپا..... میں نے اقصیٰ کے گرد اپنا جال بچھا دیا ہے لیکن..... وہ بہت چالاک چڑیا ہے۔ ابھی تک اس نے زمین پر گرا ہوا کوئی بھی دانہ چگنے کی غلطی نہیں کی ہے..... لیکن میرا نام بھی سکندر ہے..... جیسے ہی وہ اس جال میں آ کر پھنس گئی تو پھڑ پھڑانے سے پہلے ہی اس کے پر کتر دوں گا۔''

صائمہ ایک سرد آہ بھرتی ہوئی بولی۔ ''سکندر! میرے بھائی! اپنی جان کی حفاظت کرنا۔ نعمان ایزد بہت کایاں اور سخت گیر آدمی ہے۔'' سکندر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتا ہوا بولا۔

''میں اس کے بہت قریب ہوں آپا!..... میں اس کی رگ رگ سے واقف ہونے کے لیے اس کی کمزوریاں ڈھونڈنے میں مصروف ہوں..... تم بہت جلد دیکھنا کہ میں اس کی ضرورت بن گیا ہوں..... میں اس کی سانسیں بن جاؤں گا۔ اس کے دل کی ہر دھڑکن اور نبض میری مرضی کی محتاج ہوگی..... میں اس کو در در کی بھیک مانگنے پر مجبور کر دوں گا آپا..... تم دیکھنا..... تم دیکھنا کہ سکندر کیا کرتا ہے اس کے ساتھ.....''

سکندر کا لہجہ خونخوار ہو رہا تھا اور اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اس طرح ادا ہوئے تھے کہ گویا شیر کے منہ سے کسی کتے نے نوالہ چھین لیا ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

''آپ دیکھنا آپا! ہم دونوں بہن بھائی اپنی محرومیوں کا اس سے کس طرح بدلہ لیتے ہیں۔'' وہ ایک بار پھر غرایا تو صائمہ اس کے سامنے آتی ہوئی بولی۔ اور جائیداد بھی۔''

''ہاں آپا! جائیداد بھی..... وہ بھی اس طرح کہ وہ اپنی سیاست بھول جائے گا۔'' صائمہ نے اثبات میں سر ہلایا اور پیار سے سکندر کے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''بس تم تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو..... بس اچھے وقت کا انتظار کرو اور دیکھتے جاؤ کہ صائمہ اس سے اپنا انتقام کتنے بھیانک انداز میں لیتی ہے۔''

☆.....☆.....☆

نعمان ایزد جیسا کایاں آدمی پچیس تیس سال بعد صائمہ کو جسٹس بصیر احمد کے گھر ملازمہ کے روپ میں دیکھ کر حیرت کے شدید

http://kitaabghar.com

جھٹکے کو بمشکل ہی سہہ پایا تھا۔ یہی کیفیت صائمہ کی بھی تھی لیکن صائمہ کسی نہ کسی طرح اُس کے گھر میں داخل ہو چکی تھی مگر نعمان ایزد نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بصیر احمد سے صائمہ کی بابت پوچھے گا۔ آج اتفاق سے اس بات کو کرنے کا موقع مل رہا تھا کیونکہ جنٹس بصیر احمد اپنی پوری فیملی کے ساتھ ان کے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ دو گاڑیوں پر مشتمل قافلہ جو کہ پانچ رکنی وفد پر مشتمل تھا۔ جیسے ہی نعمان ایزد کے گیٹ پر پہنچا تو شاندار استقبال کے لیے حارث اور مطربہ کے ساتھ جہان آرا بیگم بھی گیٹ پر موجود تھیں۔

مسکراہٹوں اور قہقہوں کے تبادلوں میں نظروں کا تبادلہ بھی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ مطربہ نے خصوصی طور پر ڈریس بنوایا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ آج اس کی منگنی ہے۔ جبکہ اس کی نسبت جویریہ سادگی میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ حارث نعمان نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اس کے کان میں ''اچھی لگ رہی ہو۔'' کہا تو وہ چھوئی موئی ہوتی ہوئی تانیہ بیگم کے ساتھ لگ گئی۔

''بھابی وہ میرا لاڈو دوست نظر نہیں آ رہا۔'' بصیر احمد نے جہان آرا بیگم سے پوچھا تو وہ مسکراتی ہوئی بصیر احمد کے کندھے کے پیچھے کھڑے نعمان ایزد کو دیکھنے لگیں۔

''تم نے کیا سمجھا تھا کہ میں تمہاری طرح گھر سے بھاگ جاؤں گا۔'' قہقہہ بلند ہوتے ہی بصیر احمد اور نعمان ایزد گلے ملے اور سلام دعا کے بعد اندر کی جانب بڑھ گئے۔

''بھئی واہ! کیا ٹھاٹھ ہیں تمہارے تو.....'' بصیر احمد نے ڈرائنگ روم اور گھر کی خوبصورتی دیکھ کر کہا اور قیمتی صوفے پر بیٹھ گئے۔ نعمان ایزد ہنستے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

''اس ملک میں ایک ہی تو منافع بخش کاروبار ہے..... سیاست!'' نعمان ایزد کا لہجہ ایسا تھا کہ اس میں سے کامیاب بزنس مین کی خوشی واضح جھلک رہی تھی۔

''اچھی بات ہے مگر رسک بھی تو ہے..... زندگی کا۔'' بصیر احمد بولے تو نعمان ایزد مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

''ہم شاید کسی اور مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ ہماری باتوں سے تو بچے بور ہو جائیں گے۔'' بصیر احمد بھی مسکرانے لگے۔

موسم کی مناسبت سے ان کی خاطر تواضع کی گئی تھی۔ ابھی کھانے میں کچھ دیر تھی کہ جہان آرا اور تانیہ بیگمات کی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جویریہ اور مطربہ بھی اپنے آپ کو کچھ ڈسٹرب محسوس کر رہی تھیں جبکہ حارث اور انعم باتوں میں تو مشغول تھے ہی لیکن ان دونوں کی نظریں اپنا اپنا کام کر رہی تھیں۔ ان سب میں سے انیقہ ہی واحد ایسی تھی کہ وہ بوریت محسوس کر رہی تھی۔

جہان آرا بیگم نے موقع کی مناسبت سے حارث کو بلا کر کہا کہ وہ مہمانوں کو اپنا گھر دکھائے تو وہ مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''جی کیوں نہیں مما!'' وہ جویریہ اور انیقہ سے مخاطب ہوا۔ ''آیئے پلیز۔''

جویریہ نے تانیہ بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر انیقہ بات کو سمجھتی ہوئی بولی۔

''میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔'' جویریہ اُٹھ کر حارث نعمان کے ساتھ چلی گئی تو مطربہ بھی اُٹھ کر ایک خاص ادا سے چلتی ہوئی لان کی

http://kitaabghar.com

جانب بڑھ گئی۔ ایقہ اُٹھ کر انصر کے پاس آ کر بیٹھتی ہوئی سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

''بھائی! ویسے مطربہ آپی بھی اچھی ہیں۔'' انصر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ شرارتی مسکان ہونٹوں پر سجائے ہوئے بھنویں اُچکاتی ہوئی بولی۔ ''میں نے دیکھا ہے کہ وہ آپ کو دیکھ رہی تھیں۔''

''پاگل ہو تم بھی..... دیکھنے سے کیا ہوتا ہے..... اور تم نہ..... اپنی چونچ بند رکھا کرو۔ کسی دن مجھ سے پٹو گی۔''

ایقہ مصنوعی غصے سے اُٹھ کر لان میں گئی تو مطربہ کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک سمارٹ اور ہینڈسم لڑکے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ وہیں رک جاتی اگر مطربہ اس کو آواز نہ دے لیتی۔ وہ حیرت و استعجاب کے ملے جلے تاثرات چہرے پر لے کر ان کے پاس پہنچی تو مطربہ نے مسکرا کر اس لڑکے سے ایقہ کا تعارف کروایا۔

''سر یہ میری کزن ہیں ایقہ بصیر احمد!'' جبکہ ایقہ حیران تھی کہ مطربہ اس نوجوان کو سر کہہ رہی تھی۔

''اور ایقہ یہ میرے سر ہیں۔ مجھے ٹیوشن دیتے ہیں۔ ایاز احمد!'' ایقہ کی حیرت دور ہوئی تو اس نے نظریں اُٹھا کر ایاز احمد کو سلام کر دیا اور بولی۔

''اگر آپ جیسے سر ہوں تو پھر تو میں بھی ٹیوشن پڑھنا چاہوں گی۔'' قہقہہ لگا تھا اب پتہ نہیں یہ ایقہ کی دلی خواہش تھی یا پھر مطربہ کی ذات پر طنز تھا یا ایاز کی متاثر کن شخصیت کا سحر تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے مطربہ! میں کل آ جاؤں گا..... شمعون نے مجھے بتایا ہی نہیں تھا کہ آج خاص مہمان آنے والے ہیں۔'' اس نے ''خاص مہمان'' کہتے ہوئے ایقہ کی طرف اس طرح دیکھا تھا کہ وہ بے اختیار آنکھیں اُٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ گئی تھی اور وہی لمحہ تھا جب وہ ان آنکھوں کی گہرائی میں اُتر گئی تھی۔

''آئی ایم سوری سر! مجھے بھی آپ کو بتانا یاد نہیں رہا.....'' مطربہ شرمندگی محسوس کرتی ہوئی بولی۔ ''ایکچوئیلی میرے پاس آپ کا کونٹیکٹ نمبر نہیں ہے۔ پلیز اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو.....'' مطربہ نے اپنا موبائل ہاتھ میں اس انداز میں پکڑ لیا کہ وہ ایاز کا نمبر محفوظ کر لے گی۔ لیکن ایقہ کے چالاک ذہن نے وہ نمبر اپنے ذہن کے کمپیوٹر میں محفوظ کر لیا تھا۔ ایاز وہاں سے چلا گیا تھا لیکن ایقہ کے دل کے تاروں کو اس طرح ہلچل زدہ کر گیا تھا کہ وہ گیٹ سے نکلتے وقت مڑ کر دیکھنا نہ بھولا تھا اور اسی لمحہ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے سلام لے چکی تھیں۔ وہ گیٹ سے نکل گیا تو مطربہ بولی۔

''ایقہ! کیسا لگا ہمارا گھر!''

''ہینڈسم اور سمارٹ!'' ایقہ فوراً بولی تو مطربہ حیرت سے اس کو کندھے سے ہلا کر بولی۔

''میں گھر کی بات کر رہی ہوں..... سر کی نہیں.....'' ایقہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو دونوں ہی مسکرانے لگیں۔

حارث نعمان جویریہ کو اپنا گھر دکھاتا ہوا اپنے کمرے تک لے گیا تھا۔ اُس نے دروازہ کھول کر جویریہ کو کارنس بجانے والے انداز

http://kitaabghar.com

میں کہا۔ ''ویل کم ٹو مائی روم۔'' جویریہ ہنس کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور بعد میں حارث نعمان بھی اندر آ گیا۔ جویریہ نے ایک بات بہت اچھی طرح نوٹ کی کہ حارث نعمان نے کمرے کا دروازہ کھلا ہی رکھا تھا۔

جویریہ کو ایک ایسی کولون کی مہک آنے لگی جو اس کو ساحل سمندر پر حارث نعمان کے بدن سے آئی تھی جب حارث نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اقرار محبت کیا تھا۔ ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھی۔ نفیس قالین اور دبیز پردے۔ خوبصورت اور بیش قیمتی فرنیچر کمرے کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہے تھے۔ ایک بڑی سکرین والی ایل سی ڈی بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار کے ساتھ لگائی گئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ کتابوں کے ریک لگے ہوئے تھے۔ جویریہ تجسس سے کتابوں کی جانب بڑھی تو حارث نعمان مسکرانے لگا۔

''میں نے زندگی میں کتب سے ہی عشق کیا ہے..... میں سمجھتا تھا کہ انسان صرف ایک عشق ہی کرتا ہے لیکن میں نے تو دو عشق کیے ہیں۔'' جویریہ تڑپ کر مڑی اور سہمے ہوئے انداز سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی نمایاں تھی۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں مدھم اور مریل آواز میں کہا۔

''دوسرا عشق!؟'' حارث نعمان دبیز قالین کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا اس کی جانب بڑھا اور اس کے سامنے کر جا کر کھڑا ہو گیا اس نے جویریہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے تو وہ لرز گئی۔ اگر اسے یا کوئی اور ادھر آ نکلا تو وہ چور بن جائیگی۔ وہ کھلے ہوئے دروازے کی جانب دیکھتی رہی تو حارث نعمان نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''میں اِدھر ہوں.....'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

''کوئی آ جائیگا!''

''میں یہ کبھی بھی نہیں چاہوں گا کہ میں جس سے دوسرا عشق کرتا ہوں..... وہ ڈرپوک ہو۔'' اس بات میں ہی وہ سب جواب تھے جویریہ کے سوال تھے۔ اس بار اس نے مسکرا کر آنکھیں اُٹھائیں اور اپنا سر حارث نعمان کے سینے پر ٹکاتی ہوئی بولی۔

''میں تو ڈر ہی گئی تھی۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں..... کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے.....'' اس کا پیارا لہجہ خلوص اور محبت کی چاشنی سے بھرپور تھا۔ ''میں تم سے محبت کرتا ہوں جویریہ!'' برملا اعتراف اور بے ساختہ اظہار محبت تو وہ پہلے بھی کر چکا تھا لیکن اب وہ اپنے گھر میں اپنے کمرے میں کھڑا تھا اس کو کسی کے بھی آ جانے کا ڈر یا خوف نہ تھا.....

''اب چلیں!'' جویریہ بولی تو وہ پھر کا رنش بجاتے ہوئے بولا۔

''جیسے حضور کی مرضی!'' جویریہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکلی تو وہ بھی بعد میں دروازہ بند کرتا ہوا اُس کے ساتھ چلتا ہوا ایک راہداری پار کر کے ایک بالکنی میں پہنچ گئے تو جویریہ کی آنکھوں کو وہ منظر بہت بھلا لگا۔ حارث نعمان اس کو بتانے لگا کہ ''وہ سامنے والا حصہ پاپا

http://kitaabghar.com

کی سیاسی بیٹھک ہے۔ وہ اپنے تمام سیاسی معاملات کو گھر سے دور رکھتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" جویریہ دھیرے سے بولی تو اس کی نگاہ لان میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے نعمان ایزد اور بصیر احمد پر پڑ گئی جو اپنی ہی خوش گپیوں میں مشغول تھے۔

"یہ اقصیٰ نظر نہیں آ رہیں اور شمعون بھائی بھی؟" جویریہ نے پوچھا تو حارث بولا۔

"اقصیٰ کی شوٹ تھی اور شمعون اس کو لینے گیا ہے۔"

"شوٹ؟....." وہ حیرت سے بولی۔ "وہ تو ماڈل ہیں۔" جویریہ اپنی بات پر خود ہی شرمندگی محسوس کر رہی تھی کیونکہ ماڈل کی بھی شوٹنگز ہوتی ہیں۔ لیکن حارث اس کو مطمئن کرتا ہوا بولا۔

"وہ پہلی بار کسی ٹیلی فلم میں کام کر رہی ہے۔"

"تو انکل کی طرف سے ان کو پرمیشن ہے؟" جویریہ کو اقصیٰ کی آزادی نہ جانے کیوں کھٹک رہی تھی۔

"پاپا ان کے کام میں اور وہ پاپا کے کام میں نہیں بولتے۔ اور ہم سب ان دونوں کے کام میں دخل اندازی نہیں کرتے۔" حارث اس کو اپنے تئیں مطمئن کر چکا تھا۔

"آپ ملک میں کتنے دن رہتے ہیں؟" جویریہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی وہ ہنسنے لگا۔

"جب میری شادی میری مرضی۔ میری پسند سے ہوگی تو پھر ملک میں ہی رہا کروں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتا ہوا بولا تو جویریہ کی نظریں جھک گئیں۔

"کیا آپ کو اعتماد ہے کہ آپ کی شادی آپ کی پسند سے ہی ہوگی؟" جویریہ کے لہجے میں چھپی ہوئی شرارت جن الفاظ کے غلیل میں رکھ کر حارث نعمان کو نشانہ بنایا گیا تھا وہ سیدھا اس کے دل پر لگا تھا۔

"مجھے اپنے پیار اور اپنی بے انتہا محبت پر اعتماد ہے اور مجھے یقین ہے کہ جیت میرے اعتماد کی ہی ہوگی۔" حارث نعمان کا مضبوط اور ٹھوس لہجہ جویریہ کو خاصا متاثر کر گیا تھا۔

دوسری طرف مطربہ اور انفر کو بھی چند لمحے تنہائی کے اس طرح میسر ہو گئے تھے کہ وہ عمارت کے اس حصے کی جانب آ گئے تھے جو حصہ نعمان ایزد کی سیاسی کمین گاہ تھا لیکن وہ رہائش والے حصے میں ہی تھے۔ مطربہ انفر کو بتانے لگی کہ "دیوار کے اُس پار بابا جان کی سیاست ہوتی ہے۔ کوشش یہی کی جاتی ہے کہ اُدھر والے افراد اور اس کے گھر کے مکین اپنے اپنے فاصلوں کو برقرار ہی رکھیں۔"

انفر احمد اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا "میڈم! ہم پولیس والے ہیں..... خوامخواہ ہی مشکوک ہو جاتے ہیں۔" مطربہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی تو انفر احمد جی جان سے فریفتہ ہوتا ہوا بولا۔

"آپ کی ہنسی بہت پیاری ہے۔" یہ وہ تعریف تھی جو پہلی بار کسی لڑکے نے مطربہ کی کی تھی۔ وہ شرم سے سرخ اور حیا سے اور بھی

http://kitaabghar.com

پیاری ہوگئی تھی۔

''شکریہ!'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولی تھی۔ ''آپ نے اس دن خواہ مخواہ ہی تکلف کیا تھا کافی کے بل کا۔''

''تکلف کیسا..... وہ تو میرا فرض تھا۔'' وہ مسکرایا اور بولا۔

''فرض.....؟'' وہ استفہامیہ انداز اپنائے ہوئے بولی۔

''جی میرا فرض..... کیونکہ وہ کافی شاپ میری حدود میں ہی آتا ہے اور آپ میری مہمان تھیں۔'' انفر کا جواب مدلل تھا مطربہ کو آنکھیں جھکانا پڑیں۔ ''سنڈی کسی جا رہی ہے؟'' اس نے پھر بات کو آگے بڑھانا چاہا تو ایک اور سوال کر دیا تھا۔ مطربہ چلتی ہوئی اس کی طرف مڑی اور شرارت سے بولی۔

''ابھی مزید پندرہ بیس سال تک میرا ارادہ ہے سنڈی جاری رکھنے کا۔''

''میں انتظار کر سکتا ہوں۔'' وہ بڑبڑایا تھا لیکن مطربہ کے حساس کان اس فقرے کو سن چکے تھے وہ مزید سرخ گالوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ انفر احمد وہاں کھڑا ایک پھول کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نے تو اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے مطربہ! اب تمہارے دل کی خدا جانے۔'' وہ بھی چلتا ہوا نعمان ایزد اور بصیر احمد کے پاس پہنچ گیا تو بصیر احمد اس کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''لو بھئی برخوردار! تمہارے انکل کو حارث اور جویریہ کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اب یہ حارث سے اچھی طرح پوچھ لیں گے اور ہم جویریہ بیٹی سے بات کر لیں گے..... دونوں طرف سے گرین سگنل ملنے پر منگنی کی رسم طے ہو جائے گی!'' بصیر احمد کی بات سن کر نعمان ایزد بولے۔

''حارث کی طرف سے تم ہاں سمجھو!..... بس ذرا ایٹیوں کا معاملہ ہوتا ہے۔ تم جویریہ سے اچھی طرح پوچھ لینا وہ اس گھر میں رانی کی طرح راج کرے گی۔''

''جی انکل! ہم جویریہ سے بات کر کے..... آپ کو اطلاع کر دیں گے۔'' انفر احمد نے مدبرانہ انداز میں اُن کی بات کا جواب دیا تو نعمان ایزد ہنستے ہوئے بولے۔

''یاد بصیر احمد!..... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس پروردگار نے ہمیں لائق اور فرمانبردار بچوں سے نوازا ہے۔'' بصیر احمد ان کی بات سن کر ہنسے اور کہنے لگے۔

''تم تو لگتے ہی نہیں ہو کہ ان کے باپ ہو۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' نعمان ایزد کی بھنویں تن گئیں وہ غصے سے بولے تو انفر احمد بصیر احمد کی صفائی میں کہنے لگا۔ ''انکل پاپا کا مطلب ہے کہ آپ تو حارث بھائی سے بھی ینگ لگتے ہیں۔''

http://kitaabghar.com

نعمان ایز دقہقہہ لگا کر ہنسے اور بصیر احمد سے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے کر دیا تو بصیر احمد نے ان کی حرکت کا جواب بھی قہقہہ لگا کر ہاتھ پھینک کر ہی دیا۔

شمعون اور اقصیٰ بھی وارد ہو گئے تھے۔ ان کی شمولیت سے ماحول اور بھی خوشگوار ہو گیا تھا۔ اقصیٰ، ایقہ، جویریہ اور مطربہ کا گروپ ایک طرف تھا جبکہ صاحبان اور بیگمات ایک طرف تھیں۔ حارث نعمان، انصر احمد اور شمعون ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔

پرسکون ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا۔ بعد میں چائے اور کافی مہمانوں کی پسند پر سرو کی گئی تھی۔ نعمان ایز دبصیر احمد کو لے کر پھر لان میں آ گئے اور پریشانی والے انداز میں بولے۔

''یار! وہ تمہارے گھر میں جو عورت کھانا بناتی ہے..... وہ..... کیا نام ہے اس کا.....؟''

''کیوں..... کیا ہو گیا..... کوئی شکایت ہے۔ اس کی؟'' بصیر احمد ہنستے ہوئے بولے تو نعمان ایز دکھسیانے سے ہو گئے تھے۔

''نہیں نہیں..... میرا مطلب تھا کہ یار وہ کیا کمال کے کھانے پکاتی ہے.....''

''ہاں بھئی تم ہی نہیں..... اُس کے ہاتھوں سے بنے ہوئے لذیذ کھانے کھا کھا کر تو میرے جج دوست بھی اس کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔'' بصیر احمد صائمہ کی تعریف بلا جھجک ہی نہیں کر رہے تھے۔

''اس کے ہاتھوں میں کافی لذت ہے..... ویسے وہ تمہیں ملی کہاں سے ہے؟ کب سے وہ تمہارے گھر میں ہے؟ رہتی کہاں ہے؟'' بصیر احمد نے تین سوال صائمہ کے متعلق ہی پوچھے جانے پر نعمان ایز دکی آنکھوں میں گھورا اور بولے۔ ''کیا بات ہے خیریت تو ہے؟ تم صائمہ کے بارے میں اتنے کانشس کیوں ہو رہے ہو؟''

''صائمہ!؟'' نعمان ایز دحیرت سے بولا تو بصیر احمد کہنے لگے۔

''ہاں یار..... اس کا نام صائمہ ہی ہے اور شاید تم اُسے جانتے بھی ہو وہ گزشتہ پچیس سالوں سے میرے گھر میں ہے۔ یہ بچے اُسی کے ہاتھوں میں پلے بڑھے ہیں۔ بڑی نیک عورت ہے یار.....'' بصیر احمد صائمہ کی باتیں بتا رہے تھے اور نعمان ایز دمنہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔ ''نیک عورت؟، صائمہ؟ ایک طوائف اور نیک عورت؟'' اس کی بڑبڑاہٹ کوئی نہ سن سکا تھا لیکن بصیر احمد سمجھ رہے تھے کہ اب نعمان ایز دکی نیند حرام ہونے والی ہے۔

☆.....☆.....☆

''کیوں بھئی شہزادے کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا؟'' شمعون نے ایاز کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو ایاز ہنسنے لگا اور بولا۔

''کیوں شرمندہ کرتے ہو شمعون۔'' وہ اس وقت شمعون کے ساتھ ان کے محل کے لان میں ہی بیٹھا ہوا تھا اور چائے کا دور چل رہا تھا۔ مطربہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی وہ چینج کرنے گئی تھی اتنی دیر میں شمعون نے ایاز کو کمپنی دینے کا پروگرام بنایا تھا۔

''دیکھو ایاز! تم خود دار ہو..... یہ تو میں جانتا ہوں لیکن مجھے ایک خوشی کی بات اور پتہ چلی ہے کہ تم نے مطربہ کو اپنی بہن بنا کر

http://kitaabghar.com

پڑھانا شروع کیا ہے..... آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی ڈیئر۔'' شمعون بہت خوش لگ رہا تھا۔ ایاز نے چائے کا گرم گرم گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''شمعون! دوست بھائیوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور دوست وہ سرمایہ ہیں جو قسمت والے شخص کے ہاتھ ہی لگتا ہے۔''

''دیکھو یار! میں تم سے زیادہ لائق نہیں ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہ سب دولت، جاگیر اور سٹیٹس صرف اُسی وقت آپ کے کام آسکتا ہے جب آپ کا کوئی مخلص اور سچا دوست ہو..... اور تم ایاز..... تم میرا سرمایہ ہو یار۔'' شمعون تھوڑا سا جذباتی ہو رہا تھا۔ ایاز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور بولا۔

''شمعون! یہ جاگیریں اور سٹیٹس سب کچھ خلوص کا مرہون منت ہوتا ہے اور دوستی ان سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔''

''مجھے تم پر فخر ہے ایاز۔ آئی لو یو یار۔'' شمعون نے کہا تو وہ دونوں ہنسنے لگے اور ایاز بولا۔

''یہ فقرہ تو کسی لڑکی کے لیے سنبھال کر رکھو..... کام آئے گا۔'' ایاز کی بات سن کر شمعون کی آنکھوں کے سامنے ریشم کا چہرہ گھومنے لگا تھا۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں اور چاندنی جیسا سفید ڈھلا ہوا چہرہ شمعون کی نیندیں چرا چکا تھا۔ ایاز نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے چٹکی بجائی اور بولا۔

''کیا ہو گیا ہے کہاں گم ہو گئے ہو۔ کون ہے وہ؟''

''شمعون ہنستے ہوئے بولا۔ ''چھوڑو یار..... ابھی تو پتہ ہی نہیں کہ وہ کون ہے؟''

''تو پھر اس کے خیالوں میں کیوں گم رہتے ہو؟'' ایاز چائے پیتا ہوا بولا تو شمعون ایک مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''یار ایاز! یہ پیار کیا ہوتا ہے؟ محبت کیا ہوتی ہے؟'' شمعون کھویا ہوا تھا۔ ریشم اُس کے حواس پر چھا گئی تھی۔

''مجھے کیا پتہ یار..... ! یہ محبت و محبت پیار و یار۔ سب ڈھکوسلہ ہے یار۔ چھوڑو اس بات کو..... یہ سب فضولیات ہیں۔'' ایاز نے دیکھ لیا کہ مطربہ آ رہی تھی اس نے شمعون کو اُٹھ کر جانے کا اشارہ کیا اور بولا۔

''اپنے کمرے میں چلے جاؤ اور وہاں جا کر اس کے خواب دیکھو! اب پڑھائی شروع ہونے والی ہے۔'' شمعون سمجھ گیا کہ مطربہ آ رہی ہے وہ اپنا چائے کا کپ اُٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی جانب جانے کے لیے عمارت کے اندرونی حصے میں گھس گیا۔ مطربہ اس کو سلام کرتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور اس سے معذرت کرنے لگی کہ کالج میں پروگرام کی وجہ سے وہ لیٹ ہو گئی۔ ایاز نے مسکرا کر اس کی معذرت قبول کرتے ہوئے اس کو پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ مطربہ ذہین اور سمجھدار لڑکی تھی اس بات کو ایاز نے بھی محسوس کیا تھا کہ جو بات بھی اس کو سمجھائی جاتی تھی وہ بہت جلد اس کو سمجھتی تھی۔

''سر ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں..... اگر آپ مائینڈ نہ کریں تو پلیز جواب دیں گے؟'' مطربہ کا انداز بے تکلفانہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور ایاز اس بات کو اپنے لیے بہتر سمجھ رہا تھا کہ وہ آسانی سے مطربہ کو پڑھا سکے گا اور اچھا رزلٹ دینے پر اسی کی تعریف ہونا تھی اور ویسے بھی وہ

http://kitaabghar.com

پڑھائی کے دوران مطربہ کے سوالوں کے جواب دینے کا پابند تھا۔ وہ خوش دلی سے بولا۔

''جی پوچھو!'' مطربہ حوصلہ مند جواب ملنے پر خوش ہوتی ہوئی بولی۔

''سر! یہ محبت کیا ہے؟'' وہ چونک کر مطربہ کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ ''پلیز سر! مجھے غلط نہ سمجھئے گا..... یہ سوال مجھ سے میری ایک کلاس فیلو نے کیا ہے اور میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ سے پوچھ کر بتاؤں گی۔''

''مجھ سے ہی کیوں؟'' ایاز سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔

''ایکچوئیلی سر! میرے ذہن میں یہی ہے کہ جو سوال سمجھ نہ آتا ہو وہ ٹیچر سے ہی پوچھنا چاہیے۔'' اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ ایاز نے کتاب بند کرتے ہوئے ایک لمبا سانس اندر کھینچا اور بولا۔

''مطربہ! میرا اس معاملہ میں کوئی تجربہ نہیں ہے..... اور یہ محبت کی باتیں مجھے ویسے ہی فضول لگتی ہیں..... کیونکہ یہ ہمیشہ ہی دو متضاد سٹیٹس والوں کے درمیان ہوتی ہے اور پھر محبت میں غربت کی شکست ہوتی ہے جو غربت کی موت ثابت ہوتی ہے اور امارت اپنی فتح پر جشن مناتی ہے لیکن اس زندگی اور موت میں بار صرف محبت کی ہوتی ہے اور جیت اعلیٰ سٹیٹس کی ہوتی ہے۔''

''واؤ سر! آپ تو بہت کچھ جانتے ہیں محبت کے بارے میں۔'' مطربہ نے اس بار نظریں اُٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا تو وہ مسکرانے لگا اور بولا۔ ''میں نے محبت کی نہیں ہے مطربہ! اس لیے زیادہ جانتا ہوں۔'' وہ مسکرانے لگی اور پھر بولی۔

''سر! یہ کیسے ہو جاتی ہے؟''

''مطربہ!'' ایاز نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا تو اس کی نظریں جھک گئیں۔ ''پلیز اپنی سٹڈی پر دھیان دو..... یہ تمہارا کام نہیں ہے۔'' وہ خاموش ہو کر دوبارہ پڑھائی میں مصروف ہو گئی اور ایک گھنٹہ تک متواتر پڑھتی رہی۔ پھر ایاز کی طرف سے چھٹی کا اعلان سن کر وہ خاموشی سے کتابیں اُٹھائے جانے لگی تو ایاز نے دیکھا کہ وہ ناراض ہے۔

''ٹھہرو مطربہ!'' وہ رک گئی اور نظریں جھکائے جھکائے کھڑی رہ گئی۔ ایاز الفاظ جمع کرتا ہوا کہنے لگا۔

''مطربہ! محبت ہونا ہو تو پہلی ہی نظر میں ہو جاتی ہے..... اگر نہ ہونا ہو تو کئی سال ایک ہی چھت تلے ایک ہی ساتھ گزارنے پر بھی نہیں ہوتی..... یہ ظالم بھی ہے، قاتل بھی ہے، زہر بھی ہے، تریاق بھی ہے، مرض بھی ہے، دوا بھی ہے، علاج بھی ہے، موت بھی ہے، غم ہی غم ہے، خوشیوں کی قاتل ہے، دل و جگر کا خون مانگتی ہے، راتوں کی نیندیں، دل کا قرار چھین کر لے جاتی ہے۔ اگر ہو جائے تو..... ہر خوشی کی دشمن ہے..... نہ ہو تو ہر خوشی خوشی ہے..... اگر یک طرفہ ہو تو پھر قاتل ہے، زہر ہے..... بس مطربہ کوشش کرنا کہ کسی سے محبت نہ ہو..... اگر ہو تو پھر سٹیٹس اور خاندانی وقار کا خیال ضرور رکھنا۔''

مطربہ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہ کیسا استاد تھا جو سمجھ گیا تھا کہ مطربہ محبت میں کھو گئی ہے اور محبت بھی انفرکی ہے۔

☆.....☆.....☆

ایاز کو سمجھ نہ آئی تھی کہ آج مطربہ کو کیا ہو گیا ہے۔ اُس نے محبت کے بارے سوالات کیوں کرنے شروع کر دیے ہیں۔ کیا وہ کسی میں دلچسپی لے رہی ہے؟ اگر لے رہی ہے تو پھر اس میں ایاز کا کیا قصور ہے۔ وہ اس سے سوالات پوچھ کر اس کو پریشان کیوں کر رہی ہے اگر وہ کسی اور میں دلچسپی نہیں لے رہی اس کی نظروں کا محور ایاز ہے تو.....؟

اس خیال کے آتے ہی وہ کانپ کر رہ گیا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں مطربہ کو دیکھنے کے بعد اس کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اس کی چھوٹی بہن ہے اور ایاز اس کو ایک بھائی بن کر پڑھانے آیا کرے گا۔ اُس کو ایاز کے بارے میں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔ کیونکہ ایاز شمعون کا دوست ہے اور اپنی اوقات بھی پہچانتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ شمعون کی مالی حیثیت کیا ہے۔ ایاز خود کیا ہے۔ اس کا باپ سر پر نہیں ہے۔ ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ بہن کی کمپنی میں نوکری کرتی ہے اور وہ خود ماں کا زیور بیچ کر اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے.....

وہ یہ ٹیوشن ہی چھوڑ دے گا..... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایاز ہے اور ایاز اسی صورت رہ سکتا ہے جب وہ یہ ٹیوشن چھوڑ دے ورنہ وہ احسان فراموش اور نمک حرام اور پتہ نہیں کیا کیا القاب سے نوازا جائیگا۔ وہ اس قصے کو یہیں پر ختم کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن..... لیکن..... یہ اس کی خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے کہ مطربہ جیسی خوبصورت لڑکی امیر باپ کی اکلوتی بیٹی اس کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔ ہو بھی سکتا ہے بھائی ..... کیونکہ یہ امیروں کے کھیل ہیں امیر لوگ نہ جانے کب غریبوں کے خون کے ساتھ کوئی گیم کھیلنا شروع کر دیں ان کی کوئی سمجھ نہیں آتی ..... لیکن نہیں بھی ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ مطربہ محبت میں سرے سے گرفتار ہی نہ ہوئی ہو اور اپنی معلومات کے لیے پوچھ رہی ہو.....

وہ خود ہی سوال کرتا جا رہا تھا اور خود ہی جواب بھی دیتا جا رہا تھا۔ اُسے معلوم ہی نہ تھا کہ وہ چلتا ہوا سڑک کے عین درمیان آ گیا ہے اور ایک گاڑی کے ٹائروں کی اگر چیخیں نہ نکل جاتیں تو اس کا کھیچہ سڑک پر گرا ہوتا اور گاڑی والا کب کا ٹریفک کے ہجوم میں گم ہو چکا ہوتا۔ اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں مگر گاڑی کے چرچرانے والے ٹائرز نے بہت سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو گاڑی چلانے والی ایقہ تھی جو کہ مطربہ نے اپنی کزن کے طور پر اس کا تعارف کرایا تھا۔ وہ حیرانگی سے ایاز کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور اس کے پہلو میں اگلی نشست پر جویریہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ ایاز نے حیران ہو کر ایقہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے کی ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں۔

اس کی پریشانی کی وجہ ایاز بن گیا تھا۔ اگر گاڑی کے بریک بروقت نہ لگتے تو وہ یقیناً ایاز کی قاتلہ بن چکی ہوتی اور وہ اپنے آپ کو زندگی بھر معاف نہ کرتی۔ ایاز ان کی طرف بڑھا اور پاس آ کر انتہائی شرمندگی سے بولا۔

''آئی ایم سوری!..... میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔'' وہ جانے لگا تو جویریہ نے اُسے اپنی طرف آنے کا کہا وہ گھوم کر اس کی طرف آیا تو نظریں جھکاتے ہوئے بولا۔ ''میں شرمندہ ہوں۔'' ان کے گرد لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

''آج اگر مر جاتے تو.....؟'' جویریہ غصے سے بولی تو وہ آنکھیں اُٹھاتا ہوا جویریہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ہم لوگ زندہ ہی کب ہیں میڈم!..... زندگی تو گاڑی والوں کی ہے..... بہر حال..... سوری!'' وہ اپنی بات کہہ کر کسی فلمی ہیرو کی طرح ہجوم کو چیرتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

http://kitaabghar.com

''آپی یہ مطربہ کے ٹیوٹر ہیں ان کا نام ایاز ہے۔'' مطربہ کے ٹیوٹر کا انیقہ کے منہ سے سن کر جویریہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جو گاڑی کا گیئر بدلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔

''تم اس کو کیسے جانتی ہو؟'' جویریہ نے سوال ذرا تیکھے انداز میں پوچھا تو انیقہ اس کو نعمان ایزد کے گھر میں ہونے والی ملاقات اور مختصر اتعارف کے بارے میں بتانے لگی تو جویریہ نے اطمینان کی سانس خارج کی جسے انیقہ نے بھی محسوس کیا تھا۔

''انیقہ! اگر آج خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جاتا تو.....ہم کیا کرتیں؟'' جویریہ نے کہا تو انیقہ وہ منظر یاد کر کے ہی کانپ کر رہ گئی جو چند منٹ پہلے چند فرلانگ پیچھے اس کی زندگی کا خطرناک اور خوفناک ترین منظر بنتے بنتے رہ گیا تھا۔

''ویسے بندہ تو جینئس ہے آپی! میں حیران ہوں کہ اس کو گاڑی کا ہارن اور دیگر گاڑیوں کا شور بھی کیوں نہیں سنا؟'' انیقہ بولی تو جویریہ تائیدی انداز میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''اس کا گفتگو کا انداز ہی بتا رہا تھا کہ وہ پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا بندہ ہے۔''

''یہی تو خوبی ہوتی ہے تعلیم اور علم میں کہ وہ انسان کو غلط اور صحیح کی پہچان بتاتا ہے۔'' انیقہ نے بات آگے بڑھائی تو جویریہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''صحیح اور غلط!؟ میں سمجھی نہیں؟''

''آپی! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ ان کی غلطی تھی تو انہوں نے اعتراف کر کے اپنی سوری کی اور آپ سے بھی معذرت کا اظہار کیا۔ اگر ان کی جگہ کوئی جاہل یا اَن پڑھ ہوتا تو وہ گالیاں بکنے لگتا اور قصور بھی ہمارا ہی نکالتا۔''

انیقہ کی بات سن کر جویریہ ہونٹوں کی سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑتی ہوئی بولی۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کتابیں میں پڑھتی ہوں اور ذہانت تم میں آتی جاتی ہے۔ یہ چکر کیا ہے؟'' انیقہ ہنسنے لگی اور گاڑی گھر جانے والی مین شاہراہ پر دوڑاتی ہوئی بولی۔

''جس طرح نیام میں ایک تلوار۔ میدان میں ایک ہی شیر رہ سکتا ہے نا۔ بالکل اسی طرح ایک گھر میں ایک ہی ذہین بندی رہ سکتی ہے.....آپ تو جا رہی ہو.....لہٰذا اب اس گھر میں ذہین بندی صرف میں ہی ہوں گی۔''

''زیادہ اِترا ؤ نہ تمہاری باری بھی آ ہی جائیگی!'' جویریہ مسکراتی ہوئی بولی تو انیقہ نے اس سے پوچھا۔

''ویسے حارث بھائی کیسے لگے؟''

''کیا مطلب کہ کیسے لگے؟'' جویریہ کو نامکمل باتیں ہمیشہ ہی بُری لگتی تھیں۔ وہ جل گئی تھی۔

''میرا مطلب ہے کہ ہینڈسم، ڈیشنگ، سمارٹ پرکشش پرسنالٹی ہے.....ہائے.....کاش کہ وہ مجھ سے بڑے نہ ہوتے تو میں ہی کچھ کر لیتی۔'' جویریہ نے آنکھیں نکال کر اس کی طرف نہ صرف دیکھا بلکہ اس کے بازو پر زور سے چٹکی بھی کاٹ دی وہ ''اوئی اماں'' کی تکلیف دہ آواز نکال کر سامنے دیکھنے لگی.....پھر چند سیکنڈ بعد گاڑی میں قہقہے گونجنے لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

صائمہ نے بھی جب سے نعمان ایزد کو دیکھا تھا اس کو بھی رہ رہ کر اپنا ماضی ستانے لگا تھا لیکن وہ اپنے انتقام کی آگ کو ابھی ہوا نہ دینا چاہتی تھی۔ اس نے راکھ کے اندر دبی ہوئی انتقام کی چنگاری کو ابھی اور دہکنے کے لیے دبا ہی رہنے دیا تھا اور وہ ریشم اور ایاز کے ذریعے نعمان ایزد کو ایک خارش زدہ کتے کی مانند ان گلیوں میں بھونکتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔ اور سکندر اس کا وہ ہتھوڑا تھا جو لوہا گرم دیکھ کر آخری چوٹ کے طور پر مارنا چاہتی تھی اور پگھلے ہوئے لوہے کی ہیئت کو مکمل طور پر ہی بدلنا چاہتی تھی۔ اُس کو ہر کروٹ پر وہ ظلم یاد آتا تھا جو نعمان ایزد نے اُس پر کیا تھا۔ اور سکندر کی وہ چیخیں جب اس کے جسم کو جلایا گیا تھا اور نعمان ایزد تماشہ دیکھتا رہا تھا اور اس کا باپ سمیع اللہ پاس کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔

وہ کچھ بھی نہ بولی تھی اور اپنی محرومیاں اور بے بسی کا پچیس سالہ انتقام لینے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی اور تقدیر اس کی مدد کر رہی تھی وہ اس طرح کہ اُس کو نعمان ایزد کے گھر تک پہنچنے کے لیے کوئی بھی تگ و دو نہ کرنا پڑی تھی۔ سکندر کو جیل سے ہی جس شخص نے نعمان ایزد کے گھر تک پہنچایا تھا وہ نعمان ایزد کا محسن تھا اور ایاز کو نیوشن اس کے گھر تک لے گئی تھی اور قدرت کی مہربانی یہ بھی ہوئی تھی کہ اب ریشم کو نعمان ایزد کی پرسنل سیکریٹری بننے کا سنہری موقع مل گیا تھا۔

اُس نے سکندر کو نہ بتایا تھا کہ وہ نعمان ایزد سے جسٹس بصیر احمد کے گھر مل چکی ہے۔ وہ نعمان ایزد کی نیندیں اُڑانا چاہتی تھی۔ وہ اس کو پل پل تڑپانا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ بھی راتوں کو سو نہ سکے۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر چیخیں مارنا شروع کر دے۔ اور پاگلوں کی طرح اپنے بالوں کو نوچتا ہوا گلیوں میں کتوں کی طرح بھونکتا پھرے۔ وہ نعمان ایزد سے اتنا بھیانک انتقام کیوں چاہتی تھی اس کے پیچھے ایک اذیت ناک اور کربناک ماضی چھپا ہوا تھا اور وہ ابھی اپنے ماضی کو کریدنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ ابھی راکھ میں دبی چنگاری کو شعلہ بننے میں کافی وقت درکار تھا اور وہ بے چینی سے اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

ٹرین کی تیز آواز نے اس کے خیالات کو منتشر کر دیا تو وہ آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپاتی ہوئی اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اندھیرے میں دیکھا کہ ٹرین آہستہ آہستہ ہوتی ہوئی ایک پلیٹ فارم کی طرف بڑھ رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ اس سٹیشن پر سٹاپ کرے گی۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری تھی کیونکہ گزشتہ پچیس سالوں سے اس کا جتنا رشتہ اپنے بچوں کے ساتھ گہرا تھا اتنا ہی گہرا رشتہ ان ٹرینوں اور پٹڑیوں کے ساتھ بھی تھا۔ اس کو بھی ٹرین سے اتنا ہی پیار تھا جتنا وہ اپنے بچوں سے کرتی تھی اور کبھی کبھی تو اس کو ٹرین پر بھی ترس آ جاتا تھا کہ وہ کتنے ہی مسافروں کو ایک دوسرے سے ملاتی اور جدائیاں ڈالتی تھی لیکن خود ساری زندگی اپنی پٹڑیوں پر بھاگتی ہوئی اپنی عمر بتا رہی تھی اور بالآخر ایک دن اس نے اپنا آپ ختم کر لینا تھا اور پھر بے رحم اور سنگدل انسان نے اُس کی قدر شناسی اور مدتوں کی فرض شناسی کو فراموش کر کے اس کو توڑ کر ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا تھا اور اس طرح مسافروں کو ملانے والی ٹرین ایک دن اپنا وجود ختم کر لیتی تھی۔

بالکل اُسی طرح صائمہ کا وجود بھی کرچی کرچی ہو رہا تھا۔ وہ بھی ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ اس کا وجود بھی ختم ہونے کو تھا۔ اس کو بھی نعمان ایزد جیسے ظالم انسان کے ظلموں و ستم کا سامنا تھا۔ اس نے بھی جی بھر کے اس کی شخصیت کو اس طرح استعمال کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ٹرین ہی سمجھتے ہوئے آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو روک نہ سکی۔ ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کو احساس دلایا کہ وہ رات کے

http://kitaabghar.com

آخری پہر کھڑکی کھولے کھڑی ہے اور کھلی کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ہوا نے ریشم اور ایاز کی نیند بھی خراب کر دی ہوگی۔ وہ واپس مڑی تو چونک گئی ریشم اس کے پیچھے کھڑی تھی۔

''کیا بات ہے امی..... آپ جاگ رہی ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' صائمہ نے غور سے بیٹی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے محسوس کیا کہ ریشم اس کو اتنی رات میں جاگتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔

''بس ویسے ہی بیٹی! نیند نہیں آ رہی تھی۔'' صائمہ اپنی چارپائی پر بیٹھ گئی تو ریشم اس کے پاس نیچے ہی بیٹھ کر اپنا سر اس کی گود میں رکھتی ہوئی بولی۔ ''نیند بھی ہمارے اچھے مستقبل کی طرح ہم سے ناراض ہی لگتی ہے۔''

''ہم نے بھی تو خواب دیکھنے کی حد ہی کر دی ہے نا؟'' صائمہ تلخی سے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''اک خواب دیکھنے کی ہی تو آزادی ہے ہمیں۔'' ریشم کا لہجہ بھی تلخ تھا۔

''کسی بھی چیز سے پیار کرو تو اس پیار کا تاوان تو ادا کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''تاوان؟ کیسا تاوان امی؟'' وہ صائمہ کی بات پر چونکتی ہوئی بولی۔

''تاوان..... نیندوں سے پیار کر کے خواب دیکھنے کی یہی سزا ہے کہ نیند ہی تم سے روٹھ جائے..... آنکھوں کو تو بند کر کے لیٹے رہو مگر نیند روٹھی رہے اور خواب پلکوں کی چلمن پر آ کر اس طرح ٹھہر جائیں کہ پلکیں ان کے بوجھ سے وزنی ہو جائیں..... آنکھیں سرخ انگارہ بن جائیں..... تم نیند کی منتیں کرو مگر رات گزرنا شروع ہو جائے مگر نیند تم سے ناراض ہو جائے۔ تم اس سے وعدہ کرو کہ آئندہ خواب دیکھنے کی غلطی نہیں کرو گے۔ لیکن نیند تمہارا اعتبار نہیں کرتی کیونکہ تم کئی بار اپنا وعدہ توڑ چکے ہوتے ہو..... بس پھر راتوں کو جاگنے کا تاوان۔ تاروں کو گننے کا تاوان۔ رات کی تکلیف کو لمحہ لمحہ برداشت کرنے کا تاوان۔ اتنے تاوان ادا کرتے کرتے زندگی بوجھل لگنے لگتی ہے اور پھر انسان کو موت سے محبت ہونے لگتی ہے کیونکہ موت ہی واحد دوست ہے جو آپ سے کسی بھی قسم کا تاوان نہیں مانگتی بلکہ ہمیشہ کے لیے پُرسکون نیند سلا کر وہ تمام حسرتیں پوری کر دیتی ہے کہ انسان اُس نیند سے بیدار ہونے کے لیے کوئی خواب نہیں دیکھتا۔''

صائمہ نے ٹھہر ٹھہر کر اس کو زندگی کا تجربہ بتانے کی کوشش کی تھی مگر مہربان نیند ریشم پر اپنی مہربانی کرتی ہوئی اس کو سلا چکی تھی۔

صائمہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور گھڑی پر نگاہ دوڑائی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے تہجد کے لیے اُٹھنا تھا۔ ابھی کافی وقت باقی تھا اس نے ریشم کو احتیاط سے جگا کر اس کو اس کی جگہ پر سونے کے لیے کہا اور پھر اپنی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ آہستہ آہستہ اس پر نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا تھا اور پھر وہ بھی نیند کی مہربان بانہوں میں جھول گئی۔

☆.....☆.....☆

سکندر نعمان ایزد سے زیادہ اقصیٰ کا ڈرائیور لگتا تھا اور حیرانگی کی بات یہ تھی کہ نعمان ایزد نے کبھی بھی اقصیٰ کو منع نہ کیا تھا کیونکہ نعمان ایزد نے اپنے محسن سے پتہ کروا لیا تھا کہ سکندر کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے اگر کوئی ہے تو وہ وہی محسن ہی ہے جس کی سکندر نے جیل میں

http://kitaabghar.com

بہت خدمت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ نعمان ایزد کو سکندر پر بہت اعتماد تھا اور اقصیٰ بھی خود سر اور اپنی مرضی کرنے والی لڑکی تھی۔ نعمان ایزد انتہائی طاقتور ہونے کے باوجود بھی اقصیٰ کے سامنے کمزور اور بے بس تھے کیونکہ وہ ان کی لاڈلی چھوٹی بہن تھی نعمان ایزد نے اس کو بھی بیٹیوں کی طرح پالا تھا۔

اب بھی اقصیٰ کا بلاوا آیا تو سکندر نے نعمان ایزد کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''سکندر! تم جتنے نعمان ایزد کے ملازم ہو اس سے زیادہ اقصیٰ سمیع کے ہو..... یہ بات ذہن میں بٹھا لو کہ میری بہن کو تم سے کوئی بھی شکایت ہوئی تو سمجھو تم ملازمت سے فارغ.....'' نعمان ایزد کا حتمی انداز سکندر کو بہت بُرا لگا تھا لیکن وہ اپنے کام کو آسان ہوتا دیکھ کر تقدیر کی مہربانی اور نعمان ایزد کی بیوقوفی سمجھ کر ہر ڈانٹ ہر جھڑک اور ہر گالی کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر چکا تھا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے بولا۔

''سر جی! آپ فکر نہ کریں..... آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ اپنے ہونٹوں کو دانتوں تلے کاٹتا ہوا مڑا اور چند ہی لمحوں میں اقصیٰ کے سامنے حاضر ہو گیا تھا۔

''جی میڈم!'' اقصیٰ لان میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ والی کرسی پر جہان آرا بیگم بھی براجمان تھیں۔ وہ سکندر کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولیں۔ ''کہاں سے آئے ہو؟''

''میں سمجھا نہیں بیگم صاحبہ؟'' وہ جہان آرا کے سوال کو واقعی نہ سمجھا تھا۔ لیکن اس کے جواب پر وہ مزید تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔ ''رہتے کہاں ہو؟''

''وہ سامنے والے سرونٹ کوارٹر میں۔'' اس نے اشارہ کیا تو جہان آرا بیگم کوارٹرز کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

''وہاں پر کوئی تکلیف تو نہیں تمہیں؟'' وہ اچانک اس مہربانی پر حیران رہ گیا تھا اور عاجزی سے بولا۔

''جی نہیں..... سر جی..... میرا ہر طرح کا خیال رکھتے ہیں۔''

''اور تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم بھی اس خاندان کا ہر طرح سے خیال رکھو۔'' اقصیٰ خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی وہ کچھ نہ بولی تو سکندر پھر بول پڑا۔

''اس گھر کی حفاظت کے لیے اپنی جان بھی دینا پڑی تو سکندر دریغ نہیں کریگا۔''

''گڈ! مجھے تمہارا جوش اچھا لگا..... اور تم بھی.....'' جہان آرا بیگم کے آخری الفاظ نے اقصیٰ کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا وہ کن اکھیوں سے جہان آرا بیگم کی طرف دیکھنے لگی۔ جبکہ سکندر کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ وہ بیگم صاحبہ کے الفاظ سن کر سنبھلتا ہوا بولا۔

''شکریہ بیگم صاحبہ!'' جہان آرا اُٹھتی ہوئی اس کی طرف مخمور انداز میں دیکھتی ہوئی بولیں۔

''پتہ ہے نا میں کون ہوں؟''

''جی بیگم صاحبہ! آپ میری مالکن ہیں۔'' وہ بدستور نظریں جھکائے ہوئے بولا تھا۔ اتنی دیر میں ناجی ان کی طرف آتا دکھائی دیا تو

http://kitaabghar.com

جہان آرا بیگم اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''کہو کیا بات ہے؟'' نا جی ہمیشہ سے ہی احتیاط سے بات کیا کرتا تھا لیکن اپنی انگریزی کو چھپا نہ سکتا تھا۔

''وہ جی..... سر جی آپ کو انوائٹ کر رہے ہیں۔'' اقصیٰ اس کا فقرہ سن کر ہنسنے لگی تو سکندر نے اس کے دائیں گال پر پڑنے والا ڈمپل پہلی بار دیکھا جو واقعی سکندر کی جانے لے گیا تھا۔

''چلو چلو بیوقوف..... انگلش کے لفظ نہ ہم کو سمجھ آتے ہیں اور نہ ہی تم جیسی انگلش بولنی آتی ہے۔''

''جی ویل کم جی!'' وہ باز نہ آیا تھا۔ اقصیٰ پھر قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ جہان آرا بیگم نا جی کے آگے آگے چلنے لگی تھیں ان کی چال میں وقار اور غرور دونوں ہی جھلک رہے تھے۔

''کیسے ہو سکندر؟'' اقصیٰ کی اب زبان کھلی تھی۔ ''یہ ہاتھ باندھ کر اس طرح میرے سامنے نہ کھڑے ہوا کرو۔''

سکندر نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''اچھا ہوں جی..... اور مالک اور ملازم کی پہچان ایسے ہی ہوتی ہے۔''

اقصیٰ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''میری طرف دیکھو!'' سکندر نے آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تو آنکھیں اقصیٰ کے چہرے پر ہی رہ گئیں۔ وہ کڑھتی ہوئی بولی۔ ''میری آنکھوں میں دیکھو۔''

''جی.....؟'' سکندر تقدیر کی ستم ظریفی اور اہلِ ظرفی پر حیران ہوتا ہوا اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

''میں نے کہا کہ میری آنکھوں میں دیکھو!'' اس بار سکندر اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی جرات کر گیا تھا۔

''جی میڈم؟'' اقصیٰ اس کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اُترنے لگی اور بولی۔

''ان میں کیا نظر آتا ہے کہ میں تمہاری مالکن ہوں؟''

''سکندر تھوک نگلتا ہوا بولا۔ ''جی میں سمجھا نہیں؟''

''ان نظروں میں پیار کو محسوس کرو سکندر؟'' یہ وہ فقرہ تھا جسے سننے کے لیے سکندر نے بہت سا سفر کیا تھا۔

''جی میڈم!..... پیار تو ہے لیکن.....؟'' وہ جان بوجھ کر بات کو ادھورا چھوڑتا ہوا خاموش ہو گیا۔

''ادھوری باتیں مجھے تکلیف دیتی ہیں سکندر!'' وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ''بات کو مکمل کرو سکندر!''

''یہ پیار اگر آپ کسی اپنے سٹیٹس والے سے کریں تو آپ کو اس کے بدلے میں بھی پیار ہی ملے گا۔'' سکندر اس کو پٹڑی پر لا رہا تھا اور وہ پٹڑی پر چڑھتی ہوئی بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم میرے پیار کا جواب پیار سے نہیں دو گے؟'' وہ چبھتے ہوئے انداز میں بولی تو سکندر مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

''میرا سٹیٹس اتنی بڑی جرات کر لیگا تو پیار کی شان میں گستاخی ہو گی!''

http://kitaabghar.com

''پیار سٹیٹس کا محتاج نہیں ہوتا۔'' اقصیٰ بھی اس کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''لیکن میں خوفزدہ ہوں میڈم!'' سکندر کا یہ ایک اور پیار بھرا تیر تھا جو سیدھا اقصیٰ کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔

''اقصیٰ کے ہوتے ہوئے تمہیں کسی سے بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''سکندر انسانوں سے نہیں ڈرتا میڈم!''

وہ اس کی بات سن کر ماتھے پر بل ڈالتی ہوئی پوچھنے لگی۔ ''پھر میں کیا سمجھوں کہ نام کا سکندر اور کام کا ماہر کیڑوں مکوڑوں سے ڈرتا ہے؟'' وہ ہنس کر اس تنقید اور طنز کو سہہ گیا اور بولا۔

''مجھے پیار سے خوف آتا ہے میڈم!'' اس کی بات سن کر اقصیٰ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتی ہوئی بولی۔

''پہلی ہی سیڑھی پر قدم ڈگمگا رہے ہیں تمہارے..... یہ منزلیں تو بہت کٹھن ہوتی ہیں نام کے سکندر؟'' اس نے آخری تین الفاظ اس طرح ادا کیے کہ سکندر کو یوں لگا کہ اس کی مردانگی پر طنز کیا گیا ہے لیکن اپنے جذبات کو الفاظ کا پیرہن اوڑھا کر اقصیٰ نے عقلمندی کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہے۔

''میں مقدر کا سکندر ہوں میڈم اقصیٰ..... وقت آنے پر ضرور بتاؤں گا.....'' وہ اپنے جذبات کو قابو کرتا ہوا بولا تھا۔ ''آپ نے مجھے بلایا تھا؟''

''مقدر کا سکندر.....؟'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسی تھی۔ اس لمحہ اُس کے گالوں کا ڈمپل سکندر کی جان لے گیا تھا۔ وہ غور سے اس کی طرف دیکھتا ہوا اپنی بے قرار دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتی ہوئی بولی۔

''کبھی موقع ملا تو ضرور آزماؤں گی کہ تم اپنے دعوے میں کتنے سچے ہو؟''

''میں اب جاؤں میڈم؟'' اس کو بے معنی گفتگو سے چڑ تھی اور وہ ویسے بھی اپنا کام کر چکا تھا۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتی ہوئی بولی۔

''پنچھی، پردیسی اور مسافروں کو جانے کی جلدی کیوں ہوتی ہے سکندر؟''

''لیکن میں ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوں میڈم!''

''تو پھر جانے کی بات کیوں کر رہے ہو؟'' سوال کیا گیا۔

''میں آپ کے پاس ہی ہوں۔'' جواب دیا گیا تو وہ پیار سے انداز میں بولی۔

''لیکن مجھے کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بہت دور کھڑے ہو۔'' اس کے لہجے کی تشنگی نے سکندر کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب اس کو بھی سوچ سمجھ کر بولنا تھا یا پھر خاموشی ہی اس سوال کا بہترین جواب تھی۔

''منہ میں زبان رکھنے کے باوجود بھی نہ بولنے والے لوگ مجھے گونگے لگتے ہیں..... میں نے کچھ پوچھا تھا سکندر!'' وہ اپنا سوال دہراتی ہوئی بولی تو سکندر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

http://kitaabghar.com

''بادل نیچے آ جائیں تو اُن کو پکڑنے کی تمنا دل میں جنم لے ہی لیتی ہے..... حالانکہ ان کی بارش میں بھیگنا ہی اچھا لگتا ہے۔''
اقصیٰ اُس کی بات سے متاثر ہو گئی تھی۔

''بارش کے پانی سے ہتھیلیاں گیلی ضرور ہوتی ہیں لیکن..... ہاتھ ہمیشہ خالی رہتے ہیں۔'' اقصیٰ بھی کافی کچھ جانتی تھی لیکن وہ سکندر کو قائل کرنے کے لیے اور بھی کہنا چاہتی تھی ایاز کو گیٹ سے اندر آتا دیکھ کر وہ عمارت کی جانب بڑھ گئی اور سکندر نے پہلی بار ایاز کو دیکھا تھا ایاز سمجھا کہ سکندر بھی کوئی گھر کا ہی فرد ہے اس لیے اُس نے اُس سے سلام لیا اور مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ سکندر اپنے کوارٹر کی جانب بڑھا تو ایاز اس کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا کہ وہ سکندر کو اس محل کا ہی فرد سمجھا تھا جبکہ وہ تو سرونٹ کوارٹرز کی طرف گیا تھا۔ وہ مطربہ سے اس بارے میں پوچھے یا نہ پوچھے..... وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ مطربہ کو آتا دیکھ کر وہ ذہنی طور پر تیار ہو گیا کہ اس کو پڑھایا جائے اور اس سے اس بات کو بھی کنفرم کیا جائے کہ ایاز مطربہ کو اپنی چھوٹی بہن کی طرح ہی سمجھتا ہے۔ کیا مطربہ کے دل میں بھی اس کا ایسا ہی احترام ہے؟

☆.....☆.....☆

پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد مطربہ بولی۔

''سر.....! مجھے ایقہ کی کال آئی تھی۔'' ایاز ایقہ کا نام سن کر جان بوجھ کر انجان بنتا ہوا بولا۔

''سوری؟'' مطربہ سمجھ گئی کہ ایاز کو ایقہ یاد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایک چھوٹی سی ملاقات تھی۔ وہ ایقہ کا حدود اربع بتانے لگی۔ ''سر! وہ ہمارے پاپا کے دوست ہیں جسٹس بصیر احمد..... ان کی چھوٹی بہن ہے اور میری دوست بن گئی ہے۔ اُس دن میں نے آپ سے ان کا تعارف تو کروایا تھا۔''

ایاز اچھا اداکار نہ تھا لیکن اس کو جسٹس بصیر احمد کا نام سن کر اچنبھا ہوا تھا کیونکہ اُس کی ماں اُنہی کے گھر میں کام کرتی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ایقہ اور وہ میڈم جو اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی وہ جسٹس صاحب کی بیٹیاں ہیں ایاز سوچنے لگا تو مطربہ پھر سے بولی۔

''آپ کو یاد آیا سر؟''

''جی مجھے یاد ہے..... وہ یقیناً میری شکایت ہی کر رہی ہوگی!'' ایاز کو یاد آ گیا کہ ایقہ نے ایکسیڈنٹ والی بات ہی کی ہوگی۔

''نہیں سر!..... وہ تو خاصی شرمندہ تھی۔'' ایاز حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''شرمندگی!..... کس بات کی شرمندگی مطربہ؟''

''سر! وہ کہہ رہی تھی کہ وہ جویریہ آپی کے ساتھ باتوں میں مگن تھی کہ اُس کی توجہ سامنے سڑک سے ہٹ گئی اور ایک بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا..... وہ آپ سے سوری کہہ رہی تھی سر!'' ایاز اس کی بات سن کر مسکرایا اور بولا۔

''انزاد کے.....! میری زندگی تھی..... میں بچ گیا..... ویسے آپ اُن سے کہہ دیں کہ میں نے اُن کو اپنا خون معاف کر دیا ہے سوری کی ضرورت نہیں ہے۔'' مطربہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی تھی۔

http://kitaabghar.com

''آپ عظیم ہیں بھائی!'' اُس نے کہا تو ایاز کے دل کی دھڑکنیں اللہ کے حضور شکر گزار ہو گئیں۔

''مطربہ! اگر تم بُرا نہ مناؤ تو مجھے بھی شمعون کی طرح بھائی ہی کہا کرو..... یہ سر مجھے بچھیا لگتا ہے۔'' مطربہ اس کی بات سن کر مسکراتی ہوئی بولی۔ ''اوکے سر بھائی!'' اس کے پیارے انداز پر ایاز کھلکھلا کر ہنس پڑا تو ایاز نے دیکھا کہ نعمان ایزد اُنہی کی طرف ہی آ رہے تھے۔ وہ مطربہ سے بولا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کے پاپا آ رہے ہیں؟'' ایاز نے پہلی بار نعمان ایزد کو دیکھا تھا۔ اُس نے کئی بار ٹی وی اور اخبارات میں نعمان ایزد کی تصاویر دیکھی تھیں۔ لیکن آج نعمان ایزد ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ایاز ان کی پرسنالٹی سے خاصا متاثر نظر آنے لگا تھا۔

''السلام علیکم سر!'' ایاز نے چھوٹا ہونے کے ناطے سلام لینے میں پہل کی اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تو نعمان ایزد نے بھی اس کا ہاتھ سلام لینے والے انداز میں تھاما ہی تھا کہ ایک انجان سی تڑپ دونوں نے ہی اپنے اپنے دلوں میں محسوس کی تھی۔ نعمان ایزد اور ایاز جان نہ سکے کہ وہ کیسا لمحہ تھا کہ اُن کے دلوں میں ایک ایسی کھنچ پڑی تھی جو بے نام اور بے معنی نہ تھی۔

''بابا جان! یہ میرے سر ہیں..... سر ایاز..... اور شمعون بھائی کے کلاس فیلو ہیں۔'' مطربہ نے ایاز کا تعارف کروایا۔

''ناٹس ٹو میٹ یو ینگ مین!'' انہوں نے ایاز کا ہاتھ ہلاتے ہوئے چھوڑتے ہوئے کہا۔

''اور سر! آپ جانتے ہی ہوں گے اس ملک کی موسٹ پاپولر ملٹی میلینئر پرسنالٹی مائی پاپا نعمان ایزد!'' مطربہ کا انداز ٹی وی چینل کی کسی کمپیئر جیسا تھا۔ نعمان ایزد مسکرانے لگے تو ایاز بولا۔

''ان کو کون نہیں جانتا..... ہمارے ملک کا بیش قیمت سرمایہ ہیں آپ۔'' ایاز نے پہلا فقرہ مطربہ اور دوسرا نعمان ایزد سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''میں نے آپ دونوں کو سٹڈی میں دخل اندازی کر کے ڈسٹرب تو نہیں کیا بیٹا!'' انہوں نے ایاز سے پوچھا تو وہ مروتاً نہیں بلکہ دل سے بولا۔ ''نہیں نہیں سر..... بلکہ مجھے تو بہت اچھا لگا آپ سے مل کر..... اور ویسے بھی..... مطربہ کی پڑھائی کا وقت ختم ہو گیا تھا۔''

''تو پھر ٹھیک ہے..... آپ لوگ بیٹھو..... چائے وغیرہ پیو..... مجھے کچھ کام ہیں۔'' انہوں نے جاتے ہوئے ایک بار پھر ایاز سے ہاتھ ملایا تو ایک نامعلوم سا کرنٹ دونوں کی رگوں میں دوڑنے لگا تھا۔ نعمان ایزد نے جلدی سے ہاتھ واپس کھینچا اور زبردستی مسکراتے ہوئے عمارت کے دوسرے حصے کی جانب بڑھ گئے۔

''سر! کیسا لگا پاپا جان سے مل کر؟'' مطربہ ہونٹوں پر مسکان سجاتی ہوئی بولی۔

''مجھے تو بہت ہی اچھا لگا ہے۔ اب تم اُن سے بھی پوچھ لینا.....'' دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔ ان کی اس ہنسی کو دور کھڑکی میں کھڑی اقصیٰ اور ہی رنگ دے رہی تھی۔ اور وہ اپنے دانت پیس رہی تھی۔ کیونکہ ایاز نے اس کو لفٹ ہی نہ کرائی تھی اور اقصیٰ کو اس طرح اپنے نظر انداز ہونے کا ملال آج بھی تھا اور وہ ایاز کو نیچا دکھانے کے لیے پلان بنانے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

نعمان ایزد نے ریشم کو دیکھتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اُس کو آفس میں بلانے کے لیے انٹرکام کا بٹن پریس کر دیا۔ ریشم کو معلوم تھا کہ اس کی حرکات وسکنات کو بلائینڈ شیشے کے ذریعے دیکھا جا رہا ہے۔ وہ انٹرکام کی گھنٹی سن کر اپنے آپ کو درست کرتی ہوئی آفس میں داخل ہو گئی۔

نعمان ایزد نے اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذ پر درج ذیل تفصیل دیکھی اور ایک نظر ریشم کی طرف دیکھا اور بولے۔

''اس کا مطلب ہے کہ آج شام کو اسمبلی کے اجلاس میں جانا ہوگا؟''

''جی سر! تفصیلات میں یہی درج ہے۔'' وہ ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ نعمان ایزد اُس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔ ''آج سے پہلے تک کہاں چھپی رہی ہو؟'' اس سوال کی توقع وہ کافی دنوں سے کر رہی تھی کیونکہ اس نے باس کی آنکھ میں فتور دیکھ لیا تھا۔ اور وہ اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لیے الفاظ کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئی تھی اور ابھی تک باس نے اُس سے کوئی ایسا کام بھی نہ لیا تھا جو کہ پرسنل سیکریٹری کی کیٹگری کے زمرے میں آتا وہ آفس میں آ کر آرام دہ کرسی پر بیٹھتی اور وقت پورا ہونے پر گھر چلی جاتی تھی۔

''میں سمجھی نہیں سر!'' وہ انجان نہ تھی لیکن اس لمحہ انجان بننے کی اداکاری ضروری تھی وہ باس کو اپنی زلفوں کا اسیر بنا کر اس کو ترقی کا زینہ سمجھتی ہوئی اک خاص ادا سے بولی تو نعمان ایزد اسی ادا پر فریفتہ ہوتے ہوئے بولے۔

''تم سے پہلے بہت سی لڑکیوں نے اس آفس میں کام کیا ہے لیکن ایک ماہ بعد ہی کام زیادہ ہونے کا بہانہ کر کے بھاگ گئیں یا پھر اُن کی ماؤں نے اجازت نہ دی کہ وہ مزید کام کریں..... تمہارا کیا ارادہ ہے ریشم!''

نعمان ایزد اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے تو وہ ان کو حریصانہ گھائل کرتی ہوئی کہنے لگی۔

''میرے کچھ خواب ہیں سر! میں ان کو پورا ہونے تک اپنی آنکھیں نہیں کھولنا چاہتی۔''

''اگر ان خوابوں کو حقیقت مل جائے تو.....؟'' نعمان ایزد نے ٹھہرے پانی میں کنکر پھینکی تو ریشم کے جذبات میں اک ہلچل سی مچ گئی۔ وہ بے تاب ہو کر ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیا یہ ممکن ہے سر؟'' نعمان ایزد نے تعاون پا کر اپنی کرسی چھوڑی اور ریشم کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے اور تھوڑا سا جھکتے ہوئے اس کے کندھے پر اپنا سر رکھتے ہوئے بولے۔

''اگر تم چاہو تو.....؟'' ریشم ایک بار تو لرز گئی تھی۔ نعمان ایزد گزشتہ دنوں میں اتنی قریب کبھی بھی نہ ہوئے تھے۔

''مجھے کیا کرنا ہوگا سر؟'' اُسے اپنی آواز کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور سینے کی بے ترتیبی جن دھڑکنوں کی بدولت ہو رہی تھی وہ ان پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

نعمان ایزد کے آوارہ ہاتھ اس کے کندھوں پر نیچے تو اس نے ایک بار تو خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور ہچکچاتی ہوئی بولی۔

''پلیز سر.....'' اتنا سننا ہی تھا کہ نعمان ایزد کے ہاتھ ایک جھٹکے سے اس کے کندھوں سے ہٹ گئے۔

http://kitaabghar.com

''اپنی سیٹ پر جاؤ ریشم.....'' وہ گھوم کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور اس کی بدلتی ہوئی کیفیت پر غور کرنے لگے اور بولے۔

''تمہارا اپنا گھر اپنی گاڑی اور اچھے لباس اور وہ سب کچھ جو تم نے سوچ رکھا ہے یا پھر تمہاری سوچ ہی ہوگی۔ سب کچھ ملے گا.....

تمہاری ہاں چاہیے بس۔'' یہ کہہ کر نعمان ایزد کمپیوٹر پر مصروف ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اب ریشم کو وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ وہ اٹھی اور اپنی کرسی پر پہنچنے کے لیے دروازہ کھول کر واپس اپنی جگہ پر پہنچ گئی۔

''کیا ہوا ریشم! گھبرا گئی ہو؟'' اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا تو کوئی بھی پاس نہ تھا۔ ''میں تمہارے اندر ہوں۔''

دوبارہ آواز اُبھری تو اس نے سر کو جھکا لیا۔ ''یا پھر خواب دیکھنا چھوڑ دو یا پھر ان کی تعبیر کو پانے کے لیے اپنا آپ حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔''

''میری عزت؟'' وہ خود سے لڑنے لگی تھی لیکن اس کی اپنی آواز صرف وہی سن سکتی تھی۔

''اونہہ! عزت.....؟ وہ دور گزر گیا ہے کہ جب لوگ صرف عزت دیا کرتے تھے آج کا دور جدید دور ہے ریشم جدید دور..... کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی اپنانا پڑتی ہے۔''

''کچھ دو.....؟ تو کیا میں اپنی عزت ہی دے دوں؟'' وہ پھر اندر کی کشمکش میں اُلجھ گئی تھی۔

''اور کیا ہے تمہارے پاس..... وہ تمہیں اتنی بڑی آفریں کر رہے ہیں؟ تمہارے حسن کی وجہ سے، تمہاری اداؤں کی وجہ سے۔ تمہارے سمارٹ فیگرز کی وجہ سے اور تمہاری اداؤں کی وجہ سے۔''

''نہیں نہیں..... میں اپنی عزت داؤ پر لگا کر نیا گھر نہیں لے سکتی۔'' وہ خود سے پھر لڑ گئی۔

''تو پھر ٹھیک ہے ریشم بی بی..... ابھی اُٹھو اور یہاں سے چلی جاؤ..... دوبارہ اس آفس میں نہ آنا..... چلی جاؤ۔''

ریشم کو اندر سے الفاظ کے تھپیڑ پڑنے لگے تھے وہ گومگو کی حالت میں اندر داخل ہوئی تو نعمان ایزد اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولے۔

''لوٹ آئی ہو ریشم؟''

''نہیں سر..... میں واپس جانے کے لیے آئی ہوں۔'' اس نے ہمت کر کے کہا تو نعمان ایزد اُٹھ کر اس کے پاس آئے تو ان کی سانسیں ریشم اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی تھی۔ انہوں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرا اور بولے۔ ''جوانی کے چند سال گزر جانے کے بعد انسان کی وہ قیمت نہیں لگتی جس کو وہ اپنی بے وقوفی اور جذباتی پن سے ٹھکرا چکا ہوتا ہے۔'' ریشم کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں اور وہ مرد کے چھونے پر مرد کی حسیات سے آشنا ہوتی ہوئی مسحور کن انداز میں آنکھیں بند کرتی ہوئی بولی۔

''پلیز سر! مجھے جانے دیں.....'' لیکن نعمان ایزد نے اس کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ''اپنے خوابوں کو تعبیر دینے نکلی ہو تو..... پھر پہلی ہی سیڑھی سے واپس کیوں لوٹ رہی ہو؟'' وہ زندگی میں پہلی بار مرد کی بانہوں کا لمس محسوس کرتی ہوئی موم کی مانند پگھل رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

''آگے بہت اندھیرا ہے سر؟''

''میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر ان اندھیروں میں راستہ دکھاؤں گا۔'' نعمان ایزد کے ہونٹوں نے ایک بدتمیزی کی تو وہ تڑپ کر رہ گئی اور آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دلفریب مسکراہٹ سے مسکرائے اور ریشم کے دل میں اُتر گئے۔

''پلیز سر! مجھے جانے دیں۔'' یہ ریشم کو بھی معلوم تھا کہ اب اُس کے الفاظ میں وہ جان نہیں تھی۔ وہ موم کی طرح پگھل گئی تھی۔ پہلی بار کسی مرد نے اس کو اپنی بانہوں میں بھرا تھا۔ اس کے چہرے پر مردانہ ہونٹوں نے ایک بدتمیزی کی مہر ثبت کی تھی۔ وہ حیران رہ گئی جب نعمان ایزد نے اُسے چھوڑ دیا اور واپس اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ انہوں نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر گنے اور ریشم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''یہ تمہاری تنخواہ سے باقی دس ہزار ہیں..... میں کسی کا حق نہیں رکھتا ریشم! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''اس نے پیسے پکڑ لیے اور بولی۔'' لیکن سر..... ابھی تو مہینہ پورا نہیں ہوا؟''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ کمپیوٹر پر مصروف ہو گئے۔ ''تم کل سے آنا چاہو تو ویل کم! اگر نہیں دل مانے تو کوئی بات نہیں.....'' اس کا مطلب تھا کہ انہوں نے ریشم کو بیس دنوں بعد ہی پورے مہینے کی تنخواہ دے دی تھی اور اس کو نوکری سے فارغ بھی کر دیا تھا۔

''لیکن سر؟'' وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ نعمان ایزد بولے۔

''مجھے دکھ ہوگا کہ تمہارے خواب خواب ہی رہیں گے۔ اس شہر میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو تمہارے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکے..... لیکن ریشم..... مجھے تم بہت اچھی لگی ہو..... اس لیے میرے آفس کے دروازے میری ان بانہوں کی طرح ہمیشہ تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔''

نعمان ایزد سیاسی کھلاڑی تھے۔ انہوں نے جال ہی ایسا بچھایا تھا کہ ریشم اس جال میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر جال سے نکلے گی تو خونخوار عقابوں کی تیز نظریں اس کے وجود میں گھب جائیں گی اور خونخوار بھیڑیوں کی طرح نوکیلے دانتوں والے انسان اپنی اپنی ہوس کی خاطر پتہ نہیں اسکے وجود کو کتنا بھنبھوڑیں گے اس نے آنکھوں میں آنے والی نمی کو اپنی انگلی کی پور سے صاف کیا اور آفس سے باہر نکل گئی۔

نعمان ایزد نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھی ہوئی اندرونی کشمکش سے نبرد آزما ہو رہی تھی۔ نعمان ایزد نے بڑا جوا کھیلا تھا۔ روپے پیسے کی اس کے لیے کوئی اہمیت نہ تھی۔ اگر ریشم واپس بھی نہ آتی تو اس کو بیس ہزار کے جانے کا دُکھ نہ ہوتا۔ لیکن وہ اس عمر میں ریشم پر اپنا دل ہار بیٹھے تھے۔ ان کے مطابق ریشم کو واپس آنا ہی پڑے گا۔

☆.....☆.....☆

بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کا چمکنا اس بات کا اشارہ دے رہے تھے کہ آج چھاجوں مینہ برسنے والا ہے۔ صائمہ اپنی چارپائی پر لیٹی

http://kitaabghar.com

اسی پریشانی میں مبتلا تھی کہ اگر بارش برسنا شروع ہوگئی تو پھر ان کے اکلوتے کمرے کی چھت بھی ٹپکنا شروع ہو جائیگی۔ اُس نے آس لگائی تھی کہ ریشم کی تنخواہ کی باقی رقم آنے پر وہ چھت کو ٹھیک کروائے گی۔ اور اس گھر کو (کوارٹر) ورنگ وروغن بھی کروالے گی کیونکہ اب اس نے ریشم کی شادی کی بھی تیاریاں کرنا تھیں اور اس کام کے لیے گھر کا صاف ستھرا ہونا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ رشتہ دیکھنے والے صرف رشتہ ہی نہیں دیکھتے تھے بلکہ گھر کی حالت اور مکینوں کے رہن سہن کو بھی دیکھتے تھے اور چھوٹی سی چھوٹی چیز کو بھی اس طرح باریک بینی سے دیکھتے تھے کہ کہیں ان کے بیٹے کو کوئی تکلیف یا دقت نہ ہو۔

ریشم نے بادلوں کی کڑک سے گھبرا کر صائمہ کی چارپائی پر پناہ لینے میں ہی عافیت سمجھی کیونکہ اس کو بجلی کڑکنے سے بہت ہی خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس نے ابھی تک صائمہ کو یہ نہ بتایا تھا کہ اس کو باقی کے بھی دس ہزار مل گئے ہیں اور اس کو نوکری سے بھی فارغ کر دیا گیا ہے.....اس کی لاکھ دو سوچوں میں نعمان ایزد کے وجود کا عکس چھایا ہوا تھا۔ وہ ان لمحات کو بھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو اس نے نعمان ایزد کی بانہوں میں گزارے تھے۔ اور پھر وہ یکدم چونک گئی کہ جیسے ابھی کے ابھی اُن کے ہونٹوں نے شرارت کر دی ہو۔

''کیا ہوا ریشم؟'' صائمہ اس کے چونک کر ہلنے سے ہی ہل گئی۔

''کچھ نہیں امی!'' وہ کمزور سی آواز میں بولی تو صائمہ جو کہ جہاندیدہ عورت تھی اس کی طرف دیکھے بغیر ہی بولی۔

''آج تم خاموش ہو..... کہیں باس نے ڈانٹ تو نہیں دیا میری بچی کو؟''

''ایک بات تو بتاؤ امی؟'' وہ سوگواری لیے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''پوچھو تم کیا پوچھنا چاہتی ہو؟'' صائمہ کی سہماس بھری آواز نے اس کو کافی دلاسہ دیا تھا۔

''اگر بارش اور سورج کی کرنیں غریب کی جھونپڑی اور امیر کے محل پر یکساں ہی پڑتی ہیں تو پھر کاتب تقدیر نے محل اور جھونپڑیوں کا سلسلہ ہی کیوں بنایا ہے؟'' صائمہ نے اس کے منہ سے پہلی بار ایسی فلسفیانہ بات تھی لیکن صائمہ نے یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ آج ریشم کافی اداس ہے۔

''اگر امیر اور غریب کا فرق نہ ہوتا تو میری بچی، دن اور رات کا بدلنا، دھوپ اور چھاؤں کا کھیل، شاہ اور فقیر بادشاہی اور کشکول میں کوئی فرق نہ ہوتا۔'' صائمہ نے اس کو مطمئن کرنے کے لیے اپنی عقل کے مطابق جواب دیا تھا۔

''مجبوری اور ضرورت میں کیا فرق ہے امی؟'' دوسرا سوال تھا۔

''دونوں ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں انسان کو اپنا آپ بیچنا پڑتا ہے۔''

''ہاں میری بچی! اپنا آپ۔'' صائمہ کا غمگین لہجہ اس کو بھی دہلا رہا تھا۔ ''خریدار کبھی بھی یہ نہیں سوچتا کہ بکنے والے کی کیا مجبوری ہے۔ وہ صرف خریدنا جانتا ہے۔ اور اس کے خریدنے کے رنگ نرالے اور قیمت اپنی مرضی کی ہوتی ہے۔''

''اور اگر کوئی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو تو پھر مجبور کیا کرتا ہے؟'' صائمہ نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا تو اس کو آج ریشم کافی

http://kitaabghar.com

سمجھدار لگی تھی جو ایسی باتیں پوچھ رہی تھی۔

''مجبور..... مجبور کیا کر سکتا ہے..... کچھ بھی نہیں۔ صرف آسمان کی جانب منہ کر کے کاتب تقدیر سے شکوہ ہی کر سکتا ہے۔''

بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور تیز ترین نے ریشم کو اور بھی خوفزدہ کر دیا تھا۔ بارش شروع ہو گئی تھی۔ ایاز نے بھی بے زاری سے آنکھیں کھولیں اور بارش کی آواز سن کر بولا۔

''گھر کے برتن اکٹھے کر لو..... جگہ جگہ رکھنے کے لیے۔'' صائمہ ہنستی ہوئی بولی۔

''یہ تو شکر ہے کہ اپنی چھت ہے..... وہ بھی تو ہم جیسے لوگ ہیں جن کے پاس چھت بھی نہیں ہے اور وہ بیچارے کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔''

''اور وہ بھی تو ہیں جن کے بڑے بڑے پختہ قلعوں جیسے محل ہیں۔'' ریشم بولی تو ایاز اس کو سمجھاتا ہوا بولا۔

''شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنی محنت اور لگن سے ان محلوں کے مالک بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔'' وہ چارپائی سے اُٹھتا ہوا دیگچی، پتیلے اور ٹب اس جگہ پر رکھنے لگا جہاں جہاں سے چھت سے پانی ٹپکنا شروع ہو گیا تھا۔

''ان محلوں کی مالک بننے کے لیے میں محنت کروں گی.....'' وہ بڑبڑائی تو صائمہ ہنسنے لگی اور بولی۔

''ہاں! قبر کی مٹی تک پہنچ جاؤ گی تب بھی محل نہیں بنا پاؤ گی۔''

''آپ مجھے بددعا دے رہی ہیں امی؟'' اس کی آواز میں حیرت اور غم نمایاں تھا۔

''نہیں بددعا نہیں دے رہی بلکہ..... یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ اب چھپر پھاڑ کر ملنے والے محاورے رونما ہونا بند ہو گئے ہیں۔''

صائمہ اور ایاز ہنسنے لگے مگر وہ سنجیدگی سے بڑبڑائی۔

''ہمیں سب سے زیادہ ہی ملے گا ایاز، فکر نہ کرو..... میں اپنی مجبوریاں بیچنے کے لیے ایک بہت ہی ضرورت مند خریدار ڈھونڈ چکی ہوں.....'' اس کی نظریں ٹپکنے والی چھت پر ٹکی ہوئی تھیں اور اس کا منہ اوپر کی جانب تھا۔ اور اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ کاتب تقدیر سے شکوہ نہیں کر رہی بلکہ اس کی لکھی ہوئی تقدیر سے ٹکرانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ وہ اپنے خوابوں کو اس طرح حقیقت کا رنگ دے گی کہ لوگ اس کی ترقی پر عش عش کریں گے اور وہ اس گھر کو بھی نہیں چھوڑے گی بلکہ اپنے محل میں جانے کے بعد یہ گھر اپنی ہی طرح کی کسی ضرورت مند فیملی کو دے دیگی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ نعمان ایزد کو اپنا دام بنائے گی اپنا خواب بنائے گی اور وہ اس کو خرید بھی لے گا کیونکہ ریشم نے جو لمس اس کا محسوس کیا تھا..... ویسا ہی لمس نعمان ایزد نے بھی محسوس کیا ہوگا۔ یہ ریشم کا خیال تھا۔ وہ اپنی پلانگ میں لگی تھی جبکہ تقدیر اس کی بیوقوفی پر مسکرا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

شہر کے مہنگے ترین شاپنگ سنٹر میں اس وقت سکندر اور اقصیٰ موجود تھے۔ اقصیٰ نے کچھ مردانہ کپڑے خریدے تھے اور کچھ اپنے لیے خریداری کی تھی۔ وہ واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور سکندر کو ایک مشہور ریسٹورنٹ کی طرف گاڑی موڑنے کا کہا۔ اس کی ہدایت پر گاڑی

http://kitaabghar.com

ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ کر رک گئی تو اقصیٰ سکندر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کھانے میں کیا پسند کرو گے سکندر؟'' سکندر اتنی مہربانی پر اس کی طرف دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُسے اپنی سماعتوں پر شک ہونے لگا تھا اس کو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ سوال اس سے ہی کیا گیا ہے۔ وہ اس شک کو دور کرنے کے لیے خاموش ہی رہا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟'' سکندر اس مہربانی پر مسکرایا اور بولا۔

''میں ایک ملازم ہوں میڈم اور میری اتنی اوقات نہیں کہ میں آپ کو کچھ مشورہ دوں۔'' اقصیٰ اس کی طرف ایک خاص ادا سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''میری طرف دیکھو سکندر!'' سکندر اس بار اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے ملازم ہی رہنے دیں اقصیٰ میڈم!''

''تم کیا ہو سکندر..... یہ میرے دل سے پوچھو..... تم بڑے ظالم ہو..... تم نے میرا چین و قرار لوٹ لیا ہے۔ میری راتوں کی نیندیں چھین کر کہتے ہو کہ تم ملازم ہی رہو گے..... تم اس کے قابل نہیں ہو..... تم میرے دل کے راجہ ہو سکندر..... میرے مقدر کے سکندر ہو.....'' سکندر نے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر اس کو ارگھائل کرتے ہوئے کہا۔

''آپ مذاق اچھا کر لیتی ہیں اقصیٰ میڈم!'' اور نگاہیں جھکا لیں۔ وہ اسٹیرنگ سیٹ پر تھا اور اقصیٰ اس کے برابر والی سیٹ پر اس کے پہلو میں براجمان تھی۔ وہ سکندر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھتی ہوئی بولی تو سکندر کے تن بدن میں آگ سی بھڑکنے لگی تھی۔

''سکندر! اس دل کی دھڑکنوں کو سنو۔ کیا یہ تمہارا ہی نام نہیں پکارتیں۔'' سکندر نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور اپنے دھڑکتے دل اور جذبات پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''آپ جو بھی کھانا چاہتی ہیں منگوا لیں۔'' وہ دروازہ کھول کر ریسٹورنٹ کی جانب جانے لگا تو اقصیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔ ''میں اندر جا کر کھانا نہیں کھا سکتی۔'' سکندر کی آنکھوں میں استفسار دیکھ کر وہ پھر بولی۔ ''اندر میرے پرستار اور دیگر لوگ مجھے سکون سے کھانا کہاں کھانے دیں گے.....'' اقصیٰ نے اپنی مجبوری بتائی تو سکندر دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا اور ہارن بجا کر ویٹرز کو متوجہ کیا تو اندر سے ایک ویٹر بھاگتا ہوا آیا اور سکندر کی طرف کھڑا ہو گیا۔ سکندر نے شیشہ نیچے کرتے ہوئے اس سے مینو کارڈ لیا اور اقصیٰ کی جانب بڑھا دیا۔

اقصیٰ نے کارڈ پکڑ کر سرسری سی نگاہ ڈالی اور ویٹر کو آرڈر دینے لگی۔ دو انسانوں کے کھانے کا آرڈر دیا گیا تو سکندر تقدیر کی مہربانی پر دل ہی دل میں اس کا شکر گزار ہو گیا۔ اقصیٰ اس سے اپنی چاہت کا اظہار کر چکی تھی لیکن سکندر نے ابھی تک اس کو راہ میں ہی لٹکا رکھا تھا۔ ویٹر کے جانے کے بعد اقصیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو سکندر ذہنی طور پر چوکنا ہو گیا۔

''سکندر!'' وہ پھر بولی۔ ''میں نے جب سے تمہیں پہلی بار سے دیکھا ہے پتہ نہیں کیوں دل چاہتا ہے کہ تمہیں ہی دیکھتی رہوں۔ میرے حواس پر، میرے دل پر، میری دھڑکنوں پر تمہاری ہی حکمرانی کیوں ہو گئی ہے سکندر! کیوں ایسا کیوں ہے؟'' اس نے سکندر کا ہاتھ چھوڑ کر اس کو شرٹ سے پکڑ کر جھنجھوڑا تو شرٹ کے بٹن ٹوٹ کر گر گئے۔ بلکہ اقصیٰ کے تیز ناخن بھی سکندر کے بدن پر اپنا نشان چھوڑ گئے

http://kitaabghar.com

تھے۔ سکندر نے پہلی بار جرات کرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بولا۔

''اپنے آپ کو سنبھالیے اقصیٰ میڈم!'' سکندر کے ہاتھوں میں اقصیٰ کی کوری کوری نازک کلائیاں تھیں۔ وہ انکو خوشگوار انداز میں دیکھنے لگی تو سکندر نے اپنے بچاؤ کے لیے اس کے پکڑے ہوئے ہاتھ چھوڑے اور اپنی شرٹ درست کرتا ہوا بولا۔ ''مانا کہ پیار جنون کا نام ہے لیکن..... پیار تحمل اور صبر کا بھی نام ہے۔''

''مجھ سے اب صبر نہیں ہوتا سکندر پلیز..... میری محبت کا جواب محبت سے دو..... میری چاہت کو چاہت سے کیوں نہیں چاہتے..... کیوں میرے جذبات کی قدر نہیں کرتے تم..... سکندر..... میں مر جاؤں گی..... میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔'' اس کی چیخیں گاڑی سے باہر جا سکتی تھیں اگر شیشے نہ چڑھے ہوتے۔

''خود پر قابو رکھیں اقصیٰ میڈم!''

''میڈم.....؟ زہر لگتا ہے مجھے یہ لفظ۔ سارا سارا دن اس لفظ کو اپنی فیلڈ میں سن سن کر تنگ آ گئی ہوں میں..... تم جانتے ہو کہ میری فیلڈ میں کئی لڑکے میرے حسن پر مرتے ہیں۔ وہ میرے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے بھی تیار ہیں..... لیکن پتہ نہیں کیوں..... کیوں مجھے وہ سب نقلی اور مارشی لگتا ہے..... میں ایسا دوست چاہتی ہوں جو میرے جذبات کی سچے دل سے قدر کرے۔ جو میری چاہت کو سمجھے..... مجھے دل سے پیار کرے..... اور ایسا مجھے اپنی فیلڈ میں کوئی بھی نظر نہیں آیا.....'' وہ ہذیانی انداز میں بول رہی تھی۔ سکندر نے اس کو بولنے دیا وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک جاتی ہے۔ ''لیکن تمہیں پہلی بار دیکھا..... دیکھا تو دل میں ہلچل مچ گئی..... دل کے مندر میں بجنے والی گھنٹیوں نے مجھے تمہارے ہی نام کا راگ سنانا شروع کر دیا تھا..... سکندر..... میری جان.....'' اس نے حیران و مستعجب سکندر کی گود میں اپنا سر رکھ دیا تو وہ چونک پڑا۔

''اقصیٰ میڈم! کھانا آ رہا ہے۔'' اس نے ویٹر کو دیکھ لیا تھا کہ وہ کھانا لے کر آ رہا تھا۔ اقصیٰ نے سنا تو ڈبے سے ٹشو نکالتی ہوئی اپنے آنسو صاف کرنے لگی اور شیشے میں دیکھ کر اپنا چہرہ بھی ٹشو سے صاف کیا اور اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹے اور آنکھیں بند کر کے لمبی لمبی پرسکون سانسیں لینے لگی۔

سکندر نے شیشہ نیچے کر کے کھانا پکڑ لیا اور دونوں کے درمیان رکھ دیا۔

''کھانا شروع کرو سکندر۔''

''آپ شروع کریں۔'' سکندر کے کہنے پر اقصیٰ نے کھانا شروع کیا تو وہ بھی پہلی بار نعمان ایزدی کی بہن کے ساتھ کھانا کھانے میں شریک ہو گیا۔ وہ جھجک رہا تھا۔ شاید اقصیٰ نے بھی اس بات کو محسوس کیا اور بولی۔

''کھانا اچھی طرح کھاؤ سکندر.....'' وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کھانے لگا۔

''آج کے بعد میں تمہارے منہ سے میڈم کا لفظ نہ سنوں۔'' اس نے کھانا ختم کر لیا تھا۔ اور سکندر نے ''جی'' کہنے میں ہی عافیت سمجھی

http://kitaabghar.com

تھی۔ ویٹر کو برتن اور بل دے دیا گیا تو وہ بولا۔ ''اب کدھر جانا ہے''

''جہاں بھی دل چاہے لے چلو سکندر! میں تمہارے ساتھ کہیں بھی جانے کو تیار ہوں۔''

''میں کل سر جی کے ساتھ اسلام آباد جا رہا ہوں۔'' وہ بولا تو اقصیٰ تڑپ کر رہ گئی۔

''لیکن کتنے دنوں کے لیے؟'' اس کی آواز میں حسرت تھی۔ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' اس بار بھی اس نے جان بوجھ کر میڈم کہنے سے اجتناب کیا تھا۔

''کیوں.....؟ تم ان سے پوچھتے نہیں ہو کہ کتنے دن لگیں گے۔ کتنا کام ہے؟'' وہ غصے میں لگ رہی تھی۔

سکندر نے گاڑی گھر کی جانب دوڑا دی اور بولا۔

''میری اتنی مجال کہاں کہ میں اُن سے یہ پوچھ سکوں۔''

''کیوں؟'' اس نے حیرت میں ڈوبے ہوئے کہا تو وہ طنزیہ مسکراہٹ سجاتا ہوا بولا۔

''شاید آپ یہ بھی بھول گئی ہیں کہ میں ملازم ہوں۔ اور نعمان ایزد کے کسی بھی ملازم کی اتنی جرات نہیں کہ اُن سے سوال کر سکے۔''

''ملازم، ملازم، ملازم.....'' اس نے زور سے مٹھیاں بھینچ لیاں۔ ''یہ تقدیر بھی انوکھی اور ظالم شے ہے سکندر..... مجھے کچھ کرنا پڑے گا۔'' سکندر نے لوہا مکمل طور پر پگھلا دیا تھا اب اس پر چوٹ لگانے کی دیر نہیں کرنا چاہیے تھی اور سکندر نے واقعی دیر نہیں کی اور بولا۔

''کیا کریں گی آپ.....؟'' اقصیٰ نے اس کی طرف غصے سے دیکھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ آپ سر جی سے پوچھیں گی کہ وہاں کتنے دن لگیں گے؟'' وہ سڑک کے پار دیکھنے لگی اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''نہیں..... میں اپنا کام کروں گی..... ایسا کام کہ تمہیں یہ احساس کبھی بھی نہ ہو کہ تم ملازم ہو۔''

''میں سمجھا نہیں اقصیٰ۔'' یہی وہ چوٹ تھی جو لوہے کی ہیئت ہی بدل گئی۔ وہ قربان ہو جانے والی نظروں سے سکندر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''تم نے میرا نام لیا.....؟ تم نے مجھے اقصیٰ..... صرف اقصیٰ ہی کہا ہے؟'' وہ تصدیق کرنے والے انداز میں بولی تھی۔ ''پھر سے کہنا..... پھر سے کہو۔ کیا کہا تھا تم نے سکندر۔ پلیز..... میری جان پھر سے کہو۔'' لوہا مسلسل پگھل رہا تھا۔ ''اقصیٰ..... اقصیٰ اقصیٰ۔'' سکندر نے دھڑا دھڑ زوردار چوٹیں لگائیں تو وہ اس پر قربان ہی ہو گئی۔ وہ قہقہے لگانے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اس کو کوئی بہت بڑا خزانہ مل گیا ہو۔

''اب تم دیکھنا کہ اقصیٰ تمہارے لیے کیا کرتی ہے؟'' اس کے الفاظ وزنی اور ارادہ مصمم تھا۔

''میرے لیے؟'' وہ تیوروں جیسی شکل بناتا ہوا بولا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''تمہارے لیے نہیں..... بلکہ اپنے لیے، اپنی جان کے لیے۔'' وہ آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے کندھے سے اپنے سر کو ٹکا چکی تھی وہ یہ نہ دیکھ سکی کہ سکندر اپنی آسان کامیابی پر کتنا خوش تھا اور یہ خوشی اس کے ہونٹوں پر بلکہ اس کی آنکھوں میں مسکان بن کر ناچنے لگی

http://kitaabghar.com

تھی۔ سکندر نے بہت مشکل ٹارگٹ انتہائی کم وقت میں پورا کرلیا تھا اور اس کی جیت میں تقدیر کی مہربانی اور صائمہ کی دعائیں بھی شامل تھیں۔

☆.....☆.....☆

انیقہ نے احتجاجی طور پر کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ جویریہ آپی کی منگنی میں وہ اس شرط پر شرکت کریگی اگر اس کے لیے ٹیوٹر کا بندوبست کیا جائے۔ اب ایمرجنسی میں انتظام کرنا تو مشکل تھا۔ اب گھر کے تمام افراد کھانے کی میز پر جمع تھے اور صائمہ کھانا لگا کر ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اور جسٹس صاحب انیقہ کی طرف دیکھ رہے تھے جس نے کھانا نہ کھانے کا تہیہ کر رکھا تھا جبکہ انفر کھانا اس لیے نہ کھا سکتا تھا کہ بصیر احمد اور تانیہ بھی نہیں کھا رہے تھے۔

''کیا بات ہے انیقہ بیٹی کھانا کیوں نہیں کھا رہی۔'' صائمہ نے پوچھا تو بصیر احمد مسکراتے ہوئے بولے۔

''صائمہ بہن، اب ماشاءاللہ جویریہ کی منگنی ہو جائیگی اور پھر پتہ نہیں کب نعمان ایز دشادی کا بھی کہہ دے۔'' بصیر احمد صائمہ کو تفصیل بتا رہے تھے تاکہ اس کی سمجھ میں انیقہ کا احتجاج آجائے۔

''تو اس میں انیقہ بیٹی کا کھانا نہ کھانے کی سمجھ نہیں آئی۔''

''صائمہ بواء میرے پیٹ میں تو چوہے دوڑنے لگے ہیں کچھ حل تلاش کریں پلیز۔'' انفر پیٹ پر ہاتھ رکھتا ہوا عاجزی سے بولا تو تانیہ بیگم بولیں۔ ''جویریہ کی رخصتی کے بعد انیقہ کی پڑھائی متاثر ہونے کا خدشہ ہے..... اور جب سے جویریہ کی منگنی کی بات چیت شروع ہوئی ہے تو جویریہ بھی اس پر توجہ نہیں دیتی۔''

''مما..... ایسی بات نہیں ہے۔ یہ خود ہی اب مجھ سے پڑھنا نہیں چاہتی۔'' جویریہ نے احتجاج کیا تو سبھی ہنسنے لگے لیکن انیقہ بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

''میں کیا کرسکتی ہوں صاحب جی؟'' صائمہ نے بصیر احمد سے پوچھا تو وہ ہنسنے لگے۔

''صائمہ بہن! اگر میری بچی کے لیے کسی ٹیوٹر کا انتظام ہو جائے تو تمہاری مہربانی ہوگی۔'' بصیر احمد عاجز لگ رہے تھے۔

''یہ ٹیوٹر کیا ہوتا ہے جی؟'' صائمہ کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ ٹیوٹر کسے کہتے ہیں اس لیے اس کی بات سن کر سبھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تو بصیر احمد نے گلا کھنکھار کر اُن کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولے۔

''ٹیوٹر کا مطلب ہے کہ جو انیقہ کو پڑھا سکے۔'' صائمہ اُن کی بات سن کر ہنسنے لگی اور بولی۔

''اچھا..... ! میں سمجھی کہ کسی مشینری کا نام ہے..... وہ جو میز پر رکھ کر ٹک ٹک کرتے ہیں اس کو ٹوٹر کہتے ہیں۔''

''بواء اُسے کمپیوٹر کہتے ہیں۔'' جویریہ بولی تو وہ ہنستی ہوئی کہنے لگی۔

''اچھا جی..... انگریزی نام ہیں جی..... پہلے تو کہا کرتے تھے کہ ماسٹر صاحب، استاد جی..... اب ٹوٹر کہتے ہیں جی۔''

''صائمہ بواء پلیز کچھ ایسا کریں کہ یہ بی بی کھانا کھالے..... یا پھر ہمیں کھانے دے۔'' انفر کو غصہ آرہا تھا اس کا بس نہ چلتا تھا کہ

http://kitaabghar.com

وہ انیقہ کے سر پر پلیٹ ہی دے مارے۔

''اگر آپ بُرا نہ منائیں تو میرا بیٹا..... صائمہ نروس ہو گئی تھی۔'' وہ جی..... وہ کسی لڑکی کو پہلے بھی ٹیوشن پڑھاتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو وہ انیقہ بی بی کو بھی پڑھا دیا کریگا جی۔'' بصیر احمد اس کی بات سن کر حیرانگی سے اس کی طرف اور کبھی گھر والوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''صائمہ تمہارا بیٹا؟'' ثانیہ بیگم بولیں تو وہ سہمی ہوئی بولی۔

''وہ جی آپ کی اجازت ہوگی تبھی وہ اس گھر میں قدم رکھے گا۔''

''ارے نہیں نہیں..... ثانیہ بیگم کا مطلب تھا کہ کیا تمہارا بیٹا اتنا لائق اور ذہین ہے جو انیقہ کو وہ مضامین پڑھا سکے جن میں اس کو ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔'' جسٹس بصیر احمد صائمہ کی غلط فہمی نکالتے ہوئے بولے۔

''وہ جی..... مجھے مضمونوں کا پتہ نہیں ہے جی لیکن وہ شہر کے مشہور کالج میں پڑھتا ہے جی..... وہ جو یونی ولاسٹی ہے۔''

''وہ یونیورسٹی کا لفظ صحیح ادا نہ کر سکتی تھی۔ جو یہ دبی دبی ہنسی ہنسنے لگی تھی۔''

''لیکن وہ تو بہت مہنگی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہاں کی فیس اور دیگر اخراجات کافی زیادہ ہیں۔'' بصیر احمد یونیورسٹی کا سن کر ہی دنگ رہ گئے تھے۔ صائمہ ایک فخر سے بولی۔

''صاحب جی! آپ کو تو علم ہی ہے کہ میرے دو ہی بچے ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ اُن دونوں میں ہی میری جان ہے میں نے جیسے تیسے کر کے بیٹی کو بھی اچھی تعلیم دلا دی ہے اور اب وہ کسی دفتر میں نوکری کرتی ہے اور اپنے بیٹے کی خواہش پر میں نے اپنا زیور بیچ دیا ہے جی..... بس میرا بیٹا اپنی خواہش کے مطابق اچھی تعلیم حاصل کر لے۔''

صائمہ کی جھلمل کرتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

''تم اپنے بیٹے کو کل میرے پاس میرے دفتر (آفس) بھیج دینا۔'' بصیر احمد کہنے لگے۔ ''میں اس سے پوچھوں گا کہ وہ کون کون سے مضمون پڑھا سکتا ہے..... پھر سمجھو کہ انیقہ کی پڑھائی کا مسئلہ اس صورت میں ہی حل ہی ہو سکتا ہے اگر وہ تمام مضامین پڑھا سکتا ہو.....''

''ٹھیک ہے جی..... میں کل اس کو آپ کے دفتر بھیج دوں گی۔ وہ یونیورسٹی سے سیدھا آپ کو مل کر ہی آئیگا۔''

بصیر احمد نے اپنا کارڈ نکال کر اس پر انگلش میں کچھ لکھا اور صائمہ کو دیتے ہوئے بولے۔

''یہ کارڈ وہ ساتھ لے کر آئے..... ورنہ اس کو کورٹ میں نہیں آنے دیا جائیگا..... آج کل کافی سختی ہوئی ہے۔''

صائمہ نے خوشی خوشی کارڈ پکڑ لیا اور انیقہ سے مخاطب ہوئی۔

''انیقہ بیٹی، میری ضمانت پر ہڑتال ختم کر دیں آپ..... صرف ایک دن کی ہی تو بات ہے..... پلیز جی.....''

اس کے انگریزی بولنے پر سبھی ہنسنے لگے تھے۔ ''لیکن صرف آج کے دن کے لیے..... ہے نا؟'' انیقہ نے دھمکی آمیز لہجے میں صائمہ سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''ہاں جی ہاں.....''

http://kitaabghar.com

بس پھر کیا تھا سب سے پہلے انصر احمد نے کھانا اپنی پلیٹ میں نکالا تھا۔ لیکن بصیر احمد کے پہلا نوالہ لینے کے بعد ہی سب نے کھانے کا آغاز کیا تھا۔

صائمہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بیس ہزار روپیہ ماہانہ پر ریشم کی ملازمت لگ گئی تھی اور ایاز کو بھی دو اچھی کیز بہترین یونیورسٹیز مل گئی تھیں۔ اب اس کی مالی پریشانیوں کے دن ختم ہونے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریادیں اور التجائیں سن لی تھیں۔ اس نے کارڈ کو بڑی احتیاط سے رکھ لیا تھا۔

رات کو گھر لوٹتے ہی اس نے ایاز کو خوش خبری سنا دی تھی کہ وہ کل جج صاحب کو ملنے کے لیے عدالت جائے تاکہ ان کی بیٹی کو بھی ٹیوشن پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو سکے۔ ریشم اور ایاز بھی قدرت کی اس فراخدلی پر خوش اور حیران بھی تھے۔ بس اس کوارٹر میں خوشیاں رقصاں کرنے والی تھیں ان کی آنکھوں سے شکرانے کے آنسو سجدہ ریز ہونے کے لیے زمین کو چوم چکے تھے۔

اگلے دن ایاز یونیورسٹی سے فارغ ہو کر سیدھا عدالت پہنچا تھا وہ پوچھتا ہوا بصیر احمد کا دیا ہوا کارڈ دکھا کر ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے بصیر احمد کو سلام کرنے کے بعد ان کا کارڈ انہی کو دکھایا تو وہ ایک خوشگوار حیرت سے ایاز کو دیکھنے لگے تھے۔ ان کے سامنے ایاز اس بات کی زندہ مثال تھا کہ تعلیم اور علم کسی کی میراث نہیں ہے بلکہ حوصلے اور جذبوں سے ہر میدان فتح کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی ڈگریاں لانا نہ بھولا تھا۔ اُس نے بصیر احمد کے سوال کرنے سے پہلے ہی اپنی ڈگریوں کی فائل ان کے سامنے رکھ دی تو اسی لمحہ ایک باوردی ملازم نے چائے کا گرم گرم بھاپ اُڑاتا ہوا مگ ایاز اور ایک مگ بصیر احمد کے سامنے رکھ دیا۔ بصیر احمد اس کی ڈگریوں کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے اور ایاز کو دیکھ کر عش عش کر رہے تھے۔

صائمہ نے واقعی کمال کیا تھا۔ اس نے اپنا زیور بیچ کر اگر بیٹے کی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کیا تھا تو بیٹا بھی اس کے خوابوں کو تعبیر دینے میں اس طرح مصروف تھا کہ ہر مضمون میں ستر تا اسی فیصد نمبروں سے ٹاپ پر تھا۔ بصیر احمد نے ایاز کو چائے پینے کا اشارہ کیا تو ایاز نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لیکن اس نے کپ کو ہاتھ بھی نہ لگایا تھا کیونکہ اخلاقیات کا تقاضا یہی تھا کہ جسٹس بصیر احمد پہلے اپنے مگ کو منہ لگائیں تو پھر وہ بھی گھونٹ بھرے گا۔

وہ اس وقت ملک کی بڑی عدالت میں موجود تھا۔ یہ ایک ایسا آفس تھا جہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کو کئی جگہ پر تلاشی اور واک تھرو گیٹس سے گزرنا پڑا تھا۔ اور وہ اس وقت اس ملک کے مشہور اور نامور جج کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ ہر طرح کے سوال کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ لیکن بصیر احمد نے فائل بند کر کے اس کی طرف بڑھا دی اور چائے کا مگ اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا اور بولے۔ ”تمہاری امی نے گزشتہ بیس سالوں سے ہمارے گھر میں ایک فرد کی حیثیت بنا رکھی ہے۔ ہم سب ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔“ ایاز متوجہ تھا اور بصیر احمد کہہ رہے تھے۔ ”میرے گھر میں کتنے افراد ہیں اس بات کا تمہیں بھی علم ہوگا۔ اور کون کیا ہے یہ بھی مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری امی کو اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ اور تم سے بھی یہ چاہوں گا کہ تم بھی اگر میرے گھر میں آؤ تو ایک فرمانبردار بیٹے کی طرح ہی آؤ۔“ بصیر احمد نے ایاز کو اس زمانے اور آج

http://kitaabghar.com

کے حالات وواقعات کے سمجھانے کے لیے بہترین الفاظ چنے تھے جو کہ سمجھدار ایاز کے ذہن اور دل میں بھی گھر کر گئے تھے۔

''ہم نے اپنی ماں کو ہی اپنا باپ اور اپنا بہترین استاد سمجھا ہے سر!'' ایاز نے پہلی بار زبان کھولی تو بصیر احمد اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ''اور جن کے بہترین استاد ماں باپ ہوتے ہیں..... وہ شاگرد کبھی بھی کم ظرف نہیں ہوتے۔''

اینٹ کا جواب پتھر کی صورت میں اس طرح دیا گیا تھا کہ الفاظ کا پیرہن بھی حسین لگنے لگا تھا اور ان الفاظ سے لگنے والی چوٹ میں بھی لطف محسوس کرتے ہوئے بصیر احمد مسکرائے اور بولے۔

''تمہاری امی نے جتنی محنت اور کوشش سے تمہیں اس قابل بنایا ہے کہ تم آج ایک اس ملک کے نامور جج کے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہو..... کیا اس بات کا اندازہ بھی کر سکتے ہو کہ اس عورت نے اپنی اعلیٰ ظرفی سے ہمیشہ ہی اس گھر کی حفاظت کرنے کی کوشش کی ہے۔'' یہ بات شاید ایاز کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ لیکن وہ اپنی کم علمی کو چھپا کر جج صاحب کے ذہن میں کسی بھی غلط فہمی کو جنم نہ دینا چاہتا تھا۔

''میں سمجھا نہیں سر!'' اس نے برملا اعتراف کیا تو بصیر احمد اپنی چائے ختم کرتے ہوئے خالی مگ کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رہے اور بولے۔ ''برخوردار! عزت بنانا بہت مشکل ہے اور گنوانا اس سے بھی آسان..... میں تم پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے گھر میں ایک چھت کے نیچے ایک کمرے میں اپنی جوان اور خوبصورت بیٹی کو تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت دے رہا ہوں..... اس کے بدلے میں تم کیا ضمانت دے سکتے ہو کہ میرا اعتماد چوری نہیں ہوگا؟''

بصیر احمد نے بہت بڑی بات کہی تھی اور ایاز احمد بھی بہترین الفاظ کا چناؤ کرتا ہوا تحمل سے بولا۔

''بعض اوقات نظروں کا دھوکہ سراب کو سیلاب اور صبح کاذب کو طلوع سحر سمجھنے پر مجبور کر دیتا ہے سر!''

ایاز نے بہت ہمت دکھائی تھی۔ جج صاحب مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگے اور اس کی جانب سے اور بات کے منتظر تھے۔

''اگر بیس سالوں میں میری ماں نے کچن سے ایک چٹکی نمک بھی نہیں چرایا تو پھر آپ اس کی اولاد کو موقع دیئے بغیر ہی چور کیسے کہہ سکتے ہیں سر؟'' بصیر احمد ہل کر رہ گئے تھے۔

''میں توقع کرتا ہوں کہ اس نے اپنی ڈیوٹی کے دوران جس وفاداری اور ایمانداری کا مظاہرہ کر کے تمہیں اس گھر میں عزت اور وقار کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کو سنوارنے کا بھی موقع دیا ہے۔ اسی طرح تم بھی اُس اعتماد کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ماں کی عزت کو بڑھاؤ گے۔'' ایاز مسکراتا ہوا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُن کے سامنے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

''نائس ٹو میٹ یو سر..... استاد کبھی بھی بے ایمان نہیں ہوتے..... اجازت چاہتا ہوں۔'' بصیر احمد اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو دباتے ہوئے بولے۔ ''میں کل گھر پر تمہارا انتظار کروں گا۔'' بصیر احمد اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''میں ضرور آؤں گا سر! اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اگر میں بھی کرو ڈپتی یا ارب پتی ہوتا..... تو شاید آپ کو گھر کے باہر اس طرح میرا اتنا طویل انٹرویو نہ کرنا پڑتا..... شکریہ سر!'' ایاز تو چلا گیا تھا لیکن جسٹس بصیر احمد کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ گیا تھا۔ وہ ایاز کی خود

http://kitaabghar.com

داری اور انا کے ساتھ الفاظ کے بہترین چناؤ کی بنا پر اس کے گرویدہ بھی ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

شمعون نے براہ راست ریشم کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کے اندر کی دنیا اتھل پتھل کر دی تھی۔ نعمان ایزد گاڑی میں بیٹھ کر سکندر کے ساتھ نکلے ہی تھے کہ شمعون موقع غنیمت جانتا ہوا ادھر آ نکلا۔ وہ سیدھا آفس میں ہی آیا تھا اور ریشم کو اکیلی بیٹھی دیکھ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ریشم نے خود کے ساتھ بہت جنگ لڑی تھی اور اس نے اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لیے ہر وہ فیصلہ کر لیا تھا جو اس کو ترقی عزت اور اعلیٰ مقام دلا سکتا تھا..... عزت کے نام پر وہ چونکی ضرور تھی۔ لیکن اس کے آفس میں آتے ہی نعمان ایزد نے اُسے عزت بھی دی تھی اور ترقی کرنے کی سند بھی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جھکی ہوئی نظروں کے سامنے نعمان ایزد کے سامنے کھڑی رہی تھی۔ وہ اپنے آوارہ ہاتھوں اور آوارہ ہونٹوں نے اپنا خراج ضرور وصول کیا تھا۔

ریشم نے مجبوراً آنکھیں بند کر کے ہر وہ شرارت برداشت کی تھی جو نعمان ایزد اخلاقی دائرے سے باہر نکل کر اس کے بدن کے ساتھ کر سکتا تھا۔

''مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم واپس آ گئی ہو۔'' نعمان ایزد نے کہا تو وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی۔

''میں اپنی خوشی اور مستقبل کے لیے آئی ہوں سر!''

''تمہارا روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے ریشم!'' وہ بولے تو وہ نظریں اُٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''روشن بھی اور محفوظ بھی۔'' نعمان ایزد قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔

''ہاں روشن بھی اور محفوظ بھی..... اگلے ماہ میں تمہیں گھر لے دوں گا۔'' یہ وعدہ کرتے ہوئے نعمان ایزد کے بدتمیز ہاتھوں نے ریشم کو مسحور کن انداز میں آنکھیں بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کا انداز خود سپردگی والا تھا۔

موبائل فون کی کال نے ریشم کو ''پرسنل'' سیکریٹری بننے بنتے رکھا دیا تھا۔ نعمان ایزد کو بھی اُس بے وقت کی کال نے خاصا تاؤ دلا دیا تھا لیکن کال ایمرجنسی میں آئی تھی وہاں جانا بھی ضروری تھا۔ اس لیے وہ ریشم کے ہونٹوں پر شرارت کرتے ہوئے سکندر کو کال کرنے لگے اور باہر نکل گئے۔

ریشم نے کتنی ہی دیر اس جگہ بیٹھ کر خود کو نارمل کیا تھا۔ ابھی وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھی ہی تھی کہ شمعون آ گیا تھا۔

''آپ کی آنکھیں بہت پیاری ہیں۔'' شمعون نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ مسکرانے کی کوشش میں چند منٹ پہلے کے مناظر کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئی تھی۔

''آپ کچھ پریشان ہیں؟'' شمعون نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ریشم جان بوجھ کر مسکرانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اندر کا دکھ اس کو

http://kitaabghar.com

رُلا رہا ہے۔'' کیا میں آپ کی کوئی ہیلپ ..... میرا مطلب ہے کہ..... میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں تو مجھے بہت خوش ہوگی۔'' ریشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہاں چھلکتا ہوا بے لوث پیار اس کو گھائل کر گیا تھا۔

''آپ کیوں میرے کام آنا چاہتے ہیں؟'' وہ آنسوؤں کو بہنے سے روکنے میں خاصی کامیاب رہی تھی۔

''آپ مجھے اچھی لگتی ہو۔'' شمعون نے دوسری ہی ملاقات میں اپنے دلی جذبات کا اظہار بغیر کسی لگی لپٹے ہی کر دیا تو وہ اس کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''جی.....؟''

''میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں ریشم! میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تم نے میری نیندوں اور میرے خوابوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ میرے حواس پر تم ہی تم چھائی ہو..... مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیا دُکھ ہے ریشم!''

شمعون کا والہانہ انداز اور اس کے لہجے کی وارفتگی اور قربان ہو جانے والا میٹھا اور پُرخلوص انداز ریشم کو بھا گیا تھا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ کیا شمعون نعمان ایزد کا ہی بیٹا ہے؟

کیا شمعون بھی اس کے بدن کا پیاسا ہے؟

کیا شمعون بھی اس کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے؟

''آپ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہیں۔'' وہ پہلے اس کو تم اور اب پھر آپ کہہ رہا تھا۔

''اعتبار.....؟'' وہ کھوئی ہوئی بولی تو شمعون اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اعتبار ہی محبت کی پہلی سیڑھی اور پُرخلوص عمارت کی مضبوط بنیاد کا کردار ادا کرتا ہے۔'' اس کو الفاظ پر دسترس حاصل تھی یا پھر اس کو ریشم کی محبت نے یہ سب کچھ سکھا دیا تھا۔

''محبت؟'' وہ یک لفظی سوال کر کے اس کے چہرے پر اپنے کیے ہوئے لفظ کی ادائیگی کے بعد اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرنے لگی تو وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اور محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''ریشم! میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

''لیکن میں کیسے یقین کر لوں..... آج کے دور میں محبت اور اعتبار ناپید ہو چکے ہیں۔'' وہ مالک کے بیٹے پر اعتبار نہیں کرنا چاہتی تھی یا پھر مالک نے ہی اعتبار کو ایک گندا اور گھناؤنا کھیل بنا دیا تھا۔

''تم بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا..... میں اپنی محبت کا یقین تمہیں کس طرح دلاؤں؟'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

''آپ شاید یہ بھول رہے ہیں مسٹر شمعون کہ آپ کے باپ کے آفس میں ایک حقیر سی ملازمہ ہوں۔'' ریشم کو بھی اس کھیل میں مزہ آنے لگا تھا وہ بھی اپنے طور پر شمعون کو آزمانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

''لیکن تم میرے دل کی مالکہ بن گئی ہو ریشم!''

http://kitaabghar.com

''صرف کہہ دینے سے ہی کچھ نہیں ہوتا شمعون!'' ریشم نے اس کا نام لیا تو وہ خوش ہوتا ہوا بولا۔

''میں فلمی لوگوں کی طرح دعویٰ نہیں کرتا لیکن تم مجھے ہر قدم پر مخلص اور اپنا ہمدرد پاؤ گی۔''

''ہمدردی تو بے بس لوگوں سے کی جاتی ہے۔''

''میں تمہیں اس قابل بنا دوں گا کہ ہر تمنا اور ہر خواہش کو اپنی مرضی اور پسند سے پورا کرنا تمہارے بس میں ہوگا۔''

''میری خاطر کسی کی جان لے سکتے ہیں آپ؟'' ریشم نے نہ جانے یہ فقرہ کیوں کہا تھا۔

''جو بھی تمہاری طرف میلی آنکھ اُٹھا کر دیکھے گا تو میں اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔'' وہ پرجوش نوجوان تھا اس کے لہجہ میں اس لمحہ ٹھہراؤ اور بردباری نمایاں تھی۔

''مجھے کچھ وقت دیں۔'' ریشم نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

''میں تو سارا وقت ہی تمہیں دینا چاہتا ہوں ریشم!'' وہ بھی مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوگئی اور بولی۔

''انسانوں کے روپ میں چھپے بھیڑیوں کے اس جنگل میں کیا گارنٹی ہے کہ میرا جسم نہیں نوچا جائیگا۔ میرا خون نہیں پیا جائیگا۔'' وہ ریشم کے منہ سے یہ الفاظ سن کر تڑپ اٹھا اور کربناک نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا تھوک نگل کر بولا۔

''ریشم! خدا کے لیے مجھے ذلیل اور کمینہ نہ سمجھو..... میں اگر جسموں اور خوبصورت چہروں کا رسیا ہوتا تو ہر روز ایک نئی اور جوان لڑکی خرید کر اپنے بیڈروم کی زینت بنا سکتا ہوں۔'' وہ اس کی دلیل سن کر خود پر شرمندگی محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ پھر بولا۔

''ریشم! میرے باپ کا معتبر نام، میرا اعلیٰ سٹیٹس، میری دولت، جاگیر اور روپیہ پیسہ..... کیا تم نہیں سمجھتی کہ کوئی بھی لڑکی میرے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ مجھے سونپنے پر رضامند نہیں ہوگی..... سب کچھ..... سمجھتی ہو نا.....؟'' اس بار اس کی آواز بھرا گئی۔

''ریشم! میں محبت کو ہوس سے پاک سمجھ کر عبادت کا درجہ دینا چاہتا ہوں..... سٹیٹس کی کوئی بھی دیوار میرے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکے گی..... کبھی بھی آزما لینا۔''

وہ یہ کہہ کر آفس سے باہر نکل گیا شاید اب اس کو مزید اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ تھا۔ لیکن وہ ریشم کے دل میں اُتر گیا تھا۔ اس کی باتوں سے یہ سچائی تو واضح تھی کہ وہ روپے پیسے کے بل بوتے پر ریشم سے بھی خوبصورت اور حسین لڑکیوں کو اپنے بیڈروم کی زینت بنا سکتا تھا۔ اور ہر وہ لڑکی راضی خوشی اس کی بات بھی ماننے میں فخر محسوس کرتی جس کو نعمان ایزد کا بیٹا شمعون اس طرح کی پیشکش کرتا۔

ریشم کو شمعون اور نعمان ایزد میں دن رات کا واضح فرق محسوس ہو رہا تھا..... وہ سورج میں ڈوب گئی تھی کہ اس نے بھی ابھی شمعون کے آنے سے پہلے جو زخم کھائے تھے وہ اس کی روح کو گھائل کر گئے تھے۔ لیکن شمعون فوراً ہی ان پر مرہم رکھنے کے لیے مسیحا بن کر آ گیا تھا۔ اور اس نے ریشم کی آنکھوں سے بہہ کر پلکوں پر ٹھہر جانے والے آنسوؤں کو اپنے الفاظ سے اس طرح چوما تھا کہ آنسو بھی اس کے حسین اور پرخلوص انداز پر قربان ہو گئے تھے۔

http://kitaabghar.com

وہ بھی شمعون کے الفاظ پر قربان ہوتی ہوئی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ محبت کرنے کے لیے اور کسی کو چاہنے کے لیے ایک ہی لمحہ آتا ہے جو آپ کو بڑے سے بڑے دلیرانہ فیصلے کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر آپ اس لمحہ کو اپنی مٹھی میں قید کر لیں تو باقی زندگی آپ کی ہر لمحہ خوشی اور مسرتیں سمیٹتے ہی گزر جاتی ہے۔

لیکن اگر آپ اس لمحہ کو ضائع کر دیں تو پھر ساری زندگی خوشی اور مسرتوں کو ترستے ہی گزارنی پڑتی ہے۔ لیکن ریشم نے اپنی زخمی روح کو مندمل کرنے کے لیے اس یقینی لمحے کو اپنی مٹھی میں قید کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایاز جیسے ہی بصیر احمد کے گھر میں داخل ہوا تو اس کا سامنا جویریہ سے ہو گیا۔ جویریہ اور ایاز ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران تھے۔ جویریہ کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا تھا وہ یہ تھا کہ یہ کوئی فراڈیا ہے اور اس دن والے ایکسیڈنٹ کا فائدہ اُٹھاتا ہوا ان کے گھر تک پہنچ گیا ہے۔ وہ اس کی خبر لینے کی سوچ ہی رہی تھی کہ ایک خیال برق رو کی طرح اس کے ذہن میں کوندا کہ انیقہ نے اس کو اسی لمحہ گاڑی میں ہی بتا دیا تھا کہ یہ مطربہ کے ٹیوٹر ہیں۔

لیکن یہ مطربہ کے ٹیوٹر ان کے گھر میں کیا کر رہے ہیں۔ اتنی دیر میں ایاز وسیع لان کو کراس کرتا ہوا جویریہ تک پہنچ گیا تھا۔

''اوہ!.....تو آپ ہیں سٹوڈنٹ۔'' ایاز نے طنز کیا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''جی نہیں اور پہلے سلام کرتے ہیں..... السلام علیکم!''

ایاز کو جویریہ کا بے تکلفانہ انداز اچھا لگا تھا وہ کھسیانا سا ہو کر مسکرایا اور ''السلام علیکم'' بولا۔

اب جویریہ منتظر تھی کہ وہ مزید کچھ بولے یا اپنے آنے کا مقصد بیان کرے اور ایاز اس بات کا منتظر تھا کہ جویریہ اس کو بتائے کو پڑھائی شروع کرنی ہے یا صرف باتیں ہی کرنی ہیں۔

''مجھے جج صاحب نے بلایا ہے..... ایک ٹیوٹر کی حیثیت سے۔'' ایاز نے کہا تو جویریہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ گنگ ہو کر رہ گئی تھی کیونکہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنا پڑھا لکھا لڑکا صائمہ کا بیٹا ہو گا۔

''کیا یہ جسٹس بصیر احمد کا ہی گھر ہے میڈم؟'' وہ دوبارہ بولا تو جویریہ ہوش میں آتی ہوئی بولی۔

''جی آپ صحیح جگہ پر پہنچے ہیں۔''

''تو کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ پڑھنا کس نے ہے؟'' ایاز کی بات سن کر اندر سے انیقہ آئی اور ایاز کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''آپ؟'' ایاز بھی اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اس کو اب معلوم ہوا تھا کہ انیقہ اور جویریہ آپس میں بہنیں ہیں۔

''کیا مطلب کیا میں یہاں نہیں آ سکتا؟'' وہ اس کی حیرانگی کا جواب دیتا ہوا بولا تو وہ کھسیانی ہو گئی۔

''نہیں نہیں میرا مطلب تھا کہ.....'' وہ جویریہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''آپی! کیا صائمہ بواء نے اپنے بیٹے کے لیے پاپا سے

http://kitaabghar.com

بات نہیں کی تھی۔" ان دونوں کو حیرانگی ہنوز قائم ہی تھی۔

"میں انہی کا بیٹا ہوں۔" ایاز کے منہ سے سن کر دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ "ایکچوئیلی ایسا ہے کہ ہمارا معاشرہ غریب آدمی کو آج تک دل سے قبول کر ہی نہیں پایا۔ وہ دوبارہ بولا۔" اور پھر ایک پڑھا لکھا غریب.....؟ یہ تو وہی بات ہوگئی کہ آگے کنواں پیچھے کھائی۔"

ایاز کی باتیں سن کر وہ کھسیانی سی ہوگئیں۔ "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے.....آپ.....تشریف رکھیں پلیز۔" جویریہ یہ کہہ کر اندر کی جانب چلی گئی جبکہ انیقہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

"ایکچوئیلی سر! آپ کو میرے لیے اس گھر میں بلایا گیا ہے۔" انیقہ کو الفاظ ڈھونڈنے میں دقت ہو رہی تھی۔

"آپ کے لیے مجھے ہی کیوں بلایا گیا ہے مس....." اس نے جان بوجھ کر اس کا نام نہ لیا اور بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ تشریف رکھیں پلیز۔" انیقہ نے لان میں رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اس کے سامنے میز بھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ غور سے اس لان اور پھر عمارت کو دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت ملک کے نامور جج کے گھر میں تھا اور یہ تعلیم اور علم کی بدولت ہی ممکن ہوا تھا۔ ورنہ ان جیسے لوگ تو ایسی عمارتوں کے سامنے سے گزرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے کیونکہ غریب آدمی کو اپنا انا اور عزت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی پاس رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں خوامخواہ ہی پکڑ کر کوئی تفتیش ہی نہ کرنا شروع کر دے۔

اب بھی ایاز کو یونہی اندر نہیں آنے دیا گیا تھا بلکہ گارڈ نے گیٹ کیپر سے کہہ کر جسٹس صاحب سے بات کی تھی اور پھر ایاز کی بھی بات کروائی تھی۔ تبھی وہ اس وسیع لان تک پہنچا تھا۔ اس کے سامنے کسی نے چائے کا کپ رکھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ اس کے لیے چائے لانے والی اس کی ماں صائمہ ہی تھی۔

"امی جی آپ؟" وہ کبھی چائے کی طرف اور کبھی صائمہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ آج صبح ہی ان دونوں کے بیچ اس سلسلہ پر بات ہو چکی تھی کہ ایاز آج لازمی جج صاحب کے گھر آئے گا۔ لیکن ایاز کو اس گھر میں اپنی ماں کو ملازمہ کے طور پر دیکھ کر اس بات کا احساس شدت سے جاگا تھا کہ وہ ہر آنے والے مہمان کے سامنے اسی طرح چائے وغیرہ پیش کرتی ہوگی۔ صائمہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"یہ کام کسی دوسری ملازمہ کا ہے۔ مجھے تو جویریہ نے شرارت سے بھیجا ہے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ تم واقعی میرے ہی بیٹے ہو؟"

"ایاز ہنسنے لگا اور بولا۔" اچھا وہ بڑی والی جویریہ ہے.....ویسے امی....." وہ صائمہ کے کان میں سرگوشی کرتا ہوا بولا۔ "یہ لڑکیاں بہت شریر لگتی ہیں۔" دونوں ہی ماں بیٹا ہنسنے لگے تو دور سے انیقہ آتی ہوئی دکھائی دی تو صائمہ بولی۔ "تم بیٹھ کر چائے پیو۔ میں اب کچن دیکھ لوں۔" صائمہ یہ کہہ کر چلی گئی تو ایاز کرسی پر بیٹھ گیا اور تقدیر کی ستم ظریفی پر سوچنے لگا کہ اسی گھر میں ماں ملازمہ ہے اور اسی گھر میں بیٹا ایک استاد اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہے۔ واہ تقدیر بنانے والے تیرے کھیل نرالے ہیں۔

"السلام علیکم سر!" اس نے انیقہ کے سلام کا جواب دیا تو وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی۔

"آپ کن سبجیکٹ میں انٹرسٹڈ ہیں؟" ایاز نے پہلا سوال کیا تو انیقہ کی نظریں جو کہ جھکی ہوئی تھیں یکدم اٹھیں اور ایاز کی نظروں

http://kitaabghar.com

میں ضم ہونے کی کوشش میں نشانہ خطا ہونے پر گھائل ہوتی ہوئیں دوبارہ جھک گئیں۔

''میں بھی سبجیکٹ پڑھنا چاہتی ہوں سر!'' وہ اپنی بے قرار دھڑکنوں پر قابو پاتی ہوئی بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے..... میں کالج سے سیدھا آپ کی طرف ہی آجایا کروں گا۔'' ایاز بولا تو ایقہ پھر نظریں اُٹھاتی ہوئی۔ بے ساختہ بولی۔

''میری طرف.....؟'' یہ دو حرف ادا کرتے وقت اس کے لہجے میں جو خواہش چھپی تھی وہ شاید ایاز سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ وہ چائے پیتا ہوا بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ آپ کو پڑھانے کے لیے پہلے آیا کروں گا بعد میں آپ کی کزن..... مطربہ کو پڑھانے جایا کروں گا۔''

''سر! کیا اس طرح کرنا مناسب ہوگا کہ آپ مطربہ کو بعد میں پڑھایا کریں گے جبکہ وہ تو آپ کی پہلے سے سٹوڈنٹ ہے۔'' ایقہ نے اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا یا کنفرم کیا تھا کہ ایاز کس ٹائم آسکتا ہے وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی تھی لیکن ایاز نے اپنی یونیورسٹی سے فارغ ٹائم کا حساب لگا کر اس کو بتانا شروع کیا۔

''میں پہلے آپ کو پڑھانے ہی آیا کروں گا کیونکہ آپ کے سبجیکٹ بھی زیادہ ہیں اور پھر مطربہ آپ سے دو کلاسز سینئر بھی ہیں اور وہ کالج سے لیٹ بھی آتی ہیں۔''

ایقہ ایک آہ بھرتی ہوئی بولی۔ ''ٹھیک ہے سر! جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

ایاز چائے ختم کر چکا تھا۔ اب وہ اردگرد دیکھتا ہوا بولا۔

''کیا مجھ سے پہلے بھی اس گھر میں کوئی ٹیوٹر آتا رہا ہے؟''

''نہیں سر! میں آپ سے پہلے آپی جویریہ سے پڑھا کرتی ہوں۔'' ایقہ نے جواب دیا۔

''تو اب قرعہ میرے نام کا نکلا ہے؟'' ایاز نے اُٹھتے ہوئے کہا تو ایقہ بھی اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ''دیکھو ایقہ! میں اس ماں کا بیٹا ہوں جو تمہارے گھر میں ملازمہ ہے۔'' ایقہ نے آنکھیں اُٹھا کر پھر جھکا لیں۔ ''تم سب لوگ ان کو بہت عزت اور احترام دیتے ہو..... اس بات کا مجھے علم ہے۔ لیکن کیا ان کا بیٹا ہونے کے ناطے میں بھی یہ توقع رکھوں کہ میں استاد تو ہوں..... لیکن رہوں گا ایک ملازمہ کا ہی بیٹا؟''

ایقہ اس کی بات سن کر کانپ سی گئی۔ وہ دکھ سے اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ ایقہ کے چہرے کا ہی طواف کر رہا تھا۔

''آپ میرے استاد ہیں اور استاد کا درجہ کیا ہوتا ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں سر؟'' ایقہ کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے ایقہ! آپ اگر چاہیں تو پڑھائی شروع کریں؟'' ایاز نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''جی سر! پلیز آپ اندر تشریف لے آئیں۔'' وہ یہ کہہ کر ایاز کی رہنمائی کے لیے اس سے چند قدم آگے آگے چلنے لگی۔

چند منٹوں بعد ہی وہ ایک بہترین اور نفیس قالین کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا ایک لگژری صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ کمرہ نہ تھا بلکہ ڈرائنگ روم ٹائپ کی جگہ تھی اور اس جگہ شاید گھر والوں کی مداخلت بھی کم ہی تھی لیکن وہ جگہ بالکل اوپن تھی اس کا کوئی بھی دروازہ نہ تھا۔ بلکہ ان کو پڑھتے دیکھ کر کوئی بھی باآسانی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ استاد اور شاگرد کے درمیان احترام کا رشتہ برقرار بھی ہے اور قائم بھی ہے۔

http://kitaabghar.com

ثانیہ بیگم صائمہ کے ساتھ آئیں تو ایاز نے کھڑے ہو کر ان کو سلام کیا تھا۔ صائمہ نے بتا دیا تھا کہ یہ بیگم صاحبہ ہیں۔ ایاز ان کی پرسنالٹی سے خاصا متاثر نظر آیا تھا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ وہ تین بچوں کی ماں ہیں اور بچے بھی اس طرح جوان کہ خود ان کی شادیاں کرنے کی عمریں تھیں۔

''ہاں بھئی روپیہ اور عہدہ ہمیشہ جوان ہی رکھتا ہے۔'' ایاز نے سوچا اور پھر ایقہ کو پڑھانے میں مصروف ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے اپنے کمرے کا دروازہ لاک کیا اور اپنے وارڈ رب کی الماری کھول کر ہینگرز میں لٹکے ہوئے سوٹوں اور ساڑھیوں کو دائیں جانب سرکایا اور ایک سفید پاؤڈر کی پڑیا نکالی۔ اس نے خوش ہو کر اس کو دیکھا اور میز پر رکھتی ہوئی اس کو کاغذ سے نکال کر چٹکیوں کی صورت میں میز پر رکھا اور باقی پڑیا کو اچھی طرح لپیٹ کر دوبارہ واپس اسی جگہ پر رکھ کر الماری کو لاک کر دیا۔ وہ اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پاتی ہوئی اپنے بیگ سے ایک چھوٹا سا سٹیل کا سگریٹ جیسا پائپ نکال کر تین چٹکیوں کی صورت میں پڑی ہوئی سفید پاؤڈر کی خوراک کو اس پائپ کے ذریعے اپنی ناک کے راستے کھینچتی ہوئی اپنے بدن میں دوڑنے والے خون میں شامل کرنے لگی۔

چند منٹوں بعد ہی اس کے جسم میں حرارت بھر گئی۔ اس کے کانپتے لرزتے بدن نے اپنی خوراک ملنے پر پُرسکون ہونے کے لیے اقصیٰ کو آنکھیں مسحور کن انداز میں بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ صوفے کی ٹیک سے سر کو لگائے آنکھیں بند کر کے سفید زہر کا لطف لے رہی تھی۔ وہ خود کو خوابوں کی اس دنیا میں لے گئی تھی جہاں سکندر اس کے ساتھ تھا اور وہ سکندر کی بانہوں میں جھول رہی تھی۔

ایاز نے اس کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ اس کی جوانی کو نظر بھر کے بھی نہ دیکھ سکا تھا۔ اس نے گھر میں بھی اقصیٰ کے حسن کو نظر انداز کیا تھا۔ وہ مطربہ کا ٹیچر تھا لیکن اقصیٰ کو لگتا تھا کہ وہ اس کا عاشق ہے۔ اب وہ اپنی محرومیوں کا انتقام ایاز سے اس طرح لے گی کہ وہ اس کو ذلیل و رسوا کر کے اس محل سے نکلوائے گی۔ وہ کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی سازش ایسی تیار کرے گی کہ ایاز کو نعمان ایزد ذلیل کر کے یہاں سے نکال دے

اقصیٰ کو ڈرگز کی عادت اس کی سہیلیوں اور اس کے ٹیم ممبرز نے ڈالی تھی۔ وہ کافی کماتی تھی اور اچھے عیش و عشرت اور ٹھاٹھ سے اپنی زندگی کو انجوائے کر رہی تھی۔ اس نے اپنی فیلڈ میں بہت سی دوستیاں کی تھیں۔ بہت سے لڑکے اس کے حسن کے دیوانے تھے۔ لیکن اس فیلڈ کی دوستیاں کچھ زیادہ دیر نہ چل سکی تھیں اور اقصیٰ نے بھی کسی کو اپنی لمٹ سے آگے نہ جانے دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ماڈلنگ کی دنیا میں مغرور حسینہ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اس بات کی اس کو کوئی پروا نہ تھی۔ بلکہ وہ میڈیا میں ان رہنے کا فن جان چکی تھی۔ جتنے بھی زیادہ سکینڈلز بنتے تھے وہ اتنی ہی مشہور ہو جاتی تھی۔ اس بات کا نعمان ایزد کی سیاست پر بھی اثر پڑتا تھا۔ مگر نہ جانے کون سی ایسی بات تھی کہ وہ اقصیٰ کو کچھ بھی نہ کہنے پر مجبور تھے اور وہ کبھی بھی اقصیٰ کے کسی بھی اچھے یا برے کام میں مداخلت نہ کرتے تھے۔

باپ سمیع اللہ گاؤں میں رہتے تھے وہ کبھی کبھار شہر کا چکر لگاتے تھے جبکہ ان کی بڑی بہنیں گاؤں میں آپس میں رشتہ داروں میں ہی بیاہی ہوئی تھیں۔ سمیع اللہ نے عزت کمانے کے لیے اور اپنی پگڑی کو اونچا رکھنے کے لیے ہر وہ جائز اور ناجائز ظلم گاؤں والوں پر ڈھایا تھا جو وہ ایک گاؤں کا مالک ہونے کی حیثیت سے ڈھا سکتا تھا۔ نعمان ایزد نے کئی بار کہا تھا کہ وہ شہر آ کر ان کے ساتھ رہیں لیکن وہ اپنی

http://kitaabghar.com

چودھراہٹ نہ چھوڑنا چاہتے تھے اور ان کی جو عزت اور ساکھ گاؤں میں تھی وہ شہر میں کہاں رہتی تھی کیونکہ وہاں تو نعمان ایزد کی سیاست کا طوطی بولتا تھا۔

اقصیٰ نے اپنی رگوں میں سفید پاؤڈر اُتارنے کے بعد خود کو پرسکون محسوس کیا اور کھڑکی کے پاس آ کر آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ کھڑکی سے سکندر کے کوارٹر کا نظارہ کرنے لگی تھی۔ وہ بہت ہی کم عرصہ میں سکندر کی دیوانی ہو گئی تھی۔ اب اس کو سکندر کے بغیر زندگی گزارنا پھیکا اور بے معنی ہی لگنے لگا تھا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں ایاز کو بھی پسند کیا تھا لیکن اُس کو خود کو نظر انداز کرنا سخت ناگوار گزرتا تھا۔ اس نے جب سکندر کو پہلی بار دیکھا تھا تو وہ صرف وقت گزاری کے لیے سکندر سے دل بہلانا چاہتی تھی لیکن اس نے اپنی تمام زندگی کی سچی داستان سنا کر اس کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اور اس کو سکندر کی سچائی کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی ساخت اور دل میں کھب جانے والی شخصیت نے بہت متاثر کیا تھا۔ اب وہ سکندر کو کبھی بھی نہیں چھوڑے گی اور نہ ہی کبھی خود سے جدا ہونے دے گی۔ وہ ہر قیمت پر سکندر کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کا سوچ چکی تھی۔ اس کو مسیح اللہ کے علاوہ کسی کی بھی مخالفت کی پروا نہ تھی۔ نعمان ایزد اس کی زندگی میں کبھی بھی عمل دخل نہیں دیں گے اس بات کا اقصیٰ کو یقین ہی تھا اور ایک محتاط اندازہ بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں نعمان ایزد کی ایک ایسی کنڈھی تھی جس کو اگر وہ ذرا سا بھی مروڑتی تو نعمان ایزد کے ڈھیلے ہی باہر آ جاتے تھے۔ اور وہ اس پتے کو اپنے ہاتھ میں ہی محفوظ رکھنا چاہتی تھی اور وقت آنے پر ترپ کے اس پتے کو استعمال کرنا چاہتی تھی اور اس کو استعمال کرنے کا گر بھی جانتی تھی۔ وہ نعمان ایزد سے بات کر کے سکندر کو اپنے ڈرائیور کے طور پر مانگ لے گی اور پھر سکندر کی بلا شرکت غیرے مالک ہو گی اور سکندر اس کے دل کا راجہ ہو گا۔

اقصیٰ نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک طویل پلاننگ کر لی تھی اور اس پلاننگ کو اپنی مرضی کے مطابق مکمل کرنے کے لیے اس کو سکندر کا ساتھ درکار تھا اور سکندر ابھی تک چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھ سے پھسلتا ہی رہا تھا۔ اب وہ اپنے حسن اور اپنی جسمانی ساخت سے اپنی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی۔ وہ سکندر کو پانے کی خاطر کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار تھی۔

اُس نے دیکھا کہ سکندر اپنے کوارٹر سے نکلا تھا تو بہترین لباس زیب تن کیا ہوا تھا جو اس کو اقصیٰ نے ہی دیا تھا اور سکندر تھوڑی سی میل و حجت کے بعد اس کے تحفے کو قبول کر چکا تھا۔ وہ بہت سمارٹ اور چارمنگ لگ رہا تھا۔ اگر وہ ملازم نہ ہوتا تو یقیناً امیر لوگوں کی کئی لڑکیاں اس پر مرمٹتی اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتیں۔ یہ تو اقصیٰ کو اس سے محبت بھی ہو جانا تقدیر کی ہی کسی چال کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔

اقصیٰ نے اُسے مخمور آنکھوں سے دیکھا اور اس کو شرارت سوجھی تو اقصیٰ نے سکندر کا موبائل نمبر اپنے موبائل سے ڈائل کیا۔ اقصیٰ نے دیکھا کہ سکندر موبائل کی بیل سن کر چونکا ہے اور اس نے پینٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالا اور اس کو پریس کرتا ہوا کان سے لگا کر بولا۔

''جی مس اقصیٰ؟'' اقصیٰ اس کے اس طرح بلانے پر حیرت زدہ نظروں کے زاویے سے دیکھنے لگی اور بولی۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ میں ہوں؟'' سوال فطری تھا وہ مسکراتا ہوا بولا۔

http://kitaabghar.com

''میڈم! میرے موبائل میں صرف تین نمبر ہی درج ہیں۔ ان میں سے ٹاپ پر آپ کا نمبر ہے۔''

''اور باقی دو کس کے ہیں؟'' اقصیٰ نے مشکوک انداز میں پوچھا تو وہ ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''نعمان صاحب کے۔''

''اقصیٰ جس چیز پر ہاتھ رکھ دے وہ اس کو کسی کے ساتھ بھی شیئر نہیں کرتی..... اور تم وہ انسان ہو سکندر..... جس کو اقصیٰ اپنے دل میں جگہ دے چکی ہے..... اور تم کو کیسے وہ دوسرے کی ملکیت میں برداشت کر لیگی؟''

وہ اس کی بات سن کر ہنسا اور بولا۔

''میڈم! میں تو ملازم ہوں اور ملازم کا وہ مال ہوتا ہے جو ایک کاغذ کی کشتی کا ہوتا ہے..... جدھر بھی پانی کی لہر اس کو لیجاتی ہے وہ اُدھر ہی بہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔''

''تم باتیں اچھی کرتے ہو سکندر..... لیکن یاد رکھو کہ تم پانی میں تیرتی ہوئی کاغذ کی وہ کشتی ہو جس کو میرے پیار کی بپھری ہوئی موجیں اپنے ساتھ ہی بہا کر لے جائیں گی۔'' اقصیٰ نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لیے جن لفظوں کا سہارا لیا تھا وہ یقیناً خاصے وزن والے تھے۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''بپھری ہوئی موجیں اور طوفان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اقصیٰ میڈم! میں ان کی گود میں کھیل کر پلا بڑھا ہوں اور یہ مجھ سے پیار کرتے ہیں۔'' سکندر کی دلیل اس کے ماضی کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھی جاتی تو وہ الفاظ کی اس جنگ میں اقصیٰ پر سبقت لے جا رہا تھا۔

اقصیٰ ایک ٹھنڈی آہ بھرتی ہوئی بولی۔

''جس انسان کو میں ایک بار آنکھ بھر کے دیکھ لوں وہ میری جھیل جیسی آنکھوں میں ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب جاتا ہے۔''

''تو پھر آج تک یہ جھیل مجھے متاثر کیوں نہیں کر سکی.....؟ کیا اس کی گہرائی کم ہو گئی ہے یا اس کی کشش ختم ہو گئی ہے..... یا پھر اس میں ڈوبنے والوں کو تیرنے کے لیے وہ پانی ہی نہیں ملتا جو محبت اور چاہت کی آمیزش پر مبنی ہوتا ہے؟'' سکندر کا وار خاصا گہرا تھا لیکن اقصیٰ ڈر گزلے کر اپنے ذہن کو تر و تازہ کر چکی تھی۔

''سکندر سکندر..... میری جان..... ! تم نے ابھی تک اس جھیل کا کنارا ہی دیکھا ہے..... اس میں اترو گے تو گہرائی کا اندازہ بھی ہو جائیگا۔''

''میں گہرے پانیوں کا تیراک ہوں میڈم..... مجھے تیرنا آتا ہے۔'' سکندر گیٹ سے باہر نکل رہا تھا اور اقصیٰ کی نظروں سے اوجھل بھی ہو گیا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے سکندر..... ! اب کے بار ہمارا سامنا ہوگا تو دل کو شل ہونے سے بچانے کے لیے کوشش ضرور کرنا۔'' اقصیٰ اس کو چیلنج کرتی ہوئی بولی تو وہ جواب میں ہنستا ہوا کہنے لگا۔

http://kitaabghar.com

''یہ دل بڑی کمبخت چیز ہے میڈم اقصیٰ آپ کو سامنے پا کر دیوانہ وار دھڑکنا شروع کر دیتا ہے لیکن اس کو میں نے اس طرح نکیل ڈال رکھی ہے کہ جیسے کسی منہ زور گھوڑے کو اس کا مالک قابو میں کرنے کے لیے نکیل ڈالتا ہے۔''

''چلو تم نے یہ تو اعتراف کیا کہ یہ میری موجودگی میں تمہارے بس میں نہیں رہتا..... یہی میری کامیابی کی ابتدا ہے سکندر۔''

اقصیٰ کو ایک انجانی سی خوشی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے سکندر کی دوسری بات سننے سے پہلے ہی کال ختم کر دی اور ایک خوشگوار موڈ کے ساتھ اپنے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ وہ خود ہی بڑبڑانے والے انداز میں بولنے لگی۔

''تم نہیں جانتے سکندر..... تم نے مجھے پاگل بنا دیا ہے..... میں تمہیں کھو کر کنگال نہیں ہونا چاہتی..... بلکہ پا کر مقدر کی سکندر بننا چاہتی ہوں اور تمہیں پانے کے لیے ہر وہ حد عبور کروں گی جو میری راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرے گی۔''

آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگی تھیں اور وہ پرسکون نیند لینا چاہتی تھی اسی لیے اس نے اپنے جسم کو مہربان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور جس حالت میں پڑی تھی اسی میں گہری نیند کی وادی میں کھو گئی۔

☆.....☆.....☆

ٹرین کے تیز ہارن اور رفتار نے ایاز کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ وہ اس وقت معمول کے مطابق ناشتہ کر رہے تھے اور صائمہ ان کو پراٹھے بنا کر دینے میں اپنی ڈیوٹی میں فخر محسوس کرتی ہوئی مگن تھی۔

''امی ایہ جو جویریہ ہے..... کوئی زیادہ ہی تک چڑھی نہیں ہے؟'' صائمہ اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی اور بولی۔

''وہ تو بڑی اچھی بچی ہے..... ماشاءاللہ میری بہت عزت کرتی ہے۔''

''لیکن مجھے تو ایسا لگا کہ ان میں پیسے کا غرور ہے اور مجھ جیسے انسان کو کمتر سمجھتی ہے۔'' ایاز نے جویریہ کی ہی بات کیوں چھیڑی تھی اس بات کا پتہ اس کو خود بھی نہ تھا۔

''ویسے ایاز! بعض اوقات آنکھیں اور دل بہت بڑا دھوکا کھا جاتے ہیں۔ ہم کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔'' اس بار ریشم نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا تو وہ نوالہ منہ میں رکھتا ہوا بولا۔

''آپی! یہ جو امیر لوگ ہوتے ہیں نا۔ ان کے ایک چہرے پر اعتبار کرنے والا ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔'' ایاز کی بات سیدھی ریشم کے دل میں تیر کی طرح کھب گئی تھی۔ وہ نعمان ایزد کے دوسرے چہرے کے بارے میں سوچنے لگی تو ایاز پھر بولا۔ ''آج کل تو ہر چہرہ ہی نقاب پہنے ہوئے ہے..... نقاب کے پیچھے کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔''

''تمہیں ایسی باتوں میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ..... میں جج صاحب کو پچیس سالوں سے جانتی ہوں..... اور ان کے بچے بھی میرے ہاتھوں میں ہی پلے بڑھے ہیں۔'' صائمہ اس کو ڈانٹنے والے انداز میں بولی۔ ''اس خاندان کے ظاہری چہرے پر جو کچھ ہوتا ہے وہی کچھ دل میں بھی ہوتا ہے۔''

http://kitaabghar.com

''آپ تو ان کو خوب جانتی ہیں امی..... ذرا یہ تو بتائیں کہ انیقہ بات کی کیسی ہے؟'' ایاز نے پوچھا تو ریشم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''امی! ابھی اس کو دو ٹیوشنز ہی ملی ہیں تو اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔ اگر یہ کسی کالج میں لیکچرار لگ جائے تو پتہ نہیں ہر لڑکی کو شک کی نگاہ سے دیکھے۔''

''امی اس کو خاموش کروائیں.....'' ایاز مصنوعی غصے سے بولا تو صائمہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''بس انیقہ بھی جویریہ کے ساتھ ایسے ہی لڑتی رہتی ہے جیسے تم اپنی بڑی بہن سے مصنوعی لڑائیاں لڑتے رہتے ہو۔''

''میں تو اس لیے لڑتا ہوں کہ آپی نے پرائے گھر چلے جانا ہے۔ اس کو میرے ساتھ گزارا ہوا وقت پل پل یاد آتا رہے۔'' وہ ریشم کو چھیڑنے والے موڈ میں تھا تو ریشم کی غصے سے باہر کو ابلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''تو جویریہ نے کون سا بیٹھی رہنا ہے۔ وہ بھی پرائی ہے کسی نہ کسی دن پیا گھر چلی ہی جائیگی۔'' صائمہ نے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''امی! یہ انیقہ جویریہ سے ہی پڑھتی رہتی..... مجھے کیوں زحمت دی۔'' صائمہ اس کی طرف حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''پاگل تو نہیں ہو گئے ہو تم..... ! ایک تو تمہارا روزگار لگ گیا ہے اور پھر جویریہ کی اگلے ہفتے منگنی ہے نعمان ایزد کے بڑے بیٹے حارث نعمان کے ساتھ۔'' ایاز صائمہ کی طرف منہ کھولے دیکھنا لگا۔ نہ جانے کیوں اس کو صائمہ کی یہ بات اچھی نہ لگی تھی۔

''منگنی.....؟'' وہ گہری اداسی سے بولا تو ریشم بول پڑی۔

''کیوں اس کی منگنی نہیں ہو سکتی؟''

''میرا مطلب تھا کہ نعمان ایزد کا بڑا بیٹا..... حارث نعمان..... ! وہ تو میں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔'' ایاز کے بے ربط اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو صائمہ نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔

''یہ بتاؤ کہ تم نے نعمان ایزد سے کوئی بات چیت کی یا وہ تم سے ملے کہ ابھی نہیں؟'' صائمہ کی بات میں جوش اور تجسس پا کر ایاز اور ریشم چونکے تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''یہ امیر لوگ اگر ہاتھ ملا لیں تو بہت کام آ سکتے ہیں۔'' اس فقرے نے صائمہ کی پوزیشن کافی واضح اور صاف کر دی تھی۔

''جی امی ملے تھے وہ۔'' ایاز بددل سا ہوتا ہوا بولا تو صائمہ کا شوق تجسس اور بھی بڑھ گیا اور وہ خود پر قابو رکھتی ہوئی بولی۔ ''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' اس فقرے میں بظاہر بے نیازی تھی لیکن صائمہ جو کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی اس کی اس خواہش سے دونوں ہی بے خبر تھے۔

''کچھ نہیں..... بس ہاتھ ملایا اور دو تین سرسری سی باتیں کی اور اپنے محل کی جانب بڑھ گئے۔''

''تم سے ہاتھ ملایا تھا؟'' ریشم تجسس سے صائمہ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں امی! بڑے لوگ ہاتھ بھی اس طرح ملاتے ہیں کہ گویا چھوٹے آدمی پر احسان کر رہے ہو۔'' پھر ایاز وہ باتیں بتانے لگا جو

http://kitaabghar.com

ایاز اور نعمان ایزد کے درمیان ہوئی تھیں۔ صائمہ کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی زہریلی مسکراہٹ ان دونوں کی نظروں سے پوشیدہ ہی تھی۔

قدرت صائمہ کی مدد کر رہی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ایاز کے جانے کے بعد اُس نے ریشم سے پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ ریشم ہر بات بتا رہی تھی سوائے نعمان ایزد کی بدتمیزیوں کے۔ اگر وہ صائمہ کو بتا دیتی کہ نعمان ایزد کے آوارہ ہاتھوں نے اس کے بدن پر آوارگی کی ہے تو صائمہ اس کو کبھی بھی دوبارہ وہاں نہیں جانے دیگی اور اس کے خوابوں کو ملنے والی حقیقت میں کبھی بھی تعبیر کا رنگ نہیں بھرا جائیگا۔ اور وہ شمعون کی باتوں کو بھی نہ بتا سکی بلکہ اس نے سرے سے ہی اس کا تذکرہ نہ کیا تھا۔ وہ اپنے خوابوں کو زندگی دینے کے لیے ہر لمٹ ہر حد کراس کرنے کا تہیہ جو کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

گھر میں حارث اور جویریہ کی منگنی کی تیاریں ہو رہی تھیں۔ جویریہ کے پاؤں ہی زمین پر نہ ٹک رہے تھے وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے باپ کے گھر میں راج کیا تھا اور آگے ملنے والا گھر بھی ارب پتی لوگوں کا تھا اور پھر پڑھا لکھا بزنس مین اس کا شریک زندگی بننے جا رہا تھا۔ اور حارث کو اُس نے تھوڑے ہی عرصہ میں دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا اور وہ خوش قسمت تھی کہ جس کو تھوڑے سے عرصہ کے لیے دیکھا۔ من میں بسایا اور ساتھ گزارنے کے خواب دیکھے تھے وہ اسی کو آسانی سے مل گیا تھا۔

''سر آپ آپی کی شادی میں آئیں گے؟'' انیقہ نے ایاز کی آنکھوں میں جھانکا اور بولی تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''اگر جویریہ انوائٹ کریگی تو ضرور آؤں گا۔'' لفظوں میں اداسی اور لہجہ بھیگا ہوا کیوں تھا اس بات کا خود ایاز کو بھی علم نہ تھا۔ مگر اس کی سوگواری کو چھپانے کے لیے وہ مسکرا دیا تھا۔

''جویریہ آپی ہی کیوں سر! میں بھی آپ کو انوائٹ کرونگی۔'' انیقہ حیران ہوتی ہوئی بولی تو وہ مسکرانے لگا اور بولا۔ ''تم.....؟ میرا مطلب ہے کہ آپ بلاؤ گی تو مجھے ایسا لگے گا کہ میں اس دن بھی ٹیوشن کر رہی آیا ہوں اور ابھی کلاس شروع ہونے والی ہے۔'' دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔ جویریہ اُدھر آ نکلی ان کو ہنستا دیکھ کر وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ایاز نے اس کے چہرے کا طواف کیا تو وہاں خوشیاں ہی خوشیاں رقصاں دیکھ کر وہ نظریں جھکاتا ہوا بولا۔ ''السلام علیکم؟''

جویریہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ خود اگڑ بگڑ گئی اور بولی۔ ''آئی ایم سوری..... وعلیکم السلام۔'' وہ شرمندگی محسوس کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہ تھا بلکہ.....'' وہ جان بوجھ کر خاموش ہو گیا تو جویریہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''بات پوری کریں نا پلیز۔''

''آپ کو منگنی کی مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔'' ایاز نے دل کے الفاظ زبان سے ادا کیے تو کئی اَن چاہے ارمانوں کا خون بھی ساتھ ہی بہہ نکلا۔ ایسا کیوں تھا۔ وہ خود سے پوچھنے پر مجبور تھا۔ لیکن ابھی کوئی جواب نہ مل رہا تھا۔

''تھینکیو!'' جویریہ مختصراً بولی تو انیقہ نے ایک سوال پوچھنا شروع کر دیا وہ اس کو سمجھانے لگا اور پوری توجہ سے انیقہ کی تعلیم کی

http://kitaabghar.com

طرف متوجہ ہو گیا..... جویریہ نے بات کو آگے بڑھایا اور بولی۔

''ویسے آفرین ہے صائمہ بواء کے جس نے اپنی ساری زندگی بلکہ جوانی بھی اپنے بیٹے پر لٹا دی۔''

''مجھ سے بڑی ایک بہن بھی ہیں۔ ریشم آپی۔'' ایاز نے وضاحت کی وہ صائمہ کی اکلوتی اولاد نہیں ہے بلکہ ایک بہن بھی ہے۔ وہ بھی ماسٹرز کر چکی ہیں۔

''واؤ..... کس سبجیکٹ میں؟'' جویریہ اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

''اکنامکس میں۔'' ایاز نے جواب دیا تو جویریہ حیرانگی سے آنکھیں کھولیں اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''وہ بھی ایک اچھی سی فرم میں جاب کر رہی ہیں اور امی نے ہم دونوں کو بہت ہی محنت اور پیار سے پڑھایا ہے۔'' ایاز نے ریشم کا مزید تعارف کروایا تو وہ اور بھی حیران ہو گئیں۔

''اور آپ.....؟'' جویریہ نے اس کی تعلیم کا پوچھا تو وہ اپنے بارے میں بتانے لگا۔

''میں اب آپ کے ہونے والے دیور شمعون کا کلاس فیلو ہوں۔'' جویریہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں۔

''وہ تو کافی مہنگی یونیورسٹی ہے.....'' اسے لگا کہ اس کے اس فقرے نے ایاز کو ہرٹ کیا ہے۔ وہ بات بدلتی ہوئی بولی۔ ''میرا مطلب ہے کہ شمعون کی سٹڈی تو کافی مہنگی ہے۔''

ایاز اس کی بات سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا بولا۔ ''ہاں! شمعون اور مجھ میں فرق یہی ہے کہ میری ماں کو اپنا زیور بیچنا پڑا ہے..... اور اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''صائمہ بواء عظیم ہیں قسم سے۔ اور آپ بہت لکی ہو کہ ان کے بیٹے ہو۔''

''میری ماں واقعی اس دنیا کی عظیم ترین ماں ہیں۔'' ایاز نے صائمہ کی تعریف جویریہ کے منہ سے سنی تو اُسے بہت ہی اچھا لگا۔ ''انہوں نے اپنے دن رات ایک کر کے ہم دونوں بہن بھائی کی تربیت اور اچھی پرورش پر لگایا ہے۔ میں ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں اور اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ میں ان کا بیٹا ہوں۔''

''سو نائس..... امیزنگ صائمہ بواء۔ سچ اے گریٹ وومین ان دی ورلڈ۔'' جویریہ صائمہ کی تعریفیں کر رہی تھی اور ایاز کا سینہ فخر سے چوڑا ہو رہا تھا۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ صائمہ نے اپنے جوانی کے دن رات اپنے دو بچوں پر خرچ کرنے کو ترجیح دی تھی۔ جوانی میں ہی بیوگی کا کفن اوڑھنے کے باوجود بھی اس نے ہمت نہ ہاری تھی اور ان بچوں کی پرورش کے لیے خود کو بے رحم اور سنگدل زمانے کے ہاتھوں میں کھلونا بننے کی بجائے حالات کا ڈٹ کر سختی سے مقابلہ کیا تھا اور آج اس کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ ریشم کو اچھی جاب مل گئی تھی اور ایاز کی تعلیم کا بھی آخری سال چل رہا تھا۔ وہ بھی جو کورس کر رہا تھا اس کی بھی کافی ڈیمانڈ تھی۔ اور ان دونوں بچوں نے بھی ماں کی ہمت کی لاج رکھتے ہوئے

http://kitaabghar.com

اس کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔ اور یہ صائمہ کی پر خلوص محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ آج ایاز ملک کے نامور جج کے گھر ان کی بیٹی کا استاد بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس بات کو لے کر صائمہ کا بھی سر فخر سے بلند اور سینہ غرور سے چوڑا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اپنی عاجزی اور مسکینی کو نہ بھولی تھی۔

''آپ کو منگنی مبارک ہو میڈم جویریہ!'' ایاز نے کہا تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''شکریہ میں میڈم نہیں ہوں..... سر!'' ہلکا سا قہقہہ لگا تو وہ بولا۔

''میں بھی آپ کا سر نہیں ہوں..... سر تو میں انیقہ کا ہوں۔''

''تھینکیو سر!'' انیقہ چہکتی ہوئی بولی۔ ''اسی بات پر میں آپ کو چائے پلواتی ہوں۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی اور جویریہ سے مخاطب ہوئی۔ ''آپی آپ چائے لیں گی؟''

''ضرور لوں گی بلکہ میں تو اس کو اپنی خوش قسمتی تصور کروں گی کہ میں ایاز کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کا شرف حاصل کروں گی۔''

اس بار جویریہ نے براہ راست ہی اس کا نام لیا تو ایاز کا دل دھک سے دھڑک گیا۔ انیقہ جا چکی تھی۔

''کیوں مجھے شرمسار کر رہی ہیں آپ؟''

''میں جینئیس لوگوں کی بہت قدر کرتی ہوں..... اور آپ کی قدر بھی کرتی ہوں اور آج سے عزت بھی کرنے لگی ہوں۔''

''اتنی مہربانی مجھ پر کیوں؟'' ایاز ہونٹوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔

''کیونکہ تم اس کے حقدار ہو۔'' وہ سر سے صرف ایاز اور اب آپ سے تم پر آ گئی تو ایاز کو اس کی بے تکلفی بہت ہی اچھی لگی تھی۔

''بعض اوقات تقدیر ظرف سے بھی زیادہ نواز دیا کرتی ہے.....'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''تب انسان کو اپنے مقدر پر شک ہونے لگتا ہے۔'' جویریہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیا آپ کو نہیں لگتا کہ عزت اور احترام آپ کا حق ہے؟''

''میں خود کو ان چیزوں سے بھی اوپر کا حقدار سمجھتا ہوں۔'' وہ بولا تو جویریہ کا ایسا دیکھنے کا انداز استفہامیہ بھی تھا اور حیران کن بھی تھا۔ ''خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو چاہے جاتے ہیں۔''

''واؤ..... امیزنگ۔ اچھی بات کہی ہے آپ نے۔'' اب وہ پھر تم سے آپ بولی تھی۔ ''چاہے جانے کا احساس آپ کو الگ ہی دنیا کا باسی بنا دیتا ہے۔''

''جسے چاہا جائے اُسے ہی پا لیا جائے تو محبت پر اندھا دھند اعتماد کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' ایاز نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''آہا! صائمہ بواء کو یہ پتہ ہے کہ اس کا بیٹا شاعر بھی ہے۔'' اس کے معصوم انداز پر وہ ہنستا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ آنکھوں کے راستے سیدھی دل میں اُتر گئی۔

http://kitaabghar.com

''محبت چیز ہی ایسی ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی تو اس کی آنکھوں کے سامنے حارث نعمان آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے سراپا میں کھوئی ہوئی بولی۔ ''جسے چاہا جائے اُسے ہی پایا جائے تو محبت پر اندھا دھند اعتماد کرنے کو جی چاہتا ہے..... بالکل ٹھیک کہا ہے آپ نے۔''

''ایاز کو اس کے کھوئے ہوئے رویے کی سمجھ نہ آئی تھی۔ وہ یک دم چونکی اور ایاز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ پرسنل ہے آپ ناراض تو نہیں ہو سکتے؟''

''میں کبھی بھی کسی سے ناراض نہیں ہوتا۔ آپ پوچھیں۔'' وہ خوش دلی سے بولا تھا۔

''آپ نے کسی سے محبت کی ہے؟'' اس سوال نے ایاز کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں اس احساس سے نابلد نہیں ہوں..... لیکن ابھی تک کوئی ایسا نہیں ملا جسے میں چاہوں۔ ایک ملا ہی تھا..... مگر.....'' وہ آنکھیں جھکاتا ہوا خاموش ہو گیا۔

''مگر کیا ایاز.....؟'' یہ تین الفاظ جویریہ کی بے تکلفی کو ظاہر کرتے تھے۔ لیکن وہ اس بار نظریں نہ اُٹھا سکا اور جھکی ہوئی نظروں سے ہی بولا۔ ''مگر..... میں دیر سے پہنچا تھا.....''

''پھر..... پھر کیا ہوا.....؟ تم نے اُسے بتایا نہیں کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟'' جویریہ اس کی کہانی میں دلچسپی لے رہی تھی اور وہ تجسس سے پوچھنے لگی تھی۔

''مجھے جب پتہ چلا کہ وہ کسی اور کی ہو گئی ہے تو..... مجھے حوصلہ ہی نہیں ہوا..... بس دل کی بات دل میں ہی رہ گئی ہے۔'' وہ ایاز کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگی تو ایاز اس کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ اب جویریہ کو کیا بتاتا کہ اُس نے ایاز کی پہلی نظر میں ہی نیندیں چرالی تھیں۔ جب وہ ایکسیڈنٹ والے دن ایفیڈ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس دن کو اس حادثے کو ایاز کبھی بھی نہ بھول سکتا تھا۔ مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ جویریہ جسٹس بصیر احمد کی بیٹی ہے تو اس کو اپنی نیندوں اور چین و قرار کو لوٹ آنے کے لیے درخواست کرنا پڑی تھی لیکن تقدیر اس کو گھیر کر جویریہ کی چوکھٹ پر ہی لے آئی تھی۔ اور آج وہ جویریہ کو کسی اور کی ہو جانے پر مبارک باد پیش کر رہا تھا۔ یہ تقدیر کی ستم ظریفی تھی اور وہ اس ستم ظریفی پر ہنسنے کے لیے جویریہ کا ساتھ دینے پر مجبور تھا اور اس کو یہ بھی علم تھا کہ وہ اپنے ہی اوپر ہنس کر اپنا ہی مذاق اڑا رہا ہے۔

''دل کی باتیں اگر دل میں ہی رہ جائیں تو روگ بن جاتی ہیں..... تم ایک بار اس کو کہہ کر تو دیکھو..... شاید وہ بھی تم سے محبت کرتی ہو؟'' جویریہ اس کی آنکھوں میں اداسی دیکھ کر بولی تھی۔ اس کو دُکھ ہو رہا تھا کہ وہ ایاز سے کیوں پوچھ بیٹھی۔ مگر اب بات کو کوئی ڈھب پر لا کر ختم بھی کرنا تھا۔

''نہیں جویریہ!'' وہ بے ساختہ بولا تو جویریہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''میں چور نہیں ہوں۔ اور نہ ہی بے ایمان ہوں۔ اس کے دل میں جس کی محبت بسی ہے وہ اس پر بہت خوش ہے۔ اور میں اس کی خوشیوں میں اپنے جذبات کو ایک چنگاری بنا کر پیش کر کے

http://kitaabghar.com

بے ایمانی نہیں کرنا چاہتا.....بس وہ سدا خوش رہے۔'' ایاز مسکرانے لگا۔ کیونکہ انیقہ کے ساتھ آنے والی ملازمہ کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے بھی تھی جس میں دیگر لوازمات بھی تھے۔

☆.....☆.....☆

برقی قمقموں سے سجا ہوا ہوٹل اس بات کا اشارہ دے رہا تھا کہ آج کا فنکشن کوئی معمولی قسم کا فنکشن نہیں ہے اور یہ بات بھی سچ تھی کہ بصیر احمد اور نعمان ایزد نے پورا زور لگا دیا تھا کہ وہ اپنی اپنی شان و شوکت کو دکھا سکیں۔

حارث نعمان ٹو پیس سوٹ میں شہزادہ لگ رہا تھا اور جویریہ بھی کسی پرستان سے آئی ہوئی پریوں کی ملکہ کی طرح صوفے پر اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شہر کے تمام معززین کو اس منگنی میں مدعو کیا گیا تھا اور جب حارث نے جویریہ کو منگنی کی ڈائمنڈ رنگ پہنائی تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

''تھینکیو جویریا'' حارث نے اس کے کان میں کہا تو وہ شرم سے سرخ ہو گئی تھی اور ایک تیکھی نظر سے حارث کی طرف دیکھا تو وہ پھر بولا۔ ''اب قتل کرنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''حارث پلیز.....یہ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں آپ؟'' وہ دھیرے سے بولی تھی حارث مسکرانے لگا تھا۔

نعمان ایزد نے جویریہ کو سلامی کے طور پر پانچ لاکھ روپے جبکہ جہان آرا بیگم نے ایک خوبصورت گولڈ کا سیٹ تحفہ میں دیا تھا۔ افنیٰ نے بھی بہت ہی پیارا ایک گولڈ کا بریسلٹ جبکہ مطربہ نے اپنی ہونے والی بھابی کو ڈائمنڈ کا کنگن پیش کیا تھا۔ اور اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے شمعون بھی پیچھے نہ رہا تھا اس نے بھی جویریہ کو ایک گھڑی دی تھی جس کے ہندسے ہیروں سے بنے ہوئے تھے۔

انیقہ اور انصر نے بھی حارث نعمان کو بہترین اور قیمتی تحفوں سے نوازا تھا جبکہ بصیر احمد نے حارث نعمان کو تحفہ میں ایک خوبصورت قیمتی گاڑی دی تھی اور ثانیہ بیگم نے قیمتی گھڑی دی تھی اور جو انگوٹھی جویریہ نے حارث نعمان پہنائی تھی وہ خالص گولڈ کی تھی لیکن اس میں لگایا جانے والا یاقوت کا قیمتی پتھر اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ جویریہ اسی یاقوت کی سرخی کی طرح دل کی گہرائیوں سے حارث کو چاہتی ہے۔

''اگر نکاح ہوا ہوتا تو خدا کی قسم ابھی کے ابھی اٹھا کر لیجاتا تمہیں۔'' حارث نعمان بولا تو جویریہ کے ہونٹوں پر شرارتی مسکان دوڑ گئی۔ ''میں ابھی پاپا کو بتاتی ہوں۔'' اتنا کہنا ہی تھا کہ حارث نعمان خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''کیا کر رہی ہو..... پٹواؤ گی کیا؟'' جویریہ کی بے ساختہ ہنسی نے دور کھڑے ایاز کے دل کا خون کر دیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاب کا پھول تھا اور وہ یہ پھول جویریہ کو دینا چاہتا تھا لیکن اس کو انتظار تھا کہ حارث جویریہ کے پہلو سے اٹھ کر ادھر اُدھر ہو جائے تو وہ اپنا قیمتی تحفہ جویریہ کو دے سکے۔

''سر آپ! یہاں کھڑے ہیں؟'' انیقہ اس طرف آنکلی تھی وہ ایاز سے مخاطب ہوئی تو وہ ہنستا ہوا پھول چھپا کر بولا۔ ''میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ وہ شمعون ابھی آتا ہے اس سے کچھ بات کرنا ہے۔'' ایاز نے بات بدلی تو انیقہ نے شرارتی لہجے میں پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔ ''یہ آپ کیا چھپا رہے ہیں سر؟''

''ایاز نے پھول والا ہاتھ باہر نکالتے ہوئے انیقہ کی طرف بڑھایا تو انیقہ نے خوش ہو کر وہ پھول پکڑا اور ''تھینکیو'' کہتی ہوئی پھول لے کر وہاں سے چلی گئی اور ایاز کہہ ہی نہ پایا کہ یہ پھول وہ جویریہ کے لیے لیا تھا۔''

مہمانوں کی بہترین کھانوں سے تواضع ہو رہی تھی کہ مطربہ کو اکیلے دیکھ کر انصر کو بات کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور بولا۔

''آپ کھانا نہیں کھا رہیں؟'' مطربہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو انصر کے دل کی دنیا اُلٹ پلٹ ہو گئی۔

''اگر یہی سوال میں آپ سے کروں تو.....؟''

''میں تو جناب کا میزبان ہوں۔'' انصر مسکراتا ہوا بولا۔

''میزبان تو میں بھی ہوں..... چونکہ یہ فنکشن مشترکہ ہے۔'' مطربہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''تو پھر کیوں نا ایک ہی پلیٹ میں کھایا جائے؟'' اس خوبصورت آفر پر مطربہ حیرت سے بولی۔

''کیا ایسا پوسیبل ہے؟'' انصر نے کندھے اچکاتے ہوئے ایک پلیٹ پکڑی اور کسٹرڈ کی ڈش سے پلیٹ میں کسٹرڈ نکالا اور دو چمچ رکھتا ہوا مطربہ کے پاس آ گیا تو وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے شرماتے ہوئے انصر کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا اور اس نے پلیٹ والا ہاتھ آگے کر رکھا تھا۔

''پلیز انکار نہ کیجیے گا۔'' انصر نے کہا تو مطربہ کو ایک نوالہ لینا ہی پڑا۔ اسی پلیٹ سے انصر نے بھی ایک نوالہ لیا اور تھینکیو کہتا ہوا پلیٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر آگے بڑھ گیا۔

''کیسے ہو ماسٹر جی!'' ایاز کو اپنے پاس سے ہی اقصیٰ کی آواز سنائی دی تو وہ چونک کر اس کی طرف مڑا اور دیکھتا ہوا بولا۔

''آپ کیسی ہیں میڈم اقصیٰ؟''

''میں تو بہت مزے میں ہوں۔'' یہ اقصیٰ کی فیلڈ والی زبان تھی۔

''جو مزے میں ہو اس کو تو دوسروں کا حال پوچھنے کا خیال کبھی نہیں آتا۔'' ایاز ہنستا ہوا بولا تھا۔ ''آپ کو اتنے مزے کی زندگی میں مَیں کیسے یاد رہ گیا؟'' ایاز کے لہجے کی کاٹ اور چبھن محسوس کرتی ہوئی اقصیٰ بولی۔

''سنا ہے بھوکے لوگ اچھے شکاری ہوتے ہیں لیکن..... جب ان کو کچھ بھی نہ ملے تو یہ مردار بھی کھا لیتے ہیں۔'' یہ سیدھا سیدھا ایاز کی شخصیت پر وہ حملہ تھا جسے وہ کبھی بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت خود پر قابو رکھنا ہی اس کے مفاد میں تھا اور روشن مستقبل کی ضمانت بھی تھا۔

''عقاب کتنا ہی بھوکا کیوں نہ ہو..... وہ کبھی بھی زمین کی پستی پر جا کر شکار نہیں کرتا مس اقصیٰ۔'' ایاز کا ترکی بہ ترکی جواب اقصیٰ کو تلملانے کے لیے کافی تھا۔

''میں بھی کوئی گری پڑی چیز نہیں ہوں کہ بھوکے عقاب مجھے باپ کا مال سمجھ کر کھانے کے لیے آجائیں۔'' اقصیٰ بھی بظاہر اپنے غصے پر قابو پاتی ہوئی بولی تھی۔ وہ دوسرے مہمانوں کی طرف دیکھتی ہوئی ہنس بھی رہی تھی۔

''مجھے ترس اور رحم آتا ہے اس پرندے پر جو خود نمائی اور خوش فہمی کا شکار ہو کر اونچی اڑان بھرتا ہے اور پھر ایک دن خود بخود ہی شکروں کی خوراک بن جاتا ہے۔'' ایاز آج اس کو زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ''مجھے نجانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میرا آپ کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ ہے جو مجھے آپ کی حیاء اور عزت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔''

''رشتے بنانا آسان اور نبھانا بہت مشکل ہے ماسٹر!'' وہ تلخی سے بولی تو وہ جواباً ہنستا ہوا کہنے لگا۔

''مجھے معلوم ہے کہ رشتے نبھانا مشکل ہے اسی لیے تو پرہیز کر رہا ہوں۔'' اس نے اپنی پلیٹ ایک میز پر رکھی اور جج صاحب کی طرف بڑھ گیا۔ ان کو جویریہ کی منگنی کی مبارک باد دی تو اس کو دور کھڑے نعمان ایزد بھی نظر آ گئے وہ ان کو بھی مبارک دینے کے لیے آگے بڑھا تو اتنی دیر میں وہ خود ہی اس کی طرف مڑے تو دونوں کی ٹکر ہوتے ہوتے رہ گئی اور اس ٹکر کو دور کھڑی صائمہ بھی دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم سوری سر! میں آپ ہی کی طرف آ رہا تھا۔'' ایاز نے شرمندگی سے کہا تو نعمان ایزد مسکراتے ہوئے بولے۔

''سوری تو مجھے کرنا چاہیے میں یکدم ہی مڑ گیا تھا۔''

''آپ سیاستدان ہیں سر!'' ایاز نے اس کی بات پکڑ لی تھی۔ ''آپ کی زندگی میں ایسے اچانک موڑ تو آتے ہی رہتے ہیں۔'' اس فقرے نے نعمان ایزد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ''آپ کو حارث بھائی کی منگنی کی مبارک ہو سر!'' وہ پھر بولا تو نعمان ایزد چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور زبردستی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے ایاز کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر بولے۔

''مجھے خوشی ہے کہ مطربہ کو پڑھانے والا استاد نوجوان تو ہے لیکن الفاظ کے ساتھ کھیلنا بھی خوب جانتا ہے۔'' ایاز نے ان سے ہاتھ ملایا تو صائمہ کے چہرے پر ان جانی سی خوشیاں رقصاں ہو گئیں تھیں۔

نعمان ایزد اور بصیر احمد جویریہ اور حارث نعمان کو سٹیج پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

''اب شادی کا کیا ارادہ ہے؟'' نعمان ایزد نے بصیر احمد سے پوچھا۔

''کچھ شرم کرو..... تانیہ سامنے کھڑی ہے اور تم شادی کا ارادہ پوچھ رہے ہو؟'' بصیر احمد ان کو چڑانے والے انداز میں بولے تو نعمان ایزد نے زوردار قہقہہ لگایا تو سبھی مہمان ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''تمہیں تو اسمبلی میں ہونا چاہیے بصیر احمد..... بات کو پکڑنا اور گول کر جانا..... واہ کیا کمال کے اداکار ہو تم بھی۔'' نعمان ایزد نے کہا تو بصیر احمد ہنستے ہوئے بولے۔

''اللہ تعالیٰ مجھے عزت کی عطا فرما رہا ہے..... اسمبلی میں تم جیسے ہی کافی ہیں۔''

''تو کیا ہم حرام کی کھاتے ہیں؟'' نعمان ایزد آنکھیں نکالتے ہوئے بولے تو اس بار قہقہہ لگانے کی باری بصیر احمد کی تھی۔ اس بار

http://kitaabghar.com

بھی کبھی مہمان ان کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ مگر وہ سب سے بے نیاز اپنی ہی باتوں میں مگن تھے۔ ''اگر کھاتے نہیں ہو تو پھر گھبرانے کی کیا بات ہے؟'' بصیر احمد نے کہا تو نعمان ایزد ہنستے ہوئے ان کی طرف دیکھنے لگے اور بولے۔ ''اُلو کی دم۔ میں جویریہ اور حارث کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔ تم بھی ناہات کو کدھر سے گھما پھرا کر کدھر لے گئے ہو۔''

''مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ کچھ تیاری کرنا ہے۔ ہم بہت جلد ہی شادی کی تاریخ بھی باہمی رضامندی سے طے کر لیں گے۔'' جسٹس بصیر احمد بیٹی کے باپ بن گئے تھے ان کے لہجے میں عاجزی تھی۔

''چل پھر ٹھیک ہے جیسا تم کہو گے ویسا ہی کر لیں گے.....'' نعمان ایزد بصیر احمد کو سنجیدہ ہوتا دیکھ کر سنجیدگی سے بولے تھے۔ بصیر احمد ان سے اجازت لے کر سٹیج کی جانب بڑھ گئے جہاں ثانیہ اور جہاں آرا بیگم خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

نعمان ایزد کی نظریں تمام مہمانوں کا طواف کرتی ہوئیں سٹیج کے کونے پر گئیں تو وہ صائمہ کو دیکھ کر حیران اور پریشان ہو گئے تھے۔ ان کے دل کی دھڑکنیں یکدم تیز ہو گئیں جب انہوں نے دیکھا کہ صائمہ بھی اُنہی کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں اتنی تیز تھیں کہ نعمان ایزد کو ان چنگاریوں کا سینک اور تپش دور کھڑے بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

''نعمان ایزد..... تیار ہو جاؤ..... ایک طوائف کا انتقام شروع ہونے والا ہے۔'' یہ فقرہ ان کی سماعتوں سے اس طرح ٹکرایا تھا کہ گویا صائمہ نے ان کے کان میں آ کر کہا ہو..... وہ چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگے تو ان کو کوئی بھی ایسا نہ نظر آیا جو ان کے ساتھ ایسا مذاق کر سکتا ہو۔ انہوں نے دوبارہ صائمہ کو دیکھنا چاہا مگر وہ کہیں بھی ان کو نظر نہ آئی..... وہ کن انکھیوں سے اپنے اردگرد دیکھتے رہے مگر صائمہ ان کو ایک وہم کی طرح اور خواب کی طرح لگی تھی۔ وہ سمجھنے لگے کہ صائمہ کو دیکھنا ان کی بصارت کا دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔

حارث نعمان آہستگی سے جویریہ کے پہلو سے اُٹھا اور ایکسکیوز کرتا ہوا سٹیج سے نیچے اُتر آیا اس کو کوئی ارجنٹ کال آ گئی تھی۔ اب سٹیج پر مطربہ اور جویریہ ہی تھی۔ ایاز ان کو دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور مطربہ اس کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی تو اس نے کہا۔

''آپ تشریف رکھیں مطربہ! میں تو مس جویریہ کو مبارکباد دینے آیا ہوں۔'' مطربہ جویریہ کے پہلو میں بیٹھ گئی تو جویریہ نے نظریں اُٹھا کر ایاز کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تھینکیو!''

''میری بھابھی کیسی لگی ہیں سر؟'' مطربہ نے پوچھا تو ایاز مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''بہت اچھی! مجھے تو بہت ہی اچھی لگی ہیں۔'' مطربہ تو مسکرا دی لیکن جویریہ ایاز کے اس طرح کے ہلکے پھلکے رویے پر چونکے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اس نے غور سے ایاز کی طرف دیکھا تو وہاں اداسی اور سوگواری کے سوا کچھ بھی نظر نہ پا کر جویریہ کی نظریں جھک گئیں اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

ریشم کا پہلا موقع تھا کہ وہ نعمان ایزد کو آفس میں نہ پا کر پیچھے والے دروازے کو کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی اور اندر کی دنیا دیکھ کر اُس کے ہوش ہی اُڑ گئے تھے۔ انتہائی قیمتی بیڈ اور اس کے کرد بنا ہوا شراب خانہ اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ نعمان ایزد نے اس جگہ کو اپنی عیش گاہ بنایا ہوا ہے۔ آج نعمان ایزد سکندر کے ساتھ پھر شہر سے باہر تھے۔ اور ریشم نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کمرے میں جھانکنے کی جرات کر لی تھی۔ وہ اس طرح کا ماحول دیکھ کر ایک بار تو کانپ کر ہی رہ گئی تھی لیکن پھر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو پرسکون کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ امیروں اور ان جیسے سیاستدانوں کے شوق ایسے ہی ہوتے ہیں۔

وہ حیران کھڑی پریشان نظروں سے اس حیرت زدہ ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ بیڈ کے گرد ایک مسہری طرح کی قیمتی ریشمی کپڑے کی جالی اس طرح لگائی گئی تھی کہ وہ چھت سے لیکر نیچے بیڈ کو تین اطراف سے کور کر رہی تھی اور اس کے اوپر چھت سے لٹکا ہوا ایک قیمتی فانوس اس کی خوبصورتی میں کافی اضافہ کر رہا تھا۔

ریشم نے حوصلہ کر کے اپنے قدم آگے بڑھائے اور بیڈ کی چادر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ اپنے دیکھے جانے کے ڈر سے ایسا کر رہی ہے۔ لیکن اس وقت کمرے میں اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ اس کو حارث نعمان کی منگنی کی تمام بات صائمہ اور ایاز کی زبانی معلوم ہو چکی تھی۔ وہ اس تقریب میں مدعو نہ تھی کیونکہ وہ بڑے بڑے لوگوں کی خاص تقریب تھی۔ ایاز اس میں مطربہ اور انیقہ کے استاد کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ صائمہ بصیر احمد کی طرف سے خاص طور پر اس دعوت میں مدعو کی گئی تھی۔ سکندر اور ریشم ملازم ہونے کے ناطے اس خصوصی پرائیویٹ تقریب میں مدعو نہ کیے گئے تھے۔

اب اس کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ کتنے امیر آدمی کی پرسنل سیکریٹری بن گئی ہے۔ وہ آہستگی سے اس ریشمی چادر پر لیٹ گئی جو نرم گدے پر بچھی ہوئی تھی۔ اس کو سکون محسوس ہوا تو اپنے گھر کی وہ چارپائی یاد آ گئی جو اس کے جسم کو برداشت کرنے کی طاقت بھی اسی طرح رکھ پا رہی تھی جس طرح انہوں نے اپنی عزت کا بھرم رکھنے کے لیے فاقے بھی کیے تھے۔ لیکن آج اس کی اچھی تنخواہ اور ایاز کی ٹیوشن سے گھر کی حالت بدلنا شروع ہو گئی تھی۔

وہ اُٹھ کر کمرے میں بنی ہوئی ایک بڑی سی سوئنگ الماری کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے ایک خانہ کھول کر دیکھا تو اس میں نعمان ایزد کے قیمتی سوٹ ہینگروں پر لٹک رہے تھے۔ دوسرے خانے میں جوتے اور دیگر سامان تھا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نعمان ایزد کہیں بھی جانے کے لیے اپنے بیڈروم کی بجائے اس بیڈروم سے تیار ہو کر جاتے تھے۔ باقی چار پانچ خانوں کو لاکڈ کیا گیا تھا۔ ان میں نامعلوم کیا تھا۔ اس بات کو جاننے کا تجسس ریشم کو ضرور تھا لیکن وہ ان تالوں کو توڑنے کی بیوقوفی نہ کر سکتی تھی۔ اس نے ایک دیوار میں ایک دروازہ دیکھا تو وہ باتھ روم تھا اور کھڑکی پر لٹکے ہوئے دبیز اور ریشمی پردوں کو تھوڑا سا سرکایا تو سامنے اس کو ایک وسیع لان نظر آنے لگا اور دور ایک عمارت نظر آنے لگی۔ یہ وہی عمارت تھی جو نعمان ایزد کی رہائش گاہ تھی اور ریشم اسی عمارت کے گیٹ کے سامنے سے گزر کر آتی تھی۔

اس نے پردہ درست کر دیا اور واپس آ کر پھر سے بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کی نگاہ ایک بڑے سے آئینے پر پڑی جو کہ دیوار میں نصب

http://kitaabghar.com

تھا اس کے سامنے ایک ٹیبل کی طرز کا لکڑی کا ٹیبل بھی بنا ہوا تھا یعنی ڈریسنگ ٹیبل کی خوبصورت اور جدت آمیز شکل تھی وہ آگے بڑھ کر اس آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ وہ قد آور آئینے میں کھڑی اپنے بناؤ سنگھار کو درست کرنے لگی اس کو یکدم خیال آیا کہ اگر وہ اس عمارت میں دلہن بن کر آجائے تو یہ سب کچھ اس کا ہو سکتا ہے۔ اس کمرے کی ہر چیز اس کی ملکیت ہو سکتی ہے اور وہ ہر چیز پر راج کر سکتی ہے۔ لیکن یکدم ایک خیال بجلی کی طرح کوندا کہ وہ دلہن کس کی بنے گی۔ نعمان ایزد یا شمعون کی..... دونوں ہی اس کو چاہتے تھے۔

اس نے نعمان ایزد کی نظروں میں جتنی ہوس اور غلاظت محسوس کی تھی اتنی ہی پاکیزہ نظریں شمعون کی تھیں اور وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار بھی کر گیا تھا۔ اس نے برملا کہہ دیا تھا کہ وہ ریشم کا دیوانہ ہے۔ لیکن اس کے برعکس نعمان ایزد اس کو اپنی ''پرسنل سیکریٹری'' بنانے کے لیے اس سے کھیلنا چاہتا تھا۔ نعمان ایزد اس کے بدن کا مالک بن کر اس کو کھلونا سمجھ کر اس سے اپنا دل بہلانا چاہتا تھا لیکن شمعون اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔ وہ اس کے دل پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ وہ ریشم کو دل کی دنیا میں ایک الگ ہی انوکھا ہی مقام دینے کا سوچ رہا تھا۔

وہ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی کہ وہ محبت شمعون سے کرتی ہے تو نعمان ایزد اس کے بدن سے کھیلنے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ اگر وہ نعمان ایزد کی نوکری چھوڑتی ہے تو اس کے سپنے ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اس کے خوابوں کو حقیقت نہیں ملتی اور وہ پھر اس نوکری کو چھوڑنے کے بعد شمعون سے بھی کیسے مل سکتی تھی۔ اب تو اس کو کوئی روک ٹوک نہ تھی اور وہ گھر سے نوکری پر ہی آتی ہے۔ پھر اس کو خصوصی طور پر شمعون سے ملنے کے لیے وقت نکالنا پڑتا تھا جو کہ ناممکن تھا اور وہ تقدیر کی رضا ہی سمجھی تھی کہ اس کو شمعون سے ملوانے کا یہ تقدیر نے ایسا جال بنا تھا۔ جس میں وہ بُری طرح پھنس گئی تھی۔ لیکن اس جال کو کاٹ کر نکلنے کا مقصد اچھے مستقبل اور خوابوں کی تعبیر سے منہ موڑنا تھا۔ وہ اس رسک کو لینے کی کبھی بھی کوشش نہیں کریگی کیونکہ وہ شمعون کو کبھی بھی کھونے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔

اگر نعمان ایزد اس کو ''پرسنل'' سمجھ کر اس کو کھلونے کے طور پر کھیلنا بھی چاہے گا تو وہ شمعون کی محبت کو اپنے ان زخموں کا مرہم اور مداوا سمجھ کر زندگی گزارنے کی کوشش کریگی..... اور وہ کبھی بھی شمعون کو اپنے اور نعمان ایزد کے تعلقات کے بارے میں نہیں بتائیگی۔

وہ نعمان ایزد کی بانہوں میں جھولے گی تو صرف اپنی غربت ختم کرنے کے لیے اور اپنے بہتر اور محفوظ مستقبل کے لیے نعمان ایزد کی ہر جائز ناجائز خواہش کا احترام کریگی۔ وہ گاڑی، کوٹھی اور بہت سارا روپیہ چاہتی تھی اور یہ سب کچھ اس کو نعمان ایزد کی ''نوکری'' کرنے پر ہی مل سکتا تھا۔ ''اضافی کام اضافی اجرت۔''

وہ ذہنی طور پر اس بیڈروم کی زینت بننے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

سکندر نے تمام حالات و واقعات سے صائمہ کو آگاہ کر دیا تھا اور صائمہ تقدیر کی مہربانی پر خود کو خوش قسمت تصور کرتی ہوئی اپنے پلان پر عمل کرنے کے لیے تیار تھی۔

''اقصیٰ میڈم تو مجھ میں بہت دلچسپی لیتی ہے آپا!'' سکندر نے کہا تو صائمہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

http://kitaabghar.com

''اور تم.....؟'' یہ وہ سوال تھا جس پر سکندر کا مستقبل منحصر کرتا تھا۔

''ویسے وہ مجھے بھی اچھی لگنے لگی ہے۔'' سکندر نے شرمیلے نوجوانوں کی طرح شرماتے ہوئے کہا تو صائمہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تو پھر کیا پروگرام ہے میرے بھائی؟'' صائمہ کی اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی تو سکندر یکدم سنجیدہ ہو گیا اور بولا۔

''اقصیٰ کی محبت میرے انتقام کو روک نہیں سکتی آپا!'' وہ خوفناک ہو گیا تھا۔ ''آپا..... مجھے آج تک بھی وہ سسکیاں نہیں بھولیں جو بند کمرے میں میرے دل کو چیرتی تھیں۔ وہ آنسو آج بھی میرے دل پر گرتے ہیں جو تمہاری آنکھوں سے نکلتے تھے۔''

صائمہ اسکو سنجیدہ دیکھ کر ایک ٹھنڈی آہ بھرتی ہوئی بولی۔

''میں یہی دیکھنا چاہتی تھی کہ میرا بھائی اپنا انتقام تو نہیں بھول گیا۔'' صائمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''عورت کی محبت نے ظالم کو سخی اور شاہ کو فقیر بنانے میں کبھی دیر نہیں لگائی سکندر۔''

''نہ ہی میں ظالم ہوں اور نہ ہی بادشاہ..... لیکن اقصیٰ نے میرے دل میں اپنی محبت کی چنگاری سے جو آگ لگانے کی کوشش کی ہے..... وہ میرے انتقام کی آگ کو مزید بھڑکائے گی آپا!'' سکندر سلگ رہا تھا۔ ''کتنا انتظار اور کرنا پڑے گا؟''

''ابھی وقت نہیں آیا سکندر..... اس نے مجھے طوائف کہا تھا۔ بدکردار بدچلن اور ہر آنگن میں اترنے والے چاند جیسے گھٹیا الزامات سے مجھے نوازا تھا۔ اتنی ڈگریاں اٹھائے اٹھائے میں ابھی تک سفر میں ہوں سکندر۔'' صائمہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں۔ ''اب جا کر وہ یونیورسٹی ملی ہے جس میں نعمان ایزدی دی ہوئی ڈگریوں کی ڈیمانڈ ہے۔ تم دیکھنا کہ میں ایک ایک ڈگری کو نعمان ایزد کے خلاف کس طرح استعمال کرتی ہوں..... اس طرح کہ اس کی نسلیں بھی اس پر تھوکتی پھریں گی۔''

سکندر اپنی بہن کا یہ روپ دیکھ کر ہل کر رہ گیا تھا۔ اس نے صائمہ کے کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا اور بولا۔

''آپا! گڈی اور راجو کیسے ہیں؟ کبھی ان کی شکلیں ہی دکھا دو مجھے۔''

''میں تمہیں کسی دن اپنے گھر بلاؤں گی سکندر..... لیکن اس کام کے لیے مجھے ایسی زمین ہموار کر لینے دو کہ تمہیں آنے میں آسانی ہو جائے۔'' سکندر مسکراتا ہوا بولا۔

''ویسے گڈی تو اب بڑی ہو گئی ہوگی..... وہ کیا کرتی ہے آپا؟''

''وہ بہت پڑھ لکھ گئی ہے۔ اور ایک کمپنی میں اچھی نوکری کر رہی ہے۔'' صائمہ کا یہ جھوٹ سکندر پکڑ نہ سکا کیونکہ وہ صائمہ کی آنکھیں اور چہرے کے تاثرات نہ دیکھ پایا تھا۔ ''میں گڈی کی شادی پر تمہیں ضرور بلواؤں گی۔ تم آنا ضرور۔''

''ایک ماموں اپنی بھانجی کی شادی پر نہیں آئیگا تو پھر کون آئیگا آپا جی؟'' دونوں بہن بھائی ہی قہقہے لگاتے ہوئے ہنس پڑے تھے۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ کبھی اس کے گھر اندر گئے ہو؟'' صائمہ یہ سوال پتہ نہیں کیوں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں آپا! ابھی تک وہاں تک نہیں پہنچ پایا۔'' سکندر کے لہجے سے اداسی ٹپک پڑی تھی۔

http://kitaabghar.com

''سنا ہے کہ اس کا گھر شیش محل سے بھی خوبصورت ہے؟'' صائمہ کے انداز سے تجسس جھلک رہا تھا۔ سکندر اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔

''وہ نعمان ایزد کا گھر ہے..... کسی ایرے غیرے کا نہیں..... شیش محل جیسا تو ان کے محل کا ایک کمرہ ہوگا۔''

صائمہ مزید تجسس سے پوچھنے لگی۔

''تم نے کبھی سمیع اللہ کو وہاں دیکھا ہے؟'' یہ سوال سن کر سکندر چونک پڑا۔ اور کتنی ہی دیر خاموشی سے صائمہ کا منہ دیکھتا رہا اور کچھ توقف کے بعد کڑوی گولی کی طرح تھوک نگلتا ہوا بولا۔

''اگر دیکھ لیتا تو وہیں کھڑے کھڑے ہی اس کتے کا کام تمام کر دیتا۔''

''خود کو تحمل اور صبر کی گود میں لٹا دو سکندر۔ کوئی بھی کام جلد بازی کر کے میری ساری بساط کو اُلٹا نہ دینا۔ میں نے نعمان ایزد کو اس شکنجے میں پھانسنے کے لیے پچیس سال انتظار کیا ہے۔ ہر پل ہر لمحہ میں نے سولی پر لٹکتے ہوئے گزارا ہے۔ سکندر..... تمہیں میری قسم..... تم وہ کچھ بھی نہیں کرو گے جو صرف تمہارے من میں ہوگا۔'' صائمہ کی نظروں میں التجا دیکھ کر سکندر نے اپنی نظریں جھکا لیں اور بولا۔

''ٹھیک ہے آپا..... میں آپ کے درد کو بہتر سمجھتا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ تم نے گڈی اور راجو کو بہت ہی کٹھن مراحل سے گزر کر جس مقام پر کھڑا کیا ہے اس میں تمہاری کئی راتیں اور جوانی کے سنہری دن ضائع ہوئے ہیں۔''

''مجھے اپنے رب سے کوئی گلہ نہیں ہے سکندر..... لیکن مجھے یہی پتہ چلا ہے کہ محبت انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔''

صائمہ کے لہجے میں کرب و بلا جیسا سوگ نمود آیا تھا۔ ''میرے بچے ہی میرا سرمایہ ہیں اور میں اس سرمائے کو اس طرح خرچ کروں گی کہ میری تجارت نعمان ایزد کے ساتھ بھی ہو اور نقصان بھی اسی کا ہو۔''

''میں اپنی محنت اور آپ کی دعاؤں سے جس مقام پر پہنچا ہوں..... وہاں سے دیکھتا ہوں تو انتقام کے شعلے اس قدر بھڑکتے ہیں کہ ان کو میرے صبر اور تحمل کا پانی ہی وقتی طور پر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔'' سکندر ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا بول گیا تھا۔ ''میری طرف سے کوئی بھی فیصلہ آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریگا۔ بلکہ اٹل فیصلہ آپ ہی کا ہوگا۔'' سکندر کو صائمہ کی گود میں سر رکھ دیا تو وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔

''بس ایک تم ہی تو ہو جو میرے پاس ماں باپ کی نشانی ہے۔''

''سکندر نے اس بات کو سن کر عجیب سی نظروں سے صائمہ کی طرف دیکھا اور فریفتہ ہونے والی نظروں میں سحر بھرتی ہوئی بولی۔ ''سکندر! ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو ہم جانتے بھی نہیں ہوتے وہ یکدم سامنے آئیں تو پھر دل یہی چاہتا ہے کہ وہ آنکھوں کے

☆.....☆.....☆

گاڑی ساحل سمندر پر جا کر رک گئی تھی۔ اقصیٰ نے سکندر کی طرف پیار سے دیکھا اور فریفتہ ہونے والی نظروں میں سحر بھرتی ہوئی بولی۔ ''سکندر! ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو ہم جانتے بھی نہیں ہوتے وہ یکدم سامنے آئیں تو پھر دل یہی چاہتا ہے کہ وہ آنکھوں کے

http://kitaabghar.com

سامنے ہی رہیں۔" سکندر نے اپنے دل کے ہتھیاروں کو تیز کیا ہوا تھا وہ آج اقصیٰ کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ کیونکہ صائمہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس کو اپنے انتقامی عمل کو مزید تیز کرنا تھا اور لوہے کو اتنا گرم کر دینا تھا کہ وہ صائمہ کی لگائی ہوئی ایک زبردست چوٹ سے اس کی شکل ہی تبدیل کر دیتا یا پھر اپنے مطابق اس کو ڈھال لیتا۔

"میں تو خود تقدیر کی اس ستم ظریفی کا شکار ہوں میڈم!" اتنا سننا تھا کہ اقصیٰ تڑپ کر رہ گئی وہ چونک کر اس کی سمت مڑی اور اس کی آنکھوں میں گھورتی ہوئی بولی۔ "کیا کیا..... کیا تم کسی اور سے محبت کرتے ہو؟"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا میڈم!"

"مجھے میڈم مت کہو سکندر۔ صرف اقصیٰ کہو..... اقصیٰ۔ ذرا محسوس کرو میرے اس لہجے میں کتنی پیاس ہے۔ کتنا درد ہے۔ میری اس تشنگی کو تم ہی بجھا سکتے ہو سکندر۔ یہ اقصیٰ جس پر کئی نوجوان اپنا تن من دھن نچھاور کرنے کے لیے بے چین و بے قرار ہیں۔ مگر یہ اقصیٰ صرف تمہاری محبت کی پیاسی ہے۔ اس کی پیاس بجھا دو سکندر۔ صرف ایک بار یہ کہہ دو تم..... مجھ سے محبت کرتے ہو۔ صرف مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

اقصیٰ جذباتی ہو رہی تھی اور یہ بات سکندر کے حق میں تھی۔ اس نے لوہا گرم کر دیا تھا اب گہری ضرب لگاتا ہوا بولا۔ "میں غریب ہوں اقصیٰ....."

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں نے تم سے محبت کی ہے سکندر صرف تم سے۔" وہ لاپروائی سے بولی تھی۔ مگر اس کا لہجہ ہنوز پیاسا تھا۔ "صرف ایک بار سکندر۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں اقصیٰ۔" سکندر کی زبان سے اتنا سننا تھا کہ وہ دیوانی ہو گئی اور یہ بھی بھول گئی کہ وہ کس جگہ پر ہیں ان کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ دیوانہ وار سکندر کو چومنے لگی۔ وہ سکندر کے ہاتھوں کو بوسے دینے لگی۔ بلکہ اس نے سکندر کو سیٹ پر ہی گرا لیا اور اس کو چومنے لگی۔

"پلیز پلیز....." سکندر کی آواز سن کر وہ اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"ایک بار پھر کہو سکندر۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"یقین نہیں آیا؟" وہ مختصر ابولا تو اقصیٰ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر اتنی وارفتگی کیوں؟" اقصیٰ کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ سکندر کو چھوڑتی ہوئی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اپنا آپ درست کرنے لگی اور بولی۔

"سکندر مجھے اور مت تڑپاؤ۔ پلیز ایک بار اور کہو نا..... میرے کان ان الفاظ کو سننے کے لیے بے چین و بے قرار ہیں۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں اقصیٰ۔ بہت زیادہ محبت۔" سکندر یہ بازی با آسانی جیت رہا تھا۔ اس نے اپنی بہت ہی گہری چال چلی تھی۔ اقصیٰ اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔ اس نے سکندر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر زور سے دبایا اور بولی۔

http://kitaabghar.com

''سکندر سکندر..... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں اس وقت کتنی خوش ہوں..... آئی لو یو سکندر آئی لو یو۔'' وہ دیوانہ وار سکندر کے ہاتھ کو بوسے دے رہی تھی۔

''مجھے ایک بات کا ڈر لگ رہا ہے اقصیٰ میڈم!'' اس نے جان بوجھ کر ''میڈم'' کا صیغہ لگایا تو اقصیٰ چڑ گئی۔

''اب میں تمہیں کھا جاؤں گی۔ اگر میڈم کہا تو.....'' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''اقصیٰ تمہارے ساتھ ہے..... کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سکندر نے پہلی بار جرات کی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس پر محبت کی مہر ثبت کرتا ہوا بولا۔

''سکندر کسی سے بھی نہیں ڈرتا.....'' اقصیٰ اس کے اس محبتانہ انداز پر قربان ہوگئی اور اپنا سر اس کی گود میں رکھ دیا۔

''اقصیٰ تمہارے ساتھ ہی جائے گی۔'' وہ بے نیازی سے بولی تھی۔

''کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے اقصیٰ۔''

''میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی کہ تم مجھے چھوڑ کر کہیں اور جاؤ۔'' وہ قربان ہونے والے انداز میں بولی تھی۔ ''اور ہاں..... تم آج سے ملازم نہیں ہو..... اقصیٰ کے دل کی نگری کے مالک ہو۔ اور مالک اپنی ہی مرضی کرتا ہے تمہیں یہ اختیار ہے کہ تم اس اقصیٰ کو کوئی بھی حکم دے سکتے ہو۔''

''مثلاً؟'' سکندر اس کو اپنی لائن پر لے آیا تھا۔

''کہیں بھی جانا ہو سکندر۔ تو صرف اقصیٰ کو ایک اشارہ ہی کرنا۔ میں اپنی جان بھی تم پر وار دوں گی۔''

''اور تمہارا اسٹیٹس؟'' ایک اور چوٹ اپنا کام دکھا گئی۔

''تمہاری محبت کے بغیر یہ سب بیکار ہے..... میرا اسٹیٹس تم ہو سکندر اور تمہاری محبت ہی میری منزل ہے۔'' وہ مخمور انداز میں آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی اور سکندر کی شرارتی نظریں اس کے خوبصورت چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور وہ اپنے جذبات پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''اقصیٰ!''

''ہوں.....'' وہ دھیرے سے بولی اس کا انداز بے فکری لیے ہوئے تھا کیونکہ اس نے اپنی من چاہی چیز حاصل کر لی تھی اور اب اس کو کوئی فکر نہ تھی کہ سکندر اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

''محبت کی ان اونچی نیچی راہوں پر میرا ساتھ دو گی۔ یا امیر لوگوں کی طرح میری محبت کو ٹھکرا کر ان سڑکوں پر مجنوں کی طرح بن کر پھرنے پر مجبور کر دو گی۔'' یکدم اقصیٰ نے آنکھیں کھولیں اور اپنے دونوں بازو سکندر کی گردن میں حمائل کر کے اس کو اپنے اوپر جھکا لیا اور بولی۔ ''کبھی نہیں سکندر۔''

سکندر نے ایک خوبصورت شرارت کی جو اقصیٰ کو بہت ہی بھلی لگی۔

''بعض اوقات حالات و واقعات انسان کو بہت سے ایسے فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں جن کو وہ کرنا بھی نہیں چاہتا۔'' سکندر

http://kitaabghar.com

اب مکمل طور پر اس کے حواس پر حاوی ہو گیا تھا۔ وہ اس کی بانہوں کے لمس کو اس وقت کائنات کا سب سے حسین تحفہ سمجھ رہی تھی۔

''میرے ہر فیصلے پر مہر سکندر کی ہوگی۔ میرا یقین کرو۔'' وہ بولی۔

''مگر کیوں میڈم؟'' اس کا شرارتی لہجہ سن کر وہ آنکھیں نکالتی ہوئی بولی۔

''میں نے تم سے محبت کی ہے سکندر اور محبت میں کرنے والے فیصلوں کا اختیار بھی اسی کو ہوتا ہے جسے چاہا جائے۔''

''میرا خیال ہے کہ ساحل پر کچھ دیر چلتے ہیں تاکہ ننگے پاؤں کو گیلی ریت اور سمندر کی لہریں چھو کر ہمارے پیار کی گواہ بن سکیں۔'' سکندر نے اس کو مزید اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

''چلو سکندر..... آج میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ ان ہواؤں میں اڑتی ہوئی اتنی دور نکل جاؤں کہ خود کو بھی ڈھونڈنا چاہوں تو ڈھونڈ نہ پاؤں۔'' سکندر مسکرا کر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اور تمہارے پرستار؟''

''مجھے ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' اقصیٰ نے کہا اور گاڑی سے باہر آ گئی۔ وہ سکندر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی تھی۔ ان کے قدموں کے نشان اس بات کو گواہی دے رہے تھے کہ ان دونوں نے ہی ایک دوسرے کے قدموں سے قدم ملا کر چلنے کا عہد کر لیا ہے۔ اور یہ قدم ان کے پیار کی راہوں میں ایک ساتھ اُٹھنے والے پہلی بار قدم تھے۔

☆.....☆.....☆

ایاز نے مطربہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہیں تعلیم سے زیادہ محبت کی ضرورت ہے۔''

''میں سمجھی نہیں سر!'' وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''یہ جو ابھی سوال پوچھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟'' ایاز کا لہجہ میں دھیما اور انداز ٹھہرا ہوا تھا۔

''میں نے تو یہی پوچھا ہے سر! کہ جس سے محبت کی جائے اس کو پانا ضروری ہے؟ دیٹس آل!'' مطربہ اب بھی شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''تم کیا چاہتی ہو کہ اس کا جواب کیا ہونا چاہیے؟'' ایاز نے اُلٹا اس سے ہی سوال کر دیا تھا۔

''مجھے کیا علم سر! میں نے کون سا محبت کی ہے۔'' وہ آخری لفظ ادا کرتے وقت ایاز سے نظریں چرا گئی تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں مطربہ..... تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم محبت میں گم ہو گئی ہو۔ اور کوئی ایسا ضرور ہے جس کو تم بہت ہی چاہتی ہو۔ اور اس کو پانے کی دن رات دعائیں کرتی رہتی ہو۔''

ایاز اس کی آنکھوں میں جھانک چکا تھا۔ اس کی پوری بات سن کر وہ بھی ایاز کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''سر! مائنڈ نہ کیجیے گا..... ایسا ہی کچھ تو آپ کی آنکھیں بھی بتا رہی ہیں۔''

http://kitaabghar.com

ایاز اس کی بات سن کر چونکا اور پھر اپنی چوری پکڑے جانے پر ہنستا ہوا بولا۔

''میں جس سے محبت کرتا ہوں اُس کو پانے کی جستجو میں نے کبھی نہیں کی مطربہ!''

''چلیں یہ تو آپ نے مانا کہ آپ کسی سے محبت بھی کرتے ہیں۔'' مطربہ نے کہا تو وہ دکھ سے مسکرایا اور بولا۔

''محبت کرنے کا حق ہر انسان کو ہے اور ہر انسان محبت ضرور کرتا ہے..... اس کا رنگ اور انداز مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح میں بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے بھی محبت کی ہے اور میں بھی اس کے پہلی ہی نظر کے تیر والا گھائل ہوا ہوں۔''

''سر! وہ کیسی ہیں؟'' ایاز کو اچھا لگنے لگا تھا کہ کوئی اس سے اس کی محبت کے بارے میں پوچھے۔ اب مطربہ نے بات چھیڑ دی تو وہ لطف محسوس ہوتا ہوا بولا۔ ''وہ بہت اچھی ہے۔''

''صرف اچھی یا خوبصورت بھی ہے؟'' مطربہ اس سے بچوں کی طرح سوال کر رہی تھی۔

''وہ بہت خوبصورت ہے۔''

''جویریہ بھابی کی طرح خوبصورت ہیں کیا؟'' مطربہ نے شریر انداز میں اُس جگہ پر نشانہ لگا دیا تھا جہاں کا گھاؤ بہت ہی گہرا اور ابھی تازہ تازہ ہی تھا۔ وہ خاموش ہو کر رہ گیا اور اپنی نظریں کتاب پر جما لیں۔

''سر! میں نے پوچھا کہ کیا وہ جویریہ بھابی کی طرح خوبصورت ہیں۔ جن سے آپ محبت کرتے ہیں۔'' مطربہ نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا تو وہ چونکتا ہوا زبردستی کی مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''نہیں..... جویریہ..... میرا مطلب ہے کہ آپ کی بھابی زیادہ خوبصورت ہیں۔''

''واؤ! اس کا مطلب ہے کہ حارث بھائی کافی لکی ہیں جو ان کو جویریہ جیسی خوبصورت اور پیاری سی شریک حیات ملی ہیں۔''

مطربہ اس سے مذاق کر رہی تھی یا اس کو ٹوہ رہی تھی کہ وہ جویریہ سے یا کسی اور سے محبت کرتا ہے۔ لیکن ایاز نے تو آج تک اس بات کا اظہار خود اپنے آپ سے بھی نہ کیا تھا کہ وہ جویریہ سے محبت کرتا ہے۔ اسی لیے اس کو اپنی چوری پکڑے جانے کا ڈر نہ تھا۔

''جی! اس حوالے سے حارث صاحب خاصے لکی ہیں کہ ان کو جویریہ جیسا شریک سفر ملا ہے۔''

مطربہ اس کو مسکراتا دیکھ کر بولی۔

''سر! کیا آپ مجھے اپنی بہن بھی سمجھتے ہیں؟'' ایاز نے اس کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ اس لڑکی کے ذہن میں پھر کوئی چلبلی سی شرارت چل رہی ہے۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''ہاں! بالکل جیسا کہ تم شمعون کی بہن ہو بالکل ویسے ہی میری بھی بہن ہو۔''

''تو پھر کسی دن مجھے بھابی سے ملوائیں نا۔'' ایاز اس کی فرمائش سن کر ہل گیا اور اس کو مطربہ بھی کھسکی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ زوردار قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ مطربہ! میرا خیال ہے کہ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے کہا ہے کہ جس کو چاہا جائے اس کو پانا ضروری نہیں ہے۔''

http://kitaabghar.com

''تو کیا آپ اب بھابی سے ملتے نہیں ہیں؟'' وہ روہانسے انداز میں بولی تھی۔ ایاز اپنی ہنسی پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''مائی ڈیئر سسٹر..... جب وہ میری ہی نہ ہو سکی تو پھر وہ تمہاری بھابھی کیسے ہو گئی..... اور رہ گئی اُس سے ملنے کی تو میں اس سے ملتا ہی نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ اب کسی اور کی ہو گئی ہیں۔'' آخری فقرہ ادا کرتے وقت ایاز نے بمشکل اپنے نم لہجے پر قابو پایا تھا۔

''اوہ.....'' مطربہ افسوس کرتی ہوئی بولی۔ ''کیا ان کو پتہ تھا کہ آپ اُن سے محبت کرتے ہیں؟''

''نہیں..... میں نے ان کو بتایا ہی نہیں۔'' ایاز مسکراتے ہوئے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کو سکون محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی تو ہے جو اس سے جو یہ کی باتیں تو کر رہا ہے۔

''واٹ!؟ بھائی..... میرا مطلب ہے کہ سر! آپ نے ان کو کبھی بتایا ہی نہیں کہ آپ اُن سے محبت کرتے ہو؟''

مطربہ شاکڈ تھی کہ ایاز بھی عجیب قسم کا بندہ ہے جس سے محبت کرتا تھا اس کو بتایا ہی نہیں۔

''چھوڑو مطربہ! یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اب سٹڈی پر توجہ دینا چاہیے کیونکہ اب ایگزام بھی ہونے والے ہیں۔'' اس نے کتاب کھول کر مطربہ کے سامنے رکھی اور پھر بولا۔ ''اگر خدانخواستہ رزلٹ خراب آیا تو پتہ ہے شمعون تو مجھے قتل ہی کر دے گا اور میں خود کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔''

''میں سمجھ گئی کہ آپ مجھ سے بھابی کی اور باتیں شیئر نہیں کرنا چاہتے۔'' وہ ناراض لگ رہی تھی۔

ایاز نے اس کو پڑھانا شروع کر دیا تھا اس کو دور سے شمعون آتا ہوا دکھائی دیا تو ایاز مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''شمعون آ رہا ہے اس کو بتاؤں کہ تم کیا پڑھ رہی تھی؟''

''اوہ نو سر! پلیز..... ایاز بھائی نو..... پلیز.....'' وہ سہم گئی تھی۔

''اوکے اوکے..... ری لیکس۔ ایک کپ چائے پلا دو پھر نہیں بتاتا۔'' وہ ایاز کے اتنی جلدی مان جانے پر ہنستی ہوئی اپنی کرسی سے اُٹھی اور جانے ہی لگی تھی کہ شمعون نے اس کو چٹیا سے پکڑ لیا اور بولا۔

''ایک کپ میرے لیے بھی۔'' وہ اوہ کی آواز نکالتی ہوئی بولی۔

''آپ کو کیسے پتہ کہ میں ایاز بھائی کے لیے چائے لینے جا رہی ہوں۔'' شمعون نے اس کے بال چھوڑے اور ہنستا ہوا بولا۔

''سیدھی سی بات ہے کہ تم ابھی پڑھ رہی ہو۔ کتابیں اِدھر ہی پڑے ہونے کا مطلب ہے کہ تم اپنے استاد کے لیے خود چائے لینے جا رہی ہو.....''

''یو آر جینئس یار!'' ایاز نے شمعون کی دلیل سن کر اس کو ہنستے ہوئے کہا تو وہ مسکراتا ہوا اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا ہنس کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ مطربہ چلی گئی تو وہ ایاز سے مخاطب ہوا۔

''سناؤ! کوئی پریشانی تو نہیں ہو رہی تمہیں اِدھر؟''

http://kitaabghar.com

کہ گھر کے اخراجات کا بوجھ کچھ تو کم ہو سکے اور اس طرح ایاز بھی مصروف ہو جائے گا۔ جمیل سراج نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے لیے کسی اچھے سے کھروں میں ٹیوشن کا انتظام کروا دیگا۔ لیکن ابھی تک کوئی بھی انتظام نہ ہو سکا تھا اور اب تو ایاز نے بھی ان سے پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن وہ دن رات صائمہ کو مصروف دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا۔ اس کی یہی خواہش تھی کہ وہ اب صائمہ کو آرام کروائے کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ صائمہ کے ہاتھوں کی لکیریں بھی اب گھس گئی تھیں اس بات کا دکھ اور پھر اب ریشم آپی کی شادی بھی اس کی ذمہ داری تھی وہ دن رات کی اس پریشانی میں اپنی تعلیم پر توجہ دینا نہ بھولا تھا۔

اُسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں کسی نہ کسی دن شمعون اس کا پیچھا کرتا ہوا اس کے گھر تک نہ پہنچ جائے پھر اس کا پول کھل جانا تھا اور اس کی دوستی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی اور شمعون جیسے دوست کا اس سے ناراض ہو جانا اس کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا کیونکہ پورے کالج میں کوئی بھی اس سے دوستی کرنے کو تیار نہ تھا۔ ایاز کا خیال تھا کہ جب تک کالج میں رہنا ہے شمعون جیسے دوست کی دوستی غنیمت ہے کیونکہ وہ اس سے پیار کرتا تھا اور امیر ہونے کے باوجود بھی اس سے دوستی نبھا رہا تھا۔

☆☆☆

جسٹس بصیر احمد آج کافی خوش نظر آ رہے تھے کیونکہ ان کے اکلوتے بیٹے انصر احمد کی سالگرہ تھی ویسے تو بصیر احمد ان رسموں کے قائل نہ تھے لیکن بیٹا پولیس فورس میں ایس پی تھا اور اس کی مانا بھی ضروری تھا کیونکہ وہ پچیس برس کی عمر کا وہ نوجوان تھا جو ایس پی کی عہدے پر فائز تھا اور ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا ہوا ترقی کی منازل پر گامزن تھا اور پھر جسٹس بصیر احمد اپنی بیگم ثانیہ سے بھی بے پناہ محبت کرتے تھے ان کی فرمائش اور دو خوبصورت کلیوں جیسی بیٹیوں کی فرمائش بھی پوری کرنا ضروری تھا۔

بصیر احمد کی بڑی بیٹی جویریہ اور چھوٹی بیٹی ہدیقہ تھی دونوں بیٹیاں اور انصر احمد، بصیر احمد اور ثانیہ بیگم کی جان تھے اور فرمانبرداری میں بھی ان تینوں بچوں نے مثالیں قائم کر دی تھیں۔ والدین کی اطاعت اور محبت کی زندہ مثالیں دونوں بیٹیاں اور بیٹا تھا۔ پھر جسٹس بصیر احمد نے بھی کبھی ان کی خواہشات کو رد نہ کیا تھا بلکہ ہمیشہ یہی کوشش کی تھی کہ بچوں کو کسی بھی چیز کی کمی نہ ہو اور ابھی تک تو وہ اس میں کامیاب ہی رہے تھے۔

انصر باپ کی طرح ایماندار اور ہونہار تو تھا ہی لیکن جوانی اس پر دیوانوں کی طرح فدا تھی وہ بصیر احمد سے بھی دراز قد اور سمارٹ تھا۔ پورے گھر کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا گھر کے باہر باوردی سکیورٹی گارڈز کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں کیونکہ گاڑیوں کی چیکنگ اور ان کی پارکنگ اس طریقے سے کروانا تھی کہ واپسی پر کسی بھی مہمان کو کوئی دقت نہ ہو اور متعلقہ افراد اس کام کو چابکدستی اور مہارت سے انجام دے رہے تھے۔

جسٹس بصیر احمد ایماندار اور کامیاب جج تھے ان کے کیریئر پر کرپشن کا کوئی بھی داغ نہ تھا یہی وجہ تھی کہ میڈیا اور عدالتوں میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا تھا ان کے دوستوں کے ساتھ ساتھ رشتہ دار اور میڈیا کے لوگ بھی مدعو تھے۔ جج صاحب نے اپنی کوٹھی کے وسیع ترین لان میں ہی انتظام کر رکھا تھا کیک تیار تھا تقریباً سبھی مہمان بھی آ چکے تھے اب انتظار تھا تو وی آئی پی شخصیت جناب انصر صاحب کا ہی تھا جو کہ گزشتہ دو گھنٹوں سے اپنے کمرے میں تیار ہونے کے مراحل سے گزر رہا تھا۔

http://kitaabghar.com

''وعلیکم السلام! کیسی ہو انیقہ!'' انیقہ کو بہت اچھا لگ رہا تھا کہ ایاز اس نے اس کی خیریت دریافت کی ہے۔

''میں ٹھیک ہوں سر! آپ کیسے ہیں؟'' انیقہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''اچھا ہوں..... بلکہ بہت ہی اچھا ہوں۔''

''تھینکیو سر!'' ایاز اس اچانک شکریہ پر حیران رہ گیا۔

''تھینکیو..... فار واٹ؟'' اس کا حیران ہونا فطری عمل تھا اور یہ سوال بھی اسی فطری عمل کا ہی حصہ تھا۔

''آپ نے مجھے پھول جو دیا تھا۔'' ایاز اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا مگر سچ نہ بتانے کا مطلب تھا کہ انیقہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے لیکن وہ استاد تھا اور اپنے مرتبے سے نیچے آ کر یہ بات نہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ پھول تمہارے لیے نہیں بلکہ تمہاری بڑی بہن جویریہ کے لیے تھا۔

''وہ تو میں نے.....'' اس کی بات پوری ہی نہ ہونے دی گئی تھی انیقہ بول پڑی۔

''مجھے بہت اچھا لگا سر!''

''جی..... مجھے بھی۔'' اتنا سننا تھا کہ انیقہ کی آنکھوں میں خوشگواریت پھیل گئی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی ایاز کی طرف دیکھنے لگی تو ایاز ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتا ہوا بولا۔

''انیقہ!''

''جی سر!'' وہ چہکتی ہوئی بولی۔

''گھر میں خاموشی کیوں ہے آج؟'' ایاز نے جویریہ یا دوسرے کسی کو بھی نہ پا کر پوچھا تو انیقہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''سر! آپی اور ممی شاپنگ کے لیے گئی ہیں اور پاپا ایک فرینڈ کی پارٹی میں ہیں۔ انفر بھائی ڈیوٹی پر ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم گھر پر اکیلی ہو؟'' ایاز کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔

''جی سر! میں سمجھی نہیں۔'' انیقہ کی نظروں میں استفسار تھا۔

''آج ہم اِدھر لان میں ہی پڑھیں گے انیقہ! اندر نہیں۔'' ایاز کے منہ سے یہ سن کر انیقہ اس کی بات کی گہرائی کو محسوس کرنے لگی اور سمجھتی ہوئی بولی۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے سر! اِدھر پڑھنا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔''

''تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج چھٹی کر لیتے ہیں۔ کل پڑھ لیں گے۔'' ایاز جانے کے لیے مڑا تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں نہیں سر! پلیز..... ایگزیم ہونے والے ہیں اور چھٹی میں افورڈ نہیں کر سکتی۔ جیسا آپ کہیں.....؟'' وہ یہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ یقینی طور پر وہ کتابیں ہی لینے گئی ہوگی۔

ایاز کا یہ بہترین فیصلہ اس کی عزت و توقیر میں اضافہ کر گیا تھا کیونکہ ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ اصیر احمد اپنی شاندار گاڑی میں

http://kitaabghar.com

داخل ہوئے اور گاڑی سے اتر کر اندر جانے لگے تو ان دونوں کو لان میں پڑھتا دیکھ کر ان کی جانب بڑھ گئے۔

''ایاز! آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھ کر پڑھ رہے ہو؟'' وہ انیقہ کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ ایاز کے بولنے سے پہلے ہی انیقہ بول پڑی۔ ''پاپا گھر میں کوئی نہیں تھا تو سر ایاز نے بولا کہ ہم اندر نہیں بلکہ اِدھر کھلے آسمان تلے پڑھیں گے۔''

''جسٹس بصیر احمد ایاز کی طرف گہری نیند سے بیدار ہونے والے انسان کی طرح دیکھنے لگے۔''

''ویل ڈن بوائے!'' وہ یہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئے تو ایاز کو اپنے فیصلے پر فخر ہونے لگا تھا۔

''سر! مطربہ کی سٹڈی کیسی ہے؟'' انیقہ نے بات کو بڑھانا چاہا تو ایاز اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''اچھی ہے وہ بھی تمہاری دلچسپی سے پڑھ رہی ہے۔''

''سر! مجھے آپ کا فیصلہ بہت اچھا لگا ہے۔ تھینکیو سر!'' انیقہ اس کے لان میں بیٹھ کر پڑھنے والے فیصلے کو سراہ رہی تھی۔ وہ ہونٹوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔ ''نمک حرام وہ ہوتا ہے جس نے چوری کا لقمہ کھایا ہو..... اور ہماری ماں نے ہمیں اس گھر کی اترن پہنائی ہے اور ہم نے اس گھر کا نمک وہ کھایا ہے جس میں آپ سب کی مرضی شامل ہے۔''

''ہم صائمہ بوا کی بہت عزت کرتے ہیں۔'' انیقہ بات کو بڑھا رہی تھی۔

''شکریہ..... یہ تو آپ کی محبت ہے انیقہ!''

''محبت؟'' وہ آہستگی سے بولی تھی جس کو ایاز نے سن سکا تھا۔

ایاز نے اس کو دوبارہ پڑھانا شروع کر دیا تھا ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ انصر احمد گیٹ سے داخل ہوا وہ پولیس یونیفارم میں تھا۔ وہ بھی بصیر احمد جیسا ہی ایکٹ کرتا ہوا ان کی طرف بڑھا تو ایاز اور انیقہ ایک بار پھر اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''کیسے ہو ایاز!'' یہ پہلا موقع تھا کہ ایس پی انصر نے اس کا براہ راست حال پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں؟''

''فٹ فاٹ!..... تم لوگ آج لان میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو..... میرا مطلب ہے کہ آپ کو پڑھنے کے لیے ایک بہترین روم جو دیا ہوا ہے۔'' انصر بھی حیران تھا۔ اس بار بھی انیقہ کو ہی جواب دینا پڑا۔

''بھائی! کچھ نیکی مما اور جویریہ آپی شاپنگ کے لیے گئی ہوئی ہیں اور گھر میں کوئی بھی نہ تھا تو سر ایاز بولے کہ ہم کھلے آسمان تلے ہی پڑھیں گے۔''

انصر پولیس والا تھا وہ فوراً بات کی تہہ تک پہنچا اور مسکراتا ہوا بولا۔

''تمہیں تو وطن کی حفاظت کے لیے سرحد پر ہونا چاہیے تھا۔''

''عزتوں کی حفاظت کرنا ہو تو پھر اپنے آپ کو عزت اور اخلاق کی سرحد کا پابند بنانا پڑتا ہے انصر صاحب!''

http://kitaabghar.com

ایاز کی بات اس کے دل میں اُتر گئی تھی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے ایاز کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''تم دلوں پر راج کرنے کا گُر جانتے ہو ایاز! تمہاری اس بات نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ ویل ڈن یار ویل ڈن۔''

اللہ تعالیٰ نے اُس سے اچھا فیصلہ کروا کے اس کے احترام میں اضافہ کیا تھا۔ انصر اس کے کندھے پر تھپکی دیتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

الیکشن کی آمد آمد تھی اور ان دنوں میں ہمیشہ ہی تمام سیاستدانوں کی طرح نعمان ایزد کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہو جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے سیاسی ڈیرے پر کافی رش تھا۔ لان میں لگائی گئی کرسیوں پر وہ لوگ بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے جو گزشتہ پانچ سال تک نعمان ایزد کی مخالفت کرتے رہے تھے۔ لیکن ان کا کمال یہی تھا کہ وہ اپنے حریفوں کو ساتھ ملانے کے لیے ان کی ضروریات پوری کر دیا کرتے تھے اور لوگ اُن کے اس اخلاق سے متاثر ہو کر ان کے حریف بھی حلیف بن جاتے تھے۔ یہی نعمان ایزد کی سیاست کا کمال تھا اور وہ اپنے اس فن میں طاق سمجھے جاتے تھے اور پولنگ والے دن اپنے سیاسی حریف کو اچھے خاصے مارجن سے شکست دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ پارٹی کی یہ سیٹ نعمان ایزد کی شخصیت اور ان کے ذہن کی مرہون منت تھی۔

پارٹی کی ہائی کمان چونکہ ان کے سسرالیوں میں سے تھی اس لیے اس سیٹ پر کسی اور کو الیکشن لڑوانے کا رسک ہائی کمان کسی طور نہ لے سکتی تھی۔ حارث نعمان کو سیاست کی ابجد بھی معلوم نہ تھی اور شمعون کو اپنی تعلیم اور پھر اعلیٰ ترین بزنس کی دلچسپی ہی سیاست کی طرف منہ نہ کرنے دیتی تھی۔

جہان آرا بیگم نے اپنی این جی او کے تحت جو فلاحی کام شروع کر رکھے تھے وہ بھی نعمان ایزد کا ووٹ بینک بڑھانے میں خاطر خواہ مددگار ثابت ہوتے تھے۔ اقصیٰ سمیع اس ملک کی نامور ماڈل کا بھی جہاں جہاں تعلق تھا وہ بھی اپنے تعلقات کو استعمال کر کے نعمان ایزد کی جیت میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔

جیسے ہی نعمان ایزد آفس سے نکل کر ریشم کے ساتھ لان میں آئے تو لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور بہت سے لوگوں کے منہ دوسرے لوگوں کی ساعتوں میں نعمان ایزد کی نئی سیکریٹری بارے کچھ نہ کچھ ہی رو میں پھوٹنے لگے تھے۔ ریشم کا حسن اور اس کا ہیگرز کسی کو بھی پاگل بنا سکتا تھا۔ وہ باوقار انداز میں چلتی ہوئی نعمان ایزد کے ساتھ آ کر کھڑی ہوگئی تو وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

لوگ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی درخواستوں کے مطابق کام کروانے کے لیے نعمان ایزد کے پاس باری باری آتے اور وہ ریشم کو متعلقہ محکموں سے رابطہ کرنے کا کہتے تھے۔ ریشم اپنے پاس موجود ڈائری سے اس محکمہ کا نمبر ملاتی اور مختصر تعارف کے بعد فون نعمان ایزد کی طرف بڑھا دیتی تھی۔ نعمان ایزد فون پر بات کر کے محکمہ کے افسران یا پھر متعلقہ عملہ کو اپنی باوقار آواز میں حکم دیتے اور کسی کو درخواست بھی کرنی ہوتی تو کر دیتے تھے۔ اور پھر دوسری طرف سے اوکے کی آواز سن کر سائل کی درخواست پر عمل ہو جاتا تھا۔

اس طرح نعمان ایزد ایک گھرانے کا اہم ترین کام کروانے کے بعد اس گھر کے پانچ یا چھ قیمتی ووٹوں کا صحیح حقدار بن جاتا تھا۔

http://kitaabghar.com

ایسا صرف اسی وقت ہوتا تھا جب اسمبلیاں ختم ہونے والی ہوتیں تھیں اور الیکشن کا اعلان ہونے والا ہوتا تھا۔ باقی سارا عرصہ ہی نعمان ایزد یا پھر ان جیسے سیاسی رہنما اپنے حلقہ سے باہر یا پھر ملک سے باہر رہتے تھے۔ ان کے معصوم ووٹران کی شکل دیکھنے کو ترستے رہتے تھے کام نکلوانا تو دور کی بات تھی۔

نعمان ایزد کا کایاں سیاستدان تھے ان کو اپنے حلقہ کے ووٹروں کے نام زبانی یاد تھے اور جن کا نام نہیں آتا تھا ان کو ان کی کاسٹ کے حوالے سے کہہ کر پکارتے تھے اور بزلہ سنجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ہنسی مذاق اور پرانی باتیں کر کے دوسروں کو بھی ہنسانے کا کام الیکشن میں فتح کا باعث بنتا تھا۔ غریب اور معصوم ووٹر کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا تھا کہ ان کے لیڈر نے ان کی بات توجہ سے سنی ہے اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کیا ہے۔

لیکن الیکشن گزرنے کے بعد سیاستدان کے اس حلقہ سے فتح حاصل کرنے کے بعد حلقہ کی عوام کو واقعی محسوس ہوتا تھا کہ اُن کا لیڈر اُن کے ساتھ حقیقت میں بھی مذاق ہی کر رہا ہے۔ ہر آنے والے کو گیٹ سے ہی کہہ کر لوٹا دیا جاتا تھا کہ صاحب اسلام آباد اہم اجلاس میں گئے ہیں۔ واپسی کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ لوگ مایوس ہو کر لوٹتے اور سن ہی سن میں کئی صلواتیں ریڈر کو سناتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔

یہ کھلی کچہری آج سے تین دن پہلے شروع ہوئی تھی اس لیے ریشم کو بھی کسی کام میں کوئی دقت محسوس نہ ہو رہی تھی۔ نعمان ایزد کے پیچھے کھڑا سکندر ریشم کو گہری نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔ اس کو یہ لڑکی وہ نظر آ رہی تھی جو یہ نہ تھی۔ یعنی کچھ مجبوریوں کی بنا پر اس نے اپنا آپ گروی رکھا ہوا تھا۔ سکندر کا یہ اپنا اندازہ تھا لیکن وہ نعمان ایزد کے کسی بھی "پرسنل" کام میں بول کر اپنی نوکری نہ گنوانا چاہتا تھا۔ اگر ایک بار وہ یہاں سے نکل گیا تو پھر اس کے ہاتھ سے اقصیٰ کے ساتھ ساتھ کروڑوں روپوں کی جائیداد بھی نکل جاتی۔ اور وہ سائرہ اور اپنا انتقام بھی نہ لے سکتا تھا۔ اس نے ریشم کی ٹوہ میں رہنے چھوڑ دیا اور اس کو اس کے حالات پر چھوڑ کر اپنے آپ کو اپنے پلان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

اس کی نظر اقصیٰ کی جائیداد پر تھی اور وہ ابھی تک صرف اقصیٰ کی کمزوری بنا تھا اور اس کو اقصیٰ کی وہ کمزوری چاہیے تھی جس سے اقصیٰ بلیک میل ہو جاتی اور پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آ گرتی۔ ایسا ہو بھی چکا تھا لیکن سکندر اس کام کو ابھی اپنے طور پر فائنل نہ سمجھتا تھا۔ اس کا مقصد نعمان ایزد کو ایسی گزند پہنچانا تھا کہ وہ پاگلوں کی طرح ان گلیوں میں خاک چھانتا پھرتا۔ جتنا ظلم اس نے جیل کی سلاخوں کے پیچھے برداشت کیا تھا اور جتنی تکلیفیں اس کی آپا سائرہ نے سہی تھیں وہ ان سب کے حساب کے لیے ابھی اقصیٰ کا اس کی جھولی میں گر جانا انتہائی کم تھا۔ وہ نعمان ایزد کو کنگال کر دینا چاہتا تھا۔ اقصیٰ کے ساتھ وہ پیار محبت کا جھوٹا کھیل کھیلتا ہوا اس کی کوئی بہت ہی بڑی کمزوری کو ڈھونڈنے میں مگن تھا اُسے یقین تھا کہ وہ بہت جلد ہی یہ کام بھی انجام دے پائے گا۔

الیکشن کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ اس کو حارث نعمان کی شادی کی بھی تیاریاں کرنا تھیں۔ اور اس شادی میں اس کے والد چوہدری سمیع اللہ کے ساتھ ساتھ گاؤں میں بسنے والے تمام عزیزوں نے بھی شرکت کرنا تھی اور سکندر کو اس دن کا انتظار تھا جب وہ سمیع اللہ کا سامنا کریگا۔ سمیع اللہ کا نام ذہن میں گونجتے ہی سکندر کے اعصاب تن کر رہ جاتے اور وہ نفرت سے زمین پر تھوک دیتا تھا۔ سمیع اللہ نے جیل

http://kitaabghar.com

میں اس پر ظلم و تشدد کی جو انتہا کروائی تھی وہ ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ سکندر کو موت کی طرح بھاری لگا تھا۔

اُس کو صائمہ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بھی اہم قدم نہیں اُٹھائے گا۔ کیونکہ صائمہ اس کہانی کا مرکزی کردار تھی جو داستان سیف اللہ اور نعمان ایزد نے مل کر لکھنے کی کوشش کی تھی اس کے تمام خاندان والوں نے جس طرح صائمہ کو ذلیل کیا تھا وہ بھی اسی طرح نعمان ایزد کو عزت دار لوگوں میں ذلیل کرنا چاہتی تھی۔ اور تقدیر اس کا ساتھ دینے کے لیے ہمہ وقت تیار بھی تھی اور اس کے لیے آسانیاں پیدا کرتی ہوئی راہیں بھی کھول رہی تھی۔ جس کی مثالیں یہ تھیں کہ سکندر کو نعمان ایزد کا گارڈ، ڈرائیور اور خاص ملازم ہونے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ ریشم کو نعمان ایزد کی پرسنل سیکریٹری بننے کا اعزاز تھا اور ایاز کو نعمان ایزد کے گھر میں اس کی بیٹی کو ٹیوشن پڑھانے کا جو چانس ملا تھا وہ اس کی عزت و توقیر میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن یہ عجیب سا اتفاق ہی تھا کہ نعمان ایزد کے گھر میں یا ان کے ساتھ کام کرنے والے تینوں ہی فرد ایک ہی گھر سے تعلق رکھنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے نا آشنا تھے۔

نعمان ایزد نے مسلسل تین گھنٹے کام کیا تھا اور اب اس کی کھلی کچہری کا وقت بھی ختم ہو رہا تھا اور سائلوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھے اور واپس اپنے آفس کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد سائلین سے درخواستیں لینے کا کام ریشم کا تھا وہ بھی اپنے طور پر محکموں کو کال کر کے سائلوں کے کام کروانے لگی تھی۔ جہاں جہاں نعمان ایزد کے دستخط ضروری ہوتے وہ درخواستیں سکندر کو دیتی تو وہ اندر جا کر نعمان ایزد سے دستخط کروا کے لے آتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس وقت نعمان ایزد اپنے ہوش میں کم ہی ملتے تھے کیونکہ شراب ان کے حواس پر چھا کر ان کی سوجھ بوجھ چھین لیتی تھی۔

ریشم جیسے ہی کام نپٹا کر اندر داخل ہوئی تو اس کو اس کام کی گھنٹی نے پیچھے آفس جانے کا عندیہ دیا تھا۔ وہ فائلیں اور دیگر کاغذات میز پر رکھتی ہوئی دوسرے آفس گئی جہاں شاندار بیڈ روم تھا اور شراب کی بوتلوں نے ایک الگ ہی شاندار ماحول بنایا ہوا تھا۔ اس کے نتھنوں میں شراب کی تیز بو نے گھس کر اس کے دماغ کو چکرا دیا تھا۔ مگر اس نے دیکھا کہ سر جی بیڈ پر پڑے ہوئے اس کو اپنے پاس بلا رہے تھے۔ ریشم نے تھوڑا سا ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو نعمان ایزد مسکراتے ہوئے اُٹھ کر اس کے پاس آنے لگے تو لڑکھڑ کر گرنے لگے تھے ریشم نے آگے بڑھ کر ان کو سہارا دیا تو وہ ریشم کی طرف مخمور انداز میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"مجھے کب تک تڑپاتی رہو گی ریشم۔"

"سر جی! میرا سپنا ہے کہ میرا اپنا گھر ہو۔" ریشم نے شراب کا بھوکا اپنے دماغ میں اُتر جانے دیا تھا۔

"مل جائیگا۔" نعمان ایزد نشے میں چور چور تھے اور ریشم کے گالوں اور بدن پر شرارتیں کر رہے تھے۔

"ایسے نہیں سر جی! پہلے کچھ دیں اور پھر کچھ لیں۔" وہ نعمان ایزد کو نشے میں مدہوش دیکھ کر اس کی مدہوشی کا فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔

نعمان ایزد اس کے انداز پر ہنسنے لگے۔

"اچھا سودے بازی!"

http://kitaabghar.com

''نہیں سر جی! میری اتنی مجال کہاں کہ آپ سے سودے بازی کروں..... یہ تو آپ کی محبت کا ایک چھوٹا سا تحفہ ہوگا میرے لیے۔''

وہ لفظوں کے جال میں نعمان ایزد کو پھانس رہی تھی اور نعمان ایزد اس وقت اس کے حسن کا شکار کرنے کو تیار تھا۔ اس نے نعمان ایزد کو آہستگی سے صوفے پر بٹھایا اور بولی ''سر جی! میں آپ کی غلامی کرنے کو تیار ہوں مگر.....؟'' اس نے جان بوجھ کر الفاظ ادھورے چھوڑ دیے۔

''مگر کیا.....؟ ریشم میری جان.....! کم آن..... تمہیں سب کچھ ملے گا..... وہ سب جس کی تم نے تمنا کی ہے۔'' نعمان ایزد ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بول رہے تھے۔ ''مجھے اور نہ تڑپاؤ آ جاؤ میری بانہوں میں..... تم نے میرے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ کم آن۔''

نعمان ایزد اس کو بلا رہے تھے لیکن وہ ان سے دور بیڈ کے دوسری طرف کھڑی تھی۔

''چیک'' ریشم بولی تو وہ زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔

''ڈیمانڈ؟''

''اچھا سا گھر۔''

''کس ایریا میں؟''

''پوش ایریا میں۔'' ریشم وہاں گرم دیکھ کر چوٹ لگاتی جا رہی تھی۔ اور پھر لوہا اپنی شکل بدلنے لگا۔ نعمان ایزد نے لڑکھڑاتے ہوئے کاؤنٹر کی دراز سے ایک چیک بک نکالی اور ایک چیک پر سائن کرتے ہوئے بولے۔

''یہ لو میری جان اس میں جتنی بھی رقم بھرنا چاہو بھر لینا..... مگر اب مجھے تڑپاؤ نہ پلیز کم آن!'' نعمان ایزد نے چیک ریشم کی طرف بڑھایا تو بلینک چیک پر دستخط دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

''میں تمہیں تمہاری مرضی سے حاصل کرنا چاہتا ہوں ریشم۔'' نعمان ایزد اس کو بانہوں میں لیتے ہوئے بولے اور ریشم کا دوپٹہ اُتار دیا۔ ''میں تمہیں زبردستی حاصل کر سکتا تھا لیکن تم میں عجیب سی کشش ہے۔ آج تک میں نے اپنے اس شوق کی اتنی بڑی رقم ادا نہیں کی ہے۔''

ریشم چند منٹوں بعد نعمان ایزد کی ''پرسنل سیکریٹری'' بننے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اس کے گالوں پر بہہ گئے تھے۔ لیکن روح کو گھائل کرنے والے زخموں پر بلینک چیک نے ایسا مرہم رکھ دیا تھا کہ ریشم کو سب کچھ بھول گیا تھا۔

شمعوں کی محبت، سائمہ کی ممتا، ایاز کا مستقبل، اپنی عزت اور وہ سب کچھ جو اُن تینوں ماں، بھائی اور خود ریشم نے بھی سوچا تھا۔ وہ خواب سچ ہو گئے تھے جن کو کبھی ریشم جاگتی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھی۔ اب اس کی نیند کبھی بھی نرس کی تیز آواز سے خراب نہ ہوگی۔ اب اس کا کوئی بھی سپنا ادھورا نہ رہے گا۔ اب اس کا بھائی پھٹی ہوئی شرٹ اور پرانے بوٹوں کے ساتھ یونیورسٹی نہیں جائیگا۔ اب اس کی ماں کو جج بصیر احمد کے گھر برتن مانجھنے اور ان کے کھانے پکانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اب وہ بھی اُترن نہیں پہنے گی۔ وہ بھی کسی کا جھوٹا کھانا نہیں کھائیں گے۔ اب کبھی بھی بارشوں میں ان کے چہروں پر چھت ٹپکنے کا خوف نہیں ہوگا۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

اقصیٰ کا بدن نشہ نہ ملنے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کے مراحل میں تھا۔ وہ ریمپ پرواک کرتی ہوئی اپنا کام مکمل کر کے اترنے ہی تھی کہ اس کو ہیروئن کی طلب ہونے لگی۔ اس نے اپنے بیگ میں دیکھا تو کوئی بھی پڑی نہ پا کر اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بدن کو نوچنے لگی تھی۔ اس کی ساتھی اور عملے کے دوسرے لوگ اس کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے بیگ سے اپنا موبائل نکالا اور سکندر کو کال کرنے لگی۔

''سکندر پلیز مجھے آ کر پک کر لو..... کہاں ہو تم.....'' دوسری طرف کی آواز سننے کے بعد وہ پھر بولی۔

''مہرین ہوٹل پہنچو فوراً میں پارکنگ میں اپنی گاڑی میں موجود ہوں۔ پلیز دیر نہ کرنا ورنہ آج اقصیٰ مر جائیگی۔'' اس نے کال ختم کی اور اپنا سامان سمیٹتی ہوئی پروڈیوسر سے ملی اس سے چیک لیا اور گرتی پڑتی اپنی گاڑی تک پہنچ گئی..... اس نے اگلی طرف کا دروازہ کھول کر خود کو اندر کر لیا۔ اس کی حالت بہت پتلی ہو رہی تھی۔

وہ اپنے بدن کو دانتوں سے کاٹنے لگی کبھی اپنے بازوؤں پر چٹکیاں کاٹنے لگتی تھی۔ اس کا چہرہ زردی مائل ہونے لگا تھا۔

''سکندر..... سکندر..... مجھے بچا لو.....'' وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی تھی۔ اس نے ہمیشہ ہی اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اس کے بیگ میں دو ایک پڑیاں سفید پاؤڈر کی لازمی ہوں۔ لیکن وہ آج کیسے بھول گئی تھی۔ اس بات کا اس کو اندازہ نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ وہ گھر کیسے پہنچے گی۔ اس کو فوراً سکندر کا ہی خیال آیا تھا۔ وہ ہی ایک ایسا بندہ تھا جو اس کے لیے اس مشکل وقت میں کچھ کر سکتا تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا تھا کہ سکندر نعمان ایڈوکیٹ کے ساتھ شہر سے باہر نہ گیا تھا۔ اس نے ٹیکسی لے کر آنے کا کہا تھا۔

تقریباً تیس منٹ اقصیٰ پر قیامت بن کر گزرے تھے۔ سکندر نے پارکنگ میں اس کی گاڑی آسانی سے ڈھونڈ لی تھی اس نے دیکھا کہ اقصیٰ آڑی ترچھی ڈرائیونگ سیٹ پر پڑی ہوئی تھی اور اپنے بدن کو کاٹ رہی تھی۔ سکندر کے لیے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اقصیٰ سفید زہر کا شکار بن چکی ہے اور اب اس کو اس کی طلب ہو رہی ہے۔

اس نے آگے بڑھ کر اقصیٰ کو اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا اقصیٰ، کیا ہوا؟''

اقصیٰ نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور خود کو سکندر کی بانہوں میں پا کر خوش ہوتی ہوئی بولی۔

''سکندر! اپنی اقصیٰ کو بچا لو..... مجھے..... مجھے بچا لو سکندر۔ مجھے سفید پاؤڈر کی طلب ہو رہی ہے۔ پلیز سکندر کچھ کرو۔''

''گھر چلیں۔'' سکندر نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ تڑپ کر بولی۔

''نہیں سکندر! میں اس..... حالت میں گھر نہیں جانا..... چاہتی۔ کچھ کرو سکندر۔'' وہ دوبارہ اپنے بازوؤں کو کاٹنے لگی سکندر زیر لب مسکرانے لگا اس کو اقصیٰ کی جس کمزوری کی تلاش تھی وہ بھی قدرت نے اس کو مہیا کر دی تھی۔ سکندر نے اپنا موبائل نکالا اور ایک دوست کو کال کرنے لگا۔''

''ٹھیک ہے میں تمہارے پاس دس منٹوں میں آ رہا ہوں۔'' اس نے اقصیٰ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر جانے کا کہا اور خود اسٹیرنگ

http://kitaabghar.com

سنبھالتے ہوئے گاڑی پارکنگ سے نکال کر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑا دی۔ وہ بیک مرر سے اقصیٰ کی بگڑتی ہوئی حالت کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ ایسے کاموں کا ماہر تھا۔ اُس نے جیل میں رہ کر ایسے ہی بہت سے لوگوں سے تعلقات بنائے ہوئے تھے جو چرس سے لے کر ہیروئن اور حشیش جیسے نشوں کے بااثر لوگ تھے۔ اور اگر اقصیٰ آج تڑپ رہی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ اس پاؤڈر کو اپنی رگوں میں کافی دیر سے اُتار رہی ہے۔ ورنہ وہ اس بات کا برملا اظہار نہ کرتی کہ اس کے بدن کو سفید پاؤڈر کی ضرورت ہے۔

اب سکندر کے ہاتھوں میں اس کی بہت بڑی کمزوری آ گئی تھی وہ اس کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کا ایک بہترین پلان اپنے ذہن میں ترتیب دے چکا تھا اور اس پر عمل کرنے کے لیے اس کو اقصیٰ کی بے حد ضرورت تھی اور اقصیٰ اس کی طرف ترسی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جیسے پوچھ رہی ہو کہ ابھی اور کتنا فاصلہ باقی ہے۔

سکندر نے سڑک کنارے کھڑے آدمی کو پہچان لیا تھا اس نے گاڑی اس کے پاس روکی اور ہارن بجایا تو وہ سکندر کو پہچانتا ہوا اس کی جانب بھاگا بھاگا آیا۔ اس نے ایک پڑیا سکندر کی جانب بڑھائی اور بولا۔

''واہ واہ سکندر! کیا بات ہے یار..... کم از کم 1 کروڑ کی تو ہو گی؟'' اس کا اشارہ قیمتی گاڑی کی طرف تھا۔

سکندر نے جیب سے روپے نکال کر اس کی طرف بڑھائے اور بولا۔ ''بلو! یہ رکھو اور بادشاہ سے کہنا کہ میرے ساتھ رابطہ کرے۔'' بلو نے پیسے جیب میں ڈالے اور سکندر کو سلام کرتا ہوا پتلی گلی سے نکل گیا۔

سکندر نے پُڑی اقصیٰ کی طرف بڑھائی تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے کانپتے لرزتے ہاتھوں سے پُڑی کو کھولا اور اپنا کام کرنے لگی۔ اس نے ناک کے راستے اس زہر کو اپنے رگ و پے میں اُتارا اور گردن کو سیٹ سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ سکندر نے گاڑی ایک بار پھر واپس گھر جانے والی سڑک پر دوڑا دی تو چند منٹ کی ڈرائیو پر اقصیٰ کی آواز سکندر کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''شکریہ سکندر!'' اس کے ساتھ ہی اقصیٰ نے پچھلی سیٹ سے اپنی بانہیں سکندر کے گردن کے گرد حمائل کر دی تھیں۔ سکندر نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور بولا۔ ''تم میری جان ہو اقصیٰ ڈارلنگ!''

''آئی لو یو سکندر!'' اقصیٰ نے اس کی گردن پر محبت کی مہر ثبت کی تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''اب کدھر کا پروگرام ہے؟''

''وہاں لے چلو جہاں کوئی نہ ہو۔'' اقصیٰ کی مخمور لہجے میں بھرپور آواز آئی تو وہ بولا۔

''تمہاری نیت ٹھیک نہیں لگتی مجھے۔'' وہ قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔

''ڈر تو مجھے تم سے ہونا چاہیے یار!'' وہ اب خود کو کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ گاڑی کے شیشے چونکہ بلیک تھے اس لیے ان کے دیکھے جانے کا ڈر نہ تھا لیکن سکندر محتاط ڈرائیور تھا وہ کوئی بھی رسک لینے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس نے گاڑی ایک سنسان سڑک پر موڑ دی اور ایک جگہ گاڑی کھڑی کر دی اور پیچھے کی جانب گھوما تو اقصیٰ پچھلی سیٹ پر لیٹی ہوئی اس کو دعوت گناہ دے رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی بچ جانے کا جشن

http://kitaabghar.com

اس انداز میں منانا چاہتی تھی لیکن سکندر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس نے باہر کی فضا میں لمبے لمبے سانس لیے اور خود کو نارمل کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔

اس نے اپنے پیچھے اقصیٰ کے قدموں کی چاپ سنی اور واپس پلٹا تو اقصیٰ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی ہوئی بولی۔ ''مردوں کی مردانگی..... اور بہادر کی بہادری عورت کے اس سخت وار سے کم ہی بچتی ہے سکندر۔''

سکندر ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا بولا۔

''اقصیٰ! میں نے تم سے محبت کی ہے تمہارے بدن اور تمہاری مجبوریوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔''

''تم نے آج میری جان بچائی ہے سکندر!'' وہ اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں لے آیا کیونکہ اقصیٰ جیسی مشہور ماڈل گرل کا اس طرح سنسان روڈ پر دیکھا جانا اقصیٰ کے لیے ہی خطرناک تو تھا مگر نعمان ایزد کی عزت پر بھی حرف آ سکتا تھا۔ سکندر کی عقلمندی پر وہ قائل ہو گئی تھی۔

''میں تمہاری جان نہ بچاتا تو کوئی اور بچا لیتا۔ کیا اس کو بھی تم اس طرح.....''

''سکندر!'' اقصیٰ نے اس کی بات کاٹ دی اور چیخنے والے انداز میں بولی۔ ''میں تم سے محبت کرتی ہوں سکندر۔''

''تو پھر اس محبت کو عبادت بن جانے دو اقصیٰ..... گناہ گار مت ہو..... میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی محبت کو گالی دوں۔ پلیز اقصیٰ محبت کو پاکیزہ ہی رہنے دو۔'' سکندر نے کہا تو اقصیٰ اس کی اس ادا پر قربان ہو گئی۔ وہ سکندر کی طرف پیار سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''سکندر! تم واقعی میرے مقدر کے سکندر ہو..... تم نے آج پوری کی پوری اقصیٰ کو جیت لیا ہے۔''

اقصیٰ کی آنکھوں میں پیار ہی پیار چھلک رہا تھا۔ سکندر نے اس کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور بولا۔

''یہ میری طرف سے تمہاری زندگی بچ جانے پر ایک حقیر سا تحفہ۔''

اقصیٰ اسی جگہ کو چومتی ہوئی بولی۔ ''یہ حقیر نہیں میری زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ ہے سکندر۔ میں نے اس کو محفوظ کر لیا ہے۔'' سکندر نے گاڑی گھر کی جانب دوڑا دی۔

اقصیٰ نے گھر پہنچ کر گاڑی سے اُترنے میں دیر نہ لگائی تھی کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ نعمان ایزد اسی طرف ہی آ رہے تھے اور وہ اس حالت میں ان کا سامنا نہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

''کہاں سے آ رہے ہو سکندر!'' نعمان ایزد کا لہجہ مشکوک بھی تھا اور کچھ تلخ بھی تھا۔

''سر! اقصیٰ میڈم کی طبیعت خراب ہو گئی تھی انہوں نے اپنے شو سے ہی مجھے کال کی تھی۔'' نعمان ایزد سکندر کے جواب میں مطمئن نظر آنے لگے تھے۔

''شام کو تیار رہنا اسلام آباد جانا ہے وہاں پر تین چار دن لگ سکتے ہیں۔'' وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے تو سکندر نے ''جی سر!'' اتنی

http://kitaabghar.com

اونچی آواز میں کہا تھا کہ نعمان ایزد اس کا جواب ضرور سن لیں۔

نعمان ایزد لنچ کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد لگی ہوئی کرسیوں پر حارث نعمان، جہان آرا بیگم اور مطربہ براجمان تھے۔ اقصیٰ اپنے کمرے میں تھی جبکہ شمعون یونیورسٹی سے ہی نہ ابھی آیا تھا۔

''ہاں بھئی کیسی چل رہی ہے تمہاری سٹڈی؟'' نعمان ایزد مطربہ سے مخاطب ہوئے تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بابا جان! بہت اچھی..... کیونکہ ایاز بھائی کے پڑھانے کا انداز بہت پیارا ہے۔''

''گڈ، ویسے بھی میں نے محسوس کیا ہے کہ اس لڑکے میں شرم وحیاء ہے۔'' نعمان ایزد ایاز کی تعریف میں بولے۔

''وہ کون ہے بابا جان!'' حارث نعمان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''وہ شمعون کا کلاس فیلو ہے..... اچھا لڑکا ہے۔ میں اس سے مل چکا ہوں۔'' نعمان ایزد کسی بھی شخص کی یونہی تعریف نہیں کیا کرتے تھے۔ اس بات کا سبھی کو علم تھا۔ ''اور تم سناؤ..... جویریہ سے بات ہوتی ہے کہ نہیں؟'' انہوں نے حارث کو چھیڑا تو وہ شرماتا ہوا بولا۔

''میں کیوں اس سے بات کروں گا۔'' سبھی ہنسنے لگے۔

''جانے دو جانے دو..... مجھے سب معلوم ہے۔'' جہان آرا بیگم بولیں تو وہ کھسیانی سی ہنسی سے ان کی طرف دیکھتا ہوا فوراً بولا۔

مما! آپ بھی کمال کرتی ہیں..... وہ کال تو کسی بزنس مین کی ہوتی ہے۔'' اس کی بوکھلاہٹ پر نعمان ایزد کا جاندار قہقہہ لگا تھا۔ ''اسے کہتے ہیں کہ چور کی داڑھی میں تنکہ۔''

نعمان ایزد کی بات سن کر حارث نعمان بھی کھل کر ہنسنے لگا۔

''آپ لوگ جج صاحب سے بات کریں اور شادی کی تاریخ فکس کریں نا۔'' جہان آرا بیگم حارث کی شادی کے لیے بے چین و بے قرار ہو رہی تھیں۔ ان کی بات سنتے ہوئے نعمان ایزد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''اچھی بات ہے..... اب اس اُلو کی ایک نہیں سنوں گا..... میں بھی چاہتا ہوں کہ گھر میں بہو آئے اور پھر جویریہ جتنی خوبصورت ہے اس گھر میں اور بھی اُجالا ہو جائے گا۔'' آخری فقرہ انہوں نے حارث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرماتا ہوا بولا۔

''بابا! آپ انکل بصیر سے ابھی بات کریں نا۔ پھر الیکشن آ جانا ہے اور مجھے بھی دوسرے ملک میں ٹائم لگنا ہے۔''

''ہاں یار! یہ کام الیکشن سے پہلے پہلے ہونا چاہیے..... میں آج ہی اس سے بات کر لوں گا۔'' کھانا کھایا گیا تو وہ بولے۔ ''اگر میں اور وہ اُلو دونوں دوست ہی ایک ڈیٹ پر آمادہ ہو جائیں تو تم سب کو وہ فیصلہ ماننا ہوگا۔ بولو.....''

''ڈن بابا جان۔'' حارث نعمان فوراً پُر جوش انداز میں بولا تھا۔ اس کی جوشیلی آواز پر مطربہ اور جہان آرا کے ساتھ ساتھ نعمان ایزد بھی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''لگتا ہے کہ جویریہ سے ہر روز ہی بات ہوتی ہے۔ جواب صبر نہیں ہوتا۔'' نعمان ایزد کی بات سن کر حارث نعمان نے شرماتے

http://kitaabghar.com

ثانیہ بیگم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے وہی آواز "امی جی صرف پانچ منٹ اور" پھر بیس منٹ گزر گئے تو بصیر احمد نے ثانیہ بیگم کو اشارہ کیا کہ وقت کافی ہو رہا ہے مہمانوں نے واپس بھی جانا ہے اور کیک کاٹنے کے بعد ابھی کھانے کا بھی اہتمام تھا۔ جویریہ اور انیقہ اپنی اپنی دوستوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں جبکہ بصیر احمد بھی مہمانوں میں گھرے ہوئے تھے۔ سب کا دل چاہتا تھا کہ یہ تقریب رات بھر جاری رہے اور وہ انجوائے کرتے رہیں اور اسی طرح دن طلوع ہو جائے۔

انصر اپنے کمرے سے نکل سیڑھیاں اُترنے لگا تو بہت سی پسندیدگی کی نظریں اس کی جانب اُٹھ گئیں کیونکہ وہ بلیک پینٹ اور شرٹ میں کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ وہ لان میں پہنچا تو جویریہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"بھائی..... ماشاء اللہ آپ تو دُلہا لگ رہے ہو۔" جویریہ کے اس خوبصورت فقرے کو انصر نے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم کہاں بھاگی جا رہی ہو؟"

"وہ میرا سیل کمرے میں ہی رہ گیا ہے میں ابھی آتی ہوں۔" جویریہ یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو انصر چلتا ہوا مہمانوں میں پہنچ گیا۔ بصیر احمد کے دوست اور باقی مہمان بھی فرداً فرداً اس سے ملنے لگے وہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ہوئے ان کو ویل کم کہہ رہا تھا اور ان کی آمد پر شکر گزار بھی ہو رہا تھا۔

جویریہ اور انیقہ کی سہیلیاں تو رشک بھری نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھیں اور سرگوشیوں میں اپنے کومنٹس بھی ایک دوسرے سے شیئر کر رہی تھیں۔

"کیوں بھئی آفیسر اتنی دیر کیوں؟" بصیر احمد نے مہمانوں کے سامنے اپنے پوزیشن واضح کرنے کی غرض سے انصر سے پوچھا تاکہ وہ خود ہی ان کو مطمئن کر سکے۔ "شادی پر ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے برخوردار۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں جج صاحب۔" ثانیہ بیگم نے انصر کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "ماشاء اللہ کہیں..... میرے بیٹے کو نظر نہ لگا دینا کہیں۔" بصیر احمد اور انصر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

جویریہ موبائل فون کان سے لگاتی ہوئی کسی دوست کو دیر سے آنے پر ڈانٹ رہی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ موبائل سیٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا اور وہ خود سے ٹکرانے والے کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی کیونکہ یہ وہی تھا جو ایک دن کتابوں کی دکان میں اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ مگر وہ آج اس کے گھر میں اس سے ٹکرایا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ یہ اجنبی بھی مدعو تھے۔ جبکہ یہی حالت حارث نعمان کی بھی ہو رہی تھی۔ وہ بصیر احمد کو ڈھونڈتا ہوا اس آفت کی پرکالہ کو بھول گیا تھا جو تیزی سے چلتی ہوئی اس سے آ ٹکرائی تھی۔

حارث تو ابھی تک ان لمحات کو بھی نہ بھولا تھا جو کتب کی دکان پر اس کی زندگی کو مہکا گئے تھے اور وہ آج قدرت کے حسین طریقہ واردات پر حیران اور خوش بھی ہو رہا تھا۔

انصر سٹیج پر پہنچ چکا تھا اور کیک پر چھری چلنے والی تھی جویریہ کو بھائی کے پہلو میں پہنچنا تھا اور حارث کو اپنی اس غلطی پر شرمندگی ہو رہی

http://kitaabghar.com

جائیں نعمان ایزد۔ میرے کمرے سے ابھی اور اسی وقت کہیں ایسا نہ ہو کہ سہاگ رات کو دیکھنے والا خون میری آنکھوں میں اُتر آئے اور یہ کمرہ ایک اور خون سے رنگین ہو جائے چلے جائیں پلیز۔'' اقصیٰ نے یہ کہہ کر نفرت سے اپنا منہ موڑ لیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں میں آ جانے والے آنسوؤں پر بمشکل ہی قابو پایا تھا۔ نعمان ایزد اس کے خوفناک لہجے سے خوفزدہ ہو کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے ننھے منے قطرے واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے تھے۔ اور کمرے میں اقصیٰ نے اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام کوشش میں چیخنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بند کمرے میں زور زور سے چیخ رہی تھی اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ یا پھر گھر والوں کو معلوم تھا کہ یہ اس کی بیماری کا ہی ایک حصہ ہے۔ کوئی بھی اس حالت میں اس کو پاگل اس کے کمرے تک آنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔

اس نے خود کو بیڈ پر گرا لیا اور دل کھول کر رونے لگی تھی۔ اس کو آج بھی یاد تھا کہ وہ سہاگن بنی بیٹھی تھی اور اس کا معصوم دلہا اس کا گھونگھٹ اُٹھا رہا تھا۔ کہ اچانک ایک سنسناتی ہوئی گولی نے اس کے دولہا کے دماغ میں سوراخ کر دیا تھا اور وہ اس کی گود میں چند سیکنڈ تک تڑپنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔ اقصیٰ نے خوفزدہ اور پھٹی پھٹی نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں نعمان ایزد ہاتھ میں ریوالور لیے آنکھوں میں خون اور انتقام کا جذبہ لیے غصیلی نظروں سے مرنے والے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اقصیٰ اس منظر کو یاد کر کے بے ہوش ہوتی ہوتی رہ گئی تھی۔ وہ سہاگن بنی تو تھی مگر بیوہ بن کر ایسی عورت کی مانند زندگی گزارنے پر مجبور تھی جس کو اس کے شوہر نے چھوا تک نہ تھا۔

نعمان ایزد نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو گھسیٹتا ہوا رات کی تاریکی میں اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے آیا اور حویلی کے صحن میں ٹہلتے ہوئے سمیع اللہ کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا تھا۔ اس نے بالوں سے پکڑ کر روتی تڑپتی اقصیٰ کو اٹھایا اور ایک جھٹکا دیکر کھڑا کیا وہ تکلیف سے کراہ بھی نہ رہی تھی اور نہ ہی وہ چیخ پکار کر رہی تھی۔ وہ تو بت بنی خوفزدہ نظروں سے باری باری سب حویلی والوں کے منہ دیکھتی جاتی تھی۔

سمیع اللہ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور چیختے ہوئے بولے۔

''میری عزت کو بٹہ لگانے کے لیے تمہیں کمی ہی ملا تھا..... اپنی عمر تو دیکھو ابھی تم بالغ بھی نہیں ہوئی ہو گی کہ ایک کمی کی سیج سجانے چلی تھی..... کیوں کیا تم نے ایسا اقصیٰ کیوں کیا؟'' سمیع اللہ تڑپ رہے تھے اور وہ چیختی ہوئی بولی۔

''میں سب کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ اصغر کا قاتل نعمان ایزد ہے۔ نعمان ایزد میری خوشیوں کا قاتل ہے میرے سہاگ کا قاتل ہے۔ قاتل ہے، نعمان ایزد..... اصغر کی ضرور تھا مگر مجھ سے محبت کرتا تھا۔ تم نے بہت بڑا ظلم کیا ہے نعمان ایزد۔ اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ تمہیں بھگتنا پڑے گا.....'' وہ دھڑام سے کٹے ہوئے شہتیر کی مانند گری اور بے ہوش ہو گئی تھی۔

اقصیٰ نے تڑپ کر اپنے اِرد گرد دیکھا تو بیڈ پر پڑا ہوا موبائل چیخ رہا تھا۔ وہ ماضی کے عذاب سے نکلتی ہوئی نئے پروڈیوسر سے بات کرنے میں مصروف ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

اقصیٰ کو کھیل ہی کھیل میں اپنے ملازم عاشق حسین کے بیٹے اصغر علی سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اس پیار کو گھر والوں سے چھپاتے ہوئے پروان چڑھانے لگے تو عاشق حسین کو اس بات کا علم ہو گیا تھا اس نے اقصیٰ کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن چودہ پندرہ سالہ اقصیٰ کی سمجھ میں وہ بات نہ آسکی تھی۔ اس نے اور اصغر نے گھر سے بھاگ کر شادی کا پروگرام بنا لیا تھا۔ اصغر نے اپنے کسی رشتہ دار کو اعتماد میں لے کر شہر میں نکاح کا بندوبست کیا تھا۔ اقصیٰ اپنی سمجھ کے مطابق کچھ نقدی اور چند تولے زیورات گھر سے لے کر بھاگ نکلی تھی۔ ان کے اس طرح گاؤں سے غائب ہونے پر پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا تھا۔ تمام رشتہ داروں نے عاشق حسین پر شک ظاہر کیا تھا۔ ان پر ظلم و تشدد کیا تو وہ بک پڑا اور اپنے رشتہ داروں کا پتہ بتا دیا۔ اسی دن کے ڈھلتے سورج کے ساتھ ہی نعمان ایزد نے اپنے رازدار ملازم کے ساتھ سفر کیا اور اس کھر پر جا کر قیامت ڈھا دی۔ ابھی اصغر علی اقصیٰ کا کھونکھٹ ہی اٹھا رہا تھا کہ دروازے میں کھڑے جوشیلے اور غصیلے نوجوان نعمان ایزد نے اس کی کھوپڑی گولی سے اڑا دی۔ وہ تڑپ تڑپ کر اقصیٰ کی گود میں گرا تو وہ دلہن بنی ہوئی سکتے کی کیفیت سے تب نکلی جب وہ اپنے باپ سمیع اللہ کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔

اس کو نعمان ایزد کے کہنے پر ایک کمرے میں سنگل سے باندھ کر قید کر دیا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح چیختی چلاتی رہتی اور پاگلوں کی طرح سنگل کو ہر روز توڑنے کی کوشش کرتی۔ وہ اونچی اونچی آواز میں پکارتی کہ اصغر علی کا قاتل نعمان ایزد ہے۔ اس نے اس کے دلہا کو قتل کر دیا ہے۔ اس کی ماں اس کو کھانا دینے جاتی تو وہ اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر کئی کئی گھنٹے روتی رہتی۔ جنت بی بی اس کو سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ پاگلوں کی طرح کا سلوک کرتی ہوئی کھانا گرا دیتی۔ جب نعمان ایزد آکر اس کو لاتوں اور گھونسوں کی مدد سے تشدد اور ظلم کا نشانہ بناتا تھا۔ جنت بی بی بے چاری ایک طرف کھڑی ہو کر رونے لگتی۔ وہ جوان اور اکھڑے بیٹے کے سامنے بے بس اور لاچار تھی۔ وہ جوان بیٹی کو اس طرح بے چارگی کی حالت میں دیکھتی تو خون کے آنسو پی کر خاموش ہو کر رہ جاتی۔ ایک دن نعمان ایزد نے تشدد کی انتہا کر دی تو اقصیٰ مار کھا کھا کر بے ہوش ہو گئی تب جنت بی بی آگے بڑھی اور نعمان ایزد کو روکنا چاہا تو اس نے جنت بی بی کو دھکا دے کر دور گرا دیا۔

جنت بی بی نے بددعا دی کہ تم نے میری بیٹی پر ظلم کیا ہے نعمان۔ تقدیر کے خوف سے ڈرا لڈو کی لاٹھی بہت بے آواز ہے۔ ایک دن تقدیر تمہیں بیٹی کے سامنے اسی طرح ننگا کرے گی کہ تم کسی کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ موت ہی تمہارا آخری فیصلہ ہو گا جو تمہیں ندامت سے بچا سکے گا۔ نعمان ایزد نے اس دن کے بعد اقصیٰ سے کوئی بات نہ کی تھی اور اس پر ظلم بھی بند کر دیا تھا۔ اقصیٰ کو کھول دیا گیا تھا۔ وہ جنت بی بی کے ساتھ ہی سہمی ہوئی چمٹی رہتی تھی اس نے آہستہ آہستہ صبر کر لیا تھا۔ اسی دوران نعمان ایزد نے الیکشن لڑا تھا جو وہ جیت گیا تھا۔ پھر اس نے شہر میں بڑی پراپرٹی خریدی۔ لیکن اس کو تحقیقات کے ڈر سے نااہل ہونے کی وجہ سے وہ پراپرٹی اپنی بہن اقصیٰ کے نام پر خریدنا پڑی۔ اقصیٰ کو عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لاکھوں کروڑوں کی مالک اقصیٰ کو علم نہ تھا کہ نعمان ایزد کی کمزوری بن گئی ہے۔ اب نعمان ایزد کا رویہ اس کے ساتھ اچھا رہنے لگا تھا۔ لیکن ایک دن پھر پراپرٹی اور ناجائز اثاثوں کی چھان بین کا شور برپا ہوا تو نعمان ایزد کو اپنی سیاست بچانے کے لیے جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس نے جنت بی بی اور سمیع اللہ سے مشورہ کر کے اقصیٰ کو اپنے پاس شہر لے آیا۔

http://kitaabghar.com

اس نے بہت سے سیاستدانوں سے مشاورت کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی ٹی وی چینل پر ایک ماڈلنگ کا شو منعقد کروائیں اور اقصیٰ کو اس میں ایک ماڈل کے طور پر متعارف کروائیں۔ کیونکہ فلم انڈسٹری کی نسبت سے اگر دیکھا جاتا تو ماڈلنگ میں زیادہ کریز تھا۔ مشیروں نے مشورہ دے کر نعمان ایزد کو تمام سکرپٹ لکھ کر دیا۔ جس پر کام شروع ہو گیا تھا۔ ایک بہترین فی میل ماڈل کو اقصیٰ کے لیے ہائر کیا گیا تھا۔ وہ دن رات اقصیٰ کو تربیت دیتی تھی اور اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ بتاتی تھی۔ اس نے اقصیٰ کو حیرانگی سے نکالنے کے لیے بتا دیا تھا کہ وہ ٹی وی پر آیا کرے گی کئی کیمرے اس کی تصاویر بنایا کریں گے۔ اس کی فلمیں دنیا دیکھا کرے گی۔ اقصیٰ کے لیے یہ بہت بڑی حیرانگی کی بات تھی کہ وہ ٹی وی پر آیا کرے گی۔

اس نے باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ریمپ پر چلتی تو گر جاتی نروس ہو جاتی کسی سے بھی جلدی بات نہ کرتی تھی۔ اس کی ٹریننگ مزید بہتر ہوئی تو وہ ایک خوبصورت ماڈل بن کر ابھری۔ نعمان ایزد کی رقم سے مختلف جگہوں پر منعقد ہوئے شوز میں اقصیٰ کے حسن کے چرچے ہونے لگے تھے۔ مختلف پروڈیوسر اس کو کاسٹ کرنے کے لیے بے چین رہنے لگے تھے۔ اقصیٰ کی ڈیمانڈ میں اضافہ ہوا تو اس کو اپنا بینک اکاؤنٹ بھی بنانا پڑا۔ ایک دن وہ بنک سے رقم نکلوانے گئی تو حیران رہ گئی کہ اس کے اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے جمع تھے۔

اس نے اپنی ٹرینر کو اس بات کا بتایا تو وہ بھی حیران ہو گئی اور اس بات کی تہہ تک پہنچنے کا وعدہ کرتی ہوئی اپنے تعلقات کی بنا پر اس نے تمام معلومات اقصیٰ کو دے دیں کہ اس تمام پراپرٹی کی مالک اقصیٰ ہے جو کہ اس ملک کی نامور ماڈل گرل ہے۔ اقصیٰ کے چہرے پر خوشی کی لہریں بکھر گئیں۔ وہ نعمان ایزد کی تمام پلاننگ سمجھ گئی تھی۔ اسی دوران ان کی ماں جنت بی بی کا انتقال ہو گیا تو وہ گاؤں گئی تھی سمیع اللہ نے اس کو سمجھایا کہ وہ واپس آ جائے اور اب گاؤں میں اسکی شادی اس کے چچا کے بیٹے سے ہو گی۔ لیکن اقصیٰ نے صاف صاف اور کھری کھری سنا دیں کہ اب وہ بچی نہیں ہے۔ پورے ملک کا میڈیا اس کے ساتھ ہے۔ وہ ہر چینل پر چیخ چیخ کر بتائے گی کہ اصغر کا قاتل مشہور سیاستدان نعمان ایزد ہے اور یہ تمام جائیداد نعمان ایزد نے کرپشن اور لوٹ مار کے پیسے سے بنائی ہیں۔

اتنا سننا تھا کہ نعمان ایزد کی تو بتی ہی گل ہو گئی۔ اس نے اقصیٰ سے ایک ایگریمنٹ کیا کہ وہ اس کے کسی بھی معاملے میں دخل اندازی نہیں کرے گا اور نہ ہی اقصیٰ اس کی سیاسی زندگی میں کوئی کنکر پھینکے گی۔ کیونکہ اب نعمان ایزد کی سیاست انتہائی عروج پر تھی اور اقصیٰ کی ماڈلنگ بھی عروج پر تھی۔ اب اس سمجھوتے کی بنا پر تمام پراپرٹی کی وارث اقصیٰ تھی اور نعمان ایزد کی حیثیت ایک کرایہ دار جیسی تھی۔ جسے اقصیٰ جیسی مالکن کبھی بھی نکال باہر کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

حارث نعمان اور جویریہ کی شادی کا دن آ پہنچا تھا۔ گھر کو مصنوعی لائٹوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تمام راستے میں بھی روشنیاں کر دی گئی تھیں جن راستوں سے بارات نے گزر کرآنا تھا ان راستوں کو پھولوں کی راہداریاں بنا کر سجایا گیا تھا۔ جسٹس بصیر احمد اور تانیہ بیگم بہت خوش دکھائی دے رہے تھے کیونکہ ان کے پہلے بچے (بیٹی) کی شادی تھی اور گھر میں خوشیوں کا سماں تھا۔ جویریہ کو بیوٹی پارلر والی تیار کرنے

http://kitaabghar.com

کے لیے گھر ہی بلائی گئی تھی اور باقی تمام فنکشن ہوٹل میں ہی ہونا تھا۔ شہر کے بہترین ہوٹل میں بارات کی آمد کے لیے باوردی ویٹرز اور دیگر عملہ مستعد کھڑا تھا۔

بصیر احمد کے ملنے والے بھی اس شادی میں شامل تھے اور ظاہری سی بات تھی کہ بارات کے ساتھ آنے والوں میں ملک کے نامور سیاستدان اور بیوروکریٹس بھی شامل ہونگے۔ نامور وکلا اور جج صاحبان کی کثیر تعداد کے علاوہ بصیر احمد اور ثانیہ بیگم کے رشتہ دار انفر احمد کے کولیگ اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے معززین میں ایاز بھی شامل تھا جو دلہا کی بہن کا استاد تھا اور دلہا کے بھائی کا کلاس فیلو بھی تھا۔ اور ادھر سے وہ دلہن کی بہن کا بھی استاد تھا اور دلہن کا.....؟ ایاز گھر پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ سب لوگ ہوٹل جا چکے ہیں۔ وہ صائمہ کا پتہ کرنے آیا تھا لیکن اس کو معلوم ہوا کہ گھر میں صرف جویریہ ہے جس کو بیوٹیشن دلہن بنا رہی ہے۔ ایاز نے لان سے ایک خوبصورت پھول توڑا اور ہمت کرتا ہوا عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے جویریہ کے کمرے کا اندازہ سے ہی دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کے ساتھ والا دروازہ کھلا تو ایک لڑکی کا چہرہ نظر آیا جو کہ بیوٹیشن تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ جویریہ کا کمرہ ساتھ والا تھا اور وہ اس کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ ''جی فرمایئے''۔ بیوٹیشن نے ایاز سے پوچھا تو وہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''جی مجھے جویریہ سے ایک ضروری بات کرنی ہے پلیز۔ چند منٹ۔'' بیوٹیشن کے عقب سے جویریہ نے جھانک کر دیکھا جو کہ ایاز کی آواز سن کر وہاں تک آ گئی تھی۔ جویریہ نے ایاز کو حیرانگی سے دیکھا اور بیوٹیشن کو اندر جانے کا کہا تو خود کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ دلہن بنی ہوئی تھی اور ایاز کے دل نے اس قدر تیز دھڑکنا شروع کر دیا تھا کہ یوں لگ رہا تھا کہ جویریہ بھی ان بے قرار دھڑکنوں کو سن رہی ہے۔

''آپ! اس وقت یہاں؟'' ایاز نے تھوک نگلتے ہوئے جویریہ کا فطری سا سوال سنا اور اپنا پھول والا ہاتھ اس کے سامنے کرتا ہوا بولا۔ ''یہ میری طرف سے آپ کو شادی کا تحفہ۔''

جویریہ کو اس کا پھول دینے کا خوبصورت انداز کافی پسند آیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پھول ایاز کے ہاتھ سے لیا اور بولی۔

''شکریہ!'' اس نے پھول کو سونگھتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہ تحفہ وہاں سب کے سامنے دیتے۔'' یکدم ایاز کے چہرے پر افسردگی چھا گئی اور وہ اپنے آنسو چھپاتا ہوا بولا۔

''جب محبت ہر کسی سے چھپا کر کی ہے تو پھر یہ تحفہ ہر کسی کے سامنے کیوں؟'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا مگر جویریہ منہ کھولے حیرت سے اس کو جاتا دیکھتی رہی۔ وہ باوقار انداز میں چلتا ہوا ان کے محل سے باہر نکل گیا تھا۔ جویریہ پھول کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے کبھی پھول کو اور کبھی اُن راہوں کو دیکھنے لگتی جن راہوں سے ابھی ابھی ایاز گیا تھا۔ اس کی سماعتوں میں ایاز کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''جب محبت ہر کسی سے چھپا کر کی ہے تو پھر یہ تحفہ سب کے سامنے کیوں؟'' وہ ایاز کے انداز بیان کو سمجھنے سے قاصر نہ تھی وہ باشعور اور سمجھدار تھی۔ مگر اس نے تو کبھی بھی ایاز کو کوئی ایسا اشارہ نہ دیا تھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ تو پھر ایاز اس کی یک طرفہ محبت میں ہی جل رہا تھا۔

http://kitaabghar.com

جویریہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور واپس اندر کمرے میں چلی گئی۔

گاڑیوں کی لمبی قطاریں اور سوٹڈ بوٹڈ مہمانانِ گرامی اس بات کا ثبوت تھے کہ نعمان ایزد نے اپنے جاننے والوں میں سے تمام معززین کو انوائٹ کیا تھا۔ اُس کے بھی پہلے بیٹے کی شادی تھی۔ ثانیہ بیگم نے جہان آرا بیگم کو پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا تو لڑکیوں نے بارات کے ساتھ آنے والی عورتوں پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنا شروع کر دیں۔ اُدھر بصیر احمد نے بھی بارات کو خوش خلقی سے ویلکم کیا اور اپنے بازو وا کر کے نعمان ایزد کو گلے لگایا۔ ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تو پھیلی ہوئی تھی لیکن حارث نعمان کی باچھیں کھل رہی تھی۔

اُس نے بصیر احمد سے ہاتھ ملایا تو انہوں نے اُس کو بھی سینے سے لگا لیا اور گال پر محبت بھرا بوسہ دیا۔ شمعون نے بھی پُرجوش انداز میں بصیر احمد سے ہاتھ ملایا تھا۔

مہمانوں کی بہترین ڈشز سے تواضع کی گئی۔ نکاح کے بعد کھانے کا لطف اُٹھاتے ہوئے لوگ انگلیاں چاٹنے لگے تھے یقیناً یہ ہوٹل کا معیار تھا کہ وہ اپنے بہترین اور لذیذ کھانوں کی وجہ سے ہی مشہور تھا۔ نکاح کے موقع پر جسٹس بصیر احمد کی آنکھیں جھلمل کرنے لگی تھیں۔ بصیر احمد کا تعارف سمیع اللہ سے کروایا گیا تو بصیر احمد ان کی قابلِ رشک صحت کے داد دینے لگے۔ انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے بصیر احمد کے کھانوں اور اچھے انتظامات کو سراہا تھا۔

انصیٰ اور ایقہ کی خوب گاڑھی چھن رہی تھی۔ سکندر نے انصیٰ کو دیکھا تو فون کال پر اس کو چھیڑا کہ وہ آج پرستان کی پری لگ رہی ہے تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

مطربہ کی بے چین نظروں نے انفر احمد کو ڈھونڈ لیا تھا۔ مطربہ نے کال ملائی اور دیکھا تو انفر نے کال ریسیو کر کے موبائل کان کو لگایا تو مطربہ صرف اتنا ہی کہہ پائی۔ ''واؤ یو آر لکنگ سمارٹ اینڈ ہینڈسم'' اور کال منقطع کر دی اس نے دیکھا کہ انفر کی تیز نظریں اس کو ڈھونڈ رہی تھیں اور بالآخر وہ پکڑی ہی گئی۔

انفر نے دور سے ہی اُسے دو انگلیاں پیشانی پر لا کر سلام کیا تو مطربہ نے بھی مسکراتے ہوئے سر جھکا کر اس کو سلام کا جواب دیا اور پھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

دودھ پلانے کی رسم سے قبل جویریہ کو لا کر حارث کے پہلو میں بٹھایا گیا تو حارث بے ساختہ اوپر چھت کی طرف دیکھنے لگا اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کر رہا ہو کہ اس کو پریوں کے دیس میں سے چن کر ایک پری دے دی گئی ہے۔ جویریہ کو دیکھ کر جہان آرا بیگم کے شریکے کے تو منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

جویریہ پرستان کی ملکہ لگ رہی تھی اور وہ بھی حارث نعمان کو پا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت پر بے حد مشکور نظر آ رہی تھی۔ ایقہ نے خوب بحث کی تھی کہ دودھ پلائی میں اس کی ڈیمانڈ کے مطابق رقم ملنی چاہیے۔ حارث اور شمعون اس سے بحث کر رہے تھے جبکہ ایقہ اکیلی ہی اُن سے نپٹ رہی تھی۔ ہنسی مذاق اور قہقہوں کا نہ تھمنے والا طوفان اس بات پر تھا کہ ایقہ کو حارث نے تحفے میں گاڑی

http://kitaabghar.com

دی تو سب تالیاں بجانے لگے۔

بصیر احمد نے جویریہ کے لیے قیمتی گاڑی جہیز میں دی تھی اس کی چابی حارث نعمان کو دی گئی تو پھر تالیاں بجنے لگیں اور جب رخصتی کا وقت آیا تو بصیر احمد نے نعمان ایزد کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''میری بیٹی ناسمجھ ہے نعمان..... اگر کوئی غلطی کوتاہی ہو جائے تو مطربہ بیٹی سمجھ کر نظر انداز کرنا یار۔'' یہ کہہ کر انہوں نے نعمان ایزد کے سامنے ہاتھ جوڑے وہاں پر موجود تمام لوگوں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ نعمان ایزد نے ہنستے ہوئے ان کو گلے لگایا اور بولے۔ ''اُلو کی دُم ..... مجھے بھی رُلاؤ گے کیا؟''

جویریہ نے تانیہ بیگم کے سینے سے لگ کر ان کو بھی رُلا دیا تھا۔ انیقہ نے بھی جویریہ سے ہاتھ ملایا اور آنسو چھپاتی ہوئی بولی۔

''آئی ایم سوری آپی! میں نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ سوری!'' جویریہ نے اس کو گلے لگا لیا تھا۔

دور کھڑے ایاز پر جویریہ کی نظریں پڑیں تو وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جویریہ نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں جھلمل کر رہی تھیں لیکن اس کے ہونٹوں پر کربناک مسکان نے جویریہ کو بھی غمگین کر دیا تھا۔ اسی اثنا میں حارث نعمان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو جویریہ نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

سمیع اللہ نے آگے بڑھ کر جویریہ کو پیار دیا اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ جویریہ کی رخصتی ہو گئی تو بصیر احمد تب تک اس گاڑی کو دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ وہ واپس مڑے تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ سمیع اللہ اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگے تو صائمہ اُن کے سامنے آ گئی۔

سمیع اللہ کو اس عورت کو پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہ لگی تھی کیونکہ سمیع اللہ کی صحت کے ساتھ ساتھ یادداشت بھی کافی اچھی تھی اور نگاہ تو اُن کی عقاب جیسی تھی۔ وہ صائمہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور اِرد گرد دیکھنے لگے کہ اس کے پاس کھڑے کسی شخص نے تو ان کو نہیں دیکھ لیا۔

''تم..... تم زندہ ہو؟''

''تم نہیں مرے سمیع اللہ تو میں کیسے مر سکتی ہوں۔'' صائمہ کی زبان نے زہر اگلا تھا کیونکہ اس کا لہجہ ایک بپھری ہوئی ناگن کی طرح تھا۔

''آج کل کس کو بے وقوف بنا رہی ہو صائمہ!'' سمیع اللہ کا لہجہ تلخ اور طنز سے بھرپور تھا۔

''جو قرآن کریم آج سے پچیس سال پہلے اُٹھا کر سر پر رکھا تھا..... آج بھی میرے سینے سے لگا ہوا ہے سمیع اللہ..... اس وقت سے لے کر آج تک وہی قرآن میری جائیداد اور وہ اوپر بیٹھا اللہ میرا وارث ہے..... آج سے تمہارے خاندان کی بربادی شروع ہو گئی سمیع اللہ ..... شروع ہو گئی۔'' صائمہ اس کو کہہ کر آگے بڑھ کر مہمانوں میں گم ہو گئی مگر سکندر نے دیکھ لیا تھا کہ سمیع اللہ سے صائمہ کی ملاقات ہو گئی ہے۔ اور وہ اس موقع پر سامنے آ کر بنا بنایا کھیل بگاڑنا نہ چاہتا تھا۔ وہ بھی دوسرے گارڈز کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔ سمیع اللہ کے ہاتھوں کے ہی نہیں بلکہ دماغ کے بھی طوطے اُڑ چکے تھے۔ وہ سارا راستہ صائمہ کی باتیں یاد کرتے ہی گزار گئے اور ان کو پتہ ہی نہ چلا کہ وہ

http://kitaabghar.com

کب نعمان ایزد کے گھر پہنچ گئے تھے۔

جویریہ کا استقبال ایک شہزادی کی طرح کیا گیا تھا گھر بھر میں گلابوں کی مہک نے ماحول کو بہت ہی پیارا بنا رکھا تھا تو یوں لگ رہا تھا کہ گلابوں کی کلی سے شادی ہوگئی ہے اور باقی پھول خوشیاں منا رہے ہیں۔ جویریہ ایک بار پہلے بھی یہاں آچکی تھی اور آج وہ اس گھر میں بڑی بہو کے طور پر آئی تھی اور اس کی حکمرانی ہی چلنے والی تھی کیونکہ حارث نعمان ایک اچھا بزنس مین تھا اور نعمان ایزد ایک سیاستدان تھے۔ جہان آرا بیگم اپنی این جی او میں مگن تھے۔ اقصیٰ ماڈل گرل، شمعون اور مطربہ سٹوڈنٹ تھے۔ جویریہ کے لیے ہر سو خوشبوئیں اور بہاریں اس بات کا اشارہ دے رہی تھیں کہ وہ پرستان سے نکل کر شہزادوں کے دیس میں آگئی ہے۔

جویریہ کو جہان آرا بیگم اور اقصیٰ نے اس کے کمرے تک پہنچایا تو وہ حیران رہ گئی کیونکہ کمرے کا تمام فرنیچر ہی نیا تھا۔ حارث نعمان نے پہلے والا فرنیچر اٹھوا دیا تھا ہر چیز نئی تھی۔ کمرے کے پردوں سے لے کر فرش کے قالین تک۔ جویریہ بیڈ پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھی تقدیر نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔

اس نے پہلی بار حارث نعمان کو کتابوں کی دکان میں دیکھا تھا تو اس کے معصوم چہرے کی وہ دیوانی ہوگئی تھی۔ وہ اس چہرے اور قد و کاٹھ کو ذہن میں سوار کر چکی تھی۔ پھر اس کو حارث انصر کی برتھ ڈے پارٹی پر ملا تو بس اس کی تو سنی ہی گئی تھی۔ کیونکہ وہ جویریہ کے پاپا کا ہی پوچھ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ پاپا کا خاص مہمان ہے۔ اور پھر وہی ہوا جب حارث نعمان کا تعارف کروایا گیا تو وہ بصیر احمد کے جگری دوست نعمان ایزد کا بیٹا نکلا تھا۔

اس بات نے بھی ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع دیا تھا کہ دونوں ہی خاندان کافی امیر اور باشعور تھے اور ان کی ملاقاتوں پر کوئی پابندی نہ تھی بلکہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا کھل کر موقع دیا گیا تا کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ اور آج ان دونوں کی سمجھ یہ تو یہ لائی تھی کہ وہ حارث نعمان کی دلہن بنی ہوئی اس کے حجلہ عروسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے کمرے کی ہر ایک چیز کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ بیڈ کے بالکل سامنے ایک بڑی سی ایل سی ڈی لگی ہوئی تھی جو کہ دیوار میں ہی فکس تھی۔ بیڈ کے دونوں اطراف میں گلابوں کے تازہ پھولوں کے گلدستے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو بڑا ہی نفیس فانوس اس کمرے کی خوبی کو اور بھی بڑھانے میں اپنی شان و شوکت واضح کر رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ کمرے ایک کونے میں کتابوں کا ایک بڑا سا ریک لگا ہوا تھا جس میں مشہور مصنفین اور نامور شعرا کرام کی کتب بڑے قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کافی کتب خود جویریہ کے پاس بھی تھیں۔ اور بہت سی کتب کا اس نے مطالعہ بھی کر رکھا تھا۔

دروازے پر دستک سن کر وہ صحیح ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ حارث نعمان کمرے میں داخل ہوا اور اپنے پیچھے ہنسی کی آواز سن کر اس نے مڑ کر دیکھا تو اقصیٰ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ مطربہ بھی تھی۔ وہ دروازہ بند کرنے لگا تو اقصیٰ نے اپنا پاؤں آگے کر دیا اور بولی۔

http://kitaabghar.com

''ایسے نہیں بچے.....! ہمارا شگن۔'' اور اقصیٰ اندر آگئیں تو حارث نعمان کو وہ بے وقت کی راگنی کی طرح اس وقت بہت ہی بُری لگی تھیں۔ ''بوا پلیز آج تو تنگ نہ کریں۔'' حارث نعمان التجائیہ لہجے میں بولا تو اقصیٰ غصے سے بولی۔

''بواہ.....بواہ.....آج بھی بواہ'' اس نے ہنستے ہوئے حارث کا کان پکڑ لیا۔

''اقصیٰ جی! پلیز.....جان چھوڑ دیں۔'' وہ اقصیٰ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوا بولا اور پھر اس کی نظر مطربہ پر گئی۔ ''تم تم بھی اقصیٰ میڈم کی باتوں میں آگئی ہو۔ چلو ادھر سے۔'' اقصیٰ نے اس کا کان چھوڑ کر ایک پنسل آگے کر دی۔

''یہ کیا.....پنسل.....اس کا کیا کروں اقصیٰ جی۔''

''بھائی! اس پنسل سے وہ چیک بھریں جو آپ نے مجھے اور بواہ کو دینا ہے۔'' مطربہ نے کہا تو وہ کمر پر ہاتھ رکھتا ہوا اکڑ کر بولا۔ ''نا میں تم دونوں کو کوئی بھی چیک کیوں دوں گا؟''

''لو جی.....تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ لو.....ہم بھی ڈاکٹروں کی طرح دھرنا دیتے ہیں اور بھوک ہڑتال پر ہیں۔'' وہ دونوں ہی وہیں قالین پر بیٹھ گئیں تو اقصیٰ کی نظریں جویریہ کی نظروں سے ملیں تو وہ مسکرا دیں۔

''میری ماں! یہ احتجاج ختم کر یار پلیز جاؤ یہاں سے۔'' حارث نعمان نے ان کے ہاتھ سے پنسل لی اور کوٹ کی جیب سے چیک بک نکال کر ایک چیک بھرا اور مطربہ کو پکڑاتے ہوئے بولا۔ ''اب نظر نہ آنا.....کمرے کے آس پاس بھی کوئی دکھائی دیا تو شوٹ کر دوں گا۔'' اقصیٰ نے مسکرا کر وہ چیک پکڑا اور دیکھتی ہوئی بولی۔

''کنجوس.....! خیر چلے گا۔''

''ایک لاکھ روپیہ ہے اور ابھی بھی کنجوس!'' حارث نے آنکھیں نکالیں تو مطربہ بولی۔

''بھائی! بھابی تو دیکھو! اس کا کوئی سول ہے بھلا! انمول ہیں بھائی۔'' حارث نعمان چڑتا ہوا بولا۔

''تم لوگ باہر جاؤ گے تو یہی دیکھوں گا نا۔'' حارث نے ہاتھ جوڑے تو وہ دونوں ہنستی ہوئیں کمرے سے باہر نکل گئیں تو حارث نے فوراً کنڈی لگانے کی جلدی کی مبادا کہ کوئی اور آفت نہ آجائے۔

وہ بیڈ پر جا کر بیٹھا تو دل کی دھڑکنیں بے ترتیب اور پھر جویریہ کے حسن کے سامنے سجدہ ریز ہونا شروع ہو گئیں۔ اُس نے جویریہ کا گھونگھٹ ہاتھ کی انگلی سے ہٹانا چاہا تو جویریہ نے منع کر دیا۔

''اب اس چاند پر پہنچنے کے لیے کون سی سفارش کی ضرورت ہے؟''

جویریہ نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا تو وہ مسکرانے لگا اور بولا۔ ''حسن کی بارگاہ میں ایک پجاری کا سلام.....سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ اس موقع پر کیا تحفہ دوں.....بس اپنا دل ہی لے آیا ہوں.....اگر حضور کی شان میں گستاخی نہ ہو تو مہربانی فرما کر اس دل کا تحفہ دل سے قبول کریں۔'' حارث نعمان نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی اور اس کو کھول کر ایک انگوٹھی نکالی جو کہ دل کی

http://kitaabghar.com

شکل میں گولڈ کی بنی ہوئی تھی لیکن اس کے درمیان میں سرخ رنگ کے ہیرے اس انداز میں لگائے گئے تھے کہ وہ حارث اور جویریہ کے نام کو ظاہر کر رہے تھے۔ حارث نے جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی اسکی ایک انگلی میں پہنائی تو وہ شرم سے چھوئی ہوئی ہوگئی۔

اُس نے انگوٹھی دیکھی تو واقعی حارث کی پسند پر خوشی ہوئی کیونکہ اس نے ایسی انگوٹھی اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

حارث نعمان نے اس بار گھونگھٹ کو اپنے ہاتھ کی انگلی سے ہٹایا تو حسن کی شعاعیں اس کی آنکھوں کو چندھیا گئیں۔ اس نے آہستگی سے پورا گھونگھٹ ہی اوپر اٹھایا تو اس نے آنکھوں کو چندھیا دینے والا حسن دیکھا اور حیرت سے بولا۔

''اچھا ہی ہوا کہ چاند میں داغ ہے ورنہ..... آج وہ آپ کے مقابلے میں یقیناً شکست کھا جاتا۔''

''باتیں تو آپ اچھی کرتے ہیں۔'' جویریہ دھیرے سے بولی تو وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

''قدرت کی مہربانی پر میں کاتب تقدیر کا کس طرح شکر ادا کروں..... میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اگر یہی بات میں کہوں تو.....؟'' جویریہ نے کہا تو حارث نعمان نے اپنی انگلی سے اس کی ٹھوڑی کو تھوڑا سا اوپر کیا تو جویریہ نے آنکھیں کھول کر مخمور انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہی وہ جھیل جیسی گہری آنکھیں ہیں جن کی مثال شاعر اپنی غزلوں اور شاعری میں دیا کرتے ہیں۔'' حارث نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں پر اپنے ہونٹوں سے محبت کا پہلا بوسہ ثبت کیا تو وہ جی جان سے قربان ہوتی ہوئی چھوئی موئی ہوگئی۔

''سرخ یاقوتی ہونٹ..... یقیناً گلاب ان سے رنگ اور قدرت ان سے رس چوستی ہوگی۔ تبھی تو صبح کی لالی اتنی سحر انگیز ہوتی ہے کہ دل قربان ہو جاتا ہے۔'' اس بار جویریہ نے آنکھیں جھکا لیں تھیں۔

''سیاہ بال اور گھنگھور گھٹائیں آپس میں ایک دوسرے کو مقابلے کی دعوت دیں تو میرا یقین ہے کہ گھٹاؤں کو منہ چھپا کر گزرنے میں ہی عافیت جانی ہوگی۔''

وہ جویریہ کے سراپا کا جائزہ لے رہا تھا اور موقع کی مناسبت سے الفاظ اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔ اور جویریہ اپنی تعریفیں سن سن کر شرم و حیا سے دوہری ہوتی جا رہی تھی۔

''شرابوں میں نشہ تمہاری آنکھوں کا مرہون منت ہے..... کوئل کی آواز تمہارے لب و لہجے کی محتاج ہے۔ تمہاری ہنسی سن کر یقیناً جھرنے بلندی سے گرنا بھول جاتے ہوں گے۔ کشمیری سیب تمہاران خوبصورت گالوں کو دیکھ کر ہی قدرت نے بنائے ہوں گے۔''

''اگر میں نہ ملتی تو.....؟'' جویریہ نے شرارت کی تو وہ اس کے گالوں پر انگلی پھیرتا ہوا بولا۔

''میں نے محبت کی ہے جویریہ! اگر تم مجھے نہ ملتی تو آج تک تمام عشقیہ داستانیں اور محبت پر مٹنے والے تمام لوگ مجھے جھوٹے لگتے..... اور میری محبت کی سچائی پر مجھے یقین تھا کیونکہ میں نے سچے دل سے سچے جذبوں سے تمہیں چاہا ہے اور سچائی کبھی بھی دھوکا نہیں دیتی..... تم دیکھ لو میرے جذبوں کی سچائی رنگ لے آئی ہے۔''

http://kitaabghar.com

وہ جھک کر اپنا سر اس کی گود میں رکھتا ہوا بولا۔ ''جویریہ! ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھیں!'' وہ دھیرے سے بولی۔

''کیا تم بھی اسی طرح بے چین و بے قرار ہوتی تھیں جس طرح میں تھا؟'' جویریہ اس کی بات سن کر مسکرانے لگی اور بولی۔ ''اب مجھے کیا پتہ کہ آپ کتنے بے چین و بے قرار تھے۔''

''یہ چاند اور تارے میری بے قراری کی گواہی دیں گے۔''

''میں ان سے کیوں پوچھوں جی۔'' وہ اس ادا پر قربان ہو گیا تھا۔

''میں نے جب پہلی بار تمہیں کتب کی دکان پر دیکھا تھا..... تب سے آج تک دیوانوں کی طرح گھومتا پھرتا ہوں۔''

''دیوانے کے کھلے گریبان اور سر کے بکھرے بال تو مجھے نظر نہیں آ رہے۔'' وہ اس کی شرارت کو سمجھتا ہوا بولا۔

''گریبان اس کا چاک ہوتا ہے جس کو اس کا محبوب نہ مل سکے۔ اور بال اس کے بکھرے ہوتے ہیں جس کا محبوب جدا ہو۔ میں ان کی طرح کیوں کروں۔ میں نے جسے چاہا اُسے پا لیا۔''

''اور میرا بھی محبت پر ایمان پختہ ہو گیا ہے۔ جسے سچے دل سے چاہا جائے اُسے تقدیر آپ کی جھولی میں ضرور ڈالتی ہے۔''

جویریہ نے کہا تو وہ مسکراتا ہوا بولا تھا اور اس کو پیار بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے اُس نے ایک پیاری سی شرارت کی اور پھر لائٹ آف کرتے ہوئے بولا۔

''آئی لو یو جویریہ، آئی لو یو۔''

☆.....☆.....☆

سمیع اللہ نے نعمان ایزد کو اپنے پاس بلایا تھا اور وہ صائمہ کی بات بتانے لگے تھے۔ سمیع اللہ کے منہ سے صائمہ کے دھمکی آمیز الفاظ سن کر نعمان ایزد غصے سے لال ہو گئے تھے۔ سمیع اللہ نے اُٹھتے ہوئے ان کو سمجھانا شروع کر دیا۔

''سانپ کو تب مت مارو جب وہ تمہاری آنکھوں میں دیکھ رہا ہو..... بلکہ پیچھے سے اس طرح وار کرو کہ اس کی گردن اس کے تن سے جدا ہو جائے۔''

''میں اس کی گردن اس طرح کچلوں گا کہ وہ دوسرا سانس لینے کی کوشش بھی نہیں کر سکے گی۔'' نعمان ایزد غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔ سمیع اللہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''ابھی نہیں! تم نے آج ہی حارث کی شادی کی ہے۔ اور پھر تین چار ماہ تک الیکشن بھی ہونے والے ہیں۔ تمہیں صبر اور تحمل سے کام لینا ہوگا..... الیکشن کے بعد اس کا کام اس طرح تمام کروانا کہ لوگ اس کی اذیت ناک موت کو ایک ایکسیڈنٹ ہی سمجھیں۔''

''یہ کام تو اب بھی ہو سکتا ہے ابا جی!'' نعمان ایزد کی جلد بازی پر سمیع اللہ تاؤ کھا گئے۔

http://kitaabghar.com

''تمہاری جلد بازی نے ہی یہ دن دیکھنے پر ہمیں مجبور کیا ہے۔'' سمیع اللہ کے اس فقرے پر نعمان ایزد کی نظریں جھک گئیں تھیں۔''اب ایکسیڈنٹ کرنے والا اگر الیکشن میں تمہارے خلاف دوسری پارٹی میں مل جائے تو کیا کرو گے۔ اپنے دامن پر لگے ہوئے خون کے دھبوں کو دھونا تمہارے لیے ناممکن بھی ہوگا اور نقصان دہ بھی۔''

سمیع اللہ کی دوراندیشی نے نعمان ایزد کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اقصیٰ کا بتاؤ..... اس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟''

''کیا ہو سکتا ہے؟ ہتک آمیز اور توہین سے بھرپور۔'' نعمان ایزد ایسے بولے تھے جیسے کہ وہ کوئی کڑوی گولی کھا رہے ہوں۔

سمیع اللہ ایک گہری سانس باہر کی جانب خارج کرتے ہوئے بولے۔

''یہ بھی ضروری ہے..... ذرا یہ تو سوچو کہ اس کی ماڈلنگ نے تمہارے کرپشن کے اس محل کو جائز مقام اور اپنا نام دیا ہوا ہے۔''

''لیکن وہ بھی بھول گئی ہے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ اور آج وہ جس مقام پر کھڑی ہے وہ سب میری بدولت ہے۔ یہ بوٹا میرا ہی لگایا ہوا ہے۔'' نعمان ایزد غصے سے چیخنے لگے تھے۔

''اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو نعمان ایزد!'' سمیع اللہ نے خاصے شاطر ذہن کے مالک تھے۔ وہ ٹھنڈے مزاج سے گرم لہجے میں بولے۔''میرا نہیں خیال کہ اقصیٰ اصغر علی کی بیت کو بھولی ہوگی۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتا رہوں ابا جی؟'' نعمان ایزد تڑپ کر بولے۔ ان کا انداز ایسا تھا کہ پنجرے سے باہر نکلنے کو پھڑ پھڑا رہے تھے۔ پنجرے کا دروازہ بھی کھلا تھا لیکن نعمان ایزد اپنا وجود بڑا ہو جانے پر سیاست کی سیاست کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

''نعمان ایزد! پتہ نہیں تمہیں کون بیوقوف الیکشن میں ٹکٹ دیتا ہے۔'' سمیع اللہ بولے تو نعمان ایزد حیرت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔''میں سمجھا نہیں ابا جی۔''

''تم نے ابھی تک اقصیٰ کی شادی کیوں نہیں کروائی؟''

اتنا سننا تھا کہ وہ چونک کر سمیع اللہ کی طرف دیکھنے لگے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

''کیا وہ شادی پر رضامند ہوگی؟''

''تمہاری نظر میں کوئی لڑکا ہے؟'' نعمان ایزد سوچ میں پڑ گئے تھے پھر یکدم ایک خیال ان کے ذہن میں برق بن کر ندا تو وہ بولے۔''جسٹس بصیر احمد کا بڑا بیٹا..... انصر احمد۔ میری نظر میں ہے۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ بصیر احمد مجھے انکار بھی نہیں کریگا۔'' نعمان ایزد کا لہجہ پرجوش تھا۔

''لڑکا کیا کرتا ہے؟''

http://kitaabghar.com

''پولیس ڈیپارٹمنٹ میں.....'' نعمان ایزد اس سے آگے کچھ نہ بول سکے۔

''اقصیٰ کل کو اپنی زبان بھی اس کے سامنے کھول سکتی ہے اور اصغر علی کا کیس تمہارے گلے کا پھندہ بھی بن سکتا ہے۔''

سمیع اللہ کا لہجہ گو کہ دھیما تھا لیکن دھمکی اور خوف کی لرزش اس میں نمایاں تھی۔ اور نعمان ایزد بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

''تم شادی اور الیکشن سکون سے نپٹاؤ۔ دوبارہ اقتدار میں آ کر اس اہم مسئلے پر کوئی ردعمل ظاہر کرنا۔'' سمیع اللہ کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ''یاد رکھنا جلد بازی کام کو بگاڑ بھی سکتی ہے۔''

نعمان ایزد خود فزدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

ولیمہ بھی دھوم دھام سے ہو گیا تھا۔ اب الیکشن کی تیاری میں نعمان ایزد مصروف تھے اور ایاز مطربہ اور ایقہ کے ایگزام میں مصروف تھا۔ اقصیٰ نئے ایگری منٹ کرنے میں مصروف تھی۔ سکندر اور اقصیٰ پیار کی پینگیں بڑھانے میں مگن تھے۔ ریشم کافی امیر ہو چکی تھی۔ اس نے سیکریٹری بننے کا اچھا خاصا معاوضہ وصول کر لیا تھا اور وہ بہت جلد اپنا مکان خریدنے کے چکر میں تھی۔

ہر طرف روای چین ہی چین لکھنے لگا تو اچانک کسی نے ٹھہرے ہوئے پانی میں اچانک کنکر پھینک کر ہلچل مچانے کی کامیاب کوشش کر کے دنیائے سیاست میں بے چینی پیدا کر دی تھی۔

نعمان ایزد سکندر اور دیگر دو محافظوں کے ساتھ اسلام آباد کی جانب جا رہے تھے کہ راستے میں کار سواروں نے ان کی گاڑی پر فائرنگ کر دی۔ اور رفیک کرتے ہوئے گاڑی والوں نے اس طرف فائرنگ کی جدھر ڈرائیونگ سیٹ تھی اور گاڑی کا سٹیرنگ اس وقت سکندر کے ہاتھ میں تھا ایک گولی سکندر کے کندھے میں پیوست ہو گئی جبکہ اس نے سٹیرنگ گھما کر گاڑی کو اس اینگل پر کر لیا کہ کوئی بھی گولی نعمان ایزد کو نہ چھو سکے۔ اس کی حکمت عملی کام دکھا گئی تھی لیکن اس کے پیچھے بیٹھا ہوا گارڈ گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ اور دوسرا گارڈ بھی بال بال بچ گیا تھا۔

گاڑی میں خون بکھر گیا تھا۔ شیشے ٹوٹ چکے تھے۔ نعمان ایزد خوفزدہ ہو چکے تھے۔ حملے کے پندرہ منٹ بعد ہی پولیس کی کئی گاڑیاں جائے حادثہ پر پہنچ گئیں تھیں۔ ایمبولینس میں ہلاک ہو جانے والے گارڈ کی میت لیجائی گئی اور سکندر کو بھی ایک ایمبولینس کے ذریعے ہسپتال پہنچایا گیا تھا۔ نعمان ایزد کو پولیس کی سیکیورٹی میں واپس ان کے گھر پہنچا دیا گیا تھا۔

نعمان ایزد پر حملے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی ہر ٹی وی چینل نے بریکنگ نیوز کے طور پر اس خبر کو نشر کیا تھا حارث نعمان اور گھر کے تمام لوگ بھی پریشان تھے۔ جویریہ کے لیے یہ پہلا حادثہ تھا وہ خاصی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ حارث نے نعمان ایزد کی ڈھارس بندھائی اور ان کو پریشانی سے نکالنے کے لیے ان کے ساتھ کافی وقت گزارا۔

گھر میں تمام افراد ٹی وی چینلز پر اس نیوز کو سن رہے تھے جبکہ سکندر کی بار بار دکھائی جانے والی تصویر کو دیکھ کر اقصیٰ بہت پریشان ہو گئی تھی۔ وہ گھر سے نکلی اور اپنی گاڑی لے کر سیدھی ہسپتال پہنچی تھی۔

http://kitaabghar.com

چند ہی منٹوں میں وہ سکندر کے پاس کھڑی تھی۔ سکندر کے کندھے سے گولی نکال دی گئی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ اقصیٰ اس کو اس حالت میں دیکھ کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی اس کے دو آنسو بہہ کر سکندر کے چہرے پر گر گئے۔ سکندر کا کوئی بہن بھائی اس کی تیمارداری کو نہ آیا تھا لیکن صائمہ اندر ہی اندر اس خبر کو سن کر خون کے آنسو رو رہی تھی وہ رہ نہ سکی اور ٹیکسی لے کر ہسپتال چلی آئی۔ اس نے دیکھا کہ اقصیٰ سکندر کے کمرے سے نکل رہی تھی۔ صائمہ نے اپنا منہ دوپٹہ میں چھپا لیا تھا اور اقصیٰ بھی اپنی ہی پریشانی میں آنسو پونچھتی ہوئی اس کے پاس سے گزر گئی۔

صائمہ نے یہ بھی تقدیر کی مہربانی سمجھی کہ اس کو پوچھنا ہی نہ پڑا تھا کہ سکندر کہاں ہے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اپنے بھائی کو بیڈ پر بے ہوش پا کر اس کے آنسو جواب دے گئے۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور آگے بڑھ کر سکندر کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی تو ایک ڈاکٹر اور نرس اندر داخل ہوئے تو صائمہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''آپ کون ہیں.....؟'' ڈاکٹر نے پوچھا تو وہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

''یہ میرا بھائی ہے ڈاکٹر صاحب.....اب یہ کیسا ہے؟''

''اللہ نے ان کو زندگی عطا کر دی ہے۔ ویسے بھی گولی کندھے میں لگی تھی جو ہم نے نکال دی ہے۔ آپ فکر نہ کریں یہ دوائیوں کے زیر اثر ہیں۔ شام تک ہوش میں آ جائیں گے۔'' ڈاکٹر تفصیل بتانے لگا تو نرس بولی۔

''آپ پلیز باہر بیٹھ جائیں ہمیں سختی سے آرڈر ہے کہ ان کے کمرے میں کسی کو بھی نہ جانے دیا جائے۔'' صائمہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور گھر جانے کے لیے بیرونی گیٹ کی جانب بڑھنے لگی تو اسی لمحہ نعمان ایزد ہسپتال کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ انہوں نے صائمہ کو اور صائمہ نے ان کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ صائمہ کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ تھیں۔ شاید اس کا کوئی رشتہ دار یہاں ایڈمٹ ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی نعمان ایزد آگے بڑھ گئے ان کے ساتھ باڈی گارڈز کی تعداد اچھی تھی۔

''نعمان ایزد.....! ایک اور زندگی کا قرض تم پر واجب ہو گیا ہے.....اگر آج سکندر کو کچھ ہو جاتا تو یہ دھرتی بھی تمہیں چھپنے کے لیے جگہ نہ دیتی۔'' وہ خود ہی بڑبڑاتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔

نعمان ایزد باوقار انداز میں چلتے ہوئے سکندر کے کمرہ تک پہنچے تھے۔ ہسپتال کے عملہ کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں۔ نعمان ایزد کی حکومت میں کیا حیثیت تھی اس بات سے سبھی واقف تھے اور پھر ان کی ہسپتال میں موجودگی یہ بھی ظاہر کرتی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کو ایک بار پھر چیلنج کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے ہیں۔ اور کہیں بھی کبھی بھی کوئی بھی واقعہ ہو سکتا ہے۔ مرنے والے گارڈ کی لاش ان کے لواحقین کو دے دی گئی تھی اس کے لواحقین کے لیے نعمان ایزد نے خاصی بڑی رقم کا اعلان کیا تھا بلکہ چیک بھر کر ان کو دے دیا تھا۔ وہ روتے پیٹتے اپنے جوان کی لاش لے کر اپنے گاؤں روانہ ہو گئے تھے۔ سکندر کو بیڈ پر پڑا دیکھ کر نعمان ایزد اس کی بہادری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ بے شک سکندر نے اپنی جان پر کھیل کر اس کی جان بچائی تھی۔ اگر سکندر بروقت گاڑی کا سٹیرنگ گھما کر گارڈ کی گاڑی کا زاویہ نہ بدلتا تو کوئی نہ کوئی گولی اس کی زندگی بھی ختم کر سکتی تھی۔ نعمان ایزد اس لمحہ کو یاد کر کے ہی کانپ کر رہ گئے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولے۔

http://kitaabghar.com

''اب ان کی زندگی خطرے سے باہر ہے..... ہم نے نیند کا انجکشن دیا ہوا ہے سر!''

''اس ٹرک کے کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ڈاکٹر صاحب!'' انہوں نے ڈاکٹر کو اور بھی چند نصیحتیں اور ہدایات کیں اور کمرے سے باہر نکل آئے وہ جیسے ہی ہسپتال کے صحن میں پہنچے تو صحافیوں اور میڈیا کے لوگوں نے ان کو گھیر لیا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔ ''آپ لوگوں کو کون خبر کر دیتا ہے کہ فلاں بندہ فلاں جگہ پر ہے؟''

وہ یہ بات کر کے اپنے دشمنوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ وہ اس حملے سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ صحافی ان سے طرح طرح کے سوالات پوچھنے لگے وہ پرسکون انداز میں ہر سوال کا جواب دیتے اور مسکرانے کی کوشش ہی کرتے تھے۔ اور آخری سوال کا جواب انہوں نے ان الفاظ میں دیا کہ ''میرا اللہ میرا محافظ ہے میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اگر کسی نے مجھے گولی ہی مارنی ہے تو پھر ایسے وار نہ کرے میرا سینہ حاضر ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور اپنی گاڑی میں سوار ہو کر گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان پر حملہ آور کون ہو سکتے ہیں اور ان کا مقصد صرف نعمان ایزد کو ہراساں کرنا تھا پھر جان سے مارنا ہی اُن کا گیم پلان تھا۔

نعمان ایزد حملے کے محرکات پر غور کر رہے تھے تو ان کو سکندر عظیم اور بہار نظر آنے لگا۔ جس نے پہلی ہی ملاقات میں کہا تھا کہ ان کے لیے اپنی جان بھی دے دیگا۔ اور آج اس نے سچ ثابت کر دیا تھا۔ سکندر واقعی کسی بہادر باپ کا بیٹا تھا جس نے آج نعمان ایزد کی جان بچائی تھی سکندر کی عزت اور توقیر ان کی نظروں میں اور بھی بڑھ گئی۔

پارٹی رہنماؤں اور دیگر سیاسی شخصیات نے فون کال پر ان کی خیریت دریافت کی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انہی خیر خواہوں میں ہی اُن کا کوئی بدخواہ بھی چھپا ہوا ہے جو ان پر بزدلانہ طریقے سے وار کر رہا ہے۔ مگر وہ ہر ایک کو دعاؤں میں یاد رکھنے کا کہہ کر شکریہ ادا کر رہے تھے۔ یہی سیاست تھی اور اس کو کھیلتے ہوئے نعمان ایزد کوئی سال ہو گئے تھے۔ وہ اب اس گیم کے منجھے ہوئے سینئر کھلاڑیوں میں شمار ہوتے تھے۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ کا پریشان ہونا فطری عمل تھا کیونکہ اُس کے دل میں سکندر کے لیے جو جذبات تھے وہ قابل بیان نہ تھے بلکہ وہ دل و جان سے سکندر کی ہو چکی تھی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اُڑ کر سکندر کے پاس پہنچ جاتی۔ اور نہ ہی ایسا کوئی راستہ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اس راستے کو استعمال کرتی ہوئی سکندر کی تیمارداری کے لیے ہسپتال پہنچ جاتی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا..... یکدم ایک خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا اور وہ پھرتی سے تیار ہو کر اپنی گاڑی میں بیٹھی اور چند منٹوں بعد ہی وہ ہسپتال پہنچ گئی تھی۔

وہ سیدھی ہی سکندر کے کمرے میں پہنچی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی کیونکہ سکندر ہوش میں تھا اور اس کی نظریں دروازے پر ہی تھیں۔ اُس کے کمرے میں کوئی نہ تھا۔ وہ اقصیٰ کو دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔ اقصیٰ نے دروازہ بند کیا اور اس کے گلے لگ گئی۔ سکندر کو کندھے میں تکلیف محسوس ہوئی مگر یہ درد اور تکلیف اس کی اپنی تھی۔ اقصیٰ رونے لگی تھی وہ اس کے سمجھاتا ہوا ہنسنے لگا اور بولا۔

http://kitaabghar.com

''ابھی زندہ ہوں جان من!'' اقصیٰ نے اس کے ایک مکا مارتے ہوئے شکایتی انداز میں دیکھا اور آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ ''یہ نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوتا؟''

''میں ایسے مرنے والا نہیں ہوں..... تمہیں ساتھ لے کر ہی مروں گا ڈارلنگ!'' اقصیٰ اس کی گفتگو سن کر ہنسنے لگی۔

''میں کل بھی آئی تھی مگر تم نے مجھے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تھا۔'' اقصیٰ اس کو چھیڑنے لگی تھی۔

''قبر پر آ کر بھی ہو گی تو تم سے سکندر اُٹھ کر باہر آ جائیگا۔'' اقصیٰ ایک بار پھر اس کے گلے سے لگ گئی تھی۔ آنسوؤں کا تبادلہ محبتوں کو خراج تحسین پیش کرنے لگا تھا۔

''تم نے بھائی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان داؤ پر کیوں لگائی۔'' وہ ناراض لگ رہی تھی اور اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ محبت پر اپنا انمول رشتہ قربان کرنے کا کہہ رہی تھی۔

''میرے خون میں وفا شامل ہے اقصیٰ۔ اور میں اپنی نوکری سے بیوفائی نہیں کر سکتا۔ اور پھر تمہیں حاصل کرنے کے لیے تو میں موت سے بھی لڑ جاؤں گا۔'' سکندر جذباتی انداز میں بولا تو اقصیٰ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں سے چوستی ہوئی بولی۔

''اب موت کی بات کبھی نہ کرنا۔ ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔''

''اب تو آرام ہو گیا ہے..... گھر چلیں!'' سکندر خوش ہو گیا تھا۔

''گھر تو ایسے کہہ رہے ہو کہ جیسے میں تمہاری بیوی ہوں اور اپنا کوئی الگ سے گھر ہے؟'' اقصیٰ چلبلی سی شرارت سے بولی۔

''وہ مسکراتا ہوا تکلیف کا اظہار کرتا تو اقصیٰ اس کے ہاتھ پکڑ کر دبانے لگتی۔''

''وقت آیا تو یہ بھی کر کے دکھا دوں گا..... لیکن تمہاری رضا سے تمہیں جائز طریقے سے حاصل کروں گا۔''

''میں تمہاری محبت اور نیک نیتی کی قدر کرتی ہوں سکندر! مجھے معلوم ہے کہ اگر تم بے ایمان ہوتے تو آج اقصیٰ تم سے بھی آنکھ ملانے کے قابل نہ ہوتی۔'' اس نے سکندر کے ہاتھوں کو ایک اور بوسہ دیا اور بولی۔ ''کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔''

''ہاں! میری آپا دے گئیں تھیں کھانا اور یخنی۔'' سکندر بے خیالی میں بول گیا تھا لیکن اس کو احساس ہو گیا کہ کام خراب ہو گیا ہے۔ ''آپا؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمہارا کوئی بھی نہیں ہے۔''

''آپا مطلب ہیں۔'' وہ مسکراتا ہوا بات کو پلٹ گیا۔ ''میں جس دوست کے گھر رہتا تھا اس کی بڑی بہن کو ہم آپا ہی کہتے ہیں وہ آئیں تھیں۔'' سکندر نے دیکھا کہ اقصیٰ مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے چالاک ذہن نے بات کو سنبھال لیا تھا۔ ورنہ سائنس کی تمام پلاننگ خراب ہو جاتی تھی۔

''میں چلوں؟'' اس نے سکندر سے اجازت طلب کی تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''دل چاہتا ہے تو پوچھ کیوں رہی ہو؟''

''میرا خیال ہے کہ نعمان بھائی نہ اِدھر نکلیں!'' وہ اپنا بیگ سمیٹتی ہوئی بولی۔

http://kitaabghar.com

''ڈرتی ہوان سے؟'' سکندر نے مختصراً پوچھا۔

''اقصیٰ کسی سے نہیں ڈرتی۔ تم اپنی فکر کرو۔'' وہ اس کو چھیڑتی ہوئی بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

''مجھے تو موت نہ ڈرا سکی..... نعمان ایزد کیا چیز ہیں؟'' دونوں ہنسنے لگے۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی اس کے گلے لگی اور بولی۔

''جلدی گھر آؤ۔ اب گھر میں ہی ملاقات ہوگی۔ بائے۔'' سکندر نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر کے اس کو بائے کیا وہ دروازے سے باہر نکلی تو سکندر نے اپنا سر بیڈ کی ٹیک پر ٹکا دیا لیکن پھر اچانک ہی دروازہ کھلا تو اقصیٰ گھبرائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئی اور چھپنے کی جگہ دیکھتی ہوئی بولی۔

''نعمان بھائی ادھر آ رہے ہیں۔'' اُسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہ باتھ روم میں ہی داخل ہوگئی اور دروازہ بند کیا ہی تھا کہ کمرے کا دروازہ کھول کر نعمان ایزد اپنے گارڈز کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

سکندر نے زبردستی ہونٹوں پر مسکان سجائی اور اُٹھ کر ان کا استقبال کرنے کی کوشش کی لیکن نعمان ایزد آگے بڑھے اور بولے۔

''لیٹے رہو سکندر! لیٹے رہو۔'' اقصیٰ نے اندر نعمان ایزد کی آواز سنی تو اس کی سٹی گم ہوگئی۔ اس نے اپنا سانس تک روک رکھا تھا کہ کہیں نعمان ایزد کو اس ایک چھت کے نیچے سکندر کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کی بھنک نہ پڑ جائے۔

''تمہارا شکریہ سکندر تم نے ہماری جان بچانے کے لیے اپنی جان کی پروا نہ کی۔'' نعمان ایزد نے کہا تو وہ شرمندگی سے بولا۔

''مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں سر! یہ تو میرا فرض ہے اور پھر آپ تو ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں۔'' سکندر نے نعمان ایزد کے دل میں اُتر جانے کی کامیاب کوشش کر لی تھی۔

''میری ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے تم آج شام تک فارغ ہو کر گھر اپنے کوارٹر میں شفٹ ہو جانا۔ تمہارا باقی علاج اب وہیں ہوگا۔ فکر نہیں کرنا۔ او کے۔'' نعمان ایزد اس کو تسلی دیتے ہوئے بولے اور پھر اُٹھتے ہوئے باہر نکل گئے۔ سکندر نے سکون کی لمبی سانس خارج کی اور اقصیٰ سے بولا۔

''آپ جاؤ ڈارلنگ!'' اقصیٰ ناک پر ہاتھ رکھے باہر نکل آئی وہ بھی پرسکون انداز میں سانس خارج کرتی ہوئی بولی۔

''شکر ہے بال بال بچ گئے۔''

''اگر پکڑے جاتے تو.....؟'' سکندر شرارتی انداز میں بولا تو وہ ہنسنے لگی۔

تو پھر زمانہ بھی دیکھتا کہ اقصیٰ ابھی کے ابھی تمہاری ہو جاتی اور نعمان ایزد بھی دیکھتے۔''

اس کے مصمم ارادے دیکھ کر سکندر نے اُسے مزید چھیڑا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ میری ہونے کے لیے سرجی کا ہونا ضروری ہے؟''

''سکندر!'' وہ مصنوعی غصے سے آنکھیں نکالتی ہوئی اس کو مارنے کو لپکی تو سکندر نے اپنے بازو وا کر دیے۔ وہ اس کے بازوؤں

http://kitaabghar.com

میں گم ہوگئی تو سکندر بولا۔

''ڈاکٹروں کو علم ہی نہیں ہے کہ میرا علاج ہوگیا ہے۔'' دونوں ہی ہنسنے لگے۔

☆.....☆.....☆

جویریہ حارث کو پا کر خاصی خوش تھی وہ چند دن رہنے کے لیے جسٹس بصیر احمد کے گھر آئی ہوئی تھی۔ ثانیہ بیگم اور بصیر احمد نے گھر کا سکھ بیٹی کے چہرے سے ہی پڑھ لیا تھا۔ وہ پرسکون نظر آرہے تھے۔ انیقہ اس کے ساتھ شرارتیں کررہی تھی کہ ایک ملازمہ نے آکر بتایا کہ ایاز صاحب آئے ہیں۔

انیقہ اپنی کتابیں سمیٹتی ہوئی اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی ہوئی وہاں پہنچ گئی جہاں ایاز اس کا منتظر تھا۔ انیقہ نے سلام کیا تو ایاز نے بھی مسکراتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''بالکل ٹھیک ہوں۔'' ایاز مختصراً بولا تھا۔

''آپی بھی آئی ہوئی ہیں۔'' انیقہ کی زبانی جویریہ کی آمد کا سن کر وہ چونک گیا کہ انیقہ نے اس کو خصوصی طور پر ہی کیوں یہ بتایا تھا کہ جویریہ بھی آئی ہوئی ہے۔ وہ محض مسکرا کر رہ گیا اور انیقہ کو پڑھانے لگا۔

ایک گھنٹے تک وہ انیقہ کو پڑھاتا رہا اور کئی سوالوں کی اونچ نیچ سمجھاتا رہا۔

''سر! ڈیٹ شیٹ آگئی ہے میں آپ کو دکھاتی ہوں۔'' انیقہ نے کہا اور ایک نوٹ بک سے ایک پیپر نکال کر ایاز کی طرف بڑھایا تو وہ غور سے اس کو دیکھنے لگا۔ یہ ابھی اچھا ہی ہوا تھا کہ مطربہ اور انیقہ کے ایگزام میں پندرہ دنوں کا فرق تھا۔

''سر آپ دیکھیں میں چائے کا کہتی ہوں۔'' انیقہ وہ کاغذ ایاز کو پکڑا کر وہاں سے چلی گئی تو ایاز نے اس کی نوٹ بک پکڑ کر اس میں وہ پیپر رکھنا چاہا تو وہ کھلی ہوئی نوٹ بک کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس پر واضح الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔

''آئی لو یو سر!'' نیچے پنسل سے ہی ایک دل بنا کر ایاز کا نام انیقہ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ ایاز کو تھوک نگلنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ انیقہ نے اس کو جان بوجھ کر اس نوٹ بک سے کاغذ نکال کر دیا ہے یا پھر یہ محض ایک اتفاق ہے۔ اگر اتفاق بھی ہے تو نوٹ بک کے کھلے ہوئے کاغذ انیقہ کے دل کی ترجمانی کررہے تھے۔ مگر ایاز نے تو کبھی بھی انیقہ کو اس نظر سے نہ دیکھا تھا۔

اس نے تو پہلی ہی نظر میں جویریہ کو چاہا تھا اور وہ اپنی چاہت کا اظہار کافی بے تکلفی سے کر بھی چکا تھا۔ اس کو ڈر تھا کہ جویریہ اس کی شکایت جج صاحب سے کردے گی مگر ہنوز کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی بات جویریہ نے اپنے دل میں رکھی ہے۔ لیکن انیقہ کے اس طرح اظہار نے اس کو ضرور ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ عجیب سی کشمکش کا شکار تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے وہ آج ہی انیقہ کی پڑھائی نہ چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اب تو ایگزام سر پر تھے۔ اب تو انیقہ کی معاونت کرنا اس کا فرض تھا لیکن کہانی کس طرف چل نکلی

http://kitaabghar.com

تھی۔ اس کو سمجھ نہ آ رہا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی پہ بھرتا ہوا اس کاغذ کو نوٹ بک میں رکھ کر اپنی نشست سے ٹیک لگا چکا تھا۔ آنکھیں بند کر کے وہ سوچ ہی رہا تھا کہ "آپ نے دیکھ لیا سر!" کی آواز نے ایقہ کے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کو خود کی طرف توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایقہ نے تین کپ ٹرے میں رکھے ہوئے تھے۔ ایاز حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں! میں نے ڈیٹ شیٹ کا پیپر دیکھ لیا ہے۔ تمہیں تمام تر توجہ اپنی تعلیم پر دینا ہوگی۔" ایاز نے اس کو معنی خیز انداز میں سمجھانا بھی چاہا تھا۔ "اور یہ تیسرا کپ کس لیے؟" اس نے ٹرے میں تیسرا کپ دیکھتے ہوئے ایقہ سے سوال کیا تھا مگر اس کا جواب اُسے اسی وقت مل گیا تھا جب جویریہ ان کے پاس آ کر بیٹھتی ہوئی "السلام علیکم!" بولی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟" ایاز کا حسرت بھرا لہجہ جویریہ کو تو چونکا گیا تھا مگر ایقہ محظوظ ہو رہی تھی۔

"آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟" جویریہ نے ایاز سے سوال کر دیا۔

"روتا ہوا بچہ چاند مانگے اور اُسے چاند مل بھی جائے تو وہ جیسا محسوس کرتا ہے اس وقت میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہ خوشی محسوس کر رہی ہیں جس کی آپ نے خواہش کی تھی۔" ایاز نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور اپنی کہی ہوئی بات کا اثر جویریہ کے چہرے پر دیکھنے لگا لیکن اس کو وہاں خوشی اور آسودگی ہی نظر آ رہی تھی۔

"کچھ بچے اتنے ناسمجھ ہوتے ہیں کہ سورج کو چاند سمجھ کر اس کی طلب کر بیٹھتے ہیں۔" جویریہ کا دلچسپ جواب سن کر ایاز مسکراتا ہوا بولا۔ "ہاں ایسا تب ہوتا ہے جب کئی کئی دن کہرا چھٹنے کا نام ہی نہ لے اور سورج کو اپنا سفر بادلوں کا پیرہن اوڑھ کر ہی کرنا پڑے۔" جویریہ نے بہت سی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور وہ اس وقت ایک اُستاد کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کا استاد تو نہ تھا مگر وہ دوزبین اور میچورلڑکیوں کو تعلیم دیتا تھا۔ الفاظ سے کھیلنا اور اُن کو سلیقے سے سجا کر پیش کرنا ہی ایاز کا کمال تھا۔ جویریہ محتاط رویہ اختیار کرتی ہوئی بولی۔

"محبت ہر در اور ہر چوکھٹ کی محتاج نہیں ہوتی۔" جویریہ کا براہ راست ہی محبت کی باتیں کرنا ایقہ کو بھی چونکا گیا تھا وہ بھی ان کی باتوں میں دلچسپی لیتی ہوئی خاموش ہی بیٹھی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"لیکن محبت اپنا لبادہ جس کو پہنا دیتی ہے وہ در در اور ہر چوکھٹ کا محتاج ہو جاتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں ایاز!" پہلی بار جویریہ نے اس کو اس کے نام سے پکارا تھا۔

"ہر کسی کے چہرے میں اپنا چہرہ ڈھونڈنے کے لیے انسان کو در در کا محتاج بننا پڑتا ہے۔" وہ بولا۔

"چہرہ گم ہی نہ ہونے دیا جائے پھر اس تکلیف سے انسان بچ جاتا ہے۔" جویریہ بولی۔

"بعض اوقات آئینے بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔"

"آئینہ کبھی غلط نہیں ہوتا انسان کو خوش فہمی اور غلط فہمی ہی اندھا کر دیتی ہے۔"

"ایسا ہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا ہے شاید..... میں آئینہ ہی صاف کرتا رہا مگر گرد میرے اپنے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔"

http://kitaabghar.com

''تو پھر قصور کس کا ہوا؟'' جویریہ اس پر حاوی ہو چکی تھی۔

''ان لمحات کا قصور ہے جب انسان خوش فہمی کا شکار ہوتا ہے۔'' وہ اپنی چائے ختم کر چکا تھا۔

''ان لمحات کو قید بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔''

''وقت اور میاد بہت بڑے ظالم ہوتے ہیں یہ انسان کو اپنے قفس میں بُری طرح جکڑ لیتے ہیں۔'' ایاز بولا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ نے بھی کافی کتابیں پڑھی ہیں؟''

''لیکن آپ جتنی نہیں۔'' ایاز نے برملا اظہار کیا تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''کیا آپ انیقہ کی سٹڈی سے مطمئن ہیں؟''

''جی بالکل!'' وہ مختصر ابولا تو جویریہ ہنستی ہوئی کہنے لگی۔

''اور مطربہ؟'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

''ہاں! مجھے یاد ہی نہیں کہ اب وہ بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔''

''ذمہ داری نہیں..... لیکن میں یہی چاہوں گی کہ آپ کی بدولت وہ اور انیقہ اچھے مارکس حاصل کریں تاکہ.....'' وہ انیقہ کی طرف دیکھتی ہوئی بات ادھوری چھوڑ کر اُٹھ کر کھڑی ہوئی۔ انیقہ سمجھتی ہوئی کپ اُٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

''تاکہ.....؟'' ایاز نے استفہامیہ انداز میں پوچھا تو جویریہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''تاکہ آپ..... انیقہ اور مطربہ کو پڑھانے آتے رہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چلی گئی۔ لیکن ایاز کو بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ یہ ایاز کی غلط فہمی تھی یا پھر جویریہ اس کو اپنی بات سمجھا نہ سکی تھی۔ وہ ہونٹوں کو زبان سے کاٹتا ہوا وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''امی! اب آپ کسی کے بھی گھر میں کام نہیں کریں گی۔'' ریشم نے اپنا فیصلہ سنایا تو صائمہ ہنستی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی اور ایاز اتو باقاعدہ اُٹھ کر اس کے سر کو پکڑ کر اِدھر اُدھر سے دیکھنے لگا تھا۔

''کیا کر رہے ہو یہ؟'' وہ چیخنے والے انداز میں بولی تو صائمہ بھی ہنستے ہوئے ایاز کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگی تو وہ بولا۔

''امی! مجھے تو کہیں سے بھی نہیں لگتا کہ اس کے دماغ کو کوئی چوٹ آئی ہے اور یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی ہے۔''

صائمہ تو ہنس پڑی لیکن ریشم جلتی ہوئی بولی۔

''میں اپنا گھر لے رہی ہوں۔ ہم تینوں وہاں رہیں گے۔ ایاز کی شادی ہو گی گھر میں میری بھابی ہو گی۔''

''اچھا!'' ایاز کا انداز طنزیہ اور حیران کن تھا۔ ''اس بھابی کا نام پھر میرے بچوں کے نام پھر ان کے کام اور پھر ان کے بچوں کے نام..... بس بھی کرو آپی! کیا ہو گیا ہے آپ کو''

http://kitaabghar.com

''ایاز ٹھیک کہتا ہے ریشم! تم جو بھی کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔'' صائمہ نے کہا تو وہ اور بھی سنجیدگی چہرے پر سجاتی ہوئی بولی۔ ''امی! میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ کمپنی کی طرف سے مجھے اپنے گھر کا کہا گیا ہے۔ اور گھر بھی وہ جو میری مرضی کا ہوگا۔'' صائمہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ گئیں تھیں وہ ریشم کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی اور ایاز تو گم سم ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

''آپا؟'' وہ اتنا ہی بول سکا تھا۔ ریشم نے اسکی طرف دیکھا اور بولی۔

''ایاز میرے بھائی! اب تم کبھی بھی پھٹی ہوئی شرٹ پہن کر یونیورسٹی نہیں جاؤ گے۔ امی کسی کے بھی گھر میں کام نہیں کریں گی۔ ہم کسی کا جھوٹا کھانا نہیں کھائیں گے۔ کسی کی اُترن نہیں پہنیں گے۔''

''مجھے لگتا ہے کہ تم مذاق کر رہی ہو یا پھر واقعی تمہارے سر میں کوئی چوٹ لگ گئی ہوگی۔'' صائمہ نے جھلا کر کہا اور اندر کمرے کی جانب چلی گئی۔ تو تیز ترین نے گزرتے ہوئے ان کے کوارٹر میں بھی ہلچل مچا دی تھی۔ ایاز اس کو جھلائے ہوئے انداز میں کھڑے دیکھتے ہوئے ہنستا ہوا بولا۔

''ہم اپنی گاڑی کب لے رہے ہیں آپا؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا اور اپنی ہنسی قابو کرنے میں اس کو دقت ہو رہی تھی۔

''اگلے ماہ!'' وہ پرعزم ارادے سے بولی تو ایاز کی ہنسی ہی چھوٹ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے میڈم! جب بھی آپ گاڑی اور گھر لے لو تو بندہ ناچیز کو ضرور بتانا..... کافی خوشی ہوگی مجھے۔'' وہ بھی اندر کمرے میں چلا گیا تھا۔ ریشم وہیں کھڑی تھی۔ اس نے اپنے اکاؤنٹ میں ایک کروڑ روپے کی رقم ٹرانسفر کروائی تھی۔ نعمان ایزد نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ اس نے بینک چیک کو سونے کا انڈہ دینے والی مرغی سمجھتے ہوئے صرف انڈے ہی کھانے کا سوچا تھا۔ اس نے ایک کروڑ روپیہ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا کے نعمان ایزد کو بتا دیا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''اتنی بڑی رقم اتنی مہنگی سیکریٹری کسی کی بھی نہیں ہوگی لیکن تم نے جو سکون مجھے دیا ہے..... یہ قیمت بھی کم ہے۔''

''میں نے آپ کے چیک کا ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا سر!'' وہ اداسے بولی تھی۔

''تم نے نعمان ایزد کے دل پر قبضہ کر لیا ہے ریشم!'' وہ اس کی زلفوں سے کھیلتے ہوئے بولے تھے۔

''اور آپ بھی ریشم کے حواس پر چھائے رہیں گے..... آپ نے ہی تو مجھے بتایا ہے کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ اور زندگی اتنی حسین ہوتی ہے مجھے علم ہی نہ تھا۔'' نعمان ایزد ہنستے ہوئے اس کی باتیں سن کر بولے۔

''ابھی تو دیکھتی جاؤ کہ نعمان ایزد تمہیں کس کس دنیا سے روشناس کرواتا ہے۔'' یہ کہہ کر نعمان ایزد اس کو اپنے بیڈ روم میں لے گئے تھے۔

اچانک گاڑی کے تیز ہارن نے اس کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اپنے اس کوارٹر کو دیکھتی ہوئی منہ ہی منہ میں بولی۔

''آپ کو کیا علم امی اور ایاز کہ میں نے کتنی بڑی قیمت ادا کر کے اپنے سپنوں کو حقیقت میں بدلا ہے۔'' وہ بھی اندر چلی گئی۔ لیکن

http://kitaabghar.com

اس نے دیکھا کہ صائمہ اس کی طرف مشکوک انداز میں دیکھ رہی تھی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی صائمہ سے نظریں چرا گئی تھی۔

وہ کسی بھی صورت پر صائمہ کو یہ سچائی نہ بتائے گی کہ اس نے عزت کا سودا کر کے ہی باعزت بننے کی کوشش کی ہے۔

☆.....☆.....☆

جویریہ نے گھوم پھر کر پورا گھر دیکھ لیا تھا اس کو اس بات کا بھی تجسس تھا کہ وہ نعمان ایزد کا سیاسی ڈیرہ بھی دیکھے۔ لیکن حارث نعمان نے منع کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں پر غیر مردوں کی فوج ہر وقت موجود رہتی ہے۔ وہ وقتی طور پر تو مان گئی تھی لیکن اس کو وہ حصہ بھی دیکھنے کی جستجو بھی تھی اور تجسس بھی تھا۔

اُس نے سکندر کا کوارٹر اور دیگر ملازموں کی رہائش گاہیں بھی دیکھی تھیں۔ وہ اس خوبصورت محل کی رانی بن گئی تھی۔ اس کو اس عمارت اور لان کی خوبصورتی سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ حارث نعمان اس سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کے تمام گھر والے بھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ یہی بات کی خوشی کو وہ اللہ کی مہربانی سمجھ رہی تھی اور شکر گزار تھی۔ اب بھی وہ لان میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کے فون پر حارث کی کال آنے لگی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام جناب کیسی ہو؟'' حارث نعمان خوشگوار موڈ میں بولا تھا۔

''آپ کا ساتھ ہے۔ پیارا گھر ہے، پیارے لوگ ہیں، تو پھر جویریہ حارث ٹھیک ہی ہوگی نا؟'' وہ بھی مسکراتی ہوئی بولی تو دوسری طرف سے حارث نعمان کا جاندار قہقہہ اس کو حیران کر گیا۔

''اچھا تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے.....'' یہ سن کر جویریہ نے موبائل دوسرے کان سے لگایا اور ایک خوبصورت ادا سے بولی۔ ''آپ جلدی گھر آ رہے ہو؟''

حارث نعمان ہنستے ہوئے بولا۔ ''میری جان میں تمہارے پاس ہی تو ہوں۔'' جویریہ یہ سن کر اپنے دائیں بائیں گھوم کر دیکھا تو حارث نعمان ہنستا ہوا لوٹ پوٹ ہونے والا تھا۔ ''جان من! ذرا نظریں جھکا کر اپنے دل کو ٹٹولو تو ہم تمہیں نظر آ جائیں گے۔'' جویریہ اپنی بے وقوفی پر ہنسنے لگی تو وہ بولا۔

''گیس کرو کہ کیا خوش خبری ہے؟''

''ہم ڈنر کرنے کسی فرینڈ کے ہاں جا رہے ہیں؟''

''نو نو..... یہ تو روٹین ہے'' وہ انکار میں بولا تھا۔ ''روٹین سے ہٹ کر ہے یار! گیس کرو، کم آن کم آن۔''

''نہ تنگ کریں، پلیز حارث مجھے بتائیں نا۔'' وہ کسی بھی بات کا تجسس برداشت نہ کر پاتی تھی۔ ''میں ہار گئی۔''

حارث نعمان قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

http://kitaabghar.com

''ہم یعنی کہ مسٹر اینڈ مسز حارث نعمان نیکسٹ ویک ہنی مون کے لیے سوئٹزر لینڈ جا رہے ہیں۔''

''واؤ.....!'' یہ سنتے ہی جویریہ خوشی سے ناچنے لگی تھی۔ ''رئیلی یار؟''

''مجھ پر یقین نہیں ہے؟'' حارث نعمان اس کی کیفیت سے حظ اُٹھا رہا تھا۔

''خود سے بھی زیادہ اعتماد اور یقین ہے حارث!'' وہ سنجیدہ ہوتی ہوئی بولی تو وہ مسکرانے لگا۔

''تو پھر تیاری کرو میں نے ٹکٹ کنفرم کروا لیے ہیں۔'' حارث نے کہا تو وہ خوش ہوتی ہوئی بولی۔

''آپ جلدی آجائیں نا پھر۔'' حارث نے اس کی بات سن کر کال منقطع کر دی تو وہ سوئٹزر لینڈ کے سپنے دیکھنے لگی۔ ایک مرتبہ اس نے جسٹس بصیر احمد سے کہا تھا کہ وہ کینیڈا جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے تو انہوں نے کہا تھا کہ اب اپنے شوہر کے ساتھ ہی کسی دوسرے ملک جانا تو وہ بہت روئی تھی۔

لیکن آج اس کو بصیر احمد کی بات بھی یاد آ رہی تھی تو وہ ہنس رہی تھی۔ کیونکہ اس کو حارث جیسا محبت کرنے والا شوہر ملا تھا۔ وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تو اس نے دیکھا کہ اقصیٰ سکندر کے کوارٹر کے پاس کھڑی تھی۔ پہلے تو جویریہ کو اچنبھا ہوا مگر دوسرے ہی لمحہ اس نے دیکھا کہ اقصیٰ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی اور شرماتی شرماتی اُدھر جا نکلی تھی۔ اب وہ اپنی ہی باتوں میں مگن تھی اور وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو جویریہ بھی کندھے جھٹکتی ہوئی اپنے کمرے میں جانے کے لیے عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

سکندر صحت یابی کی طرف مڑ رہا تھا۔ وہ اپنے کوارٹر میں آرام کرتا رہتا تھا۔ گھر آنے کے بعد اقصیٰ ایک بار ہی اس کو ملنے آئی تھی۔ اور سکندر سمجھ سکتا تھا کہ اقصیٰ مجبور ہے اس کو اقصیٰ سے کوئی بھی گلہ نہ تھا۔ اس کا ہر طرح سے خیال رکھا جا رہا تھا۔ اس کے کھانے کے لیے نعمان ایزد نے تازہ فروٹ اور دیگر لوازمات بھی کروا دیے تھے۔ سکندر کو اس بات کی سمجھ نہ آئی تھی کہ صرف اس کو ہی کیوں گھر والی سائیڈ پر کوارٹر میں رکھا گیا ہے۔ جبکہ وہ بھی ایک ملازم تھا اور ملازموں کو گھر والی طرف پر آنے کی اجازت نہ تھی۔

شاید یہ وجہ تھی کہ سکندر نعمان ایزد کا ملٹی ٹیلنٹڈ ملازم تھا۔ وہ سیکیورٹی گارڈ، باڈی گارڈ اور ڈرائیور بھی تھا اور پھر اس کی سفارش کافی مگر کڑی تھی۔ اس کو اعتماد کا ووٹ لینے کی ضرورت نہ تھی وہ نعمان ایزد کے معیار اور اعتماد پر کئی مرتبہ پورا اتر چکا تھا۔ اس بار تو اس نے وفاداری کی حد ہی کر دی تھی وہ اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔ مگر اس نے نعمان ایزد کو آنچ نہ آنے دی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں لیٹا ٹی وی پر ایک نیوز چینل دیکھ رہا تھا۔ ملکی سیاست پر تبصرے کرنے کے لیے اینکر پرسن اور سیاستدانوں میں الفاظ کی جادوگری جاری تھی۔ عوام کو بیوقوف بنانے کا کھیل بے دردی سے جاری تھا۔ ٹی وی چینلز کے اینکر زاپنی ریٹنگ بڑھانے کے لیے طرح طرح کے چبھتے ہوئے سوالات کر کے سیاستدانوں سے ملکی راز اگلوانے کی کوشش میں جھوٹ اور سچ کو اس طرح گھنگھل دے رہے تھے کہ ان کو کھولنا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن سیاستدانوں کو بھی علم تھا کہ یہ صرف ٹاک شو ہی ہے اور ان کی لڑائی بھی ایک گھنٹے تک ہی جاری رہنا

http://kitaabghar.com

ہے۔ کیمرہ آف ہوتے ہی پھر وہی تنہائیاں۔ وہی سلام دعا اور وہی کھانے وہی مشروب اور وہی گلے شکوے تھے۔

سکندر نعمان ایزد کے ساتھ مل کر بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔ اس کو سیاست اور سیاستدانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر وہ اس وقت جس سیاستدان کے گھر میں تھا اس کو اس سے بہت ہی خاص دلچسپی تھی اور اب تو اس کی دلچسپی اور بھی دلچسپ ہو گئی تھی کیونکہ اس کی پلاننگ پر عمل درآمد کرنے کے لیے محبت بھی اس کی شریک بن گئی تھی۔ اس کو انتہائی پرترس رہا تھا جو اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی۔ سکندر نے جتنا وقت جیل میں گزارا تھا اس میں جبر، ظلم، زیادتی، تشدد اور مار کٹائی کے الفاظ کو ہی اہمیت حاصل تھی اگر وہ اپنی زندگی میں محبت کو شامل کر لیتا تو پھر اس کا انتقام ٹھنڈا پڑ جاتا اور وہ اپنے انتقام کو کسی بھی قیمت اور کسی بھی جذبے کے تحت سرد نہ پڑنے دینا چاہتا تھا۔

اس کو سردیوں کی وہ سرد اور تلخ رات کبھی بھی نہ بھول سکتی تھی۔ اس کو ٹھنڈے فرش پر برہنہ حالت میں لٹایا گیا تھا اور جیل کا عملہ اس سے باری باری زیادتی کرتا رہا تھا۔ اس کی چیخیں اور سسکیاں سننے والا کوئی نہ تھا۔ اس کو ننگے بدن کھڑے کر کے اس کے دونوں پاؤں پر ایک ڈنڈا رکھ کر پولیس والا اس ڈنڈے پر پورے وزن کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اس کے پاؤں کی ہڈیاں چیخ چیخ کر ٹوٹ جاتی تھیں۔

اس کو چند دن کے آرام کے بعد پھر نا قابل برداشت اذیت ناک ظلم سے گزرنا پڑتا تھا ایسا سب کچھ سمیع اللہ کی بدولت ہی ہوتا تھا۔ وہ جب بھی جیل میں آتا تھا تو سکندر کی اذیت میں اضافہ ہو جاتا تھا کیونکہ وہ پولیس والوں کی آمدنی میں اپنی جیب سے اضافہ کر جاتا تھا۔ پھر سکندر کو بڑی جیل بھیج دیا گیا تو وہ بڑا مجرم گردانا جانے لگا۔ اس کا کوئی ریکارڈ اور کوئی بھی کاغذ ایسا نہ تھا جس پر پولیس والوں نے اپنی طرف سے دفعات اور جرائم کا اضافہ نہ کیا ہو۔ وہ خاموشی سے ہر ظلم سہتا ہوا اپنی مقرر کردہ سزا کاٹنے لگا تھا۔ اس دوران اس کی دوستی کئی کن لٹے بدمعاشوں اور کئی نامور غنڈوں سے ہو گئی تھی۔

اس نے جیل میں شریفانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے پڑھنا بھی سیکھا۔ ڈرائیونگ بھی سیکھی اور بہت سے ہنر سیکھنے کے ساتھ ساتھ اس نے اسلحہ چلانا بھی سیکھا تھا۔ اس کو اپنی اذیت ناک راتیں اور دکھ بھرے دن یاد آتے تھے۔ وہ ایک جیل سے دوسری جیل گھومتا ہوا جب اپنی سزا پوری کر چکا تو واپس اسی جیل میں آ گیا تھا جس سے گیا تھا۔ جیل کا تمام عملہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کی رہائی کی خبر پر اس کے ساتھیوں نے اس کو مبارکبادیں دی تھیں۔ اس کی نعمان ایزد کے گھر میں نوکری کا بندوبست بھی جیل میں ہی ایک سیاستدان کی ٹانگیں دبانے سے ہو گیا تھا۔ وہ سمیع اللہ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور تقدیر اس کو ملک بھر کی جیلوں کی ہوا کھلاتی ہوئی طرح طرح کا پانی پلاتی ہوئی واپس اسی جگہ پر لے آئی تھی جہاں وہ چلا تھا۔

آج اس کے انتقام کی آگ اور بھی بھڑکی ہوئی تھی کیونکہ اس نے سمیع اللہ کو دیکھ لیا تھا اور وہ اس کو قتل کر کے اپنے انتقام کی بنیاد بھی رکھنا چاہتا تھا مگر موقع کی تلاش میں تھا۔ تقدیر اس کو موقع فراہم ہی نہ کر رہی تھی یا پھر تقدیر اس کو قاتل کے روپ میں نہیں ایک پیار کرنے والے پریمی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے کراہ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آنے والے آنسوؤں کو بہنے دیا۔ اس کا کوئی بھی رشتہ دار نہ تھا وہ صرف صائمہ کا بھائی تھا اور صائمہ اس کی بہن تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ صائمہ نے جب

http://kitaabghar.com

سکندر سے اس کی جیل والی زندگی کی داستانیں سنیں تو وہ اس کو گود میں لے کر بے اختیار روتی رہی تھی۔ سکندر کو صائمہ نے بچوں کی طرح رکھا ہوا تھا مگر پھر ایک طوفان ایسا آیا کہ اس طوفان نے صائمہ اور سکندر کو جدا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے کانوں میں آج بھی صائمہ کی چیخیں گونج رہی تھیں وہ قرآن کریم ہاتھ میں اُٹھائے سمیع اللہ اور نعمان ایزد کے قدموں میں گری ہوئی پکار رہی تھی میرا یقین کرو میں طوائف نہیں ہوں۔ میں طوائف نہیں ہوں۔ میرا اس بازار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا یقین کرو۔ وہ روتی اور چیختی چلاتی جاتی تھی مگر نعمان ایزد نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کو ٹھوکریں مار مار کر بے ہوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور پانچ سالہ سکندر اس ظلم و بربریت پر آگے بڑھا تو سمیع اللہ نے اس پر پستول تان لیا سکندر نے نا سمجھی میں اس پستول کو پکڑ کر چھیننا جھپٹی شروع کر دی تو ایک گولی چلی جو سیدھی حویلی کے ایک ملازم کو لگی وہ وہیں پر اپنی جان کی بازی ہار گیا سکندر کو یقین تھا کہ وہ گولی سمیع اللہ کے ہاتھوں سے چلی تھی مگر اس کو قاتل بنا کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا پھر وہ پولیس والوں کے رحم و کرم پر جوان ہوتا ہوا سکندر بن گیا۔

سکندر نے ذہن کو جھٹکا دیتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے کوارٹر میں تھا اور آنکھیں خون رو رہی تھیں۔ اس نے زور زور سے چیخنا چاہا مگر اس کی اُس کو اجازت نہ تھی۔ اس نے اپنا در و دیواروں سے کہنا شروع کیا تو دیواریں بولنے لگیں کہ ہمارے نہ صرف کان ہیں بلکہ زبان بھی ہے اور ہم تمہاری اصلیت اس گھر کے مالک کو بتا دیں گی۔

سکندر نے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگائی تھی۔ وہ خاموش ہو کر اس بات کا منتظر تھا کہ نعمان ایزد کو اقصیٰ کے ذریعے نکال کر دے گا۔ اس کو اقصیٰ کی محبت کا ساتھ چاہیے تھا اور اپنا اعتماد بڑھانے کے لیے اس کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ کوارٹر کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی ہے۔ وہ حیران ہو کر بیڈ سے اُٹھا اور دروازہ کھول دیا اس کے سامنے اقصیٰ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے دو بج رہے تھے اور اقصیٰ اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں خمار دیکھ کر اس کی نیت بھانپ گیا تھا۔ مگر اس لمحہ اس سے بات کرنے کا مطلب اپنی موت کو آواز دینا تھا کیونکہ سردی کی رات اور رات کے اس پہر خاموشی میں آواز کافی دور تک سنی جانے کا امکان تھا۔ اس نے ایک طرف ہو کر اقصیٰ کو اندر آنے دیا اور خود دروازہ بند کر لیا۔ وہ واپس پلٹا تو اس کی عین توقع کے مطابق اقصیٰ اس کے سینے سے چمٹ گئی۔ اقصیٰ کی نیت خراب لگ رہی تھی لیکن اس کی معصومیت اور محبت کا فائدہ اُٹھانے کا سکندر یہ موقع مناسب نہ سمجھتا تھا۔ اس نے اقصیٰ کے بدن کی حرارت اپنے بدن میں محسوس کی تو دھیرے سے حیران و پریشان اقصیٰ کو خود سے الگ کیا اور اس کو بیڈ پر بٹھاتا ہوا خود نیچے قالین پر بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ابھی تک سوئی کیوں نہیں ہو؟''

''نیند نہیں آ رہی جانو۔'' وہ ظالم انگڑائی لیتی ہوئی سکندر کو بے ایمان کرنے لگی تھی۔

''میں نے اُس دن بھی کہا تھا کہ میں بے ایمان نہیں ہوں۔'' سکندر اُس کی طرف پیار سے دیکھتا ہوا بولا تو وہ اس سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ ''بے ایمانی تو وہ ہوتی ہے جب آپ مالک کی چوری کریں۔ لیکن اس میں تو میری مرضی بھی شامل ہے۔'' وہ سکندر کی سانسوں

http://kitaabghar.com

میں اپنی سانسیں ملاتی ہوئی بولی۔ ''سکندر آؤ، پلیز مجھے اپنی بانہوں میں بھر کر میری تشنگی ختم کر دو۔''

سکندر نے دھیرے سے اس کو الگ کیا تھا۔ وہ ابھی تک زمین پر ہی بیٹھا ہوا تھا اور نرم لہجے میں بولا۔

''اقصیٰ! مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟''

''بہت زیادہ سکندر!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''سچی محبت کتنی کرتی ہو؟'' سکندر نے انوکھا ہی سوال پوچھ لیا تھا اسی لیے تو اقصیٰ کی آنکھوں میں استفسار تھا۔

''کیا مطلب بھئی! محبت کی نہ تو تعداد ہوتی ہے اور نہ ہی محبت میں جھوٹ ہوتا ہے۔''

''تو پھر بے ایمانی اور ہیرا پھیری کہاں سے آ گئی؟'' سکندر کا جواب مدلل تھا۔ وہ خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

''میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی سکندر!'' وہ آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ پکڑتا ہوا ایک لمبی سی سانس خارج کر کے بولا۔ ''اگر میں آج تم سے بے ایمانی کروں اور کل کوئی اندھی گولی مجھے چاٹ لے یا پھر سر جی مجھے نوکری سے نکال دیں تو پھر تمہارا کیا ہوگا اقصیٰ۔'' وہ سکندر کی بہت ہی پیاری بات کا جواب نہ دے پا رہی تھی بلکہ پیار ہی پیار سے اس کو دیکھتی جا رہی تھی۔ ''اقصیٰ! میں نے تم سے محبت کی ہے پیار، اور محبت میں بے ایمانی نہیں ہوتی۔ میں سکندر ہوں بے حیا نہیں ہوں۔ بے ایمان، چور اور لٹیرا میں جیل میں تھا۔ اب میں تمہارے پیار میں ان سب عہدوں سے استعفیٰ دے چکا ہوں۔ میری جان اپنی پوزیشن کو سمجھو پلیز..... میں تمہاری محبت کی عزت اور تمہاری حیاء کرتا ہوں اقصیٰ۔ میری بات کا یقین کر کے یہاں سے چلی جاؤ کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تمہارے خوبصورت بدن اور ان گنت دولت جائیداد سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے.....''

اقصیٰ اس پر قربان ہونے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''تو پھر میں کیا کروں؟ تم جب میرے سامنے آتے ہو..... میرا من مجھے بے ایمان کرنے لگتا ہے۔ میرے دل میں تمہیں پانے کی جو خواہش جاگتی ہے میں اس کو دبا دبا کر محبت کا گلا نہیں گھونٹ سکتی..... میری مجبوری کو سمجھو سکندر۔ مجھے تمہاری، تمہارے پیار کی اشد ضرورت ہے..... یہ دیکھو سکندر..... میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی..... میں مر جاؤں گی۔'' وہ اپنے بدن کو نوچنے لگی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ بدن کو نشہ نہ ملنے پر نوچ کھائے گی۔ مگر سکندر نے اس کو اپنے بازوؤں میں بھرا اور اس کی پشت سہلاتا ہوا بولا۔

''اقصیٰ! میں صرف تمہارا ہوں..... صرف تمہارا۔ بس اس بات کا تمہیں یقین ہے نا؟'' اس کی بات سن کر اقصیٰ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ پھر بولا۔ ''محبت کو عبادت ہی رہنے دو..... اس کو جسموں کا ملاپ بنا کر کفر کے دائرے میں شامل نہ کرو۔''

اقصیٰ کو اس کی آغوش میں کافی سکون ملا تھا اور سکندر کی باتوں نے اس کی عزت اور مان مرتبہ اور بڑھا دیا تھا۔ اقصیٰ کی نظروں میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ وہ سکندر کو محبت کی عظیم ترین بلندی پر مامور دیکھ رہی تھی۔ وہ خود ہی سکندر سے الگ ہوئی اور اس کی طرف

http://kitaabghar.com

محبت سے دیکھتی ہوئی اُٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سکندر نے اطمینان کی گہری سانس لے کر کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس نے آج پھر اپنی عقلمندی اور ذہانت کے ساتھ ساتھ خود پر بھی بے پناہ قابو رکھا ہوا تھا۔ بے ایمانی کا تمام کھیل ہی جذبات پر توازن بگڑنے سے بگڑتا ہے۔ اور سکندر نے جیلوں کے ٹھنڈے فرشوں پر اور دو پہر دل میں گرم لوہے راڈز کے ظلم سہہ سہہ کر اپنے آپ پر قابو پانا سیکھ لیا تھا۔ اب اقصیٰ اس کی مرضی اور رضامندی کے بغیر کوئی بھی بے ایمانی اس سے نہ کروا سکتی تھی۔

مگر وہ اپنے دل و دماغ میں جس طوفان کو چھپائے بیٹھا ہوا تھا وہ خاموش سمندر کی مانند ساحل کی جانب ہی دیکھ رہا تھا اور یہ طوفان کبھی بھی ان بستیوں اور آبادیوں کو نیست و نابود کرتا ہوا ان کو اپنے ساتھ ہی بہا کر لیجا سکتا ہے اور ایسے طوفان کے طوفان کے آگے کوئی بھی ایماندار اور سچا پیار کرنے والا ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

سکندر کو اقصیٰ کی ایک بہت بڑی اس کمزوری کا پتہ چل گیا تھا کہ وہ سفید پاؤڈر کی رسیا ہے اور سکندر کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا کہ اس کو پاؤڈر مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اقصیٰ کو اپنے ڈھب پر اس طرح لانا چاہتا تھا کہ وہ بہت سارا روپیہ اور زیورات لے کر سکندر کی جھولی میں ڈال دے اور اس کے ساتھ اس گھر سے فرار ہو جائے۔ مگر اس کے لیے اقصیٰ کو ابھی اور تڑپانا ضروری تھا۔ شوق اور عشق کی آگ کو ابھی اور بھڑکانا چاہتا تھا۔

سکندر کو ٹھنڈی ہوا نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اوپر اقصیٰ کے کمرے کی جانب نگاہ اُٹھا کر ہی دیکھنے کا چور ہو گیا تھا۔ اقصیٰ کے کمرے لائٹ جل رہی تھی اور وہ ابھی تک کھڑکی میں کھڑی سکندر کو ہی دیکھ رہی تھی اس نے ایسے ہی ظاہر کیا تھا کہ اس نے اقصیٰ کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اقصیٰ اس کے چہرے کے تاثرات کو اتنی دور سے جانچ نہ سکتی تھی اور ویسے بھی اب سردرات کا آخری پہر گزر رہا تھا اور سکندر بھی اندھیرے میں ہونے کا فائدہ اُٹھاتا ہوا دروازہ بند کر کے بیڈ پر لیٹ گیا۔

وہ اقصیٰ کو ذہنی طور پر مطمئن کرنے میں کامیاب ہوا تھا یا نہیں اس کا فیصلہ اس نے نہیں بلکہ اقصیٰ نے کرنا تھا اور سکندر نے بھانپ لیا تھا کہ اقصیٰ اس کی محبت سے تو مطمئن تھی مگر اس کی دلیلیں اس کے جذبات اور تشنگی کو بجھانے میں یکسر ناکام رہے ہیں۔ مگر سکندر جس وقت کا منتظر تھا وہ وقت سمیع اللہ کی موت اور نعمان ایزدی کی پوری دنیا میں سرعام بدنامی پر ہی ختم ہونا تھا۔ ابھی صائمہ نے اس کو خاموش رہ کر تیل اور تیل کی دھار ہی دیکھنے کا مشورہ دیا تھا اور وہ صائمہ کو کبھی بھی انکار نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کا ایک ہی خون کا رشتہ تھا اور وہ اس رشتے کے لیے بہت ہی تڑپا تھا۔ اب تقدیر نے اس کو بیس سالوں بعد دوبارہ صائمہ سے ملوایا تھا تو وہ تقدیر کی کوئی حکمت عملی ہی تھی۔

☆.....☆.....☆

حارث نعمان اور جویریہ ہنی مون ٹور پر روانہ ہو گئے تھے۔ مطربہ کے ایگزام شروع ہو گئے تھے اور وہ پوری توجہ سے اپنا تعلیمی کیریئر بنانے میں مشغول تھی۔ شمعون بھی ایاز کی کارکردگی سے مطمئن تھا اور اس کو کسی بات کی بھی کوئی فکر نہ تھی کیونکہ ایاز نے کئی بار بھائی بن

http://kitaabghar.com

کر مطربہ کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا تھا یہی بات شمعون اور نعمان ایزد کو مطمئن کر گئی تھی۔

آج اتفاق ہی تھا کہ نعمان ایزد مطربہ کے آنے سے پہلے ہی ادھر نکلے تو ایاز ان کو دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔ نعمان ایزد نے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور خلاف توقع ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد ایاز بھی بیٹھ گیا۔

''تم نے آج تک بتایا ہی نہیں کہ تم رہتے کہاں ہو، کہاں سے آتے ہو؟'' نعمان ایزد بہت خوشگوار موڈ میں دکھائی دے رہے تھے۔ ایاز اُن کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

''مجھے یاد ہے سر کہ آپ کی اور میری یہ غالباً پانچویں ملاقات ہے اور آپ اب یہ سوال کر رہے ہیں؟''

نعمان ایزد ہنسنے لگے۔ ''آج میں فارغ ہی ہوں۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہ کسی استاد کے پاس بیٹھوں۔ اس سے اپنے دل کی باتیں کروں۔ کچھ وہ سنائیں کچھ میں سناؤں۔''

''الیکشن قریب آ رہے ہیں۔ آپ کو تو ان دنوں میں کافی بزی ہونا چاہیے؟'' ایاز نے سوال کر دیا تھا۔

''ہم لوگوں کا ہر لمحہ ہی مصروفیت میں گزر رہا ہے۔ اور فارغ رہنے کے لیے ہم اپنی مصروفیت کے لمحات سے ایک ایک لمحہ چرانا شروع کر دیتے ہیں اور ان لمحوں کو جمع کر کے ایک دن اپنی اس زندگی کے لیے نکال ہی لیتے ہیں۔'' نعمان ایزد اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنے سوال پر آتے ہوئے ایاز سے مخاطب ہوئے۔

''کس علاقہ میں رہتے ہو؟''

''ریلوے کوارٹرز میں۔'' یہ سن کر نعمان ایزد نے حیرت ظاہر کی۔

''مگر جس یونیورسٹی میں تم تعلیم حاصل کر رہے ہو وہ تو شہر کی ہی نہیں بلکہ صوبہ بھر کی مہنگی یونیورسٹی ہے۔''

''جی سر! لیکن جن کے باپ بھی سر پرنہ ہوں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ماں جیسی ہستی پیدا کی ہے۔'' ایاز نے بات کو ایک انوکھے ہی رنگ میں بیان کیا تو نعمان ایزد نہ سمجھنے والے انداز میں بولے۔

''کیا تمہارا باپ نہیں ہے.....؟ میرا مطلب ہے کہ.....'' وہ خاموش ہوئے تو ایاز افسردگی سے بولا۔

''امی بتایا کرتی ہیں کہ وہ ریلوے میں ملازم تھے اور ایک حادثے کی نذر اُنکی زندگی نے ہماری ماں کو بیوگی کا کفن اوڑھنے پر مجبور کر دیا۔'' نعمان ایزد نے افسوس ناک انداز میں ہونٹوں کو کیا اور بولے۔

''تو پھر یہ تعلیم اور پھر مہنگی تعلیم کا جاری رکھنا تو کافی مشکل ہوتا ہوگا؟''

''نہیں سر! ہماری امی دنیا کی بہادر ماؤں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اپنا زیور بیچ کر میری اور آپی کی تعلیم مکمل کروانے کا جو ارادہ کیا تھا وہ اس میں کامیاب ہو گئیں ہیں۔ مجھے اپنی ماں پر فخر ہے۔'' ایاز نے تفصیلی بات کی تو نعمان ایزد متاثر کن انداز میں بولے۔

''بے شک تمہاری ماں عظیم عورتوں میں سے ایک ہیں۔ میں ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔'' نعمان ایزد نے ایک ملازم کو

http://kitaabghar.com

اشارے سے اپنے پاس بلایا اور چائے لانے کا کہا۔

''گھر کا نظام پھر کیسے چل رہا ہے؟'' ایاز نے ان کی طرف اس انداز میں دیکھا کہ جیسے اُن کی اللہ کی طاقت کا اندازہ اور اس کی رحمت کا علم ہی نہ ہو۔ ''میرا مطلب ہے کہ تم پڑھتے ہو اور گھر میں کوئی مرد بھی نہیں ہے جو کما سکتا ہو۔''

ایاز ان کی طرف سے اپنے الفاظ کی وضاحت پر مطمئن ہوتا ہوا بولا۔

''میں ٹیوشنز سے کچھ کما لیتا ہوں اور آپا کی بھی ایک اچھی کمپنی میں جاب ہے اور امی بھی لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر لیتی ہیں۔'' نعمان ایزد خاصے متاثر کن انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''تم نے تو مجھے خاصا حیران کر دیا ہے۔ آج کے دور میں بھی تم جیسے لوگ تو اس ملک کا سرمایہ ہیں۔ اور میں قدر کرتا ہوں اُن کی.....'' چائے آ گئی تو ملازم نے ایک ایک کپ ان دونوں کے سامنے رکھ دیا اور خود واپس چلا گیا۔

''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی کیونکہ اب تو تمہارے ساتھ میرے دو دو رشتے ہیں۔'' نعمان ایزد خوش دلی سے بولے تو ایاز حیرانگی سے بولا۔

''رشتے؟'' وہ نعمان ایزد کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ ''سر! کیا امیر اور غریب کا بھی کوئی رشتہ ہوتا ہے؟''

''پہلی بات تو یہ کہ تم میرے بیٹے شمعون کے دوست ہو ایک تو یہ رشتہ ہے اس لیے تم بھی میرے بیٹے جیسے ہی ہو۔ دوسرا رشتہ جو کہ بہت معتبر ہے وہ ہے استاد کا۔'' نعمان ایزد نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے ایاز کو بھی پینے کا اشارہ کیا تو وہ بھی تائیدی انداز میں سر ہلاتا ہوا چائے کا کپ منہ سے لگا کر چائے کا گھونٹ بھر کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ایاز کا انداز ایسا تھا کہ گویا اس کے سوال کا جواب ابھی پورا نہ ہوا تھا اور وہ نعمان ایزد کی جانب سے اپنے سوال کا تفصیلی جواب چاہتا تھا۔

نعمان ایزد چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''دو رشتوں سے بھی بڑا ایک رشتہ ایسا ہوتا ہے جو انسانیت کا رشتہ ہے۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میں تم جیسے ذہین نوجوان کے لیے کچھ کر سکوں۔ رہ گئی بات امیر اور غریب کے درمیان رشتوں کی تو میرے بچے اصل رشتہ ہی امیری اور غریبی کا ہے۔ ورنہ اس معاشرے میں تو ازن نہ ہو۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں لیکن ایک جگہ مجھے اختلاف بھی ہے؟'' ایاز خاموش ہو گیا کہ جیسے ان سے اجازت طلب کر رہا ہو۔ نعمان ایزد اس کی ذہانت سے خاصے متاثر نظر آ رہے تھے۔ وہ بولے۔

''جو پوچھنا ہے پوچھ ڈالو آج ایک سیاسی نمائندہ تمہارے ہاتھ آ چکا ہے۔'' دونوں ہی ہنسنے لگے۔

''سر! امیر کے گھر پیدا ہونے والا بچہ اور غریب کے گھر پیدا ہونے والا بچہ..... کیا اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے؟''

''آف کورس نہیں۔''

http://kitaabghar.com

''تو پھر غریب کے بچے کے حصے میں وہ خوشی کیوں نہیں آتی جو امیر بچے کو با آسانی مل جاتی ہے؟'' ایاز نے بال ان کے کورٹ میں پھینک کر چائے کے گھونٹ بھرنا شروع کر دیئے تھے۔

''تقدیر کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں برخوردار۔ اور ہاں وہ تم نے اقبالؒ کا وہ قول تو ضرور پڑھا ہوگا کہ جس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں سلامت ہیں وہ کبھی بھی دیوالیہ نہیں ہو سکتا۔''

نعمان ایزدی کے لیے میڈیا کا سامنا کرنا بہت آسان تھا مگر یہ سوالات اور نشست چونکہ خالصتاً ذاتی تھی اس لیے اس میں ان کو ایاز سے خوف محسوس ہونے لگا تھا کہ نجانے وہ کون سا سوال پوچھ لے۔

''آپ اگر میرے لیے کچھ کرنا چاہیں تو کیا کر سکتے ہیں سر؟'' ایاز نے نعمان ایزدی کی بات میں سے ہی ایک بات کا جواب چاہا تو وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''اس ملک کے ہر اس عہدے پر تمہیں تعینات کروا سکتا ہوں جس کی تم خواہش کرو گے۔''

''نہ جانے مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ آپ کے ساتھ میرا بہت ہی قریبی رشتہ ہے۔'' ایاز نے ان کو ایک بار پھر ہلا دیا تھا۔

''میں تو اس بات کا اعتراف کر چکا ہوں کہ انسانیت کا رشتہ ہی سب سے بڑا رشتہ ہوتا ہے۔''

''سر! آپ پر جو گزشتہ دنوں جان لیوا حملہ ہوا تھا کیا وہ انسان نہ تھے؟ اگر وہ انسان نہ تھے تو پھر کون تھے؟'' ایاز کی چائے ختم ہو چکی تھی اور اس نے دیکھ لیا تھا کہ مطربہ بھی کتابیں اٹھائے آ رہی تھی۔

''وہ یقیناً انسان نہیں ہو سکتے کیونکہ انسان تو رشتے نبھاتا ہے۔ توڑتا نہیں۔''

''السلام علیکم بابا جان۔ اسلام علیکم سر!'' مطربہ نے دونوں کو باری باری سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی تو نعمان ایزدی کی چائے بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ مطربہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولے۔

''اچھے مارکس سے کامیاب ہونا تمہارے بہترین استاد کی دلیل ہوگی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔ ''ایاز اگر تم بُرا نہ مناؤ تو اپنی امی سے کہنا کہ وہ کئی گھروں میں کام کاج کرنے کی بجائے اگر میرے ہی گھر میں کام کرنا چاہیں تو اس گھر کے دروازے ان کے لیے کھلے ہیں۔''

ایاز اور مطربہ بھی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ایاز ان کی پیشکش کو انسانیت کا رشتہ سمجھتا وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

''نہیں سر! میری امی کئی لوگوں کے گھر میں کام نہیں کرتی بلکہ وہ سالہا سال سے ایک ہی گھر میں کام کر رہی ہیں اور اللہ نے وہاں پر ان کو کافی عزت بھی دی ہے۔''

''گڈ..... یہ تو اچھی بات ہے..... ایسا کون سا گھر ہے کہ ایک لمبے عرصے تک ایک عورت ایک ہی گھر میں کام کرتی رہے اور بات بھی بنی رہے۔ حیران کن ہے یار!'' نعمان ایزد واقعی حیران ہو رہے تھے کیونکہ انہوں نے اکثر دیکھا تھا کہ گھروں میں کام کرنے والیں عورتیں یا بچیاں یا تو چوری کرتے ہوئے پکڑی جاتی ہیں یا پھر اچھی تنخواہ ملنے پر اپنے مالکوں کو چھوڑ جاتی ہیں۔

http://kitaabghar.com

''جی آپ سن کر حیران ہونگے کہ وہ جسٹس بصیر احمد کے گھر میں ہی عرصہ پچیس سال سے کام کر رہی ہیں۔'' نعمان ایزد پر ایک بجلی سی گر گئی۔ وہ منہ کھولے ایاز کی طرف دیکھتے رہے۔ اپنی تسلی کرنے کے لیے پھر بولے۔

''تمہارا مطلب ہے کہ..... بصیر احمد جو..... حارث کے سسر ہیں؟'' نعمان ایزد کی آواز کنوئیں سے آ رہی تھی۔

''جی سر! امی جان ان کے لیے کھانے ہی ایسے لذیز اور عمدہ تیار کرتی ہیں کہ وہ امی کو کہیں اور جانے ہی نہیں دیتے۔''

نعمان ایزد پر پھر کی پوری اسمبلی کی عمارت آ کر گر گئی تھی۔

ان کو یاد آ رہا تھا کہ جب وہ پہلی بار بصیر احمد کے گھر گئے تھے تو انہوں نے بہت ہی لذیز کھانا کھانے پر تعریف کی تھی اور بصیر احمد نے صائمہ سے ان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں ان لذیز کھانوں کی سوغات صائمہ ہی دیتی ہے اور صائمہ کا نعمان ایزد سے سامنا بھی ہوا تھا۔

''کیا تم..... صائمہ کے بیٹے ہو؟'' نعمان ایزد کے حلق میں الفاظ اٹک رہے تھے وہ کون سی تسلی کرنا چاہتے تھے کہ ان کے اس سوال پر ایاز بھی حیرت سے ان کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''جی میری عظیم ماں کا نام صائمہ ہی ہے۔ مگر آپ ان کو کیسے جانتے ہیں سر؟'' یہ فطری سا سوال تھا جس کا جواب دینا بھی ضروری تھا مگر نعمان ایزد ایاز کی طرف ہی دیکھے جا رہے تھے۔

''وہ..... میں نے بصیر احمد کے گھر ان کے ہاتھ کا بنا ہوا لذیز کھانا کھایا تھا۔''

نعمان ایزد کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے لیکن ایاز اپنی ماں کی تعریف سن کر خوش ہو گیا تھا کہ نعمان ایزد جیسا نامور سیاستدان بھی اس کی ماں کے ہاتھوں کا کھانا کھا کر ان کو نام کے ساتھ یاد رکھے ہوئے ہے۔

''ٹھیک ہے..... تم لوگ سٹڈی کرو۔'' نعمان ایزد کے ماتھے پر پسینے کے واضح قطرے دیکھ کر ایاز کو تھوڑی سی حیرانی ہوئی تھی۔ لیکن وہ سمجھا کہ گرم چائے نے اپنا کام دکھایا ہے اور جسم میں حرارت پیدا ہونے سے پسینہ آ جاتا ہے۔ وہ مطربہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو کتاب کھولے ایاز سے رہنمائی لینے لگی تھی۔

لیکن نعمان ایزد دور کھڑے ہو کر ایاز کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل و دماغ میں الجھن مچی ہوئی تھی۔ اس کی دشمن صائمہ کا بیٹا اسی کے گھر میں اس کی بیٹی کا استاد بن کر آ رہا تھا اور وہ اس کو پہچان نہ پایا تھا۔ وہی صائمہ جس نے حارث کی شادی پر اس کے باپ سمیع اللہ کو کہا تھا کہ اس کے خاندان کی بربادی کے دن شروع ہو گئے ہیں۔ کیا اُس پر قاتلانہ حملہ بھی صائمہ نے ہی کروایا تھا؟

یہ خیال ان کے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا تو وہ دوبارہ ایاز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ان کے خیال کی نفی نور ہی ان کے ذہن نے کر دی کیونکہ ریلوے کوارٹرز میں رہنے والی اور کسی کے گھر میں کام کرنے والی صائمہ اس کے لیے خطرہ کیسے بن سکتی ہے لیکن وہ سیاستدان تھے اور سانپ کے ڈسے ہوئے رسی سے بھی ڈرتے تھے۔

☆.....☆.....☆

صائمہ نے حیرت سے آنکھیں کھول کر ایاز کو دیکھا اور اپنی تسلی کے لیے پوچھنے لگی۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تم نے نعمان ایزد کے منہ سے میرا نام سنا ہے؟'' ایاز نے صائمہ کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں امی! میں تو خود حیران تھا کہ وہ آپ کے کھانوں کی بہت تعریفیں کر رہے تھے۔'' صائمہ کو ایاز کے منہ سے یہ سن کر اپنا پلان فیل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ آج ثمرین کی تیز آواز پر بھی نہ چونکی تھی بلکہ اس کو لگتا تھا کہ وہ پتھر کی ہو کر رہ گئی ہے۔ ایاز پھر بولا۔

''میں نے ان کو فخر سے بتایا کہ میں ایسی عظیم عورت کا بیٹا ہوں جن کے کھانوں کی آپ تعریف کر رہے ہیں۔'' اب ایاز صائمہ کی طرف مڑا اور بولا۔ ''امی! میں نے ایک بات محسوس کی تھی کہ جب میں نے آپ کا نام لیا کہ میں صائمہ کا بیٹا ہوں تو نعمان ایزد یکدم خاموش ہو گئے تھے اور کچھ پریشان بھی تھے۔''

صائمہ اس کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی ایسا جواب ڈھونڈ رہی تھی کہ اس کا جوان اور پڑھا لکھا بیٹا مطمئن بھی ہو جائے اور ماں کے کردار سے بدگمان بھی نہ ہو۔ وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''بڑے لوگوں کے موڈ موسموں کے نہیں..... بلکہ سامنے والے کے باتوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر بن گئے اور ذرا سی بات پر بگڑ گئے۔'' ایاز تائیدی انداز میں سر ہلاتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا تو اس کو یکدم یاد آیا اور وہ باہر آتا ہوا بولا۔ ''امی! وہ آپا کس کمپنی میں جاب کرتی ہے بھلا؟''

صائمہ پر یہ سوال ایک گھنٹہ گھڑا بن کر برسا تھا جس میں سے رحمت کی برسات کی بجائے تکلیف دہ چھینٹے ہی پڑے تھے۔

''اب بھلا مجھ ان پڑھ کو کیا پتہ کہ وہ کس کمپنی میں ہے۔ کوئی انگریزی نام لے رہی تھی..... چورٹ جیسا۔''

ایاز ہنسنے لگا کیونکہ صائمہ نے ایکسپورٹ کہنا چاہا تھا۔

''امی! آپی کی سیلری کتنی ہے.....؟''

''سیلری.....؟'' صائمہ کی حیرت سے بولی تو ایاز کو احساس ہوا کہ وہ انگریزی کا لفظ بول گیا ہے۔

''تنخواہ امی جان!'' صائمہ اوہ کہتی ہوئی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''تیس چالیس ہزار تو ہو گی ہی۔'' صائمہ نے ایاز کو تنخواہ جان بوجھ کر کیوں بڑھا کر بتائی تھی اس بات کی سمجھ صائمہ کو بھی نہ آئی تھی۔ وہ پاس آتا ہوا بولا۔

''امی! تو پھر آپ جج صاحب کے گھر کام نہ کیا کریں۔''

''ہاں بیٹا یہی سوچ رہی ہوں میں بھی۔'' صائمہ نے بے دلی سے جواب دیا تھا کیونکہ وہ کام نہیں چھوڑنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اس کام کی آڑ میں اپنے بھائی سکندر سے ملتی تھی اور ان دونوں کی پلاننگ کی وجہ سے وہ آج نعمان ایزد کے اتنا قریب پہنچ گئے تھے کہ اب اقصیٰ سکندر کا دم بھرنے لگی تھی وہ اس کے بغیر زندگی گزارنے کو گناہ سمجھنے لگی تھی ریشم کی اچھی نوکری اور ایاز احمد کا نعمان ایزد کے اتنا قریب ہو جانا

http://kitaabghar.com

بھی اس کی پلاننگ میں شامل تھا۔ اب وہ ایاز یا صائمہ کے کہنے پر اگر کام چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتی تو پھر وہ سکندر سے نہ مل سکتی تھی اور وہ سکندر کو اپنے کوارٹر میں نہ بلانا چاہتی تھی کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ ریشم نعمان ایزد کی کمزوری بن جائے وہ ہر کام کے لیے ریشم کا محتاج ہو جائے۔ ریشم اس کے ساتھ اعلیٰ سطحی اجلاسوں میں جایا کرے ہر جگہ ریشم نعمان ایزد کی پرسنل سیکریٹری کے طور پر پہچانی جائے۔ وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ میڈیا میں ریشم کی تصویریں نعمان ایزد کے ساتھ پرنٹ ہوں اور وہ ہر جگہ اور ہر زبان پر نعمان ایزد کی پہچان بن جائے اس پلاننگ کے پیچھے ایسا کون سا انتقام تھا جو وہ نعمان ایزد سے لینا چاہتی تھی اس بات کا پتہ صرف اور صرف صائمہ کو ہی تھا اور وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ ریشم اور نعمان ایزد کے مالک اور ملازم کے تعلقات ایاز سے پوشیدہ ہی رہیں۔ مگر وہ اس بات سے بھی پریشان ہو گئی تھی کہ آج ریشم کی تنخواہ کے بارے میں ایاز نے کیوں پوچھا تھا اور کل ریشم نے ان کو اپنے نئے گھر کی بات کر کے حیران بھی کر دیا تھا۔

ریشم کے ہاتھ ایسی کون سی گیدڑ سنگھی آ گئی تھی کہ وہ اپنا گھر بھی خرید رہی تھی اور گاڑی خریدنے کی باتیں بھی کرنے لگی تھی۔ کیا ریشم کسی غلط کام میں پڑ گئی ہے؟

یہ خیال آتے ہی صائمہ کی روح تک کانپ گئی تھی۔ وہ فوراً نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔'' مگر اس کی آواز ایاز نے ضرور سن لی تھی۔

''کیا نہیں ہو سکتا امی جان؟'' ایاز پریشان ہو کر اُن کے کندھے پر اپنا چہرہ رکھتا ہوا پوچھنے لگا۔ صائمہ کو اپنی غلطی کا احساس فوراً ہو گیا تھا۔ وہ بات بدلتی ہوئی بولی۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ..... میں ابھی اور اسی وقت تو جج صاحب کے گھر کام نہیں چھوڑ سکتی نا۔''

''افوہ..... میں سمجھا کہ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے.....'' ایاز ہنس رہا تھا اور صائمہ پریشان تھی۔ ''آپ ایسا کریں کہ جج صاحب کو ایک ماہ پہلے یعنی آج سے بتا دیں کہ آپ اگلے ماہ سے کام پر نہیں آیا کریں گی۔''

''بتا دوں گی بتا دوں گی..... تم پریشان نہ ہوا کرو.....'' صائمہ اس کی طرف مڑی اور اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''یہ بتاؤ کہ انیقہ کیسی ہے؟'' ایاز اس کی بات نہ سمجھ سکا تھا اس لیے حیرت انگیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیسی ہے مطلب.....؟''

صائمہ سر پر ہاتھ مارتی ہوئی بولی۔ ''میں بھی پاگل ہو گئی ہوں..... پوچھنا کچھ اور تھا اور پوچھ کچھ اور ہی رہی ہوں۔ میرا مطلب تھا کہ اس کی پڑھائی کیسی ہے؟''

''اچھی ہے امی! اب تو کل ان کے ایگزام بھی ختم ہو جائیں گے..... سوچ رہا ہوں کہ پھر کیا کروں گا؟'' اب صائمہ اس کی بات نہ سمجھتی ہوئی بولی۔ ''کیا کروں گا مطلب؟''

وہ ہنستا ہوا بولا۔ ''امی جان! میرا مطلب تھا کہ یہ جو جیب خرچ کا نظام چلا تھا اب پھر رُک جائے گا۔''

http://kitaabghar.com

صائمہ بھی پریشان ہوگئی تھی۔ ''پھر کیا سوچا ہے تم نے؟''

''اللہ وارث ہے امی! وہ کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر ہی دیگا۔'' وہ بولا اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

صائمہ اس بات سے پریشان ہوگئی تھی کہ اگر نعمان ایزد نے اس کے گھر کا پتہ کروالیا اور اس کے بچوں کو نقصان پہنچایا تو وہ کیا کر سکے گی۔ وہ تو ناتواں اور کمزور عورت ہے۔ وہ اکیلی نعمان ایزد سے سکندر کو لے کر تو فکر نہ لے سکتی تھی۔ اس کو جو بھی کرنا تھا جلدی جلدی کرنا تھا۔

وہ سکندر سے مل کر اس مسئلے کو حل کرنا چاہتی تھی اس کا مقصد ہی فوت ہونے کے قریب تھا۔ اور وہ ریشم سے بھی پوچھے گی کہ اس نے ایسا کون سا کمال کیا ہے کہ وہ چند مہینوں میں ہی اپنا گھر بھی خریدنے کی بات کر دی ہے۔ اس بات میں کتنی سچائی ہے۔ وہ ریشم سے پوچھنا چاہتی تھی۔ اس کی چھٹی حس کسی اور ہی بات کا اشارہ دے رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جویریہ اور حارث نعمان پندرہ دن کے ٹور کے بعد واپس گھر آئے تھے وہ سیدھے جسٹس بصیر احمد کے گھر آئے تھے اور ایک رات وہاں گزار کر ابھی گھر پہنچے تھے۔ جہاں آرا بیگم اور نعمان ایزد نے مسکراہٹوں سے سجے ہوئے چہروں سے اُن کا استقبال کیا تھا۔ جویریہ کو بہت اچھا لگا تھا کہ اس کی ساس بھی روایتی ساس کی طرح نہ تھی بلکہ وہ ماڈرن اور حالات کو سمجھنے والی خاتون تھیں۔ اس نے کبھی بھی جویریہ کو ساس بن کر نہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی کوئی روکا ٹوکی کی تھی۔ کیونکہ جویریہ کی بھی یہی کوشش تھی کہ وہ کبھی بھی اس گھر میں بہو بن کر نہ رہے بلکہ بیٹی بن کر ہی راج کرے اور سب کی عزت ہی کرے تاکہ سب بھی اُس کی عزت ہی کریں۔

آج مطربہ کا آخری پیپر تھا اور ایاز اس کو دیکھ بھی سے پڑھا رہا تھا اور وہ بھی توجہ سے پڑھ رہی تھی۔ ایاز نے اس سے پچھلے پیپر کا پوچھا تھا جو کہ تسلی بخش جواب کے بعد ایاز کو مطمئن کر چکی تھی۔

''سر! کیا آپ کل بھی آئینگے؟'' مطربہ نے ایاز سے پوچھا تو وہ بولا۔

''میرا نہیں خیال کہ میرا کل آنا بھی بنتا ہے۔''

''لیکن سر! آپ شمعون کے فرینڈ بھی تو ہیں۔'' مطربہ اس کی بات سمجھتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا شمعون کا کوئی اور فرینڈ اس گھر میں یہاں تک آیا ہے کبھی؟''

''لیکن سر! وہ صرف فرینڈز ہیں اور آپ تو بھائی بھی ہیں۔'' ایاز اس کی بات سن کر ہنستا ہوا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''تم کافی تیز ہوگئی ہو۔''

''سر آپ آیا کریں گے نا؟'' مطربہ کا التجائیہ لہجہ سن کر ایاز حیرانگی سے بولا۔

''میں شمعون سے بات کروں گا۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے کل سے ہی نئی کلاس کی ٹیوشن دینا شروع کر دیں؟'' مطربہ نے کہا تو وہ بولا۔

http://kitaabghar.com

''تم کیوں بضد ہو کہ میں روز ہی آؤں۔ جبکہ پڑھائی بھی نہ ہو گی۔''

''بس سر! میں جو باتیں حارث بھائی اور شمعون سے نہیں کر سکتی تھی وہ آپ کو ایک بھائی سمجھ کر کر لیتی ہوں۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تو ایاز بھی ہنسنے لگا اور بولا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں ایک ایسے فرینڈ کی ضرورت ہے جو آپ سے باتیں ہی کرتا رہے۔''

''ایسا ہی سمجھ لیں ایاز بھائی۔''

''تو آپ اپنی بھابی جویریہ کو اپنا فرینڈ بنا لیں۔'' ایاز نے جویریہ کا نام دھیرے سے لیا تھا۔

''وہ تو بھابی ہیں اور پھر بڑی بھی ہیں۔'' مطربہ منہ بناتی ہوئی بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

''میں بھی تو بڑا ہوں۔''

''لیکن میں بھابی سے نہیں کہہ سکتی نا کہ میں انھیں سے پیار.....'' وہ یکدم اپنی زبان دانتوں تلے دباتی ہوئی ایاز کی طرف دیکھنے لگی تو وہ سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''یہ تمہارا ذاتی فعل ہے مطربہ.....! مجھ سے ڈرنے یا شیئر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن ایک ٹیچر ہونے کے ناطے اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمارے فیصلے ہمارے والدین کو ہی کرنا چاہئیں۔'' مطربہ شرمندگی سے سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''سر! آئی ایم سوری! میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی اٹھ کر چلی گئی تھی شاید اپنی خفت مٹانا چاہتی تھی۔ ایاز نے بھی اس کو نہ روکا تھا۔

وہ کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا کہ آج کل کی لڑکیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ برملا محبت اور چاہت کا اظہار کرتی پھر رہی ہیں۔''

''لیکن تم خود کیا ہو؟'' اس کے اندر سے آواز آئی۔ ''خود بھی تو تم نے جویریہ سے برملا ہی اظہار محبت کیا تھا۔'' اس نے آنکھیں بند کیے کیے ہی مسکرا کر جواب دیا۔ ''کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اب بھی۔''

''اب بھی؟'' یہ آواز جویریہ کی تھی اور اس کے پاس سے ہی ابھری تھی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ تو سامنے بیٹھی ہوئی جویریہ کو دیکھ کر تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے تھے۔ وہ اس کی طرف بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی۔

''جو چیز مقدر میں نہ ہو اس کے لیے تقدیر کو زور نہیں دیا کرتے۔'' جویریہ بولی تو وہ بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''بعض اوقات آدمی چند منٹ کی دیر سے کسی محفل میں پہنچے تو اس کی من پسند نشست اس کو نہیں ملتی..... بس میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔'' وہ بولا تو جویریہ کے ہونٹوں پر مسکان پھیل گئی اور بولی۔

''پھر کیا ہوتا ہے اس محفل میں سب سے پیچھے بیٹھ کر وہ مزہ اور وہ نظارہ آپ حاصل نہیں کر سکتے جو من پسند نشست پر ملتا ہے۔''

http://kitaabghar.com

وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''میں دیر سے جانے پر محفل میں پچھلی نشستوں پر بیٹھنے کی بجائے من پسند جگہ پر کھڑا ہونے کو ہی ترجیح دیتا ہوں۔ اور وہی منظر وہی مزہ وہی نظارہ کر کے لطف اُٹھاتا ہوں۔''

''کیا اس طرح سبکی محسوس نہیں ہوتی؟'' جویریہ بولی تو وہ ہنس پڑا۔

''جب ناچنا پڑے تو گھونگھٹ نکالنا بیوقوفی ہوتی ہے۔'' ایاز بھی دل کا غبار نکالنے پر تلا ہوا تھا۔

''مطربہ چائے لے کر آ گئی تھی۔ اقصیٰ بھی گھومتی ہوئی اُدھر آ نکلی تھی۔ وہ ایاز، مطربہ اور جویریہ کو چائے پیتے دیکھ کر ان کے پاس رسمی سلام دعا کے بعد بیٹھ گئی۔''

''کیسا رہا ہنی مون ٹور؟'' وہ جویریہ سے پوچھنے لگی۔

''اچھا تھا زبردست۔'' جویریہ نے مختصر جواب دیا تو وہ مطربہ سے مخاطب ہو گئی۔

''تم سناؤ کیسے ہو رہے ہیں ایگزام۔''

''اب تو آخری پیپر ہے بواء۔'' مطربہ نے کہا تو وہ آنکھیں نکالتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''شمعون آج کل کم ہی نظر آ رہا ہے۔ کیا بات ہے..... کدھر گم رہتا ہے؟'' اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایاز کو نظر انداز کر رہی ہے مگر ایاز اس کی اس ادا پر شکر کر رہا تھا۔

اس کی شمعون والی بات کا کسی نے بھی جواب نہ دیا تھا کیونکہ وہ سوال کس سے کر رہی تھی اس بات کا اُس کا بھی علم نہ تھا۔ اُس نے چائے پیتے ہوئے ایاز سے براہ راست بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اسی لیے وہ ایاز کو مخاطب کرتے ہوئی بولی۔

''اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اب کل سے آپ نہیں آیا کریں گے؟''

''اس بات کا فیصلہ میں شمعون پر چھوڑتا ہوں کہ وہ میرے لیے کیا فیصلہ کرتا ہے؟'' ایاز نے ہمیشہ یہ اس سے محتاط انداز میں گفتگو کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اقصیٰ شوبز کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور اس دنیا میں لڑکیاں کافی بولڈ ہوتی ہیں۔

''اگر شمعون کہے کہ نہ آنا تو.....؟'' اقصیٰ نے کافی تلخ جملہ کہہ دیا تھا۔ جویریہ اور مطربہ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ طنزیہ انداز سے ایاز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''پھر تو یہ سٹیٹس بھی چھن جائے گا کہ مسٹر ایاز..... نامور سیاستدان نعمان ایزد کی بیٹی کے استاد تھے۔'' ایاز کو کافی جھٹکا محسوس ہوئی مگر وہ خود کو پرسکون رکھتا ہوا بولا۔

''ٹیچر تو ٹیچر ہی رہتا ہے..... اس کا سٹیٹس زندگی بھر تبدیل نہیں ہوتا لیکن اس کے شاگرد اپنا سٹیٹس اپنی مرضی سے بنانے کے قابل ضرور ہو جاتے ہیں۔'' ایاز چائے کا گھونٹ بھرتا ہوا بولا۔ ''میڈم اقصیٰ..... آپ کو اس بات کا علم ہے کہ آپ جس فیلڈ سے ہیں وہ منافقوں اور خود غرض انسانوں کی وہ منڈی ہے جہاں چڑھتے سورج کی پوجا کی جاتی ہے۔''

''مجھے تم خوفزدہ نہیں کر سکتے ایاز!'' اقصیٰ کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے تھے۔ وہ اپنے لہجے کی تلخی چھپا نہ سکی تھی۔

http://kitaabghar.com

''سچائی اور حقیقت سے خوفزدہ ہو جانے والے لوگ اندر سے بزدل ہوتے ہیں۔'' ایاز استاد تھا اور اس کی استادی اس کے الفاظ میں بول رہی تھی۔ جویریہ نے محسوس کیا کہ تلخی بڑھنے کا امکان ہے تو وہ بول پڑی۔

''میرا خیال ہے کہ مطربہ کو ٹیکسٹ کلاس کے لیے بھی ایاز جیسے سمجھدار استاد کی ضرورت ہوگی۔'' اقصیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور خاموش ہو کر وہاں سے اٹھتی ہوئی چلی گئی۔

''سچ میں کافی کڑوا سچ ہوتی ہے۔'' ایاز مسکراتا ہوا بولا تو مطربہ مسکرانے لگی اور جویریہ ایاز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجھے اقصیٰ کا رویہ آپ کے ساتھ..... کچھ سمجھ نہیں آئی؟''

''انگور کھٹے ہیں۔'' ایاز یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کی چائے ختم ہو گئی تھی۔ وہ اُٹھتا ہوا بولا۔ ''مطربہ! اب معلوم نہیں کہ دوبارہ ہم استاد شاگرد مل بھی سکیں..... میں چاہوں گا کہ..... اگر میری ڈیوٹی میں کوئی خامی تم نے محسوس کی ہو تو پلیز سوری۔'' مطربہ تڑپ کر رہ گئی۔ ''سر! کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں آپ.....'' وہ بھی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ''اور ویسے بھی آپ تو مجھے پہلے ہی دن سے چھوٹی بہن سمجھتے ہیں۔''

''وہ رشتہ..... میرے دل میں محفوظ ہے اور میں اس رشتے کا احترام اس طرح کرتا ہوں کہ.....'' اُس نے خاموش ہو کر مطربہ کے سر پر پیار سے ہاتھ اور بولا۔ ''اسے شمعون اور حارث بھائی کا ہی ہاتھ سمجھنا!'' یہ کہہ کر وہ آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپاتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

جویریہ اس سچے انسان کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی اور اس کی قدر جویریہ کے دل میں اور بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ کھڑی کھڑی محسوس کرنے لگی کہ اس کا سر چکرا رہا ہے۔ وہ مطربہ کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئی تو اس کو ابکائی آنے لگی..... مطربہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ جہان آرا بیگم کو آوازیں دینے لگی تھی۔ جبکہ جویریہ ایک دو اُلٹیاں آنے کے بعد خود کو پرسکون رکھنے کے لیے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

ریشم کے لیے نعمان ایزد کا بیقرار ہونا اس بات کی علامت تھا کہ ریشم اُن کی کمزوری بن گئی ہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی دولت کے صندوقوں کے منہ کھول چکے تھے۔ ریشم جب ''پرسنل'' ہو چکی تھی تو اب اس کے لیے شرم و حیا کے کوئی معنی نہ تھے۔ اس کے اپنے سپنے سچ کرنے کی جو جلدی تھی وہ جلدی اس کو تقدیر نے جلدی ہی مہیا کر دی تھی۔ اس نے اپنے اور نعمان ایزد کے اس تعلق کو صائمہ سے بھی چھپایا تھا۔ صائمہ کے پوچھنے پر اس نے صائمہ کو مطمئن کر دیا تھا کہ وہ کوئی بھی غلط کام نہیں کرے گی جس سے صائمہ اور ایاز کو شرمندگی ہو۔

صائمہ اس کے ٹھوس لہجے سے مطمئن تو ہو گئی تھی لیکن شک کی پرچھائیاں صائمہ کے چہرے پر نمایاں تھیں۔ لیکن ریشم نے ہر طرح سے فیصلہ کیا تھا کہ وہ صائمہ کو کبھی بھی یہ محسوس نہ ہونے دے گی کہ وہ نعمان ایزد کو اپنا آپ کئی بار سونپ چکی ہے۔ اب بھی وہ نعمان ایزد کے بیڈ روم کی زینت بنی ہوئی تھی اور اپنے خوابوں کو تعبیر دینے میں جوش و خروش سے مشغول تھی۔

نعمان ایزد اس کے حسن کے دیوانے ہو چکے تھے اور ریشم ان کی کمزوری بن چکی تھی اور ریشم اُن کی اس کمزوری کا بھرپور فائدہ اُٹھا

http://kitaabghar.com

رہی تھی۔ وہ چیک لیتی تھی اور اپنے اکاؤنٹ میں کیش جمع کرواتی جاتی تھی۔ اُس نے اپنی مرضی سے ایک شاندار گھر بھی خرید لیا تھا۔ وہ اس میں فرنیچر اور دیگر ضروریات زندگی کی اشیا کو پورا کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ اب وہ اس پوزیشن میں تھی کہ وہ بہت ہی قیمتی اور شاندار گاڑی بھی خرید سکتی تھی۔ مگر وہ آہستہ آہستہ اس ڈگر پر چلنا چاہتی تھی وہ اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے دوران نعمان ایزد سے سیاست بھی سیکھتی جاتی تھی۔

اور نعمان ایزد شباب کے نشے میں اندھے ہو کر اس پر اپنی دولت لٹا رہے تھے کیونکہ ان کو جوان کلیوں کا رس چوسنے کے لیے بھنورا بننا پڑا تھا مگر ریشم وہ کلی تھی جس نے نعمان ایزد کو بھنورے سے عاشق بنا لیا تھا۔ اس کے حسن اور محبت کی لذت نے نعمان ایزد کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

''آپ مجھ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے سر؟'' ریشم کا سوال سن کر نعمان ایزد اس کی طرف دیکھنے لگے اور چند سیکنڈ بعد کھل کر قہقہہ لگایا اور بولے۔ ''وہ بھی تو یہی ہوتی ہے۔ بس باقاعدہ اور بے قاعدہ کا فرق ہوتا ہے۔''

''لیکن میں تحفظ چاہتی ہوں۔'' ریشم ان کے لیے پیگ تیار کرتی ہوئی بولی تو وہ ہنسنے لگے۔

''روپیہ سب سے بڑا تحفظ ہے۔''

''روپیہ سب سے بڑا دشمن بھی تو ہے سر!'' وہ بولی تو نعمان ایزد اس کے نیم برہنہ بدن پر لالچی نظریں ڈالتے ہوئے بولے۔

''سچ کہے سوہنیا..... دشمن تب بنتا ہے جب تم جیسے لوگ یکدم منظر پر ابھرتے ہو..... آہستہ آہستہ کھاؤ میری جان۔ نعمان ایزد تمہارا ہی ہے۔'' ایک اور چیک ریشم کے اکاؤنٹ میں جمع ہونے کے لیے تیار تھا۔

ریشم مسکرا کر رہ گئی اور اس کی سمجھ میں بات آ گئی کہ وہ جب تک بھی ممکن ہوا نعمان ایزد کو لوٹتی رہے گی۔ وہ ایک بار بھی لٹ جانے کو وہی گناہ سمجھ رہی تھی جو سو بار لٹ جانے پر بھی وہی رہتا ہے مگر تقدیر اس کی تمام پلاننگ پر ہنس رہی تھی اور وہ تقدیر کی اس ظریف ہنسی پر بے خبری کی دنیا میں موج اور مستی میں کھوئی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایقہ نے محبت سے ایاز کو دیکھا تھا اس کا بھی آج آخری پیپر تھا۔ وہ پیپر یاد کر چکی تھی اور اب ایاز سے ضروری باتیں ہی پوچھ رہی تھی جو اس پیپر میں اس کے کام آ سکتی تھیں۔ اس نے ایاز کی محنت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی آسانی سے مشکل امتحان کو پرسکون انداز میں کور کیا تھا۔ اس نے جو ایگزام دیا تھا ایاز بھی اس کی کارکردگی سے مطمئن تھا۔

''سر! آپ کل سے بھی آیا کریں گے؟'' ایقہ کی اداسی بتا رہی تھی کہ وہ ایاز کو ہمیشہ اپنے سامنے ہی دیکھنا چاہتی ہے۔

''مشکل ہے ایقہ!'' ایاز مختصر بولا تو وہ اداس ہو گئی تھی اور سوگواری سے بولی تھی۔

''میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتی ہوں سر!'' اس کا لہجہ ایاز کو بھی متاثر کر گیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پیار اور محبت دیکھ چکا تھا۔ لیکن اب اس نے دیکھا کہ ایقہ کی نظروں میں اس کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے۔ وہ نظریں جھکاتا ہوا بولا۔''

http://kitaabghar.com

''پوچھو..... بلکہ کہو..... کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''سر! اگر کسی کی جدائی برداشت نہ ہو رہی ہو..... تو اس کا کیا علاج ہے؟'' انیقہ کی تشنگی اس کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی تھی اور ایاز کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''جدائی کا علاج تو صرف ملاپ ہے۔''

''اگر سماج کی دیوار درمیان میں ہو اور اوپر سے ظالم سٹیٹس بھی ہو تو پھر کیا حل ہے سر؟'' انیقہ کی تڑپتی ہوئی آواز نے ایاز کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ مگر وہ انیقہ کی طرف سے کسی بھی خوش فہمی کا شکار نہ ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ محتاط رویہ اختیار کرتا ہوا بولا۔

''سٹیٹس اور سماج ظالم نہیں ہوتے بلکہ ان کے رسم و رواج اور جھوٹی انا ہی ظلم و تشدد کو جنم دیتے ہیں۔'' وہ بے اختیار ہو کر ایاز کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔

''تو سر! پھر آپ..... مان کیوں نہیں لیتے کہ میری آنکھوں میں کیا ہے۔ آپ کے لیے میرے جذبات کیا ہیں؟'' وہ بول رہی تھی مگر ایاز کے بدن میں ہزاروں وولٹ کا کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انیقہ نے اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور اگر ادھر انصر یا یسر احمد آنکلیں اور اس کو اس جرم میں مبتلا دیکھ لیں تو یقیناً اس کی ماں کا بے داغ کردار منٹوں میں داغدار ہو جائے گا اور وہ بھی دھتکار دیا جائیگا۔ اس نے آہستگی سے انیقہ سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

''انیقہ پلیز..... میں تمہارا استاد ہوں..... اور کم از کم اس رشتے کا ہی لحاظ کر لو۔''

''آپ کی طرف سے استاد شاگرد کا رشتہ ہوگا سر! مگر میری طرف سے محبت اور سچے پیار کا رشتہ ہے۔ میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔'' انیقہ نے کھل کر اظہار کر دیا تھا۔ ایاز ہونق بنا اس کو دیکھے جا رہا تھا۔

''سر پلیز! میری محبت کا جواب محبت سے دینے کے لیے خود کو تقدس اور احترام کے رشتے میں مت باندھیں۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں..... میں آپ سے محبت کرتی ہوں ایاز.....'' اب تو ایاز کو تھوک نگلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

''انیقہ..... تم پیپر دے لو..... اس موضوع پر پھر بات کریں گے.....'' ایاز نے اس کو ٹالنا چاہا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

''پھر..... پھر کب..... جب انیقہ گھٹ گھٹ کر مر جائیگی..... مجھے اور نہ تڑپاؤ ایاز..... میری محبت کا محبت سے ہی جواب دو..... پلیز۔''

''محبت خیرات نہیں ہوتی انیقہ!'' وہ آہستگی سے بولا تھا اس کو ڈر تھا کہ اس کی باتیں کوئی سن نہ رہا ہو۔

''مگر میں..... میں اپنے دل کو کشکول بنا کر تمہاری محبت کی بھیک مانگتی ہوں۔'' وہ رونے لگی تو ایاز کو صورت حال کا اندازہ ہو رہا تھا اور انصر کے آنے کا بھی وقت ہو گیا تھا۔

''لیکن میرے پاس ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ میں تمہارے دل کے کشکول کو بھر سکوں۔'' ایاز اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ ''ایاز! میں نے کب کہا کہ اس کشکول کو بھر دو..... بس ایک ایسا سکہ ڈال دو جو محبت کی ابتدا ہو اور اس کی لگن کی آواز

http://kitaabghar.com

پر ہی میں زندگی گزار دونگی..... میرا یقین مانو ایاز..... میرا اعتبار کرو....." ایاز نے نیچے جھک کر اس کو بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھایا تو ایقہ کو دنیا جہان کی خوشیاں مل گئیں تھیں۔ وہ مخمور لہجے میں بولی۔

"شکریہ ایاز! شکریہ!" وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایقہ اپنا سر پکڑ کر تکلیف کی شدت سے کراہنے لگی..... ایاز اس کی طرف حیرانگی سے دیکھ رہا تھا..... پہلے وہ چکرا کر گرنے لگی تو سنبھل گئی مگر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑا ہوا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ کافی تکلیف میں ہے اور اس تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایاز کو کچھ بھی سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اتنی دیر میں ایقہ چکراتی ہوئی اس کی بانہوں میں جھول گئی۔ ایاز نے گھبرا کر تانیہ اور بصیر احمد کو پکارنا شروع کر دیا تھا۔ ایک ملازم نے اندر جا کر اطلاع دی تو تانیہ بیگم گھبراتی ہوئی آئیں اور ایقہ کی حالت دیکھ کر مزید گھبرا گئیں انہوں نے چیخ کر ملازم کو ایمبولینس کے لیے کہا تو وہ فون کرنے کے لیے اندر بھاگ گیا۔

چند منٹوں بعد ہی ایمبولینس کے دلدوز ہوٹر سڑکوں پر لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے ایک اور مریض کو ہسپتال تک پہنچنے کے لیے مدد کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

جویریہ نے دیکھا تھا کہ حارث نعمان کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی اور جویریہ شرماتی ہوئی اس سے نظریں چرانے لگی تو حارث نعمان نے اس کو اپنی بانہوں میں بھر کر گود میں اُٹھا لیا تو جویریہ نے شرم سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیں مجھے!"

"اب تو نہیں چھوڑوں گا جان من!" وہ محبت بھری شرارت کرتا ہوا بولا۔ "اب بیڈ سے قدم نیچے نہ اُتارنا۔"

حارث نے اس کو صوفے سے اُٹھا کر اس کو آرام سے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ وہ اس پر کمبل ڈالتا ہوا بولا۔

"تم نے مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے جویریہ!"

"میں نے تو کچھ نہیں کیا..... یہ تو اللہ کی رحمت ہے۔" جویریہ شرماتی ہوئی بولی تو وہ قربان ہوتا ہوا بولا۔

"تم ہو تو اللہ نے رحمت کی ہے نا۔ مجھ پر کیوں نہ کر دی تھی۔" جویریہ اس کی شریر بات سن کر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"بس ہنستے مسکراتے ہی رہنا ہے..... ہمارا پہلا بچہ ہماری طرح ہی ہونا چاہیے۔"

"آپ تو بدمعاش ہیں۔" جویریہ نے اس کی طرف محبت سے دیکھا تو وہ مصنوعی غصے سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بدمعاش! میں نے کیا بدمعاشی کی ہے تمہارے ساتھ۔"

جویریہ نے نظریں جھکا کر اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو حارث نے آگے بڑھ کر کمبل پری پیار سے ہاتھ پھیر دیا اور بولا۔

"یہ بدمعاشی تو میرا حق ہے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بیٹا عطا فرمائے۔" جویریہ بولی تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

http://kitaabghar.com

''اگر اللہ بیٹی بھی دے دے تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے..... مجھے تو خواہش ہے کہ بیٹی ہی ہو۔''

''بیٹا ہوگا۔'' جویریہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''چلیں ٹھیک ہے..... میں تم سے بحث نہیں کرتا..... ایسا کرتے ہیں کہ ہم الٹرا ساؤنڈ کروا کر یہ معلوم نہیں کریں گے کہ بچہ ہے یا بچی! بلکہ اللہ کی رضا پر چھوڑتے ہوئے انتظار کریں گے۔ بولو..... پرامس!'' حارث نعمان نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو جویریہ ''ہم.....'' کہتی ہوئی ہاتھ میں ہاتھ دیتی ہوئی بولی ''پرامس'' تو حارث نعمان نے اس کے ہاتھ چوم لیا اور باہر نکل گیا۔

جویریہ کو عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی اور اس کو اس بات پر بھی سکون محسوس ہوا تھا کہ حارث نے خود اپنے منہ سے بیٹی پیدا ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا وہ اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ وڈیروں اور جاگیرداروں کی طرح اس گھر میں جویریہ سے بیٹا ہی پیدا کرنے کی خواہش کسی بھی بڑے یا چھوٹے نے نہ کی تھی بلکہ جہان آرا بیگم اور نعمان ایزد نے تو اس کے لیے باقاعدہ پارٹی کا اعلان کر دیا تھا لیکن جہان آرا اور حارث کے کہنے پر ان کو اپنا پروگرام کینسل کرنا پڑا کہ ایسی باتوں کو سرعام بتانا مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلی ہی بار جویریہ پر اپنا کرم کر دیا تھا اور یہ اس رحمٰن و رحیم پروردگار کا فضل و کرم تھا۔

مطربہ بھی اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئی تھی کہ وہ بھی بواء بننے والی ہے۔ شمعون کے تو پاؤں ہی زمین پر نہ ٹک رہے تھے وہ اس احساس سے ہی فرحاں و شاداں تھا کہ وہ بھی چاچو کہلوائے گا کوئی اس کو بھی چاچو چاچو کہے گا۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا اور اقصیٰ ان سب کو چھیڑ رہی تھی کہ مجھے بواء بواء کہتے رہتے تھے اب وہ ننھا سا بچہ مطربہ کو بواء اور شمعون کو چاچو پکارے گا تو گھر میں قہقہے اور ننھی قلقاریاں ایک نئی زندگی پیدا کر دیں گی۔

جویریہ ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھ کر خاصی مطمئن تھی۔ اچانک اس کا خیال ایاز کی طرف چلا گیا۔ وہ اُس کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ جویریہ سے محبت کرتا تھا اور اس بات کا اظہار کرنے کے لیے بہت بڑی جرات کا اظہار کیا تھا وہ جویریہ کے کمرے تک پہنچا تھا اور اس کو دلہن بنی کو پھول دیکر اس نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا تھا۔ جویریہ نے وہ پھول چوم کر سونگھ کر اپنی ایک کتاب میں رکھ دیا تھا اس کی وہ تمام کتب ابھی جج صاحب کے گھر میں ہی تھیں جو اس نے پڑھ رکھی تھیں اور انہی کتب میں سے ایک میں پھول بھی رکھا ہوا تھا۔ ایاز مطربہ کو بھی پڑھاتا تھا اس نے مطربہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر استاد اور ایک بھائی ہونے کا یقین اس کو دلایا تھا۔ وہ امریکہ کا بھی استاد تھا ایک لائق فائق آدمی جس کو غریبی نے اس حد تک مجبور کر دیا تھا کہ وہ ٹیوشنز پڑھانے پر بھی خوش تھا اور جسٹس یا نامور سیاستدان کے گھر میں داخل ہو جانا ہی اپنی خوش بختی سمجھتا تھا۔

جویریہ کو اس وقت ایاز انسانیت کی بلند ترین جگہ پر نظر آیا جب جویریہ نے اس کے پس منظر پر نظر دوڑائی کہ وہ ایک ملازمہ کا بیٹا تھا اس نے اپنی ماں کی اس قربانی کا مان رکھا تھا کہ صائمہ بواء نے اپنا زیور بیچ کر اس کو تعلیم دلانا شروع کیا تھا تو اس نے وہ حق ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کی تھی اور وہ اس ادائیگی میں کامیابی سے اپنے زینے طے کرتا جا رہا تھا۔ نہیں تو اکثر ایسا دیکھا گیا تھا کہ اس جیسے نوجوان یونیورسٹیز

http://kitaabghar.com

کے ماحول میں ماں باپ اور بہن بھائی کا تقدس فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ وہ بھی سکول سے کالج اور پھر یونیورسٹیز کی سٹوڈنٹ رہی ہے۔ اس نے بھی دیکھا تھا کہ کس طرح لڑکے سگریٹ نوشی اور شراب نوشی تک کرتے تھے۔ ڈرگز استعمال کرنا تو ایک فیشن بنتا جا رہا تھا۔ اور ایلیٹ کلاس میں تو یہ بُرائی اس نے عام دیکھی تھی۔ لڑکے تو لڑکے اس نے لڑکیوں کو بھی اس لعنت میں مبتلا دیکھا تھا۔ وہ ایک بار تو کانپ کر رہ گئی تھی۔

وہ آہستگی سے بیڈ سے اُتری اور کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی اس نے تھوڑا سا پردہ ہٹایا تو باہر کے سبز لان نے ان کو زیادہ پردہ ہٹانے پر مجبور کر دیا وہ اس طرح بیٹھ گئی کہ پردے نے اسکو کور کر لیا تھا وہ اس کھڑکی سے پورے لان اور سرونٹ کوارٹرز پر نگاہ رکھ سکتی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش نے موسم کو اور بھی خوشگوار کر دیا تھا۔ سبے پر گرنے والی بارش کی بوندیں اس کو بہت ہی بھلی لگ رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ مالی نے لان میں رکھی ہوئی پلاسٹک کی کرسیاں اُٹھا کر چھتری تلے رکھ دی تھیں اور گیٹ پر نگاہ دوڑائی تو سکیورٹی گارڈ اپنے کیبن میں الرٹ بیٹھا ہوا تھا وہ خاصا چوکنا آدمی تھا۔ اس کی نظر دوربین کی طرح گھومتی ہوئی کوارٹرز پر گئی تو وہ چونک کر رہ گئی کیونکہ اس نے اقصیٰ کو سکندر کے کوارٹر میں داخل ہوتے ہوا دیکھا تھا لیکن وہ اس کو اپنی نظر کا دھوکا ہی سمجھی تھی کیونکہ اقصیٰ جیسی نک چڑھی کو اگر اس ملازم سے کوئی کام بھی تھا تو وہ کبھی بھی خود نہ جاتی بلکہ سکندر کو فون پر یا کسی ملازم کے ذریعے بلوا کر یا حکم دے کر وہ کام کروا سکتی تھی۔

جویریہ کو اقصیٰ کی اس حرکت کی سمجھ نہ آئی تھی۔ وہ تمام نظارے بھول کر اپنی نگاہوں کو سکندر کے کوارٹر پر مرکوز کر چکی تھی۔ اس کے کمرے کی بناوٹ ہی ایسی تھی کہ وہ عمارت کے اس حصے میں تعمیر ہوا تھا جہاں سے وہ پورے لان سرونٹ کوارٹرز اور باہر کا ایریا بھی دور تک دیکھ سکتی تھی۔ شاید یہ تمام مناظر حارث کو بھی پسند تھے لیکن اگر آج کا منظر خود حارث بھی دیکھ لیتا تو وہ بھی اقصیٰ کی طرح نہ صرف حیران ہوتا بلکہ پریشان بھی ہو جاتا۔ اقصیٰ کی پریشانی مزید بڑھ گئی جب پندرہ بیس سے زیادہ منٹ کا ٹائم گزر گیا۔ وہ اور بھی حیران ہو سکتی تھی لیکن اس کے موبائل کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا لی۔ اس نے پردہ آگے کر کے موبائل دیکھا تو حارث کی کال آ رہی تھی۔ وہ حیران رہ گئی کیونکہ حارث تو ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی اس کو کمرے میں چھوڑ کر گیا تھا۔

''ہیلو!'' جویریہ نے کہا تو دوسری طرف سے حارث کی آواز اُبھری۔

''جویریہ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس خوش خبری کو انکل اور آنٹی سے ضرور شیئر کرنا چاہیے۔'' حارث کی بات سن کر وہ خوش ہوتی ہوئی بولی۔ ''ضرور کرنا چاہیے۔ ممی کتنی خوش ہونگی۔''

''تو پھر میری جان! تیار ہو جاؤ میں آ رہا ہوں ہم بس دس منٹ تک نکل رہے ہیں۔ ہم ان کی خیریت بھی دریافت کر لیں گے اور ان کو خوش خبری بھی سنا دیں گے۔'' کال منقطع ہو گئی تھی۔ وہ حارث کی اس فرمانبرداری پر بہت ہی خوش لگ رہی تھی کہ اس نے جویریہ کے والدین کو بھی اہمیت دی ہے۔ اس نے جلدی سے چینج کیا اور خود آئینے کے سامنے دیکھنے لگی۔ وہ خود کو سنوارتی ہوئی اس احساس سے سرشار تھی کہ اب کے اس کے وجود میں ایک ننھا وجود بھی موجود تھا جو ابھی ایک لوتھڑے کی صورت میں تھا اس کو انسانی شکل میں ڈھلنے میں ابھی کچھ عرصہ درکار تھا۔ وہ اس خوشگوار احساس کو محسوس کر کے مسکرانے لگی تو حارث نعمان نے دروازہ کھولا اور اس کو دیکھ کر بولا۔

http://kitaabghar.com

''کیوں قتل کرنا چاہتی ہو مجھے۔'' جویریہ اس کی بات پر اتراتی ہوئی بولی۔

''قتل تو آپ نے مجھے کر دیا ہے۔''

حارث نعمان مسکراتا ہوا اس کے پیچھے پ کر کھڑا ہو گیا تو وہ قد آور آئینے میں اس کو دیکھتا ہوا بولا۔

''میں بہت خوش ہوں جویریہ کہ ہم دو نظر آ رہے ہیں..... مگر ہم تین ہیں۔'' وہ مسکراتی ہوئی اس کو بتاتی ہوئی بولی۔

''اس وقت رومانس نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ اٹھ گئی تو حارث نعمان کا بلند قہقہہ سن کر وہ اس کی طرف غصے سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''شی.....'' اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس کو خاموش کروایا تو وہ جھینپتا ہوا خاموش ہو گیا کیونکہ جویریہ نے اس کو اشارہ کیا تھا کہ اب وہ اس طرح قہقہے نہ لگائے بے بی سو رہا ہے۔

چند منٹوں بعد ہی وہ گاڑی میں جسٹس بصیر احمد کے گھر کی جانب جا رہے تھے۔ راستے میں حارث نے سویٹس اور پھل وغیرہ خریدے اور بولا۔ ''ہم خوش خبری دینے جا رہے ہیں خالی ہاتھ گئے تو جج صاحب سزا سنا دیں گے۔''

''پاپا جی ایسے نہیں ہیں۔'' جویریہ اس کے الفاظ ادا کرنے پر مسکرا پڑی تھی۔

''بھئی سچ پوچھو مجھے انکل جج لگتے ہی نہیں ہیں۔'' جویریہ نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولا۔

''شریف، ایماندار اور اپنی ڈیوٹی سے محبت کرنے والے..... واہ کیا بات ہے اللہ نے سسر بھی کیا خوب دیا ہے۔''

''شرم کریں حارث!'' وہ اس کی بیلی میں اپنا گھونسہ مارتی ہوئی بولی تو وہ ''اوئی ماں'' کہتا ہوا ہنسنے لگا۔

''اگر میرے پاپا، شریف اور ایماندار نہ ہوتے تو آپ کو بھی جویریہ بصیر جیسی بیوی نہ ملتی۔'' وہ اتراتی ہوئی بولی تو حارث ہونٹوں کو سیٹی بجانے والے انداز میں سکیڑتا ہوا بولا۔

''جویریہ فرض کرو کہ کوئی میرے گھر میں بیمار ہو اور اس کنڈیشن میں تمہیں ان کی بیماری کا پتہ چلے تو تم کیا کرو گی؟''

حارث یکدم سنجیدہ ہوتا ہوا بولا تو جویریہ نے اس کی طرف حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ نہ کرے کچھ ایسا ہو..... حارث آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

''میں نے کہا ہے کہ فرض کرو یار۔'' وہ گاڑی کو دائیں طرف موڑتے ہوئے بولا تو جویریہ سرسری انداز میں بولی۔

''آف کورس پریشان ہو گی۔''

''لیکن ڈاکٹر نے تمہیں پریشان ہونے سے منع کیا ہے؟'' حارث نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

''میں خود کو پرسکون رکھوں گی اور پھر بیماری تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہی شفا بھی دے دیتا ہے..... لیکن آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟'' وہ اب پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

''ایسا ہے کہ ایقہ کی طبیعت کل سے کچھ خراب ہے؟''

''واٹ؟'' وہ اُچھلنے ہی والی تھی کہ حارث نے ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور اس کو کول رہنے کا اشارہ کیا۔ گاڑی کی ونڈ سکرین پر چلتے ہوئے وائپرز نے سامنے کے منظر کو واضح کیا تو وہ حارث کی طرف دیکھنے لگی تو وہ بولا۔

''اب انیقہ بالکل ٹھیک ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ آج اپنا پیپر دے کر بھی آئی ہوگی۔'' اس کی بات سن کر جویریہ نے ایک طویل سانس خارج کی جو کہ پرسکون تھی۔

''لیکن مما نے مجھے نہیں بتایا حارث؟ کیا انہوں نے آپ کو کال کی تھی؟'' حارث سمجھ سکتا تھا کہ جویریہ کی پریشانی فطری ہے۔ وہ اس کو مزید ری لیکس کرنے کے لیے جان بوجھ کر ایک لمبے راستے پر گاڑی موڑ چکا تھا اس کا مقصد جویریہ کو پرسکون رکھنا تھا۔

''میں نے بتایا نا یار کہ اب انیقہ بالکل ٹھیک ہے اور اپنا پیپر دے کر گھر آئی ہے۔ تم اپنے آپ کو ری لیکس کرو پلیز۔''

''حارث نے دیکھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' مما نے آنٹی کو مبارک دینے کے لیے کال کی تھی۔ ''حارث نے اس کے سوال کا جواب دینا شروع کیا تو وہ آنکھیں کھولتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی جبکہ حارث اس بارش میں اپنی توجہ سامنے سڑک پر مرکوز کیے ہوئے تھے۔

''آنٹی بہت خوش ہوئیں اور سب کی خیریت دریافت کرنے پر آنٹی نے بتایا کہ انیقہ کی طبیعت کل بگڑ گئی تھی اُس کو ہاسپٹل لے کر گئے تو وہ شرارتی لڑکی ایمبولینس میں ہی اُٹھ کر بیٹھ گئی..... ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے اور اس کو فارغ کر دیا۔''

''حارث آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں نا؟'' جویریہ انجان سے خدشے کو مدنظر رکھتی ہوئی بولی تو حارث نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم میرا یقین کر لو۔ کیونکہ خدانخواستہ کوئی پریشانی ہوتی تو کیا میں سوئٹس اور فروٹ لے کر جاتا؟'' حارث کی دلیل مضبوط تھی۔

''یار بات کو سمجھو! آنٹی نے مما سے گڈ نیوز سننے کے بعد تمہیں پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ وہ ماں ہیں انہوں نے تمہیں اس حالت میں بتانا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔''

حارث کی دلیلوں نے جویریہ کو کسی حد تک نہیں بلکہ کافی حد تک مطمئن کر دیا تھا اب وہ کافی ریلیکس نظر آ رہی تھی۔

''انیقہ گھر آ گئی اور آج اپنا پیپر دے کر آئی ہے مطلب کہ وہ شرارتی لڑکی نے ان کو پریشان کرنے کا ڈرامہ رچایا ہوگا۔'' حارث نے مسکراتے ہوئے جویریہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرانے لگی۔

جسٹس بصیر احمد کورٹ سے آ چکے تھے وہ جویریہ اور حارث کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ انہوں نے جویریہ کے ماتھے پر بوسہ دیا تو وہ شرماتی ہوئی جان گئی کہ اس کے باپ کو نانا بننے کی خوش خبری مل چکی ہے اور گھر میں بھی خیریت ہے۔ نانیہ بیگم نے جویریہ کو سینے سے لگایا تو انہوں نے اس کے کان میں کہا۔ ''مبارک ہو۔'' تو جویریہ شرما گئی اور بولی۔ ''امی!'' دونوں ہی ماں بیٹی ہنسنے لگیں۔

''انکل جی کیسے ہیں آپ؟'' حارث کا رویہ بصیر احمد کے ساتھ خستہ نہ ہی رہا تھا اب بھی اس کا لہجہ فرمانبرداری سے بھرپور تھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں تم اپنے باپ کی سناؤ..... اس کا بھی امتحان آ رہا ہے۔'' حارث اس بات کو سمجھ گیا کہ بصیر احمد نے الیکشن کی طرف اشارہ

http://kitaabghar.com

کیا ہے۔ اور بصیر احمد کا رویہ اور لہجہ نعمان ایزد کے لیے وہی تھا جو سمدھی بننے سے پہلے تھا۔ ''جی ڈیڈی بالکل ٹھیک ہیں اور اپنے امتحان کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔'' سبھی مسکرانے لگے تو ایقہ اندر سے آئی اور جویریہ کو دیکھ کر بھاگتی ہوئی اس کے گلے لگ گئی۔ ''آپی تم.....؟''

جویریہ ایقہ کو تندرست دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔ اتنی دیر میں ملازم نے فروٹ اور سوئیٹس لا کر میز پر رکھ دیں تو بصیر احمد حیرت سے بولے۔ ''بیٹا یہ کیا تکلف ہے؟''

''انکل یہ مٹھائی تو بابا جان نے آپ کے لیے اور آنٹی کے لیے بھیجی ہے.....اور فروٹ میں اس شرارتی لڑکی کے لیے لایا ہوں کیونکہ اس کو آپی کے ساتھ آیا ہوا بھائی نظر ہی نہیں آیا۔'' حارث کی بے چارگی پر سبھی کھلکھلا کر ہنس پڑے تو ایقہ شرمندگی محسوس کرتی ہوئی حارث کی طرف بڑھی اور بولی۔

''آئی ایم سوری حارث بھائی! السلام علیکم!'' اس بار حارث کا قہقہہ لگانے کو دل چاہا تو وہ بصیر احمد کا لحاظ کر گیا اور بولا۔ ''انز او کے مائی ڈیئر! ایسا ہو جاتا ہے۔ تم سناؤ کیسی ہو؟''

''بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ کندھے اچکاتی ہوئی بولی تو بصیر احمد مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

''اس نے تو ہمیں پریشان ہی کر دیا تھا.....ڈاکٹرز نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے ہیں وہ کروا لیے ہیں رپورٹس آنے پر پتہ چلے گا کہ کیا پرابلم ہے۔'' جویریہ اور ایقہ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں تو انصر بھی ایوٹی سے آ گیا تھا۔ اس نے خوشگوار موڈ میں حارث سے ہاتھ ملایا اور خیریت دریافت کی اور اسی دوران چائے اور دیگر لوازمات سے سبھی نے لطف اُٹھایا تھا۔ گرم گرم پکوڑے اور پھر صائمہ کے ہاتھ کا مزیدار کھانا۔ حارث تو انگلیاں چاٹتا رہ گیا۔ وہ صائمہ کو دیکھتا ہوا بولا۔

''اگر آپ میری امی ہوتیں تو قسم سے انکل مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ نہ دیتے کبھی بھی۔'' حارث کی اس بات پر جویریہ اور تانیہ بیگم حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تو وہ ہنستا ہوا بولا۔ ''آپ کے ہاتھوں کے مزیدار کھانے کھا کھا کر میں موٹا جو ہو چکا ہوتا۔'' اس کی بات پر سبھی قہقہہ لگانے لگے۔

صائمہ بھی ہنستی ہوئی اندر کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس نے بھی جویریہ کو امید سے ہونے پر مبارک باد دی تھی۔ اب جویریہ نے حارث کی طرف دیکھا جو اجازت طلب نظروں سے جسٹس بصیر احمد کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھ کر بولے۔

''سدا خوش اور آباد رہو۔'' انہوں نے جویریہ کو پیار دیا اور حارث سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولے۔

''اپنے باپ سے کہنا کہ الیکشن قریب آ رہے ہیں..... مجھے ایک ووٹر کی حیثیت دے کر ہی ملنے آ جائے۔'' حارث ہنسنے لگا اور بولا۔ ''جی ضرور انکل! میں آپ کا پیغام دوں گا لیکن آپ بھی تشریف لائیے نا.....کافی دیر ہو گئی ہے آپ نے اور آنٹی نے چکر ہی نہیں لگایا۔''

حارث نعمان خاصا سمجھدار تھا۔ اس نے بہت ہی اچھے الفاظ میں بصیر احمد اور تانیہ بیگم کو اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے ڈالی تھی اور ان

http://kitaabghar.com

الفاظ میں جو اصرار شامل تھا اس میں پیار اور خلوص کی شیرینی کو محسوس کرتے ہوئے بصیر احمد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ ''ضرور ضرور ہم جلدی آئینگے۔''

☆.....☆.....☆

شمعون کو آج موقع مل گیا تھا وہ ریشم کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر لانگ ڈرائیو پر نکل آیا تھا۔ ریشم نے دونوں ہی طرف سے کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا لیکن وہ شمعون کی محبت میں گرفتار ہوتی ہوئی اس کی مسکان اور پیار کی قیدی بن گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آج نعمان ایزد کے اچانک اسلام آباد جانے پر اُس نے شمعون کو آفس میں بلایا تھا اور شمعون نے بڑی خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی آفر کو قبول کیا تھا۔

''مجھے یقین ہی نہیں ہو رہا کہ تم میرے پہلو میں بیٹھی ہو۔'' شمعون ماہر ڈرائیور تھا گاڑی کا اسٹیرنگ اُس کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ ریشم نے محبت سے اس کی طرف دیکھا اور خوش ہوتی ہوئی بولی۔

''یقین تو ایسے احساس کا نام ہے اگر ہو جائے تو پھر نظر نہ آنے والا رب بھی ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔'' شمعون اس کی خوبصورت بات پر مسکرانے لگا۔ گاڑی شہر سے دور بھاگی جا رہی تھی۔ ریشم کو بہت اچھا لگ رہا تھا کہ شمعون اس سے پیار کرتا ہے اور اس کی نگاہوں میں جو تقدس تھا وہ ریشم کو اپنے گناہگار ہونے کا احساس دلا کر ضمیر کو چوکے لگا رہا تھا۔ مگر وہ کبھی بھی اس پوزیشن میں خود کو محسوس نہ کر رہی تھی کہ وہ ایک دن شمعون کو سب کچھ بتا دے گی۔ لیکن وہ خود ہی جانتی تھی کہ وہ دن اس کی زندگی میں جب بھی آئے گا شمعون اس کی زندگی سے نکل جائے گا اور وہ کبھی بھی نہیں چاہے گی کہ اس کی زندگی محض بستر کی اُس چادر کی مانند رہ جائے جو گندی ہونے پر فوراً تبدیل کرنا پڑتی ہے ورنہ اس میں تعفن پھیل جاتا ہے اور اس چادر کو کوئی بھی اوڑھنے پر رضامند نہیں ہوتا۔

وہ بھی ہر انسان کی طرح ہی سوچتی تھی جس کو اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی چاہنے والا ضرور ملنا چاہیے۔ وہ شمعون کی محبت کو پا کر بہت خوش تھی اور وہ اُس سے ہمیشہ ہی محبت کرتی رہے گی۔ اس کو اپنی اُس زندگی کی جھلک کبھی بھی نہ دیکھنے دے گی جس زندگی پر گناہوں نے اپنا جال پھینک کر اس کو اپنا قیدی بنا لیا ہے۔

''باتیں تو تم اچھی کرتی ہو۔'' شمعون نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ ایک خاص اداسی سے بولی۔

''کاش کہ میری باتوں کی عزت اور قدر کی جاتی۔''

''کیا کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ ہے؟'' وہ مسکراتا ہوا بولا تھا۔

''نہیں شمعون! میری زندگی تو خود ایسی کتاب ہے جس کا ہر ورق بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔'' وہ کربناک مسکان میں اپنے درد کو چھپاتی ہوئی بولی۔ ''پڑھنے والے کو بڑی احتیاط اور نازک جذبوں کے احساس سے مزین ہو کر کھولنا پڑے گی۔''

''میں تمہاری محبت اور خلوص کی کہانی کو نئے انداز میں پڑھنا چاہتا ہوں ریشم۔'' شمعون نے گاڑی ایک بہترین پارک کی پارکنگ میں کھڑی کر دی اور خود باہر نکل کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ریشم کو اترنے کا کہا تو وہ مسکراتی ہوئی۔

http://kitaabghar.com

''تھینکیو!'' کہتی ہوئی اتر آئی۔ ریشم اور شمعون پارک میں بنے ہوئے ایک لکڑی کے بنچ پر جا کر بیٹھ گئے۔

دوپہر بارہ بجے کا وقت تھا اس لیے اِکا دوکا لوگ ہی پارک میں گھوم پھر رہے تھے۔ کئی جوڑے بھی تھے اور کئی ایسے جوڑے بھی تھے جو ابھی تک جڑے بھی نہ تھے۔

''میں تمہاری محبت کی قدر کرتی ہوں شمعون!'' ریشم نے کہا تو اس نے ریشم کی طرف پیار سے دیکھا اور اس کی آنکھوں کے راستے دل میں اُترتا ہوا بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو؟'' ریشم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''شمعون! مجھے زندگی میں کبھی تنہا تو نہ چھوڑ دو گے؟'' ریشم کے اندر کا خوف باہر نکل کر زبان سے ادا ہوا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ ''میں نے تم سے پہلے ہی دن سے محبت کی ہے ریشم! میں مانتا ہوں کہ میری محبت کی عمر ابھی کچی ہے مگر میرے ارادے اور مستقل مزاجی نے مجھے ایسا بنا دیا ہے کہ میں نے تمہاری محبت میں کتنی ہی صدیاں گزار دی ہیں۔'' ریشم کو وہ یکدم اور بھی اتنا پیارا لگا تھا کہ اس نے شمعون کے کندھے پر اپنا سر ٹکا لیا اور اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ ''مجھے اپنی محبت کی مریدنی بنا لو۔''

''کیوں مجھے گنہگار کر رہی ہو ریشم!''

''گنہگار تو میں ہوں جو اپنی اوقات بھول کر اتنی اونچی جگہ پر دل لگانے کی جسارت کر بیٹھی ہوں۔'' ریشم کو اپنے جرم یاد آ رہے تھے وہ آنکھوں میں آنے والی نمی پر قابو پانے کی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔

''میں کوئی محبت کا پیر تو نہیں ہوں۔'' وہ شرارت سے بولا تو ریشم آہستگی سے بولی۔

''لیکن مجھے تو تمہارے اندر رب دکھائی دیتا ہے۔''

''مانا کہ محبت اور عشق عبادت کا درجہ پا لیتے ہیں مگر میں تو وہ گنہگار ہوں جس نے کبھی خدا کی عبادت میں ایک بھی سجدہ اس کو نہیں کیا۔'' شمعون نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے اوپر کیا تو اس کو ریشم کی آنکھوں میں اداسی دکھائی دی وہ تڑپ کر رہ گیا اور پوچھنے لگا۔ ''کیا بات ہے ریشم! کچھ تو بتاؤ..... مجھے کیوں لگتا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں میرے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے لیکن اس کی لہریں ساحل تک آنے سے کیوں گھبراتی ہیں؟''

''شمعون! میری محبت کی بے کراں لہروں کے آگے سٹیلس کی ایک مضبوط اور بڑی سی دیوار حائل ہے۔ جو ان لہروں کو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ میری محبت ان دیواروں سے اپنا سر ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہونے کو ہے۔ مجھے بچا لو شمعون! مجھے بکھرنے سے، ٹوٹنے سے اور ریزہ ریزہ ہونے سے بچا لو۔'' اب وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔ شمعون نے اس کے آنسو پونچھنے کے لیے اپنے ہونٹوں کا سہارا لیا اور اس کے گرم آنسوؤں کو اپنے نرم ہونٹوں میں جذب کرتا ہوا بولا۔

''جو بھی ڈر اور خوف ہے اس کو باہر نکال دو ریشم! میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب، کل اور ہمیشہ کے لیے تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' ریشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہاں پیار اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن نظر آیا۔ وہ ایک بار پھر اس

http://kitaabghar.com

کے کندھے پر سر ٹکاتی ہوئی بولی۔

''شکریہ شمعون! مجھے محبت کی یہی سند چاہیے تھی جو تمہاری آنکھوں نے میرے دل پر لگا دی ہے۔''

شمعون مسکرا کر اس کا ہاتھ سہلانے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

سکندر کو نعمان ایزد خود ہی اپنے ساتھ نہ لے کر گئے تھے کیونکہ ابھی وہ گاڑی بھی ٹھیک طرح سے نہ چلا سکتا تھا اور اس کو کچھ سکون و آرام کی بھی ضرورت تھی یا پھر نعمان ایزد اس کو بالکل فٹ فاٹ دیکھنے کے لیے الیکشن تک آرام دینا چاہتے تھے تاکہ وہ الیکشن کے دنوں میں اس کا ایک موثر ہتھیار اور جیالا بن کر اس کی راہوں میں بکھرنے والے پتھروں کو چن سکے۔ اسلام آباد میں تین دن کا کام تھا اور سکندر کے لیے یہی موقع تھا کہ وہ اپنا ایک کام ایسا پورا کر سکتا تھا جس کی تکمیل کے لیے اس نے اپنے کندھے میں گولی کھائی تھی۔

وہ گھر سے چیک اپ کروانے کا کہہ کر نکلا تھا۔ سیکیورٹی گارڈز اور دیگر ملازمین کو اس بات کا علم تھا کہ سکندر ہسپتال جاتا ہی رہتا ہے اور اکثر اوقات اس کا چیک اپ شام کے اوقات میں ہی خصوصی ڈاکٹرز کیا کرتے تھے۔ اور وہ اب صحت یاب بھی ہو رہا تھا۔ اس نے جبار کی طرف دیکھا جو کہ جیل کے دنوں میں اس کا بہترین ساتھی تھا اور گزشتہ دنوں میں نعمان ایزد پر قاتلانہ حملے میں اسی کی کارکردگی شامل تھی۔

نعمان ایزد کو خود فرد کر کے اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے سکندر نے اپنی زندگی کا بہت بڑا جوا کھیلا تھا۔ اُس نے جبار کو کافی رقم دے کر راضی کیا تھا۔ جبار نے جن آدمیوں کے ساتھ وہ واردات کی تھی ان سب کی گنیں اور ریوالور گولیوں سے خالی تھے گولی صرف جبار نے ہی چلائی تھی اور اس احتیاط سے چلائی تھی کہ کوئی بھی گولی نعمان ایزد کو نہ چھو سکے اور ان کے گارڈز کی فائرنگ سے جبار وغیرہ کو سکندر نے بچانا تھا۔

عین موقع پر تمام کام سکندر اور جبار کی توقع کے خلاف ہونے لگا تھا کہ جبار نے ایک گولی پیچھے بیٹھے ہوئے ایک گارڈ کے دماغ میں دے ماری اور دوسری گولی بالکل پاس سے گزرتے ہوئے سکندر کے بازو میں مارنا چاہی تو سکندر نے گاڑی گھما دی تاکہ پیچھے بیٹھے ہوئے سیکیورٹی گارڈز جبار وغیرہ کو نشانہ بھی بنانا چاہیں تو ان کے نشانے غلط ہو جائیں اور اسی اینگل پر گاڑی گھومنے کی وجہ سے گولی سکندر کے بازو کی بجائے کندھے میں پیوست ہو گئی۔ اور پلاننگ کے مطابق جبار وغیرہ گاڑی کو بھگاتے ہوئے ویرانے میں نکل کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ اور نعمان ایزد کی جان بچانے کا سہرا سکندر کے سر سج گیا تھا اور سکندر نے نعمان ایزد کا اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا اتنی بڑی پلاننگ میں صائمہ بھی برابر کی شریک تھی اور وہ سکندر کی جان بچ جانے پر لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی کیونکہ ابھی بہت سے کام اس نے سکندر کے ساتھ مل کر پایہ تکمیل پہنچانے تھے۔ اور آج جس کام کے لیے سکندر جبار کے ساتھ نکلا تھا وہ پوری مخبری اور تسلی کرنے کے بعد ہی نکلا تھا۔

جبار گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور سکندر اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔

''اگر گولی گردن میں لگ جاتی تو.....؟'' سکندر نے جبار سے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''تو جبار اپنے ہاتھ کٹوا دیتا سکندر..... بڑے بڑے کرمنلز کو ٹھیک نشانہ لگا کر مقابلے میں پار کروانے کا کام پولیس یونہی مجھ سے

http://kitaabghar.com

نہیں لیتی رہی۔'' دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''آج کی پوزیشن کیا ہے؟'' سکندر نے جبار سے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔

''وہ ٹھیک آٹھ بجے مسجد سے نکلے گا اور ہم تب تک وہاں پہنچ جائیں گے اور اپنا کام بھی آسانی سے کر لیں گے اور پھر واپسی تمہارا چیک اَپ بھی ہوگا۔'' جبار نے تمام تفصیل بتائی تو وہ آنکھوں میں نفرت بھرتا ہوا بولا۔

''سمیع اللہ! میرا دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں لیکن تم اس قابل نہیں رہے ہو کہ تمہیں تڑپا تڑپا کر مارا جائے..... بلکہ میں تمہیں ایسا کر دوں گا کہ تم تڑپ تڑپ کر زندگی سے موت مانگو گے مگر موت تم پر مہربان نہیں ہوگی۔'' سکندر کا خطرناک روپ جبار کے لیے نیا نہ تھا لیکن ایک بہت بڑا کام کرنے جانے کے لیے وہ سکندر کے اس روپ کو دیکھ کر ایک بار تو کانپ کر رہ گیا تھا۔

جبار گاڑی دوڑاتا ہوا وقت سے دس منٹ پہلے ہی گاؤں پہنچ چکا تھا۔ سکندر کی طبیعت میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ رات کے آٹھ بجنے والے تھے ان کا شکار نعمان ایزد کا باپ سمیع اللہ مسجد سے نکلنے والا تھا سکندر نے ہاتھ میں کلاشنکوف پکڑی اور چہرے پر نقاب چڑھا لیا اس کی آنکھیں اور ہونٹ ہی نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنا کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ جبار نے گاڑی ایک درخت کے نیچے اس طرح روکی تھی کہ واپسی پر ان کو گاڑی بھگانے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اب گاؤں کافی بدل چکا تھا سکندر نے اس گاؤں میں اپنا بچپن اور جوانی گزارنے کا خواب دیکھا تھا لیکن اس خواب کو سمیع اللہ کے ظلم نے چکنا چور کر دیا تھا بلکہ اس کی بنیادیں ہی چھیننے کی کوشش کی تھی۔

اس کو وہ خوفناک مناظر یاد آنے لگے آج وہ جس درخت کے نیچے وہ اپنی گاڑی کھڑی کر کے سمیع اللہ کا انتظار کر رہا تھا کبھی اسی درخت کے ساتھ اس کو باندھ کر اُلٹا لٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے ننگے بدن پر سمیع اللہ سگریٹ لگایا کرتا تھا۔ اس کی چیخیں سن کر گاؤں والے قہقہے لگایا کرتے تھے۔

سکندر چیختے ہوئے بھی کہا کرتا تھا کہ چوہدری صاحب ایک دن اسی درخت کے نیچے تمہاری لاش کو کتے کھا رہے ہوں گے۔ اس کی دلدوز چیخوں پر صرف اس کی بہن صائمہ ہی رویا اور بلکا ہوا کرتی تھی۔ باقی پورا گاؤں ہی ان کا اپنا تھا سب لوگ قہقہوں کی برسات میں سکندر کے بے ہوش ہونے اور ہوش میں آنے کا تماشہ دیکھا کرتے تھے۔

وہ جبار کی آواز پر چونک کر ماضی سے باہر نکلتا ہوا سامنے دیکھنے لگا تھا۔ سمیع اللہ قابل رشک صحت کا مالک تھا اس نے سفید قمیص اور ڈبی دار تہبند باندھی ہوئی تھی۔ وہ مسجد سے باہر نکل رہا تھا چند نمازی بھی اس کے ساتھ تھے سکندر کی ان کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی اس نے پاس جا کر اندھیرے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہوائی فائرنگ کی تو سب کے سب تتر بتر ہو گئے۔ سمیع اللہ کو بھی بھاگتے ہوئے اس نے ٹانگوں پر برسٹ مار کر گرایا اور پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا تھا۔ جبار نے گاڑی سٹارٹ کر لی تھی۔

سکندر نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر سمیع اللہ کی خوفناک آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے مزید خوفزدہ کرتے ہوئے اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں سکندر ہوں، صائمہ کا بھائی سکندر۔'' یہ کہہ کر اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے خوفزدہ سمیع

http://kitaabghar.com

اللہ پر گولیوں کی بارش کر دی تھی۔ وہ تر پتا رہا اور سکندر کو اس پر رحم نہ آیا تھا۔ وہ اپنا کام مکمل کر کے ایک بار پھر ہوائی فائرنگ کرتا ہوا خوف و ہراس کو مزید بڑھاتا ہوا بھاگ کر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی گاؤں سے باہر جانے والے راستے پر دوڑتی ہوئی اڑن چھو ہو گئی۔ سمیع اللہ نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی تھی۔ خوفزدہ لوگ آہستہ آہستہ اس کی لاش کے پاس جمع ہونے لگے تھے۔ فائرنگ کی آواز سن کر گاؤں کے لوگوں نے مسجد کا رخ کیا تھا۔ آن ہی آن میں پورا گاؤں سمیع اللہ کی لاش کے گرد جمع ہو چکا تھا۔ اور اس کی موت کی خبر پورے ملک میں پھیلنے میں تیس سے چالیس منٹ لگے تھے اور اس دوران سکندر ہسپتال پہنچ چکا تھا اور وہ ڈاکٹر کے پاس اپنا معائنہ کروا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

صائمہ نے ٹی وی پر سمیع اللہ کے قتل کی بریکنگ نیوز سنی تو اس کو انجانی سی خوشی ہوئی تھی۔ وہ سکندر کی کامیابی پر عش عش کر رہی تھی۔ جبکہ ایاز اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو افسوس کر رہا تھا کہ پہلے نعمان ایزد پر حملہ ہوا تھا اب ان کے والد کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ میڈیا والے گاؤں کے بیان سنا رہے تھے۔ ہر نئے بیان میں کوئی نہ کوئی اختلافی بات موجود تھی۔ صائمہ نے ایاز کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تمہیں جانا چاہیے ایاز!'' ایاز اس کی طرف حیران ہو کر دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے کیوں امی!''

''وہ شمعون کا دادا جی تھا اور شمعون تمہارا کلاس فیلو بھی تو ہے۔ اور پھر تم نے نعمان ایزد کی بیٹی کو ایک استاد بن کر تعلیم بھی تو دی ہے۔'' صائمہ کے سمجھانے پر وہ تائیدی انداز میں سر ہلانے لگا اور بولا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں صبح جنازہ میں ضرور شرکت کروں گا۔''

میڈیا نے نعمان ایزد کو ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا ان کے تاثرات اور خیالات پوچھنے کے لیے میڈیا کو ان کی اسلام آباد سے آمد کا انتظار تھا۔

صائمہ اس خبر کو پوری طرح سن چکی اور مرحوم کی تصویر بار بار دیکھ چکی تو دل ہی دل میں بولی۔

''یہ تو تمہارے ساتھ سکندر نے رعایت ہی کر دی سمیع اللہ..... اس کو تمہیں صرف ٹانگوں سے ہی مفلوج کرنا چاہیے تھا کہ تم باقی زندگی تنہائی کی حالت میں گزارتے۔''

اس کے دل کی آواز اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ریشم نے بھی یہ خبر ٹی وی پر سنی تو اس نے بھی افسوس کا اظہار کیا تھا۔

''اگلی صبح ایاز گاؤں پہنچ گیا تھا۔ وہ نعمان ایزد سے ملا تھا۔ پھر شمعون اور حارث سے بھی افسوس کیا تھا۔ جنازہ میں ناموملکی سیاستدانوں نے شرکت کی تھی۔ پولیس کی سکیورٹی نے جنازہ گاہ کو حصار میں لے رکھا تھا مبادا کہ کوئی اور قاتل اپنا کام نہ کر جائے لیکن پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اس بات سے بے خبر تھے کہ قاتل پہلی ہی صف میں کھڑا جنازہ پڑھ رہا تھا۔ اس نے بھی جنازہ سے پہلے اور بعد میں لوگوں کے تاثرات سنے تھے کسی نے بھی قاتل کو نہ دیکھا تھا کیونکہ اندھیرا ابھی تھا اور قاتل کے منہ پر نقاب بھی چڑھا ہوا تھا۔''

http://kitaabghar.com

فون کی بیل سن کر شمعون نے نمبر دیکھا تو ریشم کی کال آ رہی تھی وہ لوگوں سے نکل کر اندر حویلی میں بڑھ گیا اور ریشم سے بات کرنے لگا۔ ریشم نے گہرے دکھ اور صدمے کا اظہار کیا تھا۔ شمعون کو تسلی دی اور صبر کرنے کی تلقین کی تھی۔ شمعون نے بات ختم کر کے موبائل بند کیا اور گھوما تو اپنے پیچھے کھڑے ایاز کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''مجھے اجازت دو شمعون!'' شمعون نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تم ٹھہرو میں معلوم کرتا ہوں کہ اگر کوئی شہر جانے والا ہے تو تمہیں اس کے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔''

ایاز نے بہتیرا کہا کہ وہ چلا جائیگا لیکن شمعون اس کو وہاں کمرے میں بٹھا کر خود باہر نکل گیا۔

ایاز کو یکدم کسی بچے کے بلک بلک کر رونے کی آواز سنائی دی تو وہ چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ لیکن اس کو بچے کے رونے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ پھر اس آواز میں ایک بچی کی آواز بھی شامل ہو گئی جو سسکیوں میں رو رہی تھی۔ اور پھر ایک عورت کی دلدوز چیخ نے اس کو اس کمرے سے باہر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایسا اس کے ساتھ دوسری بار ہوا تھا ایک بار پہلے وہ جب شمعون کے ساتھ اقصیٰ کو لینے آیا تھا تو اس کمرے میں مہمان کے طور پر بیٹھا تھا اور آج وہ شمعون سے اجازت لینے کے لیے اس کے پیچھے ہی اس کمرے میں چلا آیا تھا اور شمعون اس کو وہاں کھڑا کر کے گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ پھر وہی معاملہ ہو رہا تھا۔ وہ ان چیخوں سے خوفزدہ ہو رہا تھا اس کا خیال تھا کہ حویلی میں کوئی بچے اور عورتیں فوتگی پر رو رہے ہونگے لیکن یہ آوازیں اس کو ایسے محسوس ہوتی تھیں کہ اس کے کانوں میں گونج رہی ہوں۔ وہ بہت ڈر گیا تھا۔ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا اور فلموں میں بھی دیکھا تھا کہ ایسی حویلیوں میں آسیب کا بسیرا ہوتا تھا۔

اس کو یہ حویلی بھی آسیب زدہ لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ صائمہ کو اس بات کا لازمی بتائے گا۔ اتنی دیر میں شمعون نے اس کو دور سے اشارہ کیا اور وہ اس کے پاس چلا آیا تو ایک بزنس مین واپس شہر جا رہا تھا شمعون نے اس کے ساتھ ایاز کو جانے کا کہا تو وہ پھر شمعون کو صبر اور دلاسہ دیتا ہوا اس بزنس مین کی گاڑی میں بیٹھا اور شہر کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں ابھی تک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو نہ پا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کلمہ طیبہ کا ورد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ بزنس مین انجان آدمیوں سے کوئی بھی بات شیئر کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس کو شہر تک کوئی بھی ڈسٹرب نہ کر سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

پورے شہر میں انصر کی واہ واہ ہو رہی تھی۔ اُس نے کامیاب چھاپہ مار کر پچاس لاکھ کے انعام والا اشتہاری پکڑا تھا۔ وہ فائرنگ کی پروا کیے بغیر ہی اشتہاریوں کے اڈے میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے اہلکاروں اور اس کے ماتحتوں کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔ اس خطرناک مجرم نے شہر بھر میں خوف اور دہشت کی فضا قائم کر رکھی تھی۔ انصر کو بہت دنوں سے اس کے مخبر اطلاعات دے رہے تھے لیکن وہ مناسب منصوبہ بندی کے تحت اُس پر ایک بھرپور وار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے آخری وقت تک اپنے ماتحتوں کو اس

http://kitaabghar.com

خطرناک جان لیوا چھاپے سے بے خبر رکھا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس محکمے میں کالی وردی کے پیچھے چند ضمیر فروش کالی بھیڑیں بھی چھپی ہوئی ہیں جنہوں نے اس محکمے کی کارکردگی کو بٹہ لگایا ہوا تھا۔

اشہاری کو وہ سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لا رہا تھا۔ بہت سا اسلحہ اور لوٹ مار کا کافی قیمتی سامان بھی برآمد ہوا تھا۔ یہ انصر کی بہت بڑی جیت تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ٹی وی پر نیوز چینل دیکھ رہا تھا کہ اس کے موبائل پر بیل ہونے لگی۔ اس نے دیکھا تو انجان نمبر تھا لیکن وہ جس ڈیوٹی پر تعینات تھا اس کو کال سننا ضروری تھا۔

''السلام علیکم! ایس پی انصر بصیر احمد بات کر رہا ہوں۔''

''مبارک ہو'' دوسری طرف سے نسوانی آواز نے مترنم لہجے میں کہا تو وہ پہلی ہی بار میں مطربہ کی آواز پہچان گیا تھا۔

''شکریہ!'' وہ مختصر ابولا۔

''اب ٹریٹ کب دے رہیں آپ؟'' مطربہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرانے لگا اور بولا۔

''جب تم کہو۔''

''ابھی آجاؤں؟'' مطربہ نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ مخمور انداز میں آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔

''میرے دل کے دروازے اور کھڑکیاں ہر وقت تمہارے لیے کھلے ہیں۔''

دوسری طرف سے مطربہ کا مترنم قہقہہ اس کی سماعتوں میں رس گھولنے لگا تھا۔

''کل آجاؤ۔ اسی کافی شاپ پر۔'' انصر نے کہا تو وہ اترا کر بولی۔

''صرف کافی پر ہی ٹرخانے کا ارادہ ہے کیا؟''

''نہیں..... وہ جگہ تو صرف تمہیں دیکھنے کا ایک بہانہ ہوگی۔''

''وہ کیوں.....؟ مجھے دیکھ کر کیا کریں گے آپ؟'' وہ بولی تو تھی لیکن ایس پی انصر کو معلوم تھا کہ اس نے اپنے نرم ہونٹوں کو نازک سے پھولوں جیسے ہونٹوں کو کلیوں جیسے دانتوں سے دبایا ضرور ہوگا۔

''اپنے دل کے نہال خانوں میں آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اور پھر تمہیں اس طرح قید کرنا چاہتا ہوں کہ تم کبھی بھی نکلنے کی کوشش نہ کرو۔''

''اوئے ہوئے؟'' وہ اُردو پنجابی کس کر کے بولی تو انصر کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ پھر بولی۔ ''میں وجہ پوچھ سکتی ہوں کہ جناب آج اتنے رومانٹک کیوں ہو رہے ہیں؟''

''تم آؤ گی تو بتاؤں گا، تمہیں سامنے بٹھا کر گھنٹوں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' انصر نے کہا تو وہ بولی۔

''اگر میں نہ آؤں تو.....؟'' اس کے لہجے میں شرارت بھی تھی اور یہ بھی عنصر نمایاں تھا کہ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ انصر اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ ''ذرا پھر سے کہو..... کیا کہا تھا؟'' انصر کا لہجہ محبت بھرا ہی تھا۔

http://kitaabghar.com

''اگر میں نہ آؤں تو.....؟'' وہ اپنی بات کو پہلے جیسے ہی انداز اور لب و لہجے میں دہراتی ہوئی بولی۔

''تو پھر پنچ کر رہنا! ایس پی انصر تمہیں اُٹھانے کے لیے تمہارے گھر میں آ رہا ہے۔''

یہ فقرہ سننے کے لیے تو مطربہ بے چین تھی۔ لیکن وہ بات کو آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

''یہ نعمان ایزد کا گھر ہے..... سو بار اجازت لینا پڑے گی ایس پی کو۔''

''لیکن تم میری مجرم ہو..... تم نے میرا دل چرایا ہے..... مجھے چور کو پکڑنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہی شکایت تو مجھے بھی ہے..... ذرا یہ بتائیں میں اپنی ایف آئی آر کس کو درج کرواؤں؟''

انصر بھی شرارت سے مسکراتا ہوا بولا۔ ''نامور ایم این اے نعمان ایزد سے میری کمپلین کر دو۔''

''نہیں تم کمپلین سے ہاتھ آنے والے نہیں ہو.....'' وہ اب بے تکلفی کی ایک اور سیڑھی پر پاؤں رکھ چکی تھی۔ ''آپ تم پر آ گئی تھی۔ ''میں ڈائریکٹ ہی تم پر کیس کرنے لگی ہوں اور میرا مقدمہ اس ملک کے نامور جسٹس جناب بصیر احمد کی عدالت میں چلے گا۔''

انصر احمد اس کی بات سن کر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا اور بولا۔

''ہاں بھئی اس سلسلے میں تمہارے ووٹ زیادہ ہیں اور میرا کیس کمزور ہے۔ لیکن میں اپنے چور کو کبھی معاف نہیں کرتا۔'' وہ بھی مسکراتی ہوئی بولی۔

''کیوں ایس پی صاحب! خاموش ہو گئے نا..... میری پہنچ بہت اوپر تک ہے۔''

''مان لیا بابا مان لیا..... اب یہ بتاؤ کہ کب آ رہی ہو کافی شاپ میں۔'' انصر کو بے چینی سے اس کا انتظار تھا۔

''کل..... ٹائم آپ بتاؤ۔'' وہ پھر آپ بولی تھی۔

''تو پھر لنچ ٹائم میں تمہیں اس کافی شاپ سے پک کروں گا اور اچھے سے ریستوران میں اچھا سا لنچ میری طرف سے اور بعد میں کافی تمہاری طرف سے۔''

''کافی میری طرف سے کیوں؟'' وہ مسکرا کر بولی تو انصر کو بھی شرارت سوجھی۔

''میں نے سنا ہے جس ایس پی کو مطربہ نعمان نے دل دیا ہے اس نے کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس خوشی میں تمہاری طرف بھی تو ٹریٹ بنتی ہے نا یار!'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''بندی حاضر ہے حضور..... آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی سرکار۔'' انصر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ رابطہ منقطع ہوا تو وہ موبائل کو چومتا ہوا پھر ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ دوسری بار ہوا تھا کہ اقصیٰ کو جویریہ نے سکندر کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جویریہ کی طبیعت میں بے چینی تھی اور وہ رات

کے دو بجے حارث کی طرف دیکھتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔ حارث گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ اُٹھ کر اپنی اسی جگہ پر بیٹھ گئی جہاں سے وہ پورے لان پر نظر رکھ سکتی تھی۔ اس نے اقصیٰ کو سکندر کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ چونک کر رہ گئی تھی۔ دن کے اجالے میں وہ سمجھی تھی کہ اقصیٰ کو کوئی کام ہوگا لیکن رات کے اس پہر اقصیٰ کو کون سا کام ہو سکتا تھا اور وہ بھی ایک ملازم سے.....؟ اس بات نے جویریہ کو پریشان اور حیران کر دیا تھا۔

اس نے پہلے تو فیصلہ کیا کہ وہ حارث کو اسی بات سے آگاہ کرے لیکن پھر وہ یہ سوچ کر اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو گئی کہ وہ پہلے اقصیٰ سے اس بات کو کنفرم کرے کہ معاملہ کیا ہے۔

جیسے تیسے کر کے جویریہ نے رات گزاری اور وہ صبح دیر سے جاگی تھی۔ حارث نے اس کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اُس نے ناشتہ کیا اور اپنے کمرے کی بجائے دھوپ میں بیٹھنے کے لیے لان میں آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا ایک بڑا سا مگ تھا۔ وہ چلتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ دھوپ کی تمازت نے اس کے بدن کو حرارت پہنچا کر سکون بخشنا شروع کر دیا تھا اس نے چائے کو گھونٹ گھونٹ پینا شروع کر دیا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اقصیٰ بھی ابھی ہی جاگی تھی وہ بھی چلتی ہوئی جویریہ کے پاس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی تو اقصیٰ نے اس کی خیریت دریافت کی تو جویریہ خوش اخلاقی سے اس کا جواب دیا۔ جویریہ نے محسوس کیا تھا کہ جب سے سمیع اللہ کی وفات ہوئی ہے تب سے اقصیٰ کچھ بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔

''مجھے آپ کے ابو کی وفات کا بہت افسوس ہے۔'' جویریہ نے بات شروع کی تو اقصیٰ سوگواری سے تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولی۔ ''مرنا تو ہر ایک نے ہے..... لیکن اس طرح جانے کا تصور بھی نہ کیا تھا ہم نے کبھی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ اقصیٰ نے بہت بڑی قربانی دینے کے بعد آج یہ مقام پایا تھا اس میں بڑی پلاننگ سمیع اللہ کی تھی اور روپیہ نعمان ایزد کا تھا۔

''اچھے اور مخلص سہارے جب چھوٹ جائیں تو ان کا نعم البدل پانے کے لیے انسان کو جلد بازی نہیں کرنی چاہیے'' جویریہ کی بات سن کر اقصیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور استفہامیہ انداز میں بولی۔

''میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی جویریہ!'' اُس کے لہجے کی چبھن جویریہ کھنا ط رویہ اپنانے پر مجبور کر گئی۔

''اب اگر تمہاری شادی کرنی ہو تو انکل نعمان کو تمہارے لیے وہ لڑکا دیکھنا چاہیے جو تمہیں چاہتا ہو۔''

''مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں ہے۔'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''اگر تمہاری نظر میں کوئی ہو تو..... مجھ سے شیئر کرنا چاہو گی؟ ایک دوست بن کر۔'' جویریہ اس کو ایک محتاط انداز سے چیک کر رہی تھی۔ مگر اقصیٰ کو پیشانی پر بل پڑتے دیکھ کر وہ مسکرا کر بولی۔

''تم اس سوال سے ناراض لگتی ہو تو کوئی بات نہیں..... ہم پھر بات کر لیں گے۔''

''اس موضوع پر بات نہیں کریں گے ہم۔'' اقصیٰ نے کہا تو جویریہ مسکراتی ہوئی اس کی ناراضگی کو ختم کرتے ہوئے بولی۔

http://kitaabghar.com

''ٹھیک ہے نہیں کریں گے۔'' وہ دونوں ہی خاموشی سے چائے پینے لگیں تو جہان آرا بیگم کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اقصیٰ وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب لگ رہی تھی۔

''السلام علیکم آنٹی!'' جہان آرا اس کے پاس پہنچی تو جویریہ نے کہا تو جہان آرا بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھنے لگیں۔ ''کیسی طبیعت ہے؟ زیادہ اُلٹی تو نہیں محسوس ہوتی؟''

''نہیں آنٹی بس ٹھیک ہی ہے۔''

''احتیاط ہی کرنا۔ اس گھر میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے..... نعمان کو تو بہت خواہش ہے کہ بس جلدی جلدی یہ وقت گزر جائے اور وہ اپنی گود میں اپنے پوتے کو کھلائیں۔'' جویریہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی۔ ''پوتا؟''

''آنٹی؟ حارث کہہ رہے تھے کہ ان کو بیٹی کی چاہت ہے۔'' جویریہ نے اندر کا خوف باہر نکالا تو جہان آرا بیگم اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔ ''یہ تو اللہ کی دین ہے جویریہ! بیٹی ہو یا بیٹا..... ہم کوئی اُس کے شریک تھوڑی بن سکتے ہیں۔''

جویریہ کے چہرے پر خوشی کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ وہ تشکر آمیز نظروں سے اوپر نیلے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ جویریہ نے دیکھا کہ اقصیٰ گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہی تھی۔ وہ جہان آرا بیگم سے بہانہ کر کے اٹھی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اقصیٰ کے کمرے کی تلاشی لینے کا پروگرام بنایا تھا۔ اُس کے ذہن سے یہ بات نہ جا رہی تھی کہ اقصیٰ رات کے دو بجے سکندر کے کمرے میں گئی اور کس کام سے گئی تھی۔

اس نے کمرے کے دروازے پر آہستگی سے دباؤ ڈالا تو وہ کھلا ہوا ہی ملا۔ جس طرح کی یہ حویلی تھی اور جیسا گھر تھا ان کو اپنے کمرے لاکڈ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

یہ کمرہ بھی جویریہ حارث کے کمرے کی طرز پر بنا ہوا تھا اس کی باہر کھلنے والی کھڑکیوں پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے اور وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس کھڑکی کے بالکل سامنے ہی سکندر کا کوارٹر ہے۔ جویریہ نے بڑی احتیاط سے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھا سامنے والی دیوار پر اقصیٰ کی بلیک ساڑھی میں بڑی سی فوٹو آویزاں تھی جس میں وہ کسی شو کے دوران ریمپ پر چل رہی تھی۔ جویریہ نے شیشے کی میز پر کچھ سفید پاؤڈر دیکھا تو بیٹھ کر اس کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس نے ایک انگلی پر لگا کر اس کو انگلی اور انگوٹھے سے ملتے ہوئے سونگھنا چاہا تو اس کی کوئی خوشبو یا بدبو اس کی ناک میں محسوس نہ ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگی تھی کہ اگر یہ پاؤڈر اقصیٰ لگانے کے لیے استعمال کرتی ہے تو پھر اس کا اس طرح میز پر گر جانے کا کیا سوال تھا۔ اس نے ایک ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھولی تو اس کو سگریٹ کی پیکٹ مل گئی۔ وہ حیرانگی سے اس کو دیکھنے لگی۔

''کیا اقصیٰ سموکنگ کرتی ہے؟'' اس نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا۔

جویریہ خوفزدہ لگ رہی تھی۔ اس نے احتیاط سے دراز بند کی اور دوسری دراز کو کھولا تو اس میں سے ایک چھوٹے سے پیکٹ میں اس کو سفید پاؤڈر نظر آ گیا۔ اس نے ایسا اخبارات اور رسائل میں بھی پڑھا تھا کہ آج کے لڑکے اور لڑکیاں ڈرگز کا بے دریغ استعمال کر رہے

http://kitaabghar.com

ہیں۔ وہ یہ سوچ کر ہی کانپ گئی کہ اقصیٰ کو سفید پاؤڈر کی لت لگ رہی ہے لیکن اقصیٰ بھی تو بیوقوف نہ تھی وہ بھی باشعور اور سمجھدار تھی اور پھر جس فیلڈ سے اس کا تعلق تھا وہاں پر قدم قدم پر اس کو رہنمائی کی ضرورت تھی۔ مگر وہ نعمان ایزدی کی بہن ہونے کے ناطے بھی اس بات کو سمجھ سکتی تھی کہ اگر اس کی ڈرگز کی خبر نیوز پیپر یا ٹی وی میں آ جائے تو اس کا نقصان ہوگا ہی مگر نعمان ایزدی کی ویلیو بھی خراب ہوگی اور اپوزیشن اور مخالفین کو ان کے خلاف بات کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ جویریہ نے بڑی احتیاط سے دراز بند کیا اور بے پاؤں اقصیٰ کے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں کافی تیز ہو گئی تھیں۔

اُس کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کس سے بات کرے اور نہ کرے۔ کیا وہ حارث نعمان سے بات کرے؟ کیا حارث اس کی بات پر اعتبار کرے گا کیونکہ وہ تو اس گھر میں ابھی چند ماہ پہلے ہی آئی تھی اور وہ لوگ تو اقصیٰ کے ساتھ بچپن سے تھے۔ وہ ان کے ساتھ پلی بڑھی تھی۔ وہ کیسے جویریہ کی بات کا اعتبار کریں گے؟

اگر وہ حارث کو اقصیٰ کے کمرے میں لیجا کر ڈرگز کا پیکٹ دکھا دے تو.....؟ وہ یہ سوچنے لگی لیکن پھر سب سے پہلے تو یہی سوال اُٹھے گا کہ جویریہ اقصیٰ کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں گئی ہی کیوں تھی۔ اس طرح وہ بھی چور بن سکتی ہے اور اقصیٰ بھی اپنے دفاع میں اس پر کوئی بھی گھٹیا الزام لگا سکتی ہے۔ وہ ذہنی طور پر خود کو مفلوج ہی محسوس کر رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا وہ خود کو عجیب سے مخمصے میں پھنسی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس نے خود کو ری لیکس کیا اور کرسی پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی اور خود کو پرسکون کرنے لگی۔ وہ ساتھ ساتھ اپنا ذہن بھی دوڑا رہی تھی۔ بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی سے بھی بات کرنے کی جا بے خود ہی اقصیٰ سے بات کرے گی اور کوشش کرے گی کہ بات کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اس نے خود کو حالات پر چھوڑ دیا اور اقصیٰ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

☆.....☆.....☆

سکندر کو صائمہ نے مبارک باد دی تھی وہ دونوں بہن بھائی ہی خوش ہو رہے تھے کیونکہ سمیع اللہ کا قتل ان کے مشن کا پہلا ٹارگٹ تھا جس پر وہ بخوبی عمل کر کے کامیابی حاصل کر چکے تھے۔

''اب میرا اگلا ٹارگٹ اقصیٰ ہے آپا!'' سکندر کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

''نہیں سکندر! میرے بھائی، نعمان ایزدی کی تباہی سے پہلے اقصیٰ سے تعلقات اتنے ہی رکھنا کہ اس کو کوئی بھی شک نہ ہو۔'' سکندر نے صائمہ کی طرف دیکھا اور ہنستا ہوا بولا۔

''میں اتنا بھی بیوقوف نہیں ہوں آپا!..... میں گرم گرم روٹی کھانے کا عادی نہیں ہوں..... ٹھنڈی کر کے ہی کھاتا ہوں اور جب کھاتا ہوں تو پیٹ بھر کے کھاتا ہوں۔'' صائمہ بھی مسکرانے لگی۔

''اس کی دولت اور زیورات پر تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرا حق بنتا ہے۔''

http://kitaabghar.com

سکندر ہنسنے لگا اور بولا۔ ''آپا جی..... فنفٹی فنفٹی ہوگا..... مگر اتنا ہوگا کہ ہمیں پورا پورا ہی ملے گا۔''

''سکندر! اپنا خیال رکھنا۔ کیونکہ نعمان ایزد زخمی شیر کی طرح تمہیں ڈھونڈ رہا ہوگا۔'' صائمہ نے کہا تو وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے کیوں؟''

''میرا مطلب تھا کہ سچ اللہ کے قاتل کو۔'' صائمہ کی زبانی سن کر وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

''میں نے کوئی بھی ثبوت نہیں چھوڑا ہے آپا!''

''لیکن مجھے کیوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوا ن دیکھا پھندہ تمہاری گردن کی طرف بڑھ رہا ہے۔'' صائمہ پریشانی سے بولی۔

''آپ فکر ہی نہ کرو آپا..... میرا نام سکندر ہے اور سکندر نے کبھی بھی ہارنا نہیں سیکھا ہے۔''

صائمہ اس کے ساتھ ہی گھر سے باہر نکلی تھی۔ وہ گھر سکندر کے دوست جبار کا تھا اور جبار کو صائمہ اور سکندر کی مکمل کہانی کا علم تھا۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے حیرت سے جویریہ کی طرف دیکھا اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے سکھاؤ گی کہ زندگی کیسے گزارنا ہے؟'' اقصیٰ یکدم تیز و تند لہجے میں بولی تو جویریہ گھبرا گئی تھی وہ اپنی بات کی صفائی پیش کرنے لگی۔

''اقصیٰ! میرا مطلب تھا کہ تم سکندر سے نہ ملا کرو۔''

''لیکن تم نے مجھے کب دیکھا کہ میں سکندر سے ملتی ہوں۔'' اب جویریہ اگر اس کے جواب میں یہ کہتی کہ اس نے تمہیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ اگر وہ یہ کہہ دیتی تو یقیناً اقصیٰ آئندہ کے لیے احتیاط کرتی۔

''مجھے اندازہ.....'' جویریہ کے بولنے سے پہلے ہی اقصیٰ نے ہاتھ اٹھا کر اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولی۔

''اندازوں پر باتیں مت کرو جویریہ..... تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ تم نے مجھ پر کتنا بڑا الزام لگانے کی جرات کی ہے۔'' اقصیٰ جھٹکے سے ہی اٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ ''اندازوں پر ہی کسی پر اتنا گھٹیا اور نیچ الزام لگاتے ہوئے تمہیں سو بار سوچنا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس کہ تم نے براہ راست ہی مجھے ہرٹ کیا ہے جویریہ!''

''آئی ایم سوری اقصیٰ.....!'' جویریہ کو سبکی محسوس ہوئی تھی۔ اس کے پاس کوئی بھی ثبوت نہ تھا۔ اس نے محض شک کی بنیاد پر ہی بات کر دی تھی۔ لیکن اقصیٰ کے کمرے میں اس کی الماریوں کے دراز میں پڑا ہوا سفید زہر سب سے بڑا ثبوت تھا۔ لیکن اقصیٰ اس کو جھٹلا بھی سکتی تھی کیونکہ وہ سفید پاؤڈر کو کوئی بھی نام دے سکتی تھی۔

اقصیٰ وہاں سے چلی گئی تھی۔ لیکن جویریہ کے لیے سوالیہ نشان چھوڑ گئی تھی۔

اقصیٰ کے چلے جانے کے بعد جویریہ لان میں ہی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی کہ سکندر اُدھر آ نکلا۔ جویریہ کو اس شخص کو دیکھ کر خوف محسوس

http://kitaabghar.com

ہونے لگا تھا۔ اگر اقصیٰ نے سکندر کو بتا دیا تو پھر یہ شخص اس کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ سکندر چلتا ہوا اس کے پاس سے گزر کر سامنے گیٹ کیپر کی طرف بڑھ گیا۔

اُس لمحہ جویریہ اس سے آنکھ چرا گئی تھی لیکن اب اس نے غور سے اُس کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ایک شاطر اور عیار آدمی لگ رہا تھا۔ اس کی چال ڈھال ہی ایسی لگ رہی تھی کہ وہ کوئی غنڈہ بدمعاش یا پھر کوئی اور ہی جہان کی چیز ہو۔ جویریہ جسٹس بصیر احمد کی بیٹی اور انصر احمد کی بہن تھی۔ ڈرا اور خوف اُس پر وقتی طور پر اپنا رنگ تو جما سکتے تھے لیکن اس کے چہرے پر ڈیرہ جما کر اس کے دل و دماغ کو جکڑنے کی کوشش نہ کر سکتے تھے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اقصیٰ اور جویریہ کے تعلقات کو بے نقاب کر کے ہی اور اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو گئی تھی۔

اُس نے خوش اخلاقی اور تازہ چہرے کے ساتھ حارث نعمان کا استقبال کیا تھا۔ مگر حارث نے اُس کو جو خبر سنائی تھی وہ سن کر وہ ناراض ہو گئی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ حارث نے اُسے بتایا کہ وہ بزنس ٹور پر پندرہ دن کے لیے لندن جا رہا ہے۔ جویریہ بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار تھی لیکن حارث نے بتایا کہ یہ ایک خالصتاً بزنس ٹور ہے اور بہت سے مرد ہو نگے۔

''تو مرد کیا مجھے کھا جائیں گے؟'' وہ ناراضگی سے بولی تھی۔

''کم آن یار، سمجھنے کی کوشش کرو..... میں بزنس مین ہوں اگر اپنی بیگم کو ساتھ ساتھ لے کر بزنس ڈیل کروں گا تو لوگ اس بات کا غلط مطلب لیں گے۔'' حارث پرسکون انداز میں اس کو سمجھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''لیکن میں اکیلی کیسے رہوں گی۔ تمہارے بغیر۔'' وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

''تم اکیلی کہاں ہو؟'' وہ اس کے پاس بیڈ پر لیٹ گیا اور اس کی طرف جھکتا ہوا بولا۔ ''گھر میں سبھی لوگ ہیں۔ مما، پاپا، اقصیٰ بواء، مطربہ اور شمعون۔'' حارث نے باری باری سب کے نام گنوائے تو وہ منہ بسورتی ہوئی بولی۔

''لیکن میرے پاس تو کوئی نہیں ہے نا؟''

حارث تھوڑا سا اور جھکا اور اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''میں تمہارے پاس ہی ہوں نا۔'' جویریہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''میرا وجود کسی نہ کسی طرح تمہارے پاس ہے۔ بلکہ میں تو خون بن کر تمہاری رگوں میں دوڑنے لگا ہوں..... گم ہونے کا ڈر ہی نہیں ہے۔''

''کیسی باتیں کرنے لگتے ہیں آپ؟'' وہ حارث کے لفظ گم ہونے پر ناراض لگتی تھی وہ اس کی ناراضگی سمجھتا ہوا بولا۔

''آئی ایم سوری!'' اور پھر پیٹ پر کان لگاتا ہوا بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ ابھی سو رہی ہے۔''

''سو رہا ہے۔'' جویریہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''نہیں یار..... میں نے خود پوچھا ہے وہ بولی تھی۔'' حارث اس کا موڈ ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔

''بولا تھا.....'' وہ اٹل فیصلہ سناتی ہوئی بولی اور پھر چونکتی ہوئی کہنے لگی۔ ''آپ کی کب بات ہوئی تھی اس سے؟''

http://kitaabghar.com

حارث مسکراتا ہوا بولا۔ ''جب تم سو رہی تھی..... تب میں نے بات کی تھی۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ میرے سونے کے بعد اس سے باتیں کرتے ہیں اور مجھے بے خبر رکھا ہوا ہے؟'' جویریہ کا موڈ اب ٹھیک ہو گیا تھا۔

''یار اسامہ دن تم اس سے باتیں کرتی ہو..... میں تو رات کو ہی دل بہلانے کے لیے بات کر لیتا ہوں۔'' حارث گڑبڑاتا ہوا بولا تو جویریہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ''چوری کرتے ہیں نا.....؟ ذرا اپنے چہرے کا رنگ تو دیکھو..... کس طرح فق ہو رہا ہے۔''

جویریہ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے حارث کو کہا تو اس نے وہی ہاتھ پکڑ کر اس کو چوم لیا اور بولا۔

''مسکراہٹ تمہارے پاس میرے اس بچے کی امانت ہے۔ اس کو ہنسی خوشی کا ایسا تحفہ دینا کہ یہ بھی تمہاری طرح ہی خوبصورت اور خوش اخلاق ہو.....''

''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' جویریہ نے کہا تو حارث نے یکدم چھوڑ دیا۔ تو وہ آنکھیں نکالتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تو وہ زوردار قہقہہ لگاتا ہوا اس کے چہرے پر جھکا اور محبت کی مہریں ثبت کرنے لگا۔

''حارث..... چھوڑیں نہ کیا کر رہے ہیں۔'' وہ شرم سے سرخ ہوتی جا رہی تھی اور مسکراتی ہوئی بولی تو حارث اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ ''میری بیٹی کی آنکھیں تم جیسی ہونی چاہئیں۔''

''نہیں تو..... کیا کر لیں گے آپ؟'' وہ شریر ہو رہی تھی۔

''تمہیں کھا جاؤں گا۔''

''کیسے؟'' وہ ہنستی ہوئی بولی اور کمبل اپنے چہرے پر لے لیا۔ حارث نے زور لگا کر کمبل اس کے چہرے سے ہٹایا اور بولا۔

''بتاؤں؟'' وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''نہیں۔''

''اچھا..... یہ بتاؤ۔ کیا لے کر آؤں تمہارے لیے؟'' وہ اس کے ساتھ لیٹ گیا تھا۔

''کچھ بھی نہیں..... آپ خود جلدی آنا۔ اور میرے بیٹے کے لیے جو مرضی لے آنا۔'' جویریہ کو اس موضوع پر بات کرنا اچھا لگتا تھا۔ وہ اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اس کے لیے تو پوری دنیا خرید کر لا سکتا ہوں۔''

''اور ہاں اکیلے ہی آنا..... کوئی میم نہ ساتھ لیتے آنا۔'' جویریہ اس کو چھیڑ رہی تھی۔

''جب سے تمہارے ہوئے ہیں..... اس دل نے کسی بھی نئے نام اور نئے چہرے کو دیکھ کر دھڑکنا بند کر دیا ہے۔'' وہ پرعزم انداز میں بولا تو وہ ہنستی ہوئے اس کی طرف گردن موڑتی ہوئی بولی۔

''ایسا بھلا کب سے ہوا ہے؟'' جویریہ نے کہا تو وہ پہلی ملاقات والی کتابوں کی دکان پر پہنچ گیا اور اس خوشگوار لمحے کو یاد کرتا ہوا

http://kitaabghar.com

بولا۔ ''جب سے تمہیں مکتبہ سیاح کی دکان پر دیکھا ہے۔ تب سے آج تک ان آنکھوں نے کوئی بھی خواب ایسا نہیں دیکھا ہے جن میں تم نہ ہو۔ اور دل نے تمہارا ہی نام سن کر دھڑکنا سیکھ لیا ہے اور دھڑکنیں تمہارا نام سن کر باحترام ہو جاتی ہیں اور.....''

''بس بس بس..... مجھے معلوم ہے جناب کہ آپ کا موڈ رومانٹک کیوں ہو رہا ہے؟'' جویریہ اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ تو وہ ہنسنے لگا اور بولا۔ ''واہ سمجھدار بیوی بھی قدرت کا حسین تحفہ ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے لائٹ آف کی اور کمبل اپنے اوپر لے لیا۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ کی رگیں کٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو رات کے دو بجے تھے۔ اس نے دراز کھول کر سارے کا سارا کھنگال ڈالا لیکن اس کو کہیں سے بھی سفید پاؤڈر نہ ملا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ اس کو یاد آیا کہ اس نے گزشتہ رات ہی پاؤڈر ختم کر لیا تھا۔ اب اس کی وہی کیفیت ہو رہی تھی جو ایک بار ریپ کے بعد ہوئی تھی جب سکندر نے اس کو رسد پہنچا کر اس کی جان بچائی تھی۔

اب بھی سکندر ہی ایسا بندہ تھا جو اس کی زندگی بچا سکتا تھا..... اس نے کھڑکی سے پردہ سرکا کر دیکھا تو سکندر کے کوارٹر کی لائٹ جلتی ہوئی دیکھتی تو اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔ وہ اپنے بدن کو کاٹ رہی تھی۔ اس نے گرم شال اوڑھی اور کمرے سے نکل کر آہستگی سے لان میں آ گئی۔ وہ اپنے پیچھے بھی دیکھ رہی تھی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ گھر میں صرف شمعون اور مطربہ کے علاوہ جہان آرا بیگم ہیں۔ نعمان ایزد اسلام آباد میں تھے اور حارث لندن گیا ہوا تھا۔ جویریہ اپنے کمرے میں سو رہی ہو گی لیکن پھر بھی احتیاط لازمی تھی۔

اس نے جا کر آہستگی سے سکندر کے کوارٹر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو پہلی ہی دستک پر دروازہ کھل گیا تھا۔ شاید سکندر بھی آج اسی کا منتظر تھا یہ بات تو اقصیٰ کے لیے خوشگوار حیرت لائی تھی کہ سکندر نے اس کے اندر داخل ہوتے ہی اس کو بانہوں میں بھر لیا اور بولا۔

''کیا ہوا جان من! اب تڑپانا چھوڑو اور آ جاؤ.....'' اقصیٰ نے اپنے بدن سے چادر ہٹائی اور بیڈ پر گرتی ہوئی بولی۔ ''سکندر میری جان جا رہی ہے..... مجھے..... مجھے ڈرگز کی ضرورت ہے پلیز سکندر..... جلدی کرو ورنہ میں مر جاؤں گی۔'' وہ بیڈ پر سیدھی لیٹی تھی اور سکندر دیکھ رہا تھا کہ اس کی حالت بدل رہی تھی۔

سکندر نے اپنے بیگ سے سفید پاؤڈر کی ایک پڑیا نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تو وہ دیوانوں کی طرح اس کی طرف لپکی اور پڑیا پکڑ کر خوش ہو کر اس کو دیکھا اور چومتی ہوئی اس کو کھولنے لگی۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنی خوراک لے چکی تھی۔

اب وہ بیڈ پر پُرسکون انداز میں لیٹی ہوئی تھی اور سکندر اس پر جھکا ہوا تھا۔ اقصیٰ نے مخمور انداز میں سکندر کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا اس کی آنکھوں کی دعوت پر قربان ہو گیا۔

سکندر نے صائمہ کی ہدایات نظر انداز کر کے اس کام کا آغاز کیا تھا جو ان کے خطرناک مشن کے لیے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ ہر روز ہی اقصیٰ کی دعوت کو رد نہ کر سکتا تھا۔ اقصیٰ بھی سہاگ کی سیج سے بیوہ ہو گئی تھی۔ اس کو اس کے شوہر نے چھوا تک نہ تھا..... اور آج سکندر نے اس کو وہ لمحات یاد کرا دیئے تھے جب وہ دلہن بنی اپنے دلہا کا انتظار کر رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

اقصیٰ کو جسمانی اور جس روحانی خوراک کی ضرورت اور طلب محسوس ہو رہی تھی اس کو ایک ہی چھت تلے ایک ہی دکاندار مہیا کر رہا تھا اور وہ پرسکون انداز میں اپنی عزت کی کمائی کو خرچ کر رہی تھی۔

تقریباً تین گھنٹوں بعد وہ سکندر کے کواٹر سے لڑکھڑاتی ہوئی نکلی تو جویریہ کی تیز نظروں سے اس کی حالت چھپی نہ رہ سکی تھی۔ جویریہ نے اپنے کمرے کی لائٹس آف کر رکھی تھیں اور اس کی نظریں اچانک اس طرف اُٹھ گئی تھیں جب اقصیٰ سکندر کے کمرے سے نکل کر گرتی پڑتی لان سے گزر کر اپنے کمرے تک آئی تھی۔

جویریہ کانپ کر رہ گئی تھی۔ وہ بھی لڑکی سے عورت اور اب ماں بنی تھی اور یہ پہچانتی تھی کہ لڑکی کی عورت اور پھر ماں بننے کے بعد کیا چال ہوتی ہے۔ اور اس نے جس چال سے چلتے ہوئے اقصیٰ کو دیکھا تھا وہ عورت والی چال تھی اور اب وہ لڑکی نہ رہی تھی لیکن اس بار بھی جویریہ کو اپنی زبان بند رکھنا ہوگی کیونکہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور وہ اپنی آنکھوں دیکھی واردات کو اس محل کے مکینوں میں ثابت نہ کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ پُرسکون نیند سے بیدار ہوئی تو اس کو آج دنیا نئی نئی لگ رہی تھی۔ وہ جس فیلڈ میں تھی اس کو کئی بار اپنی زندگی بدلنے کا موقع ملا تھا لیکن اس کو دولت کی ضرورت نہ تھی بلکہ کوئی بھی پرفیکٹ مرد اس کی زندگی میں نہ آیا تھا اور جب سے اس نے سکندر کو دیکھا تو پرفیکٹ کا تصور ذہن میں ایسا فٹ ہوا کہ وہ سکندر کی جوانی اور مردانگی پر ہی مرمٹی تھی۔ اب اس کو یقین تھا کہ سکندر کے بغیر اس کی زندگی ویران اور بنجر ہو جائیگی۔ اور وہ سکندر کو کسی بھی قیمت پر نہ چھوڑے گی اور نہ ہی کہیں جانے دے گی۔

اقصیٰ نے اُٹھ کر سکندر کے کواٹر کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھیں بھی مسکرانے لگیں تھیں اور اس نے دروازے کی جانب دیکھتے ہی ہاتھ کو ہونٹوں پر رکھ کر چومتے ہوئے اس پیار کو گویا سکندر تک پہنچایا تھا۔

اس نے ناشتہ کیا اور چائے کا مگ لے کر لان میں آئی تو جویریہ کو دھوپ میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو جان بوجھ کر اس کے پاس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''آج موسم کافی پیارا ہے۔'' جویریہ نے بات کا آغاز کیا تو وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرانے لگی۔

''مجھے تو آج سے پہلے ایسا موسم کبھی بھی نہ بھایا تھا۔''

''موسم تو انسان کے دل کے اندر ہوتے ہیں..... بس ان کو محسوس کرنا پڑتا ہے۔'' جویریہ نے جواب دیا۔

''اگر انسان اچھے مل جائیں تو موسم بھی اچھے لگنے لگتے ہیں۔'' اقصیٰ نے بھی شاید تہیہ کر لیا تھا کہ وہ جویریہ کو سکندر کے حوالے سے اپنے الفاظ سے تنگ کیا کریگی۔ لیکن جویریہ اس کی اس بات کو شاید جان گئی تھی یا پھر اپنے الفاظ کے ذریعے اقصیٰ کو کھولنا چاہتی تھی وہ بولی۔

''اس بات کا فیصلہ وقت ہی کرتا ہے کہ آپ کے ساتھ کون کتنا مخلص ہے؟''

''تم نے اپنی محبت کو پالیا ہے کیا؟'' براہ راست سوال جویریہ سے ہوا تو وہ چونک کر رہ گئی۔ اور اقصیٰ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

http://kitaabghar.com

''حارث ہی میری پہلی اور آخری چاہت ہے.....اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ چاہت میری جھولی کو بھر چکی ہے اور میں خوش ہوں۔''

''تو پھر کسی کی جھولی بھرتے ہوئے کیوں نہیں دیکھنا چاہتی۔'' اقصیٰ نے اس کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا تو جویریہ اپنے آپ کو ری لیکس کرتی ہوئی اس سے مخاطب ہوئی۔ ''لاحاصل باتیں اور لاحاصل محبت وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا مائی ڈیئر۔'' وہ اس کی بات سن کر قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔

''لاحاصل.....کیا خوب اچھی باتیں کرتی ہو تم بھی.....ذرا یہ بتا سکتی ہو کہ ایاز کون ہے؟'' اقصیٰ نے ایاز کا ذکر کیوں کر دیا تھا۔ وہ چونک گئی۔ ''کون ایاز؟'' جویریہ نے خود پر سکون رکھا ہوا تھا اور اس کو اپنے اوپر اعتماد تھا کہ وہ نفسیات کی اس جنگ میں اقصیٰ کو اچھی طرح شکست دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس صلاحیت کو بروئے کار لاتی ہوئی اس میں کامیابی بھی حاصل کرے گی۔''

''اوہ.....'' وہ طنزیہ انداز میں ہونٹوں کو سیٹی بجانے والے انداز میں لاتی ہوئی بولی۔ ''اب وہ کون ہو گیا؟''

''تم اگر اس ایاز کی بات کر رہی ہو جو ایبٹ اور مطربہ کو ٹیوشن پڑھانے آتا ہے تو میں اس کو اتنا جانتی ہوں کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کا ٹیچر ہے اور ہمارے گھر میں کام کرنے والی صائمہ کا بیٹا ہے۔'' جویریہ نے ایاز کی تفصیل بتائی تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''اچھا.....؟'' طنز نمایاں تھا۔

''کیا اس کے علاوہ بھی کوئی ایاز تھا جویریہ حارث؟'' اقصیٰ کا لہجہ خاصا ترش اور طنز سے بھرپور تھا وہ جوابی وار کے طور پر ایاز کا نام لے کر اس کو بدنام یا پھر خبردار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''جویریہ حارث ایک مکمل شخصیت کا نام ہے اقصیٰ سبح اللہ۔ اور اس کو تمہاری طرح کسی بھی ملازم یا اس کے بیٹوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر اقصیٰ کی طرف دیکھے بغیر ہی جویریہ وہاں سے اٹھی اور اپنے کمرے میں جانے کے لیے لان کی گھاس کو اپنے پاؤں تلے روندتی ہوئی چلی گئی۔ مگر اقصیٰ کی گھنٹی اس طرح بجا گئی تھی کہ اس نے اقصیٰ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اگر ایاز نے اقصیٰ کو لفٹ نہیں کرائی تھی تو وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے لیے ایاز کے ساتھ اس کا نام جوڑ کر ایاز اور جویریہ کی راہوں میں کانٹے بچھا سکتی تھی۔ لیکن جویریہ نے اس کو ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اس کو سکندر اور اقصیٰ کے جسمانی تعلقات کا بھی علم ہو گیا ہے اور یہ بات ابھی کل رات کی ہی تھی لیکن اقصیٰ کو جویریہ کا لہجہ اتنا مضبوط لگا تھا کہ جیسے جویریہ وہاں موقع پر موجود تھی۔

☆.....☆.....☆

سکندر نے اقصیٰ کی زبانی جویریہ کی بات سنی تو حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا اور پھر کچھ دیر بعد اس کو تسلی دینے والے انداز میں بولا۔ ''ہو سکتا ہے کہ اس نے بھی تمہاری طرح ہوا میں ہی تیر چھوڑا ہو؟'' اقصیٰ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس وقت ساحل سمندر پر گاڑی کے اندر ہی تھے۔ اور اقصیٰ اس کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے۔'' اقصیٰ پرجوش انداز میں بولی۔ ''میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی؟''

''جان من! یہی تو فرق ہے تم میں اور سکندر کی سوچ میں۔'' وہ مسکرانے لگی تو سکندر بولا۔ ''میرے ہوتے ہوئے تم کسی بھی قسم کی

http://kitaabghar.com

ٹینشن نہ لینا۔ سکندر تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔'' اس نے اُس کے ہونٹوں پر پیاری سی شرارت کی تو وہ بولی۔ ''سکندر! کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟'' سکندر نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ ''ڈرا دل پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ اب بھی تمہیں میرے ساتھ شادی کی ضرورت ہے؟''

اقصیٰ اس کی بات کو سمجھتے ہوئے اس کے گھونسے مارنے لگی اور بولی۔ ''ہاں ہاں..... مجھے تمہاری ضرورت ہے سکندر! میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پانا چاہتی ہوں اپنے دل میں چھپا کر رکھنا چاہتی ہوں۔''

''میں تمہارا ہی ہوں جانو۔'' وہ پیار سے بولا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی اور بولی۔

''میں تم سے شادی کر کے اپنا گھر بسانا چاہتی ہوں۔''

''لیکن میں تو تمہارے سٹیٹس سے کافی کمتر ہوں اقصیٰ!'' وہ ایک خاص اداسی سے بولا تو اس کا مقصد پورا ہو گیا وہ اس پر قربان ہوتی ہوئی بولی۔

''یہ ساری جائیداد میری ہے۔''

''تمہاری؟'' وہ حیرت سے چیخا تھا اور وہ ہنسنے لگی اور بولی۔

''ہاں میرے نام پر ہے لیکن میں اس کی فروخت نہیں کر سکتی۔ لیکن تمہارے لیے اتنا کر سکتی ہوں کہ بہت سارا بینک بیلنس اور تمام گھر کے زیورات تمہاری جھولی میں لا کر ڈال سکتی ہوں۔''

''مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' سکندر کا دل خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا اس کے دل کی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ مگر وہ کمال کی اداکاری کر رہا تھا۔ ''تم میری جھولی میں ہو تو سب کچھ ہے۔''

''نہیں سکندر.....! خالی محبت سے بھی تو پیٹ نہیں بھرتا نا؟'' ''میں تم سے شادی ضرور کروں گی۔ میں ساری کی ساری دولت اور زیورات تمہاری محبت پر نچھاور کرنے کو اپنی محبت کی خیرات سمجھتی ہوں۔''

''مجھے سوچنے دو اقصیٰ.....؟'' سکندر نے کاری ضرب لگا کر لوہا اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

''ہم اس شہر اور ملک میں ہی نہیں رہیں گے۔'' اقصیٰ پر سکندر حاوی ہو چکا تھا۔

''میرے ساتھ کسی گمنام گاؤں میں رہ لو گی؟'' سکندر نے اس کو اپنی ڈھب پر لا کر اب اس کا موڈ معلوم کرنے کی کوشش کی تو وہ بولی۔ ''دنیا کے کسی بھی کونے میں کھو گے تو میں تمہارے ساتھ رہ لوں گی۔ مگر تمہارے پیار میں کمی نہ آئے ورنہ میں اسی دن مر جاؤں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے سکندر کی گود میں اپنا سر رکھ دیا تو وہ اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتا ہوا بولا۔ ''الیکشن کے بعد بات کریں گے ابھی فی الحال تم تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔'' سکندر نے پیار سے اس کو سمجھایا تھا اور وہ آنکھیں کھولے اس کی طرف پیاسی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

ریشم نے صائمہ اور ایاز کو حیران کر دیا تھا وہ اس وقت ایک قیمتی اور شاندار گھر میں کھڑے تھے اور صائمہ تو بار بار انیٹوں اور ٹائلوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہی تھی۔ گھر میں قیمتی فرنیچرز اور ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ اس نے ایک کمرہ دکھاتے ہوئے ایاز سے کہا کہ یہ کمرہ تمہارا ہے اور اس کی چھت نہیں ٹپکتی۔ وہ تینوں ہنسنے لگے تھے۔ وہ صائمہ کو گھر کے لان میں کرسی پر بٹھاتی ہوئی بولی۔

''امی! اب آپ اس گھر کی مالک ہیں۔ آپ کسی کے گھر میں کام نہیں کیا کریں گی۔'' صائمہ کی آنکھیں جھلمل کرنے لگی تھیں۔ اس نے ریشم کو اپنے پاس بٹھا لیا اور بولی۔

''ریشم! اتنا بڑا گھر اور قیمتی سامان! یہ سب ماہانہ بیس ہزار میں کیسے ممکن ہے؟'' ریشم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی اور بولی۔

''امی! خوش قسمتی نے میرا ساتھ دیا ہے۔ میں نے اپنی تنخواہ ایڈوانس میں لے کر ایک پرائز بانڈ خریدا تھا اور دیکھو کہ وہ پرائز بانڈ نکل آیا ہے۔ پانچ کروڑ کا انعام نکلا ہے امی..... نہیں یقین تو آپ میرا بنک اکاؤنٹ دیکھ لیں۔'' صائمہ نے اس کا پرعزم لہجہ سنا تو خوش ہو گئی اور بولی۔

''ریشم! تم نے تو وہ کام کیا ہے جو میرا بیٹا بھی نہیں کر سکا۔'' صائمہ کی آنکھیں آنسو برسانے لگی تھیں۔

''امی! آپ ایاز کو بلائیں۔ میں نے اس کے لیے ایک بڑا سرپرائز رکھا ہوا ہے۔ میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تو ایاز صائمہ کے بلانے پر آ گیا۔

''امی! یہاں کتنا سکون ہے؟'' ایاز نے کہا تو صائمہ بولی۔

''اللہ نے کرم کیا ہے ہم پر۔ یہ صائمہ کا پرائز بانڈ نکلا ہے پانچ کروڑ کا۔ اور اب وہ اندر گئی ہے تمہارے لیے کوئی سرپرائز رکھا ہے اس نے۔'' ایاز اس خوشگوار اور حیران کن خوش خبری کو سن کر صائمہ کے منہ کی طرف اس انداز میں دیکھنے لگا کہ معجزے آج کے دور میں بھی ہوتے ہیں؟

ریشم نے ایک فائل اندر سے لا کر ایاز کی جھولی میں رکھ دی۔ اس فائل میں کچھ کاغذات تھے۔ جن میں اطلاع اور دیگر سرکاری کاغذات بھی موجود تھے۔ ایاز حیرت سے پوچھنے لگا۔

''یہ کیا ہے آپی؟''

''اس گھر کے کاغذ ہیں۔'' ریشم نے خوشی سے کہا تو صائمہ بھی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''تم ایاز کو کیوں دے رہی ہو؟''

ریشم نے جھلمل کرتی ہوئی آنکھوں سے ایاز کی طرف اور پھر صائمہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

''امی! ہم دونوں بہن بھائی نے بہت سی محرومیاں دیکھی ہیں۔'' اس کی بات سن کر ایاز کی آنکھوں کے سامنے اپنا بچپن اور جوانی لہرانے لگے۔ اس کے کانوں میں ریشم کی آواز گونجنے لگی۔

''ہم دونوں بہن بھائی نے ایک ہی جوتے میں کلاس کو پورا کیا تھا۔ مجھے یاد ہے امی کہ جب ایک بار ایاز کی بیماری کے لیے دوائی

http://kitaabghar.com

لانے کو گھر میں کوئی بھی پیسہ نہ تھا تو آپ نے وہ جوتا موچی کو بیچ کر ایاز کی دوائی کے پیسے لیے تھے۔'' ریشم کو وہ محرومی کبھی بھی نہ بول سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد وہ کئی دنوں تک ننگے پاؤں سکول جاتے رہے تھے۔

''ساری عمر پھٹے پرانے اور امیر لوگوں کے اُترے ہوئے کپڑے پہن کر ہم نے گزارا کیا ہے۔'' اس نے بولنا شروع کیا تو اب ایاز کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

''امی! ہم نے امیروں کا جھوٹا سالن کھایا ہے۔ ایاز پھٹی ہوئی شرٹ اور ٹوٹے بوٹوں کے ساتھ کالج اور یونیورسٹی تک جاتا رہا ہے۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ سن کر ہمارے دل کانپنے لگتے تھے کہ کہیں بارش نہ شروع ہو جائے کیونکہ کوارٹر کی چھت جگہ جگہ سے ٹپکنے لگتی تھی۔'' یہ سن کر صائمہ کی آنکھیں ٹپ ٹپ آنسو بہانے لگیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ریشم کو گلے لگا لیا۔

''امی! اب کوئی بھی محرومی اور کوئی بھی خواہش کی دوری اور اس کو پورا کرنے کی راہ میں پیسہ ہماری رکاوٹ نہیں بنے گا.....'' یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ریشم کا مضبوط لہجہ اور انداز ایسا تھا کہ ایاز بھی روتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ''اب کبھی بھی ہمارے گھر کی چھت نہیں ٹپکیگی۔ اب ایاز پھٹی ہوئی شرٹ اور ٹوٹے ہوئے شوز پہن کر یونیورسٹی نہیں جائیگا..... وہ اپنی اس بائیک پر نئی پینٹ شرٹ میں ملبوس ہو کر نئے شوز پہن کر جایا کرے گا۔'' ریشم نے کونے میں کھڑی ایک نئی موٹر سائیکل کی طرف اشارہ کیا جس کو کپڑے سے ڈھانپا گیا تھا۔ ایاز اور صائمہ نے دیکھا تو خوشی سے ریشم کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے اپنے بیگ سے سونے کا کنگن نکال کر صائمہ کو پہنایا اور بولی۔ ''یہ وہ زیور ہے جو آپ نے ہماری تعلیم کی خاطر بیچ دیا تھا۔'' صائمہ اب باقاعدہ رونے لگی تھی۔ اور ایاز کے ہاتھوں سے فائل پکڑ کر اس کو دیکھتی ہوئی بولی۔

''یہ گھر میں نے ایاز کے نام پر خریدا ہے۔ ایاز اس گھر کا مالک ہے امی! یہ تمام کاغذ ایاز کے نام ہیں۔'' ریشم نے کہا تو ایاز اور صائمہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ وہ آگے بڑھ کر ریشم کی چھنا پکڑ کر کھینچتا ہوا اس کو گلے لگا کر بولا۔ ''آپی! تم نے تو مجھے خرید لیا ہے ..... یہ گھر آپ نے اپنے نام کیوں نہیں کروایا آپی۔'' ریشم روتی ہوئی اس سے الگ ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیا میری شادی نہیں کرو گے؟ میں تو اپنے گھر چلی جاؤں گی۔'' ریشم کا مقصد پورا ہو گیا تھا صائمہ اور ایاز روتے ہوئے ہنس پڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

انفر احمد نے مطربہ کو اپنی طرف سے جو ٹریٹ دینا تھی وہ اس کے لیے مقررہ جگہ پر پہنچا تو مطربہ اس کو وعدہ کے مطابق پہلے سے موجود ملی۔ مطربہ کی گاڑی کو کافی شاپ میں ہی کھڑا رہنے دیا اور زندگی میں پہلی بار مطربہ اُس مرد کے پہلو میں بیٹھی جس کو اُس نے چاہا تھا اور وہ اس کو چاہتا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے اس طرح میرے ساتھ بیٹھنا؟'' انفر نے گاڑی گیئر میں ڈال کر سڑک پر دوڑا دی۔

''خوابوں کی تعبیر ملنا شروع ہو جائے تو انسان کو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ وہ کچھ کہنا بھی چاہے تو کہہ نہیں سکتا۔'' مطربہ بولی تو وہ

http://kitaabghar.com

سکرین کے پار دیکھتا ہوا بولا۔

''مطربہ! آپ کے گھر میں میری بہن ہے اور اگر میں آپ کو پرپوز کروں تو کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی۔''

انصر نے یہ بات کہہ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو مطربہ شرم سے لال ہوتی ہوئی اُس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''میں آپ کی اس پرپوزل کو قبول کروں گی اور شکر کروں گی کہ مجھے میری منزل مل گئی۔''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ نوٹے سٹے کی بات درمیان میں ایک دیوار بن کر کھڑی ہو جائے۔ اور تم بھی اپنے قدم پیچھے ہٹا دو۔'' اس بار بال سیدھی مطربہ کے کورٹ میں تھی۔ وہ سنجیدگی سے سوچتی ہوئی بولی۔

''انصر! آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ میں بھی چاہوں گی کہ زندگی آپ کے ساتھ ہی گزرے۔''

''چاہے کچھ بھی ہو جائے؟'' اس نے ایک اور تلی چاہی تو وہ چند لمحے خاموش رہی شاید اُس گہری بات کو گہرائی میں جا کر سوچ رہی تھی۔

''ہاں انصر! چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' اُس نے اپنی سوچ اور خاموشی کا گہرا جمود توڑا تو انصر ایک سانس بھرتا ہوا بولا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ اتنے بڑے فیصلے کرنے سے پہلے بڑوں کو پوچھنا پڑتا ہے؟''

مطربہ کافی محتاط انداز میں گفتگو کر رہی تھی اور وہ انصر کی باتوں کو سمجھتے ہوئے ہی جواب دینا چاہتی تھی جس پر قائم بھی رہ سکے اور اس کو شرمندگی بھی نہ ہو۔ کیونکہ انصر اس کو سرراہ نہ ملا تھا۔ وہ اس کی بھابی جویریہ کا بھائی تھا اور نعمان ایزد کے گہرے دوست بصیر احمد کا بیٹا تھا۔ اس لیے وہ کسی بھی بات کو پورا نہ کرنے پر اس سے روز روز شرمندگی محسوس کرتے ہوئے پیچھا نہ چھڑانا چاہتی تھی۔

اور محبت کی بات اگر کر لی تھی تو اس بات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اُس کو بڑی احتیاط اور سکون سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ وہ جہان آرا یا پھر نعمان ایزد کی مخالفت مول لے کر اپنے خوابوں کی تعبیر کا پیرہن نہ پہنا سکتی تھی۔ اور شاید حارث کو بھی اس رشتے پر اعتراض ہو کیونکہ وہ تو یہ نہیں چاہے گا کہ جس گھر میں وہ سر اُٹھا کر ایک داماد کی حیثیت سے جاتا تھا اسی گھر میں وہ ایک بہن کا بھائی بن کر سر اور نظریں جھکا کر جائے۔ اس لیے اپنے لیے آنے والے دنوں میں مشکلات ہی دیکھ رہی تھی اور وہ ہر بات کا جواب اس طرح دینا چاہتی تھی کہ کل کو وہ انصر اور اپنی ہی نظروں میں شرمندگی محسوس نہ کرے۔

ایک اچھے سے ریستوران کے پارکنگ میں گاڑی رک گئی تھی۔ اُس نے مطربہ کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کو نیچے آنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراتی ہوئی نیچے اُتر گئی۔

دونوں ہی باوقار انداز میں چلتے ہوئے ہوٹل کی لابی سے گزر کر ایک ٹیبل پر پہنچے تو دیکھنے والوں کی نظروں میں اُس کپل کے لیے تعریفی اور پسندیدگی کے تاثرات تھے۔

ویٹر کے وینو رکھ جانے کے بعد مطربہ نے کارڈ پر سے اپنی پسند کا ایک آرڈر دیا اور انصر نے اپنی اور مطربہ کی مشترکہ ڈشز کے آرڈر کر کے کارڈ ویٹر کو واپس کر دیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

http://kitaabghar.com

''یہ سب لوگ ہمیں ایک نیا شادی شدہ جوڑا سمجھ رہے ہیں۔'' انفر نے ایک بار پھر مطربہ کو نظریں اُٹھا کر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ حیا اور شرم کی لالی سے سرخ ہوتی ہوئی بولی۔

''لوگ ٹھیک ہی سمجھ رہے ہیں۔'' مطربہ کا انداز بہت پیارا تھا۔ انفر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

''میرا سوال اتنا مشکل تو نہ تھا مطربہ؟'' انفر کے ہاتھ میں آ کر اس کا ہاتھ محفوظ ہو گیا تھا ہلکہ مطربہ نے ایسا تحفظ پہلی بار محسوس کیا تھا۔ وہ پرسکون انداز میں آنکھوں کو بند کر کے کھولتی ہوئی بولی۔

''انفر! میں زمانے سے ٹکرا کر بھی آپ کا ساتھ چاہوں گی..... مگر یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ ہماری کسی بھی حرکت سے جویریہ بھابی کو تکلیف ہو۔''

انفر کو اس لمحہ وہ بہت ہی پیاری لگی تھی۔ اس نے خود غرض اور اپنی ذات سے ہٹ کر اس رشتے کی حرمت کو برقرار رکھنے کا جو عندیہ دیا تھا وہ قابل تعریف تھا۔ وہ مطربہ بن کر نہیں بلکہ جویریہ کی نند بن کر سوچ رہی تھی اور اس کے الفاظ بھی اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ رشتوں کے تقدس سے مانوس بھی ہے اور ان کو بنائے رکھنے کا ہنر بھی جانتی ہے۔

''مجھے تمہاری بات سن کر خوشی ہوئی۔'' انفر نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کو قتل کرنے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''میں یہی چاہوں گی کہ خوشیاں برقرار رہیں اور ان کی زندگی طویل سے طویل تر ہو۔''

''تم نے اتنی اچھی باتیں کہیں سے سیکھی ہیں؟'' انفر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی کلیاں بکھیرتی ہوئی بولی۔

''سر ایاز بھائی سے۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑتا اگر اس کو ماحول اور اپنے سٹیٹس کا خیال نہ آتا۔

''سر بھی اور بھائی بھی؟..... مجھے مطمئن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اعتماد اور خلوص کا انداز محسوس ہو جاتا ہے مطربہ!''

مطربہ نے اس کی بات پر آنکھیں جھپک کر اس کے دل کو مزید گھائل کیا تو وہ ہونٹوں پر مسکان سجاتا ہوا بولا۔ ''بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

اس بات کو سننے کے لیے مطربہ بے چین تھی کیونکہ دوسرے کیل اور خاص کر مرد اس کی طرف دیکھ کر جس پسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے۔ مطربہ نے ان سے کہیں زیادہ انفر کی نظروں میں دیکھا تھا لیکن وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ اب انفر نے کہہ دیا تو اس کے من میں جو گھنٹیاں بجنے لگی تھیں وہ ان کی آواز سے گھبرا کر انفر اور اپنے اِرد گرد دیکھنے لگی تھی مبادا کہ ان گھنٹیوں کی آواز پر لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔ لیکن صرف اس کو انفر ہی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ قربان ہوتی ہوئی بولی۔

''تھینکس!''

''یہ میری خوش بختی ہے مطربہ کہ میں نے تمہیں پرپوز کیا ہے۔ کیونکہ سمجھداری اور عقلمندی محبت کی وہ پہلی سیڑھی ہے جس پر بہت سوچ کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی اس پہلی سیڑھی کو کامیابی سے عبور کر لے تو پھر اس کے لیے اگلی راہیں اتنی آسان ہو جاتی ہیں کہ منزل سامنے دکھائی دینے لگتی ہے۔''

انصر اس کی باتوں سے خاصا متاثر نظر آ رہا تھا اور وہ یہ بھی دعا کر رہا تھا کہ مطربہ ہی اس کی شریک زندگی بنے کیونکہ وہ مطربہ کو پہلی ہی نظر میں پسند کر چکا تھا اور محبت بھی کرتا تھا۔ اور اپنی محبت کو پانے کے لیے وہ بھی اتنا ہی بے چین و بے قرار تھا جتنا کہ ہر کوئی ہوتا ہے۔ لیکن وہ جویریہ کی زندگی میں جن پھولوں کی خوشبو کو بکھرے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ ان میں اپنی ہٹ دھرمی، انا اور ضد کو سلہ بنا کر جویریہ کی زندگی میں کانٹے بونے کا کام کرنے سے لرزاں تھا۔ کیونکہ وہ جویریہ کا بڑا بھائی تھا اور مطربہ جویریہ ہی کی بدولت اس کی زندگی میں محبت بن کر آئی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''تمہارے ایگزام کیسے ہوئے ہیں؟'' انصر نے پوچھا تو مطربہ اس سوال پر مسکرانے لگی تو کلیوں جیسے دانت ایسے چمکنے لگے جیسے کہ ہیروں کے ٹکڑے چاند کے سامنے رکھ دیے گئے ہوں۔

''سر ایاز بھائی اچھے ٹیچر ہیں انصر۔'' انصر بھی ہنسنے لگا۔

''وہ واقعی بہت اچھا انسان ہے میں نے اس کی آنکھوں میں حیاء اور شرم کی جو سرخی دیکھی ہے وہ غیرت مند اور با اصول انسان کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عزت کرنا اور کروانا جانتے ہیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں پیار محبت اور خلوص کو بھی دیکھا ہے لیکن انہوں نے مجھے ایک بھائی بن کر ایسے ایسے سبق دیے ہیں کہ میں ان کی روشنی میں ہی اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔'' مطربہ ایاز سے خاصی متاثر لگ رہی تھی۔

''کیا میں پاپا سے تمہارے لیے بات کروں؟'' انصر احمد اُسے اپنی لائن پر لے آیا تھا۔ وہ شرما کر بولی۔

''مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، اپنے دل سے پوچھو۔''

''یہ دل ہی کی تو آواز ہے مطربہ! میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ کہ تمہیں میرے دل میں پیدا ہونے والی بے چینی اور بے قراری نظر آتی ہے کہ نہیں؟''

وہ آنکھیں پھاڑ کر انصر کی آنکھوں میں دیکھنے کی غلطی کر گئی اور پھر اُس کی آنکھیں واپس آنا ہی بھول گئیں کیونکہ نظریں نظروں پر قربان ہو گئی تھیں۔

ویٹر نے ان کے سامنے کھانا رکھا اور چلا گیا تھا۔ مطربہ نے کھانا پلیٹ میں نکال کر انصر کے سامنے رکھا تو اس نے تھینکس کہتے ہوئے لیا اور جب تک مطربہ نے کھانا شروع نہ کیا تھا وہ بھی کوئی نوالہ اپنے حلق سے نیچے نہ اُتار سکا۔ اُس کی اس بات نے مطربہ کو خاصا متاثر کیا تھا۔

مطربہ نے سوچ لیا کہ وہ جویریہ سے بات کرے گی کہ انصر اُسے اچھا لگتا ہے اور وہ ثانیہ آنٹی اور انکل سے بات کرے تا کہ انکل نعمان ایزد سے اپنے ہی انداز اور لہجے میں بات کر کے اس کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

''آپ اس بات کا تذکرہ ایقہ سے نہیں کریں گی۔'' جسٹس بصیر احمد ایقہ کی رپورٹس ہاتھ میں لیے خاصے پریشان دکھائی دے رہے تھے انہوں نے تانیہ بیگم سے کہا جو آنسو بہا رہی تھیں۔

''کیا اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے؟'' وہ روہانسی انداز میں بولیں تو بصیر احمد نے ان کو اپنے سینے سے لگا کر دلاسہ دینا شروع کر دیا۔ ''تانیہ بیگم! میں روپیہ پانی کی طرح بہا دوں گا۔ لیکن اپنی بیٹی کا علاج ضرور ڈھونڈوں گا۔ میں آج ہی ان رپورٹس کو پوری دنیا کے ہسپتالوں کو روانہ کر دیتا ہوں۔ آپ دعا کریں۔''

''لیکن وہ دیکھنے کو تو اچھی بھلی لگتی ہے۔'' تانیہ بیگم نے کمرے کی کھڑکی سے نیچے لان میں کرسی پر بیٹھی ہوئی ایقہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو ایاز کو بتا رہی تھی کہ اس کے ایگزام کیسے ہوئے ہیں اور اس نے کون کون سے سوالات کو اس طرح حل کیا اور اگلی کلاس میں پڑھنے کے لیے ایاز اس کی رہنمائی کرنے آیا تھا۔ بلکہ بصیر احمد نے تو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس کی اگلی کلاس کی ٹیوشن بھی شروع کر دی جائے تاکہ اس کا دل بہلا رہے اور وہ اپنی بیماری سے پریشان نہ ہو۔ ابھی تک ایاز کو مطربہ کی بیماری کا نہ بتایا گیا تھا۔ بلکہ ابھی رپورٹ آنے پر بصیر احمد اور تانیہ بیگم کو علم ہوا تھا کہ ایقہ کو ''برین ٹیومر'' جیسا مرض لاحق ہے۔ اور بیماری اتنی جڑ پکڑ چکی ہے کہ اب پاکستان میں تو کیا اس کا علاج دنیا میں شاید ہی ممکن ہو۔

ابھی ابھی بصیر احمد کو ڈاکٹر نے فون پر بتایا تھا کہ یہ بیماری اچانک حملہ آور نہیں ہوتی بلکہ اپنا بسیرا جما کر اندر ہی اندر سے مریض کو کھانا شروع کر دیتی ہے اور ایک گلٹی کی صورت میں پرورش پاتی ہوئی اچانک ہی اپنا کام کر جاتی ہے اور تب تک مریض اس بیماری کی مکمل گرفت میں آ چکا ہوتا ہے۔

جوان اور خوبصورت بیٹی کی شادی کرنے کا خواب بصیر احمد اور تانیہ بیگم کی آنکھوں سے پانی بن بن کر بہنے لگا تھا۔ بصیر احمد اس بیماری کا سن کر اندر ہی اندر سے لرز گئے تھے۔ وہ بظاہر تو تانیہ بیگم کو دلاسے دے رہے تھے۔ لیکن ان کو بھی معلوم تھا کہ اب بیماری آخری سٹیج پر ہے اور ان کو ایقہ کے قریب یا آس پاس ہی رہنے کی ضرورت تھی کیونکہ وہ بیماری کبھی بھی اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

انصر نے ان دونوں کو اس طرح پریشان دیکھا تو ان کے پاس آ گیا۔ وہ دونوں ہی کھڑکی سے ایقہ اور ایاز کو دیکھ رہے تھے۔ انصر نے بھی دیکھا اور بولا۔

''کیا بات ہے پاپا! مما! آپ لوگ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔'' اتنا پوچھنا تھا کہ تانیہ بیگم کی آنکھوں نے برسات جاری کر دی تو بصیر احمد نے بھی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو قابو کرتے ہوئے رپورٹس انصر احمد کی طرف بڑھا دیں۔ انصر نے حیرانگی اور پریشانی سے رپورٹس کو پڑھنا شروع کیا تو وہ بھی رنجیدہ ہو گیا۔ وہ بصیر احمد سے بولا۔ ''ڈاکٹرز سے بات کی آپ نے؟''

''یہ آخری سٹیج ہے اور ٹیومر کسی بھی وقت خطرہ بن سکتا ہے۔'' بصیر احمد نے بڑے حوصلے سے آنے والی موت کی خبر انصر احمد کو سنائی تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔

http://kitaabghar.com

''پاپا! انیقہ کو معلوم ہے کہ اس کو کیا بیماری ہے؟''

''نہیں انصر! اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس بار ثانیہ بیگم آنسوؤں سے بھیگے ہوئے لہجے میں بولیں تھیں۔

''اس طرح تو میری بیٹی وقت سے پہلے ہی مر جائیگی۔''

''مما! اس کو ہر لمحہ خوش رکھنے کی کوشش اس کی زندگی کو بڑھا سکتی ہے۔'' انصر نے خود کو یا دونوں کو دلاسہ دیا تھا لیکن اس کا لہجہ انتہائی غمگین اور غم تھا کہ اس کی آواز آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے پھٹ گئی۔

''میں نے تو اپنی بچی کی شادی کے بہت سے ارمان دیکھے تھے۔'' ثانیہ بیگم کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

''آپ حوصلہ کریں مما! اللہ سب ٹھیک کرے گا۔'' انصر احمد نے ثانیہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر ان کو دلاسہ دیا۔ اور بولا۔

''ہم اس طرح کرتے ہیں کہ ایاز کو تمام بات سمجھا دیتے ہیں کہ وہ اب انیقہ کو پڑھایا کم کرے اور اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں زیادہ کیا کرے۔ اس طرح جو بھی دو تین گھنٹے ہوا کریں گے وہ فریش ہو جایا کریگی۔ اور تعلیم کا بوجھ بھی اس کے ذہن پر نہیں پڑے گا۔''

انصر کی تجویز اچھی تھی بصیر احمد اس سے اتفاق کرتے ہوئے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''ٹھیک ہے ابھی تم اُس سے بات نہ کرنا۔ میں خود اس سے بات کروں گا..... وہ کافی ذہین ہے بات کو سمجھ بھی جائیگا۔ اور اس پر عمل کرنے کا فن بھی اُسے آتا ہے۔'' بصیر احمد ایاز کے گفتگو کرنے سے خاصے متاثر تھے۔ انہوں نے ثانیہ بیگم سے کہا۔ ''آپ اس کے سامنے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا..... میں کل ایاز سے بات کروں گا۔''

ثانیہ بیگم اور انصر احمد اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔

ثانیہ بیگم کو چین نہ آ رہا تھا۔ وہ دوبارہ کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو گئیں اور روتی ہوئی بولیں۔

''میں نے جویریہ کی طرح انیقہ کو بھی دلہن بنانے کی تیاری شروع کر دی ہے۔''

''اس حالت میں آپ جویریہ کو کچھ بھی نہیں بتائیں گی۔ وہ ڈسٹرب ہو گی۔'' بصیر احمد نے انہیں دلاسہ بھی دیا اور سمجھانے بھی لگے تھے۔ انصر احمد اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ انیقہ کی جان لیوا بیماری نے گھر کے ہر فرد کو پریشان کر دیا تھا۔

ایاز انیقہ کو مبارک باد دے رہا تھا کہ اس نے بہت اچھے طریقے سے ایگزام دیا ہے اور امید بھی ہے کہ تم بہت اچھے نمبر لو گی۔

انیقہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''سر یہ تو سب کچھ آپ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔''

''تمہاری اپنی بھی خاص محنت اور لگن شامل ہے اس امتحان میں۔'' ایاز نے کہا تو وہ افسردگی سے بولی۔

''مجھے لگتا ہے کہ میں محبت کے امتحان میں فیل ہو جاؤں گی۔'' ایاز یکدم موضوع بدلنے پر اس کی طرف حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''خود پر یقین اور قسمت پر بھروسہ ہونا چاہیے۔''

http://kitaabghar.com

''خود پر تو اتنا یقین ہے کہ جس چیز کو بھی حاصل کرنا چاہوں تو ہاتھ بڑھا کر پکڑ سکتی ہوں..... لیکن.....'' وہ اداسی سے بولی۔

''قسمت سے میرا کوئی خدا واسطے کا بیر چل رہا ہے۔''

ایاز ہنسنے لگا اور بولا۔ ''خود اعتمادی تو تقدیر بدلنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔'' وہ ایاز کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اور طنزیہ مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولی۔

''حد سے زیادہ خود اعتمادی اور تقدیر سے لڑ جانے کی بیوقوفی انسان کو ایسا روگ دے جاتی ہے جس کا کوئی بھی مداوا نہیں ہو سکتا۔'' ایاز نے ہی اس کو اچھی اچھی باتیں سکھائی تھیں لیکن وہ پر اعتماد لہجے اور بہترین الفاظ کے چناؤ کی اتنی ماہر ہو گئی تھی ایاز کو اس کا یقین ہی نہ آ رہا تھا۔

''تم باتیں اچھی کرتی ہو ایقہ!''

''آپ سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے ایاز!'' اس نے ''سر'' کا لفظ استعمال نہ کر کے ایاز کو حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

''لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ بہت ہی کچھ سیکھ نہیں پائی ہوں..... کہیں نہ کہیں میری زندگی کا وہ ورق ابھی خالی ہے جس پر محبت نے اپنی تحریر رقم کرنی ہے۔''

''محبت سیکھنے سے نہیں آتی۔ کرنے سے آتی ہے۔'' ایاز کے منہ سے دوسرا فقرہ غلط ادا ہو گیا تھا اور اس فقرے کو پکڑ کر ہی ایقہ بات کو آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ مجھے محبت کرنا آ گیا ہے ایاز؟'' اس نے سوال کر کے ایاز کی طرف دیکھا تو وہ نظریں جھکا گیا وہ پھر بولی۔

''افسوس کہ میں نے ابھی تک آپ کی نظروں میں وہ تشنگی اور وہ پیاس نہیں دیکھی جو محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔'' وہ خاصا نروس ہو رہا تھا۔ بات کو بناتا ہوا بولا۔

''کیونکہ مجھے محبت کرنا ہی نہیں آتا۔''

''تو پھر ان آنکھوں کے بجھے ہوئے دیئے جو یہ آپی کو دیکھ کر روشن کیوں ہو جاتے ہیں ایاز!'' اتنا بڑا سچ اور اتنا بڑا دھماکہ..... ایاز اس کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھوں کو جھکانا بھول گیا تھا۔ وہ منہ کھلے اس کی طرف ہی دیکھتا جا رہا تھا۔ اُس کا انداز ایسا تھا کہ وہ چوری کرتا ہوا موقع پر ہی پکڑا گیا ہے اور آج اس کو اس کی توقع کے برعکس سزا سنائی جا رہی ہے اور سزا بھی ایسی کہ موقع پر ہی سنگسار کر دینے کا حکم ہے۔

وہ روتی ہوئی دوبارہ ایاز کی طرف دیکھنے لگی تو ایاز اور بھی پریشان ہو گیا تھا۔ مبادا کہ جج صاحب یا افسر ادھر آ نکلے تو وہ اس کے رونے کا کیا مطلب لیں گے اور ایاز اپنی صفائی کس طرح بیان کرے گا وہ ایسی پوزیشن میں نہ تھا کہ جج صاحب یا افسر کو اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکتا۔

''ایاز! میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے..... میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں نے راتوں کو جاگ جاگ کر تمہیں پانے کی دعائیں مانگیں ہیں..... میں مر جاؤں گی ایاز..... اگر تم مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ رونے لگی تھی اور اس کی محبت کا اظہار کرنے کا طریقہ ان دونوں کو ہی مروا سکتا تھا۔

http://kitaabghar.com

''تم اس وقت کافی ٹینس لگ رہی ہو..... مجھے کچھ سوچنے کا موقع تو دو..... پلیز یہ رونا بند کرو۔ اگر سر ادھر آ گئے تو میں ان کو کیا جواب دوں گا۔'' ایاز کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

انیقہ کو بھی بات سمجھ آ گئی تھی وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ ایاز اس کو سمجھاتا ہوا بولا۔

''محبت کا چرچا یوں سرِ عام نہیں کیا کرتے..... دنیا میں محبت پہلے ہی بدنام ہے۔''

''میری دنیا تو تم ہو ایاز؟'' وہ تم کا لفظ ادا کر کے ایاز کو صرف اپنا مسیحا ہی تصور کر رہی تھی۔

''میری طرف دیکھو انیقہ!'' وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں جویریہ سے محبت کرتا ہوں؟'' اس سوال پر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہاری آنکھوں میں جلنے والے دیپ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں کہ وہ آپی کے نام پر یکدم جلنے لگتے ہیں۔''

ایاز اس کی بات سن کر ہنسنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''آنکھیں تو دھوکا بھی دے دیتی ہیں انیقہ۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم..... میں نے دھوکا ہی تو کھایا ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی تھی۔

''میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا انیقہ!'' ایاز نے اپنی صفائی میں کہا تو اس کی آنکھوں میں اس فقرے کی سچائی ڈھونڈنے لگی۔

''تو پھر وہ گلاب کا پھول کس اظہار کے لیے تھا ایاز!''

ایاز اس کی کمزور دلیل سے قائل نہ ہو سکا لیکن یہ بھی نہ کہہ سکا کہ وہ تو صرف جویریہ کے لیے تھا۔ اگر وہ یہ کہتا تو اس پر اور بھی دفعات لگ جاتیں کیونکہ ایسا کہنے کا مطلب تھا کہ جرم قبول کر لیا گیا ہے۔ وہ خاموش رہا تو انیقہ کو اور بھی کچھ کہنے کا موقع مل گیا۔

''اس گلاب کو مجھے دے کر میری دھڑکنوں کے تم مالک بن گئے تھے ایاز۔ اس دل نے تمہیں پہلی ہی نظر پسند کر لیا تھا جب تم مطربہ کے گھر اس کو پڑھانے کے لیے گئے تھے۔ اور پھر میری گاڑی کے آگے جب تم آئے تو تمہاری وہ آنکھیں میں آج بھی نہیں بھول پائی ہوں کہ تم نے جس محبت سے مجھے دیکھا تھا۔'' انیقہ اور ایاز کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر یکساں طور پر گھوم گیا تھا۔ اب وہ اس نادان لڑکی کو کیا بتاتا اور کیسے سمجھاتا کہ اسی ایکسیڈنٹ نے تو اس کا سکھ چین لوٹ کر دل کو جویریہ کی آنکھوں کا مکین بنا دیا تھا۔ بلکہ دل خود جویریہ کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ایاز کو اپنی بے بسی پر افسوس ہونے لگا تھا۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ کہنے والا پہلا چور تھا جو محبت کو اپنے الفاظ میں خراج پیش نہ کر سکتا تھا۔ وہ خاموش رہا تو انیقہ وہاں سے اٹھتی ہوئی بولی۔

''میں نے تم سے محبت کی ہے ایاز! اتنا یاد رکھنا کہ میں اگر مروں گی بھی تو تمہاری محبت کا لباس ہی میرا کفن ہو گا۔ اور اگر زندہ رہی تو تمہاری محبت کو ہی پیرہن بنا کر مرنے تک اوڑھے رکھوں گی۔'' وہ بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی تھی۔ وہ تو چلی گئی لیکن ایاز پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔

http://kitaabghar.com

اگر اس نے خودکشی کر لی تو ایاز خود کو کبھی بھی معاف نہیں کریگا..... لیکن وہ زبردستی اپنے آپ کو انیقہ کا کیسے کر سکتا تھا۔ وہ وہاں سے نکلا تو اسکا ذہن منتشر ہو رہا تھا۔

وہ پیدل ہی گھر کی جانب چلنے لگا تھا۔ وہ انیقہ کی بیوقوفی کے محرکات پر غور کرنے لگا تھا۔ اُس کو یاد تھا کہ اس نے کبھی بھی انیقہ سے اپنی طرف سے محبت کا اظہار یا اشارہ بھی دیا ہو۔

اس نے دل سے جویریہ کو چاہا تھا اور آج بھی چاہتا تھا..... اُس نے جویریہ سے محبت کر کے اس محبت کا اظہار بھی اس لمحہ کر دیا تھا جب وہ حارث کی دلہن بن کر سیج پر جانے لگی تھی۔ گلاب کا پھول تو پہلی بار بھی اس نے جویریہ کے لیے ہی لیا تھا اور اگر انیقہ کو ہی دینا تھا تو وہ جویریہ کو دوسری بار پھول پیش کرتے ہوئے اپنی محبت کا اظہار کیوں کرتا۔ وہ اس لمحے کو یاد کر کے حظ اُٹھانے لگا تھا جب جویریہ دلہن بن کر اپنے کمرے سے نکلی تو صرف اس کو ملنے آئی تھی۔

''اگر پھول ہی دینا ہے تو پھر سب کے سامنے دیتے۔'' جویریہ نے پھول لیتے ہوئے حیرانگی سے کہا تو ایاز نے برجستہ دل کی آواز کو الفاظ بنا کر کہا تھا۔ ''جب محبت سب سے چھپا کر کی ہے تو پھر پھول سب کے سامنے کیوں دیتا۔'' اُس نے جویریہ کو حیران چھوڑ کر وہاں سے واپس آنے والے وہ لمحات بھی یاد کیے کہ وہ کتنی ہی دیر تک باہر آ کر اپنا سانس درست کرتا رہا تھا۔ اور بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو میں کرنے کے لیے وہ راستے میں ایک مسجد میں چلا گیا۔ اس نے وضو کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور خود کو سرینڈر کر دیا تھا۔ وہ سجدہ ریز ہو کر آنسوؤں کو نیچے صحن میں جذب ہونے دے رہا تھا۔ اس نے کاتب تقدیر سے کوئی گلہ نہ کیا تھا۔ کوئی شکوہ نہ کیا تھا۔ کوئی شکایت نہ کی تھی۔ کوئی التجا کوئی آرزو نہ کی تھی بلکہ اس کے آنسوؤں نے سب اظہار کر دیے تھے۔

اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سجدہ میں پڑا رہا۔ جب وہ اُٹھا تو اس کی آنکھیں خون رو چکی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ اُٹھا کر اتنا ہی کہا تھا۔

''میرے رحمٰن و رحیم مالک! اگر کوئی تجھ سے تیرا محبوب چھین لیتا تو تیری رحمت کیا کرتی؟'' اس نے اپنے لیے کچھ بھی نہ مانگا تھا بس اللہ کریم کی بارگاہ میں اپنے آنسوؤں کو فریادی بنا کر اپنا مدعا اس انداز میں بیان کر دیا تھا کہ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ جس کی چیز ہو اسی کو ملتی ہے جلد یا بدیر۔ لیکن وہ بڑا ہی انصاف کرنے والا منصف ہے۔ یقیناً ایاز جویریہ کے قابل نہ ہوگا۔

یقیناً حارث کی محبت اور تڑپ میں زیادہ دم ہوگا۔ یقیناً جویریہ نے بھی حارث کو اتنی شدت سے چاہا ہوگا کہ کاتب تقدیر کو ان کی محبت کا انداز پسند آ گیا ہو۔

لیکن نہیں..... شدت تو ایاز کی محبت میں بھی بہت تھی۔ وہ اپنے اظہار کو روک نہ پایا تھا۔ وہ براہ راست جویریہ سے اظہار کرنے کی جرات کر بیٹھا تھا۔ لیکن اس کا سٹیٹس اور جویریہ کا سٹیٹس زمین آسمان کو آپس میں ملانے والی بات تھی۔ رات اور صبح کی صلح کروانے والی بات تھی۔ ندی کے دو کناروں کو آپس میں ملانے والی بات تھی..... یہ اتنا کچھ مشکل کام تھا کہ ایاز کو خود ہی اپنے اوپر ہنسی آ گئی۔ کہ وہ فقیر ہو کر

http://kitaabghar.com

بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنے کا خواب دیکھ بیٹھا تھا۔ کیا قدرت اس کے لیے اپنا سب نظام تبدیل کر دیتی۔ کیا کاتب تقدیر کسی کی چیز اُٹھا کر اس کی جھولی میں ڈال دیتا؟ وہ کوئی ایسا بچہ نہ تھا کہ جس کے رونے پر ترس کھا کر اس کی من پسند چیزیں دوسروں بچوں کے سامنے سے اُٹھا کر اس کو دے دی جاتیں۔ یہ محبتوں کے قصے ہیں۔ یہ محبتوں کے فسانے ہیں۔ یہ محبتوں کی باتیں ہیں۔ یہ ہر چیز اور ہر نفسانی خواہش پر قابو پانے کا نام ہے۔ یہ کاتب تقدیر کو اس کا قلم موڑنے پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔ محبت ظالم اور مظلوم بھی ہے۔ اس نے سولی پر چڑھ کر اور دیواروں میں چنے جانے کے باوجود بھی اپنا نام اور مقام برقرار رکھا ہے۔

لیکن اللہ تو ہر چیز ہر شے کا مالک ہے۔ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ''کُن'' کہنے پر کئی جہانوں کی تخلیق معرض وجود میں آ جاتی ہے۔ ایاز کی محبت اس کو لوٹانا تو اس کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔

ایاز نے محبت کر کے بھی کوئی انوکھا کام نہ کیا تھا..... محبت صدا سے ہی دو مختلف طبقوں کے درمیان پستی ہوئی آ رہی ہے۔ ایاز مسجد سے نکل کر سیدھا گھر پہنچا تھا۔ اس نے اپنی درخواست اپنا مدعا دنیا کی نہیں بلکہ کائنات کی اعلیٰ ترین عدالت میں پیش کیا تھا اور آج اس مصنف نے انیقہ کی زبانی اس کی محبت کا اعتراف کرا کے اس کو بتا دیا تھا کہ تمہاری چیز یہ ہے جو یہ حارث کی چیز تھی۔ وہ اسی کو ملنا تھی اور تمہاری باری آنے پر تمہیں تمہاری چیز دے دی گئی ہے۔

اب ایاز اس کاتب تقدیر کے حکم اور اس کی تقسیم کے طریقہ پر اعتراض کر کے گنہگار نہ ہو سکتا تھا۔ اس کو انیقہ کی محبت قبول کر لینے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیے۔

ایاز نے ایک بار پھر اسی مسجد کی طرف دیکھا تو اس کا کھلا ہوا دروازہ اُسے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گیا اور وضو کر کے ایک بار پھر اس نے اپنے آپ کو سجدہ میں گرا لیا اور اللہ کی کرم نوازی اور رحمتوں پر شکرانے کے آنسو بہانے لگا..... مگر تقدیر ایک بار پھر اس کے بھولپن پر ہنس رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

حارث نے حیرت سے جویریہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی یار۔'' اس کو یقین ہی نہ آ رہا تھا۔

''میں نے خود اس کے کمرے میں جا کر دیکھا ہے۔ اس کی الماری کے درازوں میں سگریٹ کے پیکٹس اور ڈرگز کے چھوٹے چھوٹے لفافے موجود ہیں جن میں سفید پاؤڈر بھرا ہوا ہے۔'' جویریہ نے حارث کو بُرا اعتماد لہجے میں یقین دلانے کی کوشش کی تو وہ ہونق بن کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور جویریہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''لیکن تم اس کے کمرے میں گئی ہی کیوں ہو جویریہ..... کیا یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں ہے۔'' حارث اُلجھ سا گیا تھا۔

وہ حارث کے کندھے پر اپنا منہ رکھتی ہوئی بولی۔ ''حارث! مجھے کئی دنوں سے اس کی صحت اور حرکات مشکوک لگ رہی تھیں وہ

http://kitaabghar.com

اکثر اپنے بدن کو ان لوگوں کی طرح کاٹتی رہتی تھی جن کو ڈرگز کی لت پڑ چکی ہو۔"

"تو تم نے اس کا یہ رزلٹ نکالا کہ اس کے کمرے کی تلاش لینے چلی گئی۔" حارث کو افسوس ہو رہا تھا۔ کہ جویریہ نے یہ حرکت کیوں کی ہے۔ وہ اپنی صفائی میں کہنے کے لیے بولی۔

"میں نے اس کو اکثر سکندر کے کوارٹر میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔" سکندر کا نام سن کر حارث چونک کر اس کی طرف مڑا اور اس کے سامنے کھڑا ہوا ہوا بولا۔ "سکندر! تمہارا مطلب ہے کہ وہ سکندر جو بابا جان کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا چکا ہے؟"

حارث کو یقین نہ آ رہا تھا۔ اس نے جویریہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے دیکھا۔ وہ جویریہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"جویریہ! مجھے نہیں معلوم کہ تم یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی ہو..... اس میں کتنی سچائی ہے اور کتنا جھوٹ ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا۔"

جویریہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا تو حارث نے اس کو خاموش کروا دیا اور کہنے لگا۔

"میں اور اقصیٰ رشتے میں بوا اور بھتیجا لگتے ہیں۔ ہم نے بچپن اکٹھے ہی گزارا ہے۔ میں اقصیٰ کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کیا کر سکتی ہے۔ مانا کہ اس کی فیملی ایسی ہے کہ اس کو قدم قدم پر غلط اور صحیح لوگ ملتے رہتے ہیں۔ لیکن اقصیٰ نے آج تک کوئی بھی ایسا کام نہیں کیا ہے کہ اس کا سکینڈل بنا ہو کسی بھی پیپر اور کسی بھی چینل پر اس کی کوئی خبر ایسی آئی ہو کہ جس سے اس نے بابا جان یا پھر اس خاندان کو بدنام کرنے کا سوچا بھی ہو۔"

حارث نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیا اور خود دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور وہ اس کے قدموں میں آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"؟ حارث! میری اقصیٰ سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور نہ ہی میں یہ کوشش کر رہی ہوں کہ اس کو بدنام کروں۔ میں اس گھر کی نیک نامی کے لیے ہی کہہ رہی ہوں حارث، پلیز میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں آپ۔" وہ روہانسی ہو گئی تو حارث نے اس کو بازوؤں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اس کو بیڈ پر بٹھاتا ہوا بولا۔

"تم صرف اس بچے کی طرف دھیان دو جویریہ! تمہیں دنیا سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے کہ کون کیا کر رہا ہے۔"

جویریہ اس کی آنکھوں میں پہلی بار وہ ضبط دیکھ رہی تھی جو حارث بے یقینی کی کیفیت میں خود پر کر رہا تھا۔

"میں اپنے طور پر دیکھوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔ تم اس معاملے میں دور ہی رہو تو یہ تمہارے لیے، میرے لیے اور اس بچے کے لیے بھی بہتر ہوگا۔"

وہ سمجھ نہ پائی تھی کہ حارث نے اس کو سمجھایا ہے یا دھمکی دی ہے۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو اس کو حارث اپنا مخلص ہی نظر آیا تھا۔ حارث کی آنکھوں میں موجزن پیار کو دیکھ کر جویریہ نے پرسکون سانس لی اور اپنے آپ کو بیڈ پر گرا لیا۔ حارث نے اس پر کمبل دیا اور خود باہر نکل گیا۔

اب حارث پتہ نہیں کیا کرنے والا تھا اس بات نے جویریہ کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک کوئی بھی بات اقصیٰ کے خلاف ثبوت

http://kitaabghar.com

کے طور پر پیش نہ کر سکی تھی یا پھر دلیل سے ثابت نہ کر سکی تھی کہ اقصیٰ سکندر سے ملتی ہے اور ڈرگز بھی استعمال کرتی ہے۔ وہ خود ہی حارث سے بات کر کے اس کی نظروں میں گر گئی تھی۔

لیکن اب وہ اس خاندان کا حصہ تھی اور اس کو فکر بھی تھی کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اور وہ اس گھر کے مکینوں کا اپنے ساتھ محبت بھرا رویہ اور سکھ آرام دیکھ کر شمعون کے لیے انیقہ کی بات بھی بصیر احمد اور ثانیہ بیگم سے کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ اقصیٰ اس گھر کو بدنام نہ کرے یا پھر یہ خاندان اپنی ناک کے عین نیچے ہونے والی واردات سے ہی بے خبر رہے۔ اور بدنامی اس خاندان کا مقدر بن جائے۔ اگر یہ خاندان بدنام ہوتا ہے تو اس کے ساتھ خود جویریہ اور اس کا بچہ اور پھر انیقہ بھی بدنام ہو سکتی ہے اور اس کے والدین، انصر احمد اور اس کی طرح تو یہ بدنامی کا طوق ان کے گلے میں ہڈی بن کر پھنس جائے گا۔ وہ اپنے طور پر ضرور کوشش کرے گی کہ اقصیٰ کو اس ذلت سے نکالنے کی کوشش کرے اور اگر وہ نہ مانی تو وہ سکندر اور نعمان ایزد سے خود بات کرے گی۔ وہ سکندر کو یہ گھر چھوڑنے پر مجبور کر دے گی۔ لیکن اس کے لیے ثبوتوں کی ضرورت تھی۔ وہ ایک بار پھر اقصیٰ کے کمرے میں جائیگی اور دیکھے گی کہ اگر اس کے دراز میں ڈرگز ہوئی تو وہ نعمان ایزد، جہان آرا بیگم اور حارث کو اس کے کمرے میں لیجائیگی اور موقع پر ہی یہ ثابت کرے گی کہ اقصیٰ ڈرگز بھی لیتی ہے اور سکندر سے بھی اس کے تعلقات ہیں۔ اس نے تہیہ کر کے آج یا کل ہی اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا سوچ لیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

اب اسی کو اپنے بچے کی فکر ہو رہی تھی وہ مسلسل چیک اپ کروا رہی تھی اور ڈاکٹرز کی ہدایات پر عمل کرتی ہوئی دوائیاں اور فروٹ کے ساتھ ساتھ دودھ کا استعمال بھی کثرت سے کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس گھر میں پنے والا انہا بچہ کسی بھی ان دیکھی بدنامی کا طوق گلے میں نہ ڈالے اور وہ ایسا پیدا ہو کہ سر اٹھا کر معاشرے میں چلنے کے قابل ہو۔ اقصیٰ کی کوئی بھی داستان اس کے بچپن اور جوانی کو داغدار نہ کر سکے۔

☆.....☆.....☆

نعمان ایزد الیکشن کی تیاریوں میں کافی مصروف تھے لیکن وہ اپنا "پرسنل کام" کرنا نہ بھول رہے تھے۔ انہوں نے ریشم کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اس بات کی احتیاط کرے کہ کہیں کوئی بھی بدنامی یا گناہ اس کے پیٹ میں نہ پلنے پائے۔ ریشم اس بات کا خاص خیال رکھ رہی تھی۔ اور اپنا بینک بیلنس بڑھاتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے خوابوں کو حقیقت کا رنگ دینا شروع کر دیا تھا۔ اور کامیابی سے وہ اپنے طے کرتی ہوئی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ شمعون پر اپنی بچی محبت لٹاتے ہوئے اس کی آنکھیں اور دل اس سے بغاوت نہ کرتے تھے لیکن وہ شمعون کے سامنے اپنی اس مجبوری اور لاچاری کو ظاہر نہ کر سکتی تھی۔ اس نے الیکشن کی تیاریوں میں نعمان ایزد کی ہدایات پر عمل درآمد کرتے ہوئے پورے حلقے کے ووٹرز کی فہرستیں بنا کر ان کے سامنے رکھ دی تھیں۔ نعمان ایزد آج کل ہر روز کھلی کچہری میں لوگوں کے مسائل بڑی گرم جوشی اور خوشی سے حل کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔

وہ دو بھی ان کی گزشتہ غیر حاضری کو بھول کر ایک بار پھر ان کے گرویدہ ہو رہے تھے۔ وہ رات کو ایک محلہ منتخب کرتے اور سکندر اور اپنے مخصوص سپورٹران کے ساتھ ڈور ٹو ڈور جا کر اپنے اپنے ووٹ مانگتے تھے اور ہر گھر سے کوئی نہ کوئی ڈیمانڈ ملنے پر وہ موقع پر ہی دستخط

http://kitaabghar.com

کر کے سپورٹران اور ووٹرز کی پریشانی کو حل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو رہے تھے۔

ایک گھر کے دروازے پر بیل دی گئی تو اس گھر سے صائمہ برآمد ہوئی۔ نعمان ایزد اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور یہی کیفیت صائمہ اور خود سکندر کی بھی تھی۔ سکندر نے تو یہ سنا تھا کہ اس کی بہن لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے لیکن یہ تو کافی قیمتی گھر تھا جس سے صائمہ برآمد ہوئی تھی۔

نعمان ایزد حیرت کے جھٹکے سے نکلتے ہوئے بولے۔

''گھر کے کسی مرد کو بلائیں۔'' صائمہ نے سکندر کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے ذہن نے فوراً کام کیا اور وہ کام کرنیوالی مائی کے لہجے میں بولی۔ ''صاحب جی اور بیگم صاحبہ ایک شادی پر گئے ہیں جی۔ گھر میں صرف میں ہوں اور ایک اور ملازم ہے۔'' اتنا سننا تھا کہ سکندر نے پرسکون سانس خارج کی۔ اس کی بہن اس گھر میں بھی کام کاج ہی کرتی تھی۔ وہ رونے والا ہو رہا تھا۔ اس نے نعمان ایزد کے چہرے کے تاثرات دیکھے تو وہ نخوت سے بولے۔

''اپنے مالکان سے کہہ دینا کہ نعمان ایزد آئے تھے اور ان کے ووٹوں کے لیے کہہ رہے تھے۔''

''جی ضرور کہہ دوں گی۔'' ''صاحب جی!'' یہ آخری دو لفظ سن کر نعمان ایزد کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ تھوک نگلتے ہوئے صائمہ کی طرف دیکھ کر اپنے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت نہ چھپا سکے تھے۔

وہ اپنے سپورٹران کے ساتھ آگے بڑھے تو صائمہ نے اندر جا کر گیٹ بند کر لیا اور پرسکون سانس لیتی ہوئی آسمان کی طرف دیکھنے لگی کہ آج تو اللہ نے اس کو بال بال بچا لیا تھا۔

اگر اس کے بدلے ایاز یا ریشم باہر نکل کر دیکھ لیتے تو یقیناً کام بگڑ سکتا تھا۔

صائمہ ریشم کی ضد پر ایاز کے ساتھ اس گھر میں شفٹ ہو گئی تھی اور وہ کوارٹر انہوں نے مرمت اور بہترین حالت میں مزدور اور مستری اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ ایاز ان کی نگرانی کے لیے وہاں چلا جاتا تھا۔

ریشم کا خیال تھا کہ اس کو بیچ دیں گے لیکن صائمہ نے اس کو منع کر دیا تھا اور اس کی مرمت مکمل ہو جانے تک کوئی بھی فیصلہ کرنے سے منع کیا تھا..... وہ اس کوارٹر کو اس کے اصل مالک جسٹس بصیر احمد کے حوالے کرنا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے غور سے حارث کی بات سنی اور نفرت سے بولی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیوی صاحبہ کیا گل کھلاتی رہی ہیں۔ اور وہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔'' حارث کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ اقصیٰ کا لہجہ اور پھر الفاظ کی جدت اتنی تھی کہ اس کو اپنا سارا بدن ہی جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اقصیٰ کی طرف حیران کن نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ اُس نے اقصیٰ سے ڈرگز لینے کے بارے میں ہی پوچھا تھا تو وہ ہتھے سے ہی اُکھڑ گئی تھی۔

http://kitaabghar.com

''اقصیٰ! تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' حارث نعمان کی محبت کا تاج محل گرنا شروع ہو چکا تھا کیونکہ اس کی شک کی ایک ایسی ''گینتی'' زور سے ماری گئی تھی جس نے اس محل کی عمارتوں کو لرزا دیا تھا۔ اور عمارت ایک بار تو لرز کر رہ گئی تھی۔ ابھی تک کسی بھی ٹوٹ پھوٹ کی کوئی اطلاع نہ ملی تھی۔

''مجھ پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے جا کر اپنی اس نیک پروین بیوی سے پوچھو کہ اس کے ایاز کے ساتھ کیا تعلقات تھے؟''

ایاز کا نام سن کر حارث کا بدن شعلوں میں لپٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ کیونکہ ایاز مطربہ اور انیقہ کو پڑھانے دونوں ہی گھروں میں جاتا تھا اور شادی سے پہلے جویریہ بھی اس سے ملتی رہی ہوگی اور پھر شادی کے بعد بھی ایاز اس گھر میں مطربہ کو ٹیوٹر بن کر پڑھانے آتا رہا ہے۔

اور زوردار شک کی ضرب نے عمارت کا اوپر والا حصہ گرانا شروع کر دیا تھا۔

''لیکن اقصیٰ! تم یہ جھوٹ بول رہی ہو، بکواس کر رہی ہو۔ کیا ثبوت ہیں تمہارے پاس ایاز اور جویریہ کے حوالے سے۔''

''اور تمہاری سچی بیوی کے پاس کیا ثبوت ہیں کہ اس نے مجھے زرگز لیتے ہوئے دیکھا ہے۔''

بات معقول اور دلیل بھی معقول ہی تھی۔ اگر حارث اس کو بتاتا کہ جویریہ اس کے کمرے کی تلاشی لے چکی ہے تو وہ اور بھی شیر نی بن کر اس پر مزید غرا سکتی تھی۔ حارث نے اقصیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر تمہاری باتیں غلط اور محض الزام پر ہی مبنی ہوئیں تو یاد رکھنا اقصیٰ میں رشتوں کا لحاظ اور تقدس بھول بھی سکتا ہوں۔'' وہ جانے لگا تو اقصیٰ مسکراتی ہوئی بولی۔

''اگر سچ ہوئیں تو کیا کرو گے حارث۔'' حارث کے اٹھنے والے یکدم رک گئے تھے۔ وہ اقصیٰ کی طنزیہ ہنسی سن کر اپنے پاؤں پر گھوما اور بولا۔ ''پھر تمہیں اس کے ثبوت دینا ہونگے۔''

''اور پھر..... اس کے بعد کیا ہوگا؟'' اقصیٰ کا لہجہ ہنوز طنزیہ اور الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تھے۔

''پھر وہ ہوگا..... جس کا تصور دونوں خاندانوں نے کبھی بھی نہیں کیا ہوگا۔'' یہ کہہ کر حارث غصے سے پھنکارتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا تو اقصیٰ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔

''ایاز اور جویریہ..... اتم تو گئے ایک ہی نشانے سے.....'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے گویا ان دونوں کو ایک ہی گولی ماردی تھی۔

''اقصیٰ سبحان اللہ کو ٹھکرانے اور نظر انداز کرنے کا انجام تم بھی دیکھنا ایاز!'' اس کی مسکراہٹ اور الفاظ میں زہر بھرا ہوا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ حارث تمہیں گولی ہی ماردے..... اور جویریہ میڈم! تم بھی اپنا بوریا بستر باندھ لو۔'' وہ خود ہی بڑبڑا رہی تھی اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ دونوں سے ہی اپنا انتقام لے رہی ہے۔

حارث نعمان نے خود کو پرسکون کر لیا تھا۔ اس نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ کیا جویریہ اس کے ساتھ اتنا برا مذاق بھی کر سکتی ہے کہ اس کی محبت کو ہی دھوکا دے دے؟

لیکن اس کو کسی طور پر بھی یقین نہ آ رہا تھا کہ جویریہ اس کے پیار میں نقب لگا سکتی ہے۔ اقصیٰ نے اس کے ذہن میں جو شک کا بیج

http://kitaabghar.com

بو دیا تھا وہ پانی ملنے کا ہی منتظر تھا۔

جویریہ نے تیار ہو کر حارث نعمان کی طرف دیکھا تو وہ قربان ہوتا ہوا بولا۔

''کس کو قتل کرنے کا ارادہ ہے آج۔'' جویریہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آئی اور بولی۔

''اب میرے ترکش میں کوئی بھی تیر نہیں ہے۔ سارے تیر حارث نعمان پر آزما لیے ہیں۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''ویسے ہو تم بہت ظالم! اب کہاں کی تیاری ہے؟''

''اپنے بیٹے کے لیے شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔ مطربہ کے ساتھ!'' جویریہ نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ تم بیٹے کے لیے شاپنگ کر لینا اور میں کل مطربہ کے ساتھ بیٹی کے لیے شاپنگ کرنے چلا جاؤں گا۔''

دونوں ہی ہنسنے لگے اور جویریہ ''بائے'' کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

حارث نعمان نے آج اس طرح اچانک جویریہ کا بازار جانے کا سن کر اس کا تعاقب کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کے دس منٹ بعد وہ گھر سے گاڑی لے کر نکلا اور سیدھا وہاں پہنچا جہاں سے وہ اکثر خریداری کیا کرتے تھے۔

اس نے مال کے سامنے ایک طرف بنے ہوئے پارکنگ میں گاڑی پارک کی اور مطربہ کو کال ملا دی۔ دوسری طرف سے دوسری بیل پر ہی کال ریسیو کی گئی۔ ''جی بھائی!''

''مطربہ! میں جویریہ کے نمبر پر ٹرائی کر رہا ہوں وہ نمبر مجھے آف مل رہا ہے۔ ذرا دیکھنا کیا پرابلم ہے؟'' وہ جان بوجھ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس وقت کس مارکیٹ میں ہیں۔

''پرابلم تو کوئی نہیں بھائی بھابی کا سیل بیگ میں ہوگا اور آپ نے ہی تو ان کو منع کیا ہے کہ وہ آج کل ٹون نہ لگائیں وہ اچانک ٹون سے ڈسٹرب ہو جاتی ہیں۔'' حارث نعمان مطربہ کی بات سن کر ہونٹوں کو سکڑتا ہوا بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم لوگ اس ٹائم کہاں ہو؟''

''ہم شاپنگ مال میں ہیں..... کیا آپ نے آنا ہے بھائی؟'' مطربہ نے کہا تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

''میں کل تمہارے ساتھ اسی مال میں آؤں گا ہم دونوں بھی شاپنگ کریں گے۔ ویسے جویریہ ہے کہاں؟''

''بھابی دکان کے اندر ہیں اندر آواز ٹھیک سے نہیں آ رہی تھی۔'' حارث نے ''او کے بائے ٹیک کیئر'' کہہ کر کال منقطع کر دی حارث نے انتہائی غیر اخلاقی کام کیا تھا اس نے مطربہ اور جویریہ کا تعاقب کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ شاپنگ کر رہی تھیں۔ جبکہ حارث ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ اور پھر بالآخر اس کو گوہر مقصود مل ہی گیا۔ اس نے دیکھا کہ جویریہ اور مطربہ ایک مال سے باہر نکل رہی تھیں کہ ایاز سے ان کا سامنا ہو گیا۔

ایاز ان سے خوش اخلاقی سے ملا تھا جبکہ مطربہ نے اس کو سلام کیا تو ایاز نے اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور جویریہ سے باتیں

http://kitaabghar.com

کرنے لگا۔ حارث نے موبائل نکال کر دو تین فوٹوز بنائیں اور وہاں سے پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی گاڑی تک آ گیا۔ اس کو اقصیٰ کی ہر بات کا یقین آ رہا تھا کہ جویریہ کے تعلقات ایاز سے رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ اس نے گاڑی میں آ کر موبائل پر ان فوٹو کو کلوز کر کے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا دل اس وقت بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جویریہ کو اپنا سب کچھ سمجھا تھا جبکہ جویریہ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی۔

وہ اپنی ہی آگ میں جلتا ہوا گاڑی وہاں سے لے کر آفس چلا گیا۔ دو تین بار جویریہ کی کال روٹین کے مطابق اس کے موبائل پر آئیں بھی لیکن اس نے کال ریسیو کرنے کی بجائے کال ہی منقطع کر دی۔ وہ ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

جویریہ نے بھی حیرانگی سے موبائل کو دیکھا اور حارث کے اس رویے پر حیران رہ گئی کیونکہ یہ سب اس کی خلاف توقع ہو رہا تھا۔ ایسا تو حارث نے کبھی بھی نہ کیا تھا۔ رات کو گھر آنے پر حارث کا موڈ خراب تھا۔ جویریہ کے لیے یہ سب حیران کن ہی تھا۔ وہ اس کے پاؤں دباتی ہوئی بولی۔

''حارث! کیا بات ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔'' جویریہ نے دھیمے لہجے میں پوچھا تو وہ جھٹکے سے ہی اُکھڑ گیا۔

''کیا ہو تم..... مجھے سمجھ نہیں آ سکی۔'' حارث کا تلخ لہجہ اور انداز جویریہ کو حیران کر گیا تھا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولنا ہی چاہتی تھی کہ حارث نے ہاتھ اُٹھا کر اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

''اقصیٰ پر الزام لگاتی ہو اور خود کیا کرتی پھرتی ہو جویریہ؟'' جویریہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرتی پھرتی ہے جس کی اس کو بھی سمجھ نہیں ہے۔ ''میں نے کیا کیا ہے حارث..... آپ اتنا ناراض ہو رہے ہو؟'' وہ بے بسی سے بولی تو وہ طنز سے اپنا موبائل نکال کر اس میں سے آج کی فوٹوز نکال کر اس کو دکھانے لگا تو وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''یہ تو آج کی فوٹوز ہیں۔ مگر آپ کے موبائل میں کیسے؟''

''بس جویریہ بیگم! میں اب اور دھوکا نہیں کھا سکتا۔'' اس نے جویریہ کو بولنے سے منع کرتے ہوئے کہا تو وہ رونے لگی۔ ''یہ تصاویر میں نے خود بنائی ہیں۔ کسی نے نہیں۔ یہ ایاز بالکل اسی جگہ کیا کر رہا تھا جہاں تم دونوں شاپنگ کر رہی تھیں؟'' وہ اپنا غبار اور ناراضگی کی وجہ بتاتا ہوا چیخا تو جویریہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''وہ تو سر راہ ایک چھوٹی سی ملاقات تھی حارث اور پھر اس نے تو مطربہ سے ایگزام کے بارے میں بات کی تھی۔'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ ''آپ نے اس چھوٹی سی بات کو اتنا بڑا ایشو بنا لیا ہے۔''

''تمہارے لیے ہو گی چھوٹی سی بات یا پھر تمہارے خاندان کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہو گی.....'' حارث ابھی بول ہی رہا تھا کہ جویریہ چیختی ہوئی بولی۔

''حارث پلیز! سٹاپ دس! اِنف از اِنف! میں تو سمجھی تھی کہ آپ مذاق کر رہے ہیں لیکن آپ نے تو میرے خاندان کو بدنام کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔''

''اپنی زبان کو لگا دو جویریہ بیگم! حد سے بڑھی ہوئی زبانیں ہم کاٹ کر کتوں کو کھلا دیا کرتے ہیں۔'' حارث بھی چیخا تو یکدم

http://kitaabghar.com

دروازے پر دستک سن کر وہ خاموش ہو گے۔ دروازہ کھلنے پر نعمان ایزد کے سامنے آئے تو وہ حیران ہو گئے۔

''بابا جان آپ؟'' نعمان ایزد نے غصے سے حارث کی طرف دیکھا اور بولے۔

''کیا بات ہے کہ تمہاری آوازیں اس کھلی ہوئی کھڑکی سے اتنی دور تک سنائی دے رہی ہیں کہ مجھے خود آنا پڑا ہے۔'' ان کے پیچھے ہی جہان آرا بیگم اور اقصیٰ بھی تھی۔ اقصیٰ کو دیکھ کر جویریہ کا خون کھولنے لگا تھا۔

''آپ آئیں نا انکل پلیز اندر آئیں۔ میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' جویریہ نے کہا تو جہان آرا بیگم بولیں۔

''تم دونوں ہی نیچے ٹی وی لاؤنج میں آؤ۔ وہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔'' یہ کہہ کر نعمان ایزد اور باقی سب بھی چلے گئے۔

جویریہ حارث سے پہلے ہی کمرے سے نکل گئی۔ وہ لاؤنج میں پہنچی تو نعمان ایزد ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے جویریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو چند سیکنڈ بعد ہی شمعون، حارث اور اقصیٰ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ مطربہ کو آنے میں تھوڑی سی دیر لگی تھی۔ نعمان ایزد نے کہنا شروع کیا۔

''جویریہ! تم بصیر احمد کی نہیں بلکہ میری بیٹی ہو۔ جو بھی بات ہے تم بتاؤ۔'' نعمان ایزد جویریہ سے مخاطب ہوئے تو وہ حارث کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''انکل بات تو کوئی بھی اتنی بڑی نہیں ہے جتنا بڑا ایشو حارث نے بنا لیا ہے۔''

''بابا جان! میں بتاتا ہوں.....'' حارث نے بولنا چاہا تو نعمان ایزد نے اس کو بولنے سے منع کر دیا اور پھر جویریہ سے مخاطب ہوئے۔ ''کہو کیا بات ہے۔''

''میں نے اقصیٰ کو پراسرار اور عجیب و غریب حالت میں دیکھ کر حارث سے بات کی۔ مگر انہوں نے میری بات کو سنجیدگی سے نہ لیا۔ میں نے ایک غیر اخلاقی حرکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقصیٰ کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں جا مختلف جگہوں کی تلاشی لی تو مجھے ڈرگز کے پیکٹ ملے۔''

''واٹ!؟'' اقصیٰ چیخی تو سب ہی اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ ''تم نے میرے کمرے کی تلاشی لی؟ یو آر بلڈی بیچ۔'' اقصیٰ کی زبان نے زہر اگلا تو جویریہ کا پارہ ہائی ہو گیا مگر وہ نعمان ایزد کا لحاظ کرتی ہوئی پھر بولی۔

''میں نے ان پیکٹس کو دیکھا تو ان میں سفید زہر بھرا ہوا تھا جو اقصیٰ اپنے بدن میں خون کی جگہ شامل کر رہی ہے۔''

''یہ جھوٹ ہے یہ بکواس کرتی ہے۔'' اقصیٰ کی بدزبانی مشہور تھی لیکن آج جویریہ دیکھ بھی رہی تھی اور سن بھی رہی تھی۔

''تم خاموش رہو.....'' نعمان ایزد دھاڑے۔ ''تمہیں بھی موقع دیا جائیگا کہ تم اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکو۔''

''میں کوئی مجرم نہیں ہوں..... اور یہ جج کی بیٹی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہر روز گھر میں عدالت لگا لیا کرے اور ہم اس کی عدالت کے کٹہرے میں مجرموں کی طرح آ کر کھڑے ہو جایا کریں۔'' اقصیٰ بھی ہتھے سے اکھڑی ہوئی تھی۔ اور نعمان ایزد اس کے سامنے بے بس نظر آ رہے تھے۔ ''بغیر ثبوت باتیں کر کے تم اپنے ان عیبوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی جو میں نے آشکار کرنے ہیں۔'' اقصیٰ نے اس کو بھی گنہگار ٹھہرا کر سب کے ذہنوں میں شک ڈال دیا تھا۔ وہ تڑپ کر حارث کی طرف دیکھنے لگی مگر حارث نے نفرت سے اس سے منہ پھیر لیا تھا۔

http://kitaabghar.com

''انکل! میں نے اقصیٰ کو کئی بار سکندر کے کوارٹر سے نکلتے دیکھا ہے۔ یہ اس سے ڈرگز بھی لیتی ہے اور.....'' جویریہ نے کہا تو اس بار حارث نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مار دیا۔ وہ دور جا گری۔

''تم اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں اتنا گھٹیا اور نیچ الزام اقصیٰ پر لگا رہی ہو۔ بے شرم اور بے حیاء ہونے میں تمہیں اتنا ہی ٹائم درکار تھا۔'' جویریہ کی آنکھیں برسات برسانے لگیں تھیں۔ اس کو مطربہ نے پکڑا ہوا تھا۔ وہ حارث کی طرف حیرت اور افسوس سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا ذلیل حرکت کی ہے حارث؟'' نعمان ایزد حارث پر برسنے لگے۔ ''آج تک ہمارے خاندان میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی مرد نے عورت پر ہاتھ اُٹھا کر اپنی مردانگی دکھائی ہو۔ تم نے یہ کیا ذلالت کی؟'' شمعون کو بھی حارث کی اس حرکت پر غصہ آ رہا تھا مگر وہ خاموشی سے تمام معاملہ دیکھ اور سن رہا تھا۔

''جویریہ بیٹی! کیا تم میرے ساتھ جا کر اقصیٰ کے کمرے میں وہ جگہ دکھا سکتی ہو جہاں پر تم نے ڈرگز کے پیکٹ دیکھے تھے؟''

نعمان ایزد نے کہا تو وہ آنسو بہاتی ہوئی اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

اقصیٰ یکدم تڑپ کر آگے بڑھی اور ان کو روکنے والے انداز میں بولی۔

''میں کسی کو بھی یہ حق نہیں دونگی کہ وہ میرے کمرے کی تلاشی لے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم چور ہو؟'' اس بار جہان آرا بیگم بولی۔ ''چلیے نعمان! میں دیکھتی ہوں کہ مجھے کون روکتا ہے؟'' جہاں آرا بیگم کا سخت اور اٹل لہجہ اقصیٰ کو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے پر مجبور کرنے لگا تھا۔

اقصیٰ، مطربہ اور شمعون وہیں رکھیئے تو جہان آرا بیگم نے شمعون کو بھی اپنے ساتھ ہی بلا لیا تھا۔ اقصیٰ کے کمرے میں جا کر جویریہ نے الماری کے دراز کی جانب اشارہ کیا تو وہاں پر شمعون کو دراز کھولنے پر کچھ بھی نہ ملا تھا۔ ایک ایک کمرے کے بھی دراز اور ہر جگہ کی تلاشی لینے پر بھی کچھ نہ ملا تو نعمان ایزد جویریہ کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جویریہ!'' وہ ناقابل یقین انداز میں نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''میرا یقین کیجیے انکل!''

''تمہارے یقین پر ہی تو میں خود اس کمرے میں آیا ہوں..... مگر تم اپنا الزام ثابت نہیں کر سکی۔ بلکہ مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کہ تمہارے باپ کے ساتھ گزشتہ بیس سالہ تعلقات پر تم نے ہی پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں انکل! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ سگریٹ اور ڈرگز کے پیکٹس اس الماری میں تھے۔''

''تو پھر کہاں گئے؟'' حارث نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

''یقیناً اقصیٰ کو شک ہو گیا ہوگا۔ اس نے اُٹھوا دیئے ہونگے۔ حارث پلیز..... میرا یقین مانیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔''

''نیچے آؤ تم لوگ۔'' نعمان ایزد کی آواز وہ نیچے چلے گئے۔

http://kitaabghar.com

اقصیٰ اور مطربہ ان کی نیچے آمد کے بے چینی سے منتظر تھے۔ ''کیا کچھ ملا بھی یا محترمہ نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ سب ناٹک کھیلا ہے؟'' اقصیٰ نے طنزیہ انداز میں جہان آرا بیگم سے کہا تو وہ نعمان ایزد کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اب ہمیں اقصیٰ کی بات بھی سن لینا چاہیے۔'' نعمان ایزد اقصیٰ کی جانب گھومے تو وہ فرفر بولنے لگی۔

''میں نے اس کو چوری چھپے مطربہ کے استاد ایاز سے ملنے سے منع کیا تھا لیکن یہ باز نہ آسکی کیونکہ حارث سے شادی سے پہلے یہ ایاز سے محبت کرتی تھی اور ایاز چونکہ ایک کام کرنے والی عورت کا بیٹا ہے۔ اس لیے جج صاحب کو وہ رشتہ قطعی طور پر قبول نہ تھا۔'' اقصیٰ سانس لینے کے لیے خاموش ہوئی تو جویریہ روتی ہوئی احتجاجاً بولی۔

''یہ جھوٹ بول رہی ہے..... یہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' اس کی بات سن کر مطربہ بھی حیرانگی سے سب کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ایاز بھائی ایسے نہیں ہیں۔ انہوں نے تو میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے چھوٹی بہن کی طرح پڑھایا ہے۔ اور میں نے تو کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے بھائی یا بھابی نے اُن سے کبھی کوئی بات کی ہو۔''

''تم اپنی چونچ بند رکھو'' حارث یکدم دھاڑا تو مطربہ سہم گئی۔ اور خاموش ہو کر جویریہ کی طرف دیکھنے لگی۔ جو ایک نامور جج کی بیٹی ہونے پر بھی آج خود عدالت کے کٹہرے میں کھڑی تھی۔

''یہ اس گھر کی عزت کو بٹہ لگانے کے لیے اب بھی ایاز سے ملتی ہے اور کیا معلوم کہ اس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ.....'' اقصیٰ انسانیت کی معراج سے گر گئی تھی۔ ''بکواس بند کر دو کتیا۔'' جویریہ چیخی تو حارث ایک بار پھر اس کو مارنے کے لیے لپکا تو اس بار شمعون اس کے سامنے آگیا تھا۔ شمعون کا یہ انداز حارث اور نعمان ایزد کے لیے خاصا خطرناک تھا۔

''اب اگر بھابی پر ہاتھ اُٹھایا تو یاد رکھنا.....'' وہ اپنی انگلی کھڑی کرتا ہوا حارث کو متنبہ کر کے بولا۔ ''آپ پر میرا بھی ہاتھ اُٹھ سکتا ہے۔''

''تم..... تم..... تم اس بدذات عورت کی فیور میں مجھ پر ہاتھ اُٹھاؤ گے..... اپنے بڑے بھائی پر ہاتھ اُٹھاؤ گے۔'' حارث نعمان نے شمعون کے سینے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے اس کو دور گرایا اور پھر آگے بڑھ کر اس کو شرٹ کے کالر سے پکڑتے ہوئے اُٹھایا اور پھر زور سے دھکا دے دیا تو شمعون دروازے سے ٹکر کر گر گیا۔ مطربہ اور جویریہ کی چیخیں گھر میں گونجنے لگی تھیں۔ نعمان ایزد اپنی جگہ پر بت بن کر ساکت کھڑے رہ گئے۔

حارث نے ایک بار پھر شمعون کو گریبان سے پکڑ کر اُٹھایا تو اس بار شمعون کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا مگر وہ ابھی تو تک خود کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ حارث غصے سے پھنکارتا ہوا بولا۔

''اب میری سمجھ میں آیا کہ پورے گھر میں تم اس کے ہمدرد کیوں ہو..... اس کا مطلب ہے کہ اس نے تمہیں بھی کافی عیش.....''

اتنا سننا ہی تھا کہ ایک زوردار تھپڑ نے حارث کا اوپر والا ہونٹ پھاڑ کر رکھ دیا۔ وقت اپنی جگہ پر تھم کر رہ گیا تھا۔

''مجھے انتہائی افسوس ہے حارث بھائی کہ آپ کا ذہن اتنا گھٹیا بھی سوچ سکتا ہے.....'' شمعون نے اپنی پھٹی ہوئی آواز پر قابو

http://kitaabghar.com

پانے کی کافی کوشش کی لیکن اس کی آنکھیں اور آنسو اس کے ہمدرد نہ تھے بلکہ اس کا مذاق اڑانے کے لیے زندانوں سے باہر نکل آئے۔ حارث نعمان اور نعمان ایزد کے ساتھ ساتھ ہر شخص اپنی جگہ پر جام ہو کر رہ گیا تھا۔

''تم نے میری عزت کی پروا بھی نہیں کی شمعون!'' حارث منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے کہنے لگا۔ ''تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ میں تمہارا بڑا بھائی ہوں..... اس عورت کی وجہ سے آج تم نہ صرف میرے برابر آ کر کھڑے ہو گئے ہو بلکہ میرے منہ پر تھپڑ بھی مار دیا ہے۔''

وہ جویریہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''سارے فساد کی جڑ یہ عورت ہے۔ میں اس جڑ کو ہی کاٹ کر پھینک دوں گا.....'' وہ غصے کے عالم میں تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ ''میں ابھی کے ابھی جویریہ بصیر کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔

جویریہ اپنی تقدیر کا فیصلہ سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی اور شمعون منہ کھولے حارث اور نعمان کی طرف دیکھے جا رہا تھا اور مطربہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگ چکے تھے۔ نعمان ایزد اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہل سکے تھے۔ جہان آرا بیگم کو اپنے سمجھدار بیٹے سے اتنی بڑی بیوقوفی کی توقع نہ تھی وہ بھی اپنی جگہ پر گنگ کھڑی تھیں۔

اور اقصیٰ کے چہرے پر شیطانی مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی عیاری اور مکاری کا ایک بھی وار نہ جویریہ سہہ پائی تھی۔ صرف ایک ہی دن میں شک کے خنجر نے جویریہ کی آستین سے نکل کر اسی کو نشانہ بنا ڈالا تھا۔

جویریہ کو شمعون نے ہوش دلایا تو پاگلوں کی طرح وہ حارث کو دیکھنے لگی جو صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ نعمان ایزد وہاں سے چلے گئے تھے۔ جویریہ اقصیٰ کی طرف دیکھنے لگی تو وہ مکاری سے مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی تو جویریہ کو یکدم خیال آیا کہ وہ اس گھر میں پرائی ہو چکی ہے۔ مگر اس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ بھی بلک بلک کر رونے لگا تھا۔

''تم نے میرا گھر اجاڑ دیا اقصیٰ۔'' وہ یکدم چیختی ہوئی اقصیٰ کو مخاطب کر کے بولی۔ ''تم نے میرے ہنستے بستے گھر کو آگ لگا دی ہے۔ تم نے میرا آشیاں جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ ابھی تو میرے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہیں پڑا ہے۔ تم نے میری رخصتی کو مذاق بنا کر تماشا بنا دیا ہے۔ مگر یاد رکھنا اقصیٰ..... میں تمہیں بددعا دیتی ہوں۔ تمہیں بددعا دیتی ہو کہ تمہاری رخصتی کبھی بھی نہیں ہو گی۔'' وہ اتنے زور سے چیخی تھی کہ نعمان ایزد کو دوبارہ آنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہو گئی۔ اس کی تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔

وہ نعمان ایزد اور باقی سب لوگوں سے مخاطب ہو کر بولنے لگی۔ ''تم دیکھنا کہ یہی اقصیٰ در در کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو گی اور کوئی بھی اس کو بھیک نہیں دے گا۔ کتے کی طرح اس کو دھتکارا دیا جائے گا اور نعمان ایزد آپ..... آپ کا انجام تو اتنا عبرتناک ہو گا کہ لوگ آپ کی لاش پر بھی تھوکیں گے۔ اور تم حارث، حارث نعمان۔'' اب وہ حارث کی طرف بڑی اور اس سے مخاطب ہوئی۔ ''تم نے محبت کو شک کے جس خنجر سے قتل کیا ہے۔ ایک دن وہی خنجر تمہاری شہ رگ پر چلنا شروع ہو جائیگا۔ تم نے میری پاکیزہ محبت کو بدنام اور داغدار کرنے کی کوشش کی ہے..... یاد رکھنا حارث نعمان محبت کی چیخیں قبر کی دیواروں تک تمہارے سکون کی بربادی کا پیچھا کرتی ہوئی تمہارے ساتھ ہی دفن

http://kitaabghar.com

ہوگی.....افسوس.....تم نے دنیا میں ہی اپنے لیے جس جہنم کو چنا ہے یاد رکھنا تمہیں اس میں بھی پناہ نہیں ملے گی.....پناہ.....نہیں.....'' وہ بے ہوش ہو کر پھر گر پڑی تھی۔

''ایمبولینس کو کال کرو۔ یاد رکھو کہ اگر یہ مر گئی تو سمجھو کہ پھر تم سب بھی مر گئے۔'' نعمان ایزد کے چیخ چیخ کر کہنے پر سب کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ شمعون نے ایمبولینس کو کال کی تو پندرہ منٹ بعد جویریہ ایمبولینس میں ہسپتال جا رہی تھی۔ شمعون اس کے ساتھ تھا۔ شمعون نے انفر کو فون پر ہسپتال پہنچنے کا کہا تھا۔ انفر نے گھر میں بصیر احمد اور تانیہ بیگم کو بھی کال کر کے بتا دیا تھا کہ ابھی ابھی شمعون کی کال آئی ہے کہ وہ جویریہ کو ہسپتال لے کر جا رہا ہے۔

انفر احمد اور بصیر احمد آگے پیچھے ہی ہسپتال پہنچے تھے۔ شمعون ان کو گیٹ پر ہی مل گیا تھا۔ اس کی سوجھی ہوئی آنکھیں دیکھ کر بصیر احمد اور تانیہ بیگم حیران اور پریشان تھے۔

''کہاں ہے میری بیٹی! کیا ہوا شمعون، جویریہ کو کیا ہوا ہے؟''

''آنٹی! انکل.....!'' وہ ہمت نہ کر پا رہا تھا کہ کس طرح بتائے کہ جویریہ کو حارث نے طلاق دے دی ہے۔

''آپ لوگ آیئے میرے ساتھ۔'' وہ ان تینوں کو حیران اور پریشان چہروں کے ساتھ ایک طرف لے گیا۔

''بھابی کی طبیعت کافی خراب ہے ڈاکٹرز نے کہا کہ اگر فوری آپریشن نہ کیا تو زچہ بچہ دونوں کی جان کو خطرہ ہے۔ معاف کرنا انکل، آنٹی میں نے آپ کی مرضی کے بغیر ہی بھابی کو آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹرز کے حوالے کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ بھابی کی زندگی اہم ہے۔'' شمعون ابھی تک بات کو واضح نہ کر سکا تھا۔

''شمعون! لیکن باقی لوگ کہاں ہیں؟'' بصیر احمد کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ ''حارث کیوں نہیں آیا، وہ کہاں ہے؟''

''حارث اب کبھی نہیں آئے گا انکل!'' شمعون نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا تو تانیہ بیگم اور انفر اس کی طرف چونکتے ہوئے دیکھا تو وہ روتا ہوا بولا۔ ''حارث نے جویریہ بھابی کو طلاق دے دی ہے۔''

''طلاق؟'' ان تینوں کے منہ سے یکدم نکلا تھا۔ لیکن یہ لفظ سن کر بصیر احمد تو اپنا دل تھام کر زمین پر ہی بیٹھ گئے تھے جبکہ تانیہ بیگم سکتے کی کیفیت میں شمعون کی طرف دیکھتی جا رہی تھیں۔ اور انفر احمد اس تمام پچویشن کو نہ سمجھتے ہوئے بھی قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شمعون نے روتے ہوئے تمام کہانی بیان کرنا شروع کر دی تھی۔ بصیر احمد اس کی طرف روتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ملک کا نامور جج ہسپتال کے فرش پر بیٹی کی طلاق کا سن کر ماتم کرنے سے گریزاں تھا۔ مگر دل نے جو آہ و بکا شروع کر دی تھی وہ بصیر احمد ہی جانتے تھے۔ تانیہ بیگم کی آنکھیں رو رو کر سوج گئیں تھیں۔ اب جویریہ کی زندگی کی دعائیں مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ تانیہ بیگم اور بصیر احمد کے منہ آسمان کی جانب تھے۔ اور آنسوؤں کی ادائیگی اپنے رحمٰن و رحیم رب سے بیٹی کی زندگی کی التجا کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

گھر بھر کی فضا سوگوار ہوگئی تھی۔ جویریہ کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق ایسا شدید صدمے اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہوا تھا۔ اگر چند منٹ اور لیٹ ہو جاتے تو جویریہ کی جان کو بھی خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ جویریہ نیم بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال میں پڑی تھی اس کے پاس ثانیہ بیگم تھیں جو ہولے ہولے اس کا سر دبا رہی تھیں۔ ثانیہ بیگم کے آنسو آنکھوں سے نکل کر جویریہ کے زرد اور اداس چہرے پر گرے تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن دواؤں اور انجکشنز کے زیر اثر ہونے کی بنا پر وہ مکمل آنکھیں نہ کھول سکی۔

''مما.....!'' وہ غنودگی میں اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ ثانیہ بیگم کی ممتا تڑپ اٹھی وہ اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''جی میری بیٹی!'' ثانیہ بیگم اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولیں۔

''مما!.....میرا بچہ؟'' غنودگی کی حالت میں بھی جویریہ کی ممتا تڑپ اٹھی تھی۔

''وہ مر چکا ہے۔'' ثانیہ بیگم نے خود بھی مردہ لہجے میں یہ الفاظ ادا کیے تو آنسوؤں کا سمندر ایک بار پھر موجزن ہو گیا تھا۔ جویریہ کے دماغ تک ثانیہ بیگم کے الفاظ پہنچے تو وہ چیختی ہوئی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ زار و قطار رونے لگی تھی۔ ''نہیں مما! ایسا نہیں ہو سکتا..... ایسا نہیں ہو سکتا مما! وہ چیختی ہوئی اپنی تڑپنے والی ممتا کی آواز کو اپنی چیخوں سے دبانے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی۔

اس کو ثانیہ بیگم نے اپنی گود میں چھپایا ہوا تھا۔ ماں کے مہربان آنچل کی ٹھنڈی چھاؤں نے اُس کے زخموں پر مرہم رکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ آنسوؤں کی زبان میں اللہ سے فریاد کر رہی تھی۔

اس کی خوشیوں کی عمر اتنی چھوٹی کیوں تھی؟

اس کی زندگی میں آنے والے حارث نے صرف ہوا کے جھونکے کا ایک چھوٹا سا کردار ہی کیوں ادا کیا تھا؟

اس کو حارث کی محبت کے سوا تو کسی کی ضرورت نہ تھی۔ تو پھر حارث نے اچانک ہی اس کے سر پر طلاق کا بم پھوڑ کر اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کیوں کر دیا تھا؟

اُس نے تو کبھی بھی کسی کا دل نہ دکھایا تھا تو پھر آج اس کا دل خون کے آنسو کیوں رو رہا تھا؟

وہ کاتب تقدیر سے لڑنا چاہتی تھی لیکن اس کی آرزوؤں اور امنگوں کو تو ایک انسان نے نیست و نابود کیا تھا۔ وہ تقدیر بنانے والے سے لڑائی کیوں کرتی؟

اس کی سوچ اور افسردگی پر غم نے اپنی سیاہ چادر اوڑھائی تھی تو صبر اس کا رنگین پیرہن بن کر آ گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے آنسو بہاتی ہوئی حارث کے تلخ رویے اور طلاق کے محرکات پر غور کرنے لگی۔

بہت ہی سوچ و چار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ سارا کیا دھرا ہی اقصیٰ کی مکاری اور عیاری کا ہے اُس نے جویریہ کے ساتھ ایاز کو بھی بدنام کر کے ایک زہریلے تیر سے دونوں کو ہی شکار کیا تھا۔

''تم کبھی بھی ماں نہ بن سکو گی اقصیٰ'' وہ زور سے چیخی۔ ''تم نے میرا گھر اُجاڑا ہے تمہارا گھر کبھی بھی نہیں بنے گا۔''

http://kitaabghar.com

وہ رونے لگی تو ثانیہ بیگم اس کو دلاسہ دینے لگیں۔ وہ پھر بولیں ''کبھی بھی باعزت رخصتی سے اقصیٰ رخصت نہیں ہوگئی۔ وہ پل پل سکون کو ترسے گی۔ کبھی بھی اس کو چین نصیب نہیں ہوگا۔ کبھی بھی تمہیں چین نہیں ملے گا اقصیٰ! تم دردر کی بھیک مانگتی پھرو گی.....'' جویریہ کے دل سے نکلنے والی آہیں۔ بددعائیں اور سسکیاں ہسپتال کے اُس کمرے میں ہی نہ گونج رہی تھیں بلکہ عرش الٰہی کو دہلانے کے ساتھ ساتھ کمرے کے باہر کھڑے بصیر احمد اور انصر احمد کے دلوں کو بھی دہلا رہی تھیں۔ بصیر احمد اپنی لاڈلی بیٹی کی زندگی کی اس طرح بربادی پر نوحہ کناں تھے۔ ان کا مقام اور وقار ان کو عام انسان کی طرح آہ و بکا کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ لیکن وہ اپنے ضبط کو اندر ہی اندر گلا گھونٹ کر مرجانے کا حکم دیتے تو وہ ان کے حکم عدولی کرتا ہوا آنکھوں سے باہر پانی کی صورت میں بہہ نکلتا تھا۔

انیقہ کو بھی حیرانگی تھی کہ حارث نعمان یکدم اتنا بڑا فیصلہ کیوں کیا۔ اُس نے مطربہ سے رابطہ کر کے تمام تفصیل سنی تو وہ ایاز اور جویریہ کے متعلق کا سن کر بجھ کر رہ گئی تھی۔ مطربہ بھی کافی ڈسٹرب تھی۔ لیکن وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ انیقہ نے اس کو دلاسہ دیتے ہوئے صبر کرنے کا کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

وہ گھر میں بیٹھی ہوئی تھی اور جویریہ ہسپتال کے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ملازم نے آ کر بتایا کہ ایاز آیا ہے تو وہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی واش روم میں گئی اور منہ دھو کر سرخ آنکھوں کو چھپانے کی کوشش کی مگر دل کی تڑپ اور اندر کی کسک زخمی ہونے پر آنکھوں کے راستے باہر نکل آئی تھی۔

وہ ایاز کے پاس پہنچی تو وہ اُس کی آنکھوں کو دیکھ کر بہت حیران ہوا اور بولا۔

''تم رو رہی تھی؟'' انیقہ نے نفی میں سر ہلایا اور آنکھیں جھکا لیں۔

''انیقہ! میں اس گھر میں گزشتہ کئی ماہ سے آ رہا ہوں۔ اس گھر کے ہر فرد کو جاننے کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن میں نے تمہیں جتنا بھی جانا ہے۔ اس بنا پر ہی پوچھ رہا ہوں۔'' وہ تھوڑا سا جھکتا ہوا بولا۔ ''میری طرف دیکھو!''

''کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے؟'' اندر کی تڑپ زبان سے ادا ہو کر ایاز کو بھی تڑپا گئی تھی۔

''کیوں رو رہی تھی؟''

''تمہیں کیوں بتاؤں؟'' وہ سخت ناراض لگ رہی تھی۔

''ایک شاگرد بن کر بتاؤ۔ تمہیں ایک استاد نے پوچھا ہے۔'' ایاز کرسی پر بیٹھ گیا تو وہ بھی بیٹھ گئی۔

''اس گھر کو شک اور بدنامی نے آگ لگا کر جھلسا دیا ہے۔'' ایاز اس کی بات سن کر پریشان ہوتا ہوا گھر کی عمارت کو دیکھنے لگا۔

''میں سمجھا نہیں انیقہ! اور باقی لوگ کہاں ہیں؟''

''ہاسپٹل!'' وہ مختصراً بولی تھی ایاز چونک پڑا۔

''خیریت؟ وہاں کون ہے؟ میرا مطلب ہے کہ سر اور میڈم کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ پریشان تھا اور اس کی پریشانی حقیقی تھی۔ کیونکہ گھر والے اس کو اپنا ہی ایک فرد تصور کرتے تھے۔

http://kitaabghar.com

''آپی کے ہاں مردہ بیٹا پیدا ہوا ہے اور آپی کی کنڈیشن بھی سیریس ہے۔'' یہ ایک بہت بڑی اور بہت ہی بُری خبر تھی جو انیقہ نے ایاز احمد کو سنائی تھی۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ لیکن کچھ دیر خاموش رہ کر وہ اس خبر کے صدمے سے نکلنے کی کوشش میں بولا۔ ''جویریہ کے سسرال والے کیا کہتے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ وہ اس کو روایتی لوگوں کی طرح طعنے تو نہیں دیتے؟''

''حارث بھائی نے آپی کو طلاق دے دی ہے۔''

''کیا.....؟ طلاق؟'' وہ یہ سن کر بے اختیار اپنی جگہ سے اس طرح اُٹھا کہ اس کو کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ وہ اس انداز میں انیقہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کو یقین ہی نہ ہو رہا تھا کہ انیقہ جویریہ اور حارث کے بارے میں ایسا کہہ رہی ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔

''پلیز انیقہ!'' وہ دوبارہ بیٹھتا ہوا بولا۔ ''مجھے پہیلیوں اور ٹکڑوں میں بتا کر میرے وجود کو مزید نہ بکھیرو۔ مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟''

انیقہ نے اس کی طرف دیکھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

''جویریہ آپی کی طلاق کے تم ذمہ دار ہو۔'' انیقہ نے ایک اور بم اس کے سر پر پھوڑا تو حیرت و استعجاب سے اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔

''پلیز! انیقہ! میں مانتا ہوں کہ تم مجھ سے میرے رویے کی وجہ سے ناراض ہو۔ لیکن اتنا بڑا اور گھٹیا الزام لگا کر مجھے میری ہی نظروں سے نہ گراؤ۔ جو بھی سچائی ہے مجھے بتانے کی کوشش کرو پلیز۔'' اس کے لہجے کی عاجزی اور الفاظ کی ادائیگی پر انیقہ نے اس کو انہی الفاظ میں بتانا شروع کر دیا جن الفاظ میں مطربہ نے اس کو تمام داستان بیان کی تھی۔ ایاز اس داستان کا مرکزی کردار تھا لیکن اس نے تو کبھی بھی کسی کے سامنے جویریہ سے ایسی کوئی بات نہ کی تھی جو یہ ظاہر کرتی کہ ایاز جویریہ سے محبت کرتا ہے۔

اقصیٰ نے اپنی نظر اندازی کا اتنا بڑا انتقام اس سے لینا ہی تھا تو وہ جویریہ کو تو معاف کر دیتی۔ وہ اقصیٰ سے ملنا چاہتا تھا لیکن اب نعمان ایزد کے گھر میں اس کا جانا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن بھی تھا۔ وہ انیقہ سے بولا۔

''کیا تم اور گھر والے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں ہی جویریہ کی طلاق کا ذمہ دار ہوں؟''

''اس کا فیصلہ آپی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔''

''تم کیا سمجھتی ہو؟'' ایاز نے انیقہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک کرب سے پوچھا تو وہ نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

''میں صرف اپنی ذات کی قیدی ہوں۔ دوسروں کی زندگیوں کے بارے میں مجھے جاننے یا رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' اس کی بے رخی کی وجہ ایاز سمجھتا تھا۔

''کیا میری زندگی کے بارے میں بھی تمہارا یہی خیال ہے انیقہ؟'' ایاز کا لہجہ دُکھ سے بھرا ہوا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

''ٹھیک ہے میں سمجھ گیا ہوں..... لیکن یہ تم بھی جانتی ہو کہ میں جویریہ کی طلاق کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیے میں ہسپتال جا رہا ہوں اور جویریہ پر یہ بھی ثابت کر دوں گا کہ میں بے گناہ ہوں۔ بے قصور ہوں۔ میں نے اقصیٰ کی نفسانی خواہشات

http://kitaabghar.com

کو پورا کرنے سے انکار کیا تھا اس نے مجھ سے انتقام لینے کی خاطر جویریہ کو بھی اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔'' ایاز کی زبانی یہ سب سن کر اس کو ایاز یکدم انسانیت کی معراج پر بلند ترین مقام پر کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ نظریں اُٹھا کر اس کو دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

جویریہ کی طلاق کا سن کر صائمہ بھی حیران و پریشان تھی۔ اُس کو بہت دُکھ محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے جویریہ کو اپنی بیٹی کی طرح گود کھلایا تھا۔ اور سب سے کرب کی بات جو اس کے لیے تکلیف دہ تھی وہ اُس کے بیٹے ایاز کا اس تمام کہانی میں ملوث ہونا بتایا جا رہا تھا۔ صائمہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا خون اتنا بے وفا نہیں ہے کہ وہ مالکوں کے گھر میں ہی نقب لگا لے۔

اس نے ایاز سے بات کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اگر ایاز اس کام میں ملوث ہوا اور اس کے قصور کی وجہ سے جویریہ کے ماتھے پر طلاق کا لیبل لگا تھا تو وہ کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکے گی۔ اُس نے پچیس سال کا عرصہ جسٹس بصیر احمد کے گھر میں گزارا تھا۔ اُنہی کی اُترن پہنی تھی اور اُنہی کا نمک کھایا تھا۔ اس نے اپنی اولاد کو کبھی بھی اُس گھر تک نہ جانے دیا تھا مبادا کہ وہ کوئی غلط حرکت کر سکے۔ اب تو ایاز میچور اور باشعور تھا۔ وہ تو اس گھر میں ایک استاد بن کر گیا تھا اور استاد کو کبھی بھی گھروں کی بدنامی کا باعث نہیں بنا کرتے۔

ایاز کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر صائمہ اس کی طرف بڑھی تو ایاز نے بائیک سٹینڈ پر لگا کر اس کو سلام کیا۔

''کہاں سے آ رہے ہو بیٹا!'' ایاز نے حیرانگی سے دیکھا کیونکہ صائمہ کو بھی معلوم تھا کہ وہ یونیورسٹی سے آیا ہے۔ یا پھر وہ کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی۔ ''یونیورسٹی سے آ رہا ہوں امی!''

''ہسپتال گئے تھے؟'' اس سوال پر ایاز چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور ایک سانس خارج کرتا ہوا بولا۔

''نہیں امی! میں نہیں جا سکا!''

''اتنا بڑا فیصلہ اور اتنا بڑا قدم حارث نعمان نے کیوں اُٹھایا؟'' صائمہ اس کو اپنی اُس لائن پر لانا چاہتی تھی کہ جوان بیٹے کو یہ بھی محسوس نہ ہو کہ اس کی ماں اس کی توہین کر رہی ہے۔

''یہ سب کچھ اقصیٰ کا کیا دھرا ہے۔'' ایاز چلتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا تو صائمہ بھی اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''لیکن اس کی جویریہ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے اُس کو کیا ملے گا جویریہ اور حارث کے بستے بستے گھر انے کو اس طرح آگ لگا کر۔'' صائمہ ہنوز حیران تھی۔

ایاز نے صائمہ کی طرف دیکھا اور تھوڑے سے توقف کے بعد بولا۔

''امی! اقصیٰ نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں ایاز۔ اگر تم جویریہ کی طلاق کے پیچھے جو محرکات ہیں ان کو جانتے ہو تو کھل کر بات کرو۔''

صائمہ کی پریشانی فطری تھی۔ ''ہم نے جسٹس صاحب کے گھر کا نمک کھایا ہے۔ اگر جویریہ بیٹی کی طلاق میں مَیں یا میری اولاد

http://kitaabghar.com

ملوث ہوئی تو میں زندگی بھر اس محسن سے نظریں نہیں ملا سکوں گی۔"

ایاز ٹھنڈی پہ بھرتا ہوا بولا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے امی.....! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو پھر میری بے چینی کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔ مجھے کیوں لگتا ہے کہ میں جج صاحب کے سامنے شرمندہ ہو گئی ہوں۔"

صائمہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھا اور اس کو پہلے دن سے لے کر جویریہ کی طلاق تک تمام باتیں بتانے لگا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اقصیٰ اس کو اپنی زلفوں کا اسیر بنانا چاہتی تھی۔ اس نے انکار کیا تو وہ دھمکیاں بھی دیتی تھی۔ اور جویریہ نے اقصیٰ کو سکندر نامی ملازم کے کوارٹر میں آتے جاتے دیکھ کر حارث سے شکایت کی اور اقصیٰ کے کمرے میں ڈرگز کے پیکٹ بھی چیک کیے۔ لیکن اقصیٰ نے خود کو بچانے کے لیے جو تیر چلایا وہ ٹھیک نشانے پر لگا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اچانک بازار میں مطربہ اور جویریہ سے ملا تو حارث نے ان کی اس ملاقات کو ایک بہت بڑا ایشو بنا کر جویریہ کو طلاق دے دی۔ جبکہ ایاز کا ایسا کوئی بھی مقصد نہ تھا اور اس کو بھی جویریہ کی طلاق سے کافی دُکھ ہوا ہے۔

صائمہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو کر اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"امی! میں کہیں بھی کبھی بھی جویریہ سے اس نیت سے نہیں ملا ہوں کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ بلکہ ہمیشہ یہی دعا کی ہے کہ وہ جس کی ہو چکی ہے اسی کے ساتھ خوش رہے۔"

"کیا اس بات کا جویریہ کو علم تھا کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟" صائمہ نے سوال پوچھا تو وہ سر ہلاتا ہوا بولا۔

"جی امی! اُس کو معلوم ہے۔"

"اور تمہاری محبت کا حارث کو بھی علم ہے؟"

"نہیں امی! حارث نے تو محض اقصیٰ کے کہنے پر اپنا تیر استعمال کر کے جویریہ کی اس محبت اور یقین کو گھائل کیا ہے جو وہ حارث پر کرتی تھی۔" ایاز اپنی صفائی میں بولا تو صائمہ نے پرسکون سانس خارج کی اور بولی۔

"ساری زندگی حارث نعمان کے لیے یہ غلط فیصلہ پچھتاوا بن جائے گا۔ وہ اس عذاب سے کبھی بھی نہیں نکل سکے گا۔ جس میں وہ اپنی بوا کے کہنے پر پھنس چکا ہے۔" صائمہ کا عجیب سا لہجہ سن کر ایاز کو حیرت ہوئی تھی مگر وہ کچھ بھی نہ بولا۔

"تمہیں ہسپتال جانا چاہیے تھا"۔

"میں آج ضرور جاؤں گا امی!" وہ حوصلہ کرتا ہوا بولا۔

"کیا وہ سب لوگ تمہیں اس طلاق کا ذمہ دار سمجھتے ہیں؟" صائمہ کو ابھی تک بصیر احمد کے اعتماد اور یقین کی جو فکر لاحق تھی وہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"پتہ نہیں امی! عیقہ نے بھی کچھ واضح نہیں بتایا ہے۔" اس بار ایاز بھی پریشان تھا۔

''تم شام کو جا کر ہسپتال میں جویریہ سے ملو.....اور پھر جج صاحب سے ضرور ملنا۔'' صائمہ کا حکم بھی تھا اور الفاظ میں التجا بھی شامل تھی۔ وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔ ''میں نہیں چاہتی کہ وہ میری طرف سے متنفر ہوں اور مجھ پر احسان فراموشی کے فقرے کسے جائیں۔'' یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ایاز کو کھانا بھی تو دینا تھا۔

ایاز کھانا کھا کر گھر سے نکل آیا تھا۔ اس نے ہسپتال جا کر جویریہ سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جج صاحب اور انصر احمد کے ساتھ ساتھ جویریہ کے سامنے بھی اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ بات کہاں سے شروع کریگا۔ لیکن وہ اپنی ماں کی پچیس سالوں سے بنی ہوئی عزت کو ایک غلط فہمی کی بھینٹ نہ چڑھنے دینا چاہتا تھا۔ اُس نے مصمم ارادہ کر کے ہسپتال کا گیٹ کراس کیا اور پوچھتا ہوا جویریہ کے کمرے تک پہنچ گیا تھا۔

اُس کو خلاف توقع وہاں پر کوئی بھی نظر نہ آیا تھا۔ شاید ثانیہ بیگم اور بصیر احمد گھر چلے گئے ہوں کیونکہ وہ مسلسل دو دن اور راتوں سے وہیں تھے اور انصر احمد بھی اپنی ڈیوٹی پر تھا۔ لیکن جویریہ کو بیڈ پر اکیلے لیٹے دیکھ کر اس کو دُکھ بھی ہوا کیونکہ وہ جس کرب اور دُکھ میں مبتلا تھی اس لمحہ اس کے پاس کسی نہ کسی کو تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔

جویریہ کی نظریں دروازے کی طرف ہی لگی ہوئی تھی شاید اُس کو حارث نعمان کی طرف سے اس بات کا انتظار تھا کہ وہ بیٹے کی وفات پر اُس سے ہمدردی کا اظہار کرنے ضرور آئیگا۔ لیکن شاید نعمان ایزد کے گھر سے کوئی بھی نہ آیا تھا۔ اس کی منتظر نگاہیں پتھر کی لگنے لگی تھیں۔ اس کو اپنی کوکھ کے اجڑنے کا بہت صدمہ تھا اور پھر اب تو اس کی زندگی ہی اجڑ کر رہ گئی تھی۔ ہنستا بستا گھر ایک ہی دن میں شک کی دیمک نے اس طرح چاٹ لیا تھا کہ اُس کا وجود ٹکڑوں میں بکھر پڑا تھا۔ وہ ان لمحات کو یاد کر کے آنسو بہاتی بہاتی پتھر کی ہو گئی تھی۔ ایاز کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ چونک کر رہ گئی۔ وہ دروازے میں ہی ایک مجرم کی طرح کھڑا رہا۔ اور دروازہ بھی کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

''مجھے افسوس ہوا۔'' ایاز کو الفاظ چننے میں دشواری ہو رہی تھی۔ ''تمہارے ساتھ اتنا بڑا سانحہ ہو گیا..... یہ سب تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں''۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر الفاظ ادا کر رہا تھا لیکن جویریہ کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہو رہی تھی صرف اس کے بدن پر پڑا ہوا کمبل اس بات کا پتہ دیتا تھا کہ وہ زندہ ہے اور سانس لے رہی ہے۔

''جویریہ! کیا تم بھی مجھے ہی قصوروار سمجھتی ہو؟'' اُس نے ایاز کی بات سن کر آنکھیں موند لیں تو وہ تڑپ کر بولا۔ ''پلیز جویریہ! مجھے جواب دو میں آنکھوں کی زبان سمجھنے سے قاصر ہوں''۔ وہ اس کے بیڈ کے اور قریب ہوا تو جویریہ نے آنکھیں کھول دیں۔

''جویریہ! پلیز بولو! مجھے ایقہ نے بتایا ہے کہ حارث نے میرا نام لے کر تمہیں بدنام کیا ہے اور اقصیٰ نے اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے میرا نام استعمال کیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ میں اس سلسلہ میں بے گناہ ہوں۔ اقصیٰ نے.....'' وہ خاموش ہو گیا اور اس کی روئی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''جویریہ! تمہاری شادی ہونے سے پہلے ہی میں اس گھر میں مطریہ کو پڑھایا کرتا تھا۔ اس دوران اقصیٰ نے مجھے کئی بار.....'' وہ

http://kitaabghar.com

بات کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگا تھا۔ لیکن جویریہ کو اس کی بات پوری ہونے کا تجسس تھا۔ وہ اُس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ لمبی سانس بھرتا ہوا بولا۔

''اقصیٰ نے مجھے پانے کے لیے کتنی ہی مذموم کوششیں کیں لیکن میں نے اُسے صاف لفظوں میں ہی دھتکار دیا تھا..... اس نے اپنی اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے مجھے اس گھر سے دور کرنے کے لیے ایک پلان بنایا اور تم اس پلان کی بھینٹ چڑھ گئی۔ میرا یقین کرو جویریہ! میں نے آج تک اپنے آپ سے بھی یہ چھپائے رکھا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

عین اسی وقت جسٹس بصیر احمد دروازے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں نے ایاز کو جویریہ کے پاس باتیں کرتے ہوئے سنا تو اُنہوں نے غیر اخلاقی طور ایک طرف ہو کر ان کی باتیں سننے کی ٹھانی اور ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جبکہ جویریہ اور ایاز ان کی آمد سے بے خبر تھے۔

''میری ماں نے مجھے ہمیشہ حلال لقمہ ہی کھلایا ہے جویریہ!'' وہ پھر بولنے لگا۔ ''اور میں نے اپنی ماں کی عزت اور حیاء کو قائم رکھنے کے لیے کبھی بھی بُری نظر اور گندے ارادوں سے اقصیٰ کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس کی نیت میں ہمیشہ فتور دیکھ کر میں نے اپنا کام وقت پر ختم کر کے وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت سمجھی ہے۔''

وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہوا اور اپنی باتوں کا اثر جویریہ کے چہرے پر دیکھنے لگا تو وہ روتی ہوئی بولی۔

''لیکن تمہاری اور اقصیٰ کی اس لڑائی میں میرا قصور کیا ہے؟'' بصیر احمد بیٹی کی آہیں سن کر لرز کر رہ گئے۔ لیکن وہ یہ سننا چاہتے تھے کہ اس تمام معاملے میں ایاز کتنا قصوروار ہے اور جویریہ اور ایاز کا کیا تعلق ہے۔ اُنہوں نے دل پہ پتھر رکھ کر ان کی مزید گفتگو سننے کی ٹھانی اور خاموش ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں نے اس بات کو بہت اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ کمرے میں اکیلی جویریہ کو دیکھ کر ایاز نے دروازہ بند نہ کیا تھا۔ وہ اس بات کو ایاز کی بے گناہی کی ابتدا سمجھ کر کچھ مطمئن نظر آ رہے تھے۔

''تقدیر کے فیصلے بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی برداشت کرنا پڑتے ہیں۔'' ایاز نے اس کو دلاسہ دیا اس کو اس بات کی بھی خوشی تھی کہ جوہریہ نے کوئی تو بات اس سے کی ہے۔

''لیکن تقدیر کا ہر فیصلہ میرے خلاف ہی کیوں ہوتا ہے ایاز؟'' آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز نے ایاز کو بھی اندر سے دہلا دیا تھا۔ وہ اس کی سوجن زدہ آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے جویریہ!'' اس بات پر جویریہ اس کی طرف دیکھنے لگی تو آنسوؤں کی روانی اور بھی تیز ہو گئی۔ ''لیکن میں نے تمہارے وقار عزت اور حیاء کی اتنی حیاء کی ہے کہ میں اس رب کو بھی یہ نہیں کہہ سکا کہ تمہیں میرا بنا دے''۔ ایاز عظمت کی بلندیوں پر نظر آیا تھا اس بار ایاز کی آنکھیں چمکنے لگیں تھیں۔

''جویریہ! میری ماں نے ہمیشہ تمہارے گھر کی عزت اور لاج کو اپنی عزت سے بڑھ کر جانا ہے۔ اُس نے جج صاحب کی عزت اس

http://kitaabghar.com

طرح کی ہے کہ جس طرح وہ اُن کے سگے بھائی ہوں۔ اور ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اس گھرانے کی عزت اور وقار قائم رہے۔'' وہ آنسو پینے کی کوشش میں چھت کی طرف دیکھنے لگا اور کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''جویریہ! میں بھی اُسی ماں کا بیٹا ہوں۔ اور اُسی کی تربیت کی وجہ سے اپنی اوقات نہیں بھولا ہوں۔ لیکن یہ ظالم محبت اوقات اور سٹیٹس بھول جاتی ہے۔ اس محبت نے مجھے ذلیل کر دیا ہے جویریہ!'' وہ باقاعدہ رونے لگا تھا۔

''لیکن میں تو حارث سے محبت کرتی ہوں۔'' جویریہ اس کی باتوں سے متاثر نظر آنے لگی تھی۔

''اب بھی.....؟'' ایاز کے اس سوال نے اس کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور بصیر احمد جویریہ کا جواب سننے کے لیے بے چین تھے۔ چند لمحات یونہی گزر گئے تو جویریہ کی آواز اُبھری۔

''جلد بازی کے فیصلے پر جب حارث کو احساس ہوگا تو وہ بہت پچھتائیں گے۔''

''لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جویریہ؟'' جویریہ کو یاد آیا کہ حارث نے اس کو طلاق دے دی ہے اور اس کا شک سے بھرا لہجہ اور زہر میں بجھے الفاظ نے ہی تو جویریہ کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا اور وہ اس شدید صدمے کو سہہ نہ پائی تھی اور اس کی کوکھ بھی اُجڑ گئی تھی۔ وہ زار و زار رونے لگی تو ایاز یکدم آگے بڑھا لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا اور بولا۔ ''جویریہ! اس سارے معاملے میں اگر تم مجھے قصوروار سمجھتی ہو تو مجھے محبت کی قسم ہے کہ آئندہ کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں آؤں گا..... اگر تمہارا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو پلیز! اپنے آنسو سوچ کر پونچھ لو کہ حارث..... تم جیسی عظیم لڑکی کے قابل ہی نہ تھا۔'' وہ یہ کہہ کر دروازے سے باہر نکلا اور برآمدے میں چلتا ہوا بصیر احمد کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بصیر احمد کا دل ایاز کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔ اُن کو جویریہ پر بھی رشک آنے لگا تھا کہ اس نے حارث سے ہی محبت کی تھی۔ اور اسی کو ہی اپنی زندگی کا ساتھی چنا تھا۔ لیکن ایاز کی آخری بات اُن کے دل میں تیر کی طرح کھب گئی تھی کہ شاید حارث جویریہ جیسی پیاری لڑکی کے قابل ہی نہ تھا۔

ان کو نعمان ایزد پر حیرانگی ہو رہی تھی جس نے ایک کال کر کے بھی اُن سے افسوس کا اظہار نہ کیا تھا۔ ان کی بیٹی کی زندگی برباد کرنے والا حارث نعمان، نعمان ایزد کا ہی بیٹا تھا۔ اُنہوں نے خود ایک بار نعمان ایزد سے ملنے کا فیصلہ کیا اور وہاں سے باہر کی جانب چل پڑے۔

چند منٹوں بعد ان کی گاڑی نعمان ایزد کے سیاسی ڈیرے پر رُک گئی تھی۔ وہ اس گھر میں کئی بار آ چکے تھے کبھی نعمان ایزد کے دوست بن کر کبھی حارث کے سسر اور جویریہ کے باپ کی حیثیت سے خوشگوار موڈ میں وہ یہاں اپنی فیملی کے ساتھ آ چکے تھے لیکن آج وہ اکیلے ہی آئے تھے اور اپنی بیٹی کی خوشیاں مانگنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھے۔ وہ تو صرف اپنے دوست سے یہ پوچھنے آئے تھے کہ ان کی بیٹی کا کیا قصور ہے جو اس کو طلاق کا طوق گلے میں لٹکائے ہر کسی سے منہ چھپانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اُس کی کوکھ اُجڑ گئی تھی اور وہ ماں بن کر بھی ماں نہ کہلا سکتی تھی۔ وہ نعمان ایزد سے دو ٹوک بات کرنے آئے تھے اور ان کی خوش قسمتی اور نعمان ایزد کی بدقسمتی ہی کہیں گے جو وہ بصیر احمد کو جب دیکھ پائے جب وہ ان کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ وہ بھونچکے رہ گئے تھے۔ نعمان ایزد کو کوئی بھی راستہ سمجھائی نہ دیا تو وہ زبردستی کی مسکان

http://kitaabghar.com

ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولے۔

''ویل کم بیج صاحب!'' انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا لیکن بصیر احمد نے ان سے ہاتھ نہ ملایا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ نعمان ایزد نے ریشم کی طرف دیکھا جو کچھ پروگرامز ان کو سنا رہی تھی۔

''تم جادو ریشم!'' ریشم بھی سمجھتی تھی کہ جویریہ کی طلاق کے بعد دونوں گھروں میں کافی کشیدگی چل رہی ہے اور اس پریشانی کو لے کر نعمان ایزد بھی کافی ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ وہ کافی شراب نوشی اور مستی کی حالت میں ریشم سے وہ باتیں بھی کر گئے تھے جو ان کو نہیں کرنا چاہیے تھیں۔ ریشم نے اپنے خوابوں کو حقیقت دینے کے لیے عزت اور آبرو کی جو قربانی دی تھی وہ قربانی اپنا رنگ دکھانے ہی والی تھی۔

''تم نے کبھی فرشتوں کو روتے ہوئے دیکھا ہے نعمان ایزد؟'' بصیر احمد نے ریشم کے جانے کے بعد نعمان ایزد کو مخاطب کیا تو وہ تھوک نگلتے ہوئے بولے۔ ''مجھے بہت افسوس ہے۔''

''میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو!'' بصیر احمد کا لہجہ تحمل اور پرسکون تھا مگر سمندر خاموش ہو اور پُرسکون پانی ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سمندر کوئی طوفان برپا نہیں کرے گا۔ ان کا پُرسکون لہجہ بتا رہا تھا کہ پُرسکون پانی کی تہہ میں چھپا ہوا مگر مچھ کسی بھی وقت خونخوار ہو سکتا ہے۔

''میں سمجھا نہیں۔'' نعمان ایزد خاصے شرمندہ تھے۔

''تم سمجھو گے بھی کیسے؟ کیونکہ بیٹی کا باپ تو میں ہوں۔ اور میں نے اپنی بیٹی کو آنسو روتے ہوئے دیکھا ہے کہ اس کی آنکھوں کا پانی ختم ہو گیا ہے اور آنکھوں سے بہنے والا ہر قطرہ یہی سوال کرتا تھا کہ اس کا قصور کیا ہے؟''

بصیر احمد کا لہجہ تیز ہو گیا تھا۔ نعمان ایزد کا سر جھکا ہوا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں جویریہ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا۔''

''اور اپنے پوتے کے لیے تم نے کیا کیا نعمان ایزد۔'' بصیر احمد کے لہجے کا دُکھ الفاظ کی صورت میں باہر نکلا تو ان کی آواز بھرا گئی۔

''تم تو افسوس اور ہمدردی کے دو بول بھی بولنے نہ آ سکے۔''

''حارث نے بہت جلد بازی کی ہے..... اور پھر..... بات تو غیرت کی تھی.....'' نعمان ایزد کا شرمسار لہجہ بھی جویریہ کو گنہگار ثابت کرنا چاہتا تھا لیکن بصیر احمد غصے سے تلملاتے ہوئے اُٹھے اور سخت لہجے میں بولے۔

''نعمان ایزد! میری بیٹی کی حیا اور پاکیزگی کی گواہی وہ خدا بھی دیتا جس نے اُسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور رہ گئی غیرت کی بات تو یہ مت بھولو نعمان ایزد..... کہ حارث کے یورپی ملکوں کے ہر دورے کی رپورٹ ہے مجھے۔'' نعمان ایزد ان کی طرف کھلی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔

''کیا غیرت صرف مرد پر ہی نازل ہوتی ہے.....؟ یاد رکھو نعمان ایزد! کہ اب نہ ہی پیغمبر آئیں گے اور نہ ہی وحی آئے گی اور نہ ہی

http://kitaabghar.com

کبھی مجرات ہوتے۔ میں اس ملک کا جج ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم..... تم کیا ہو اور کیا کرتے ہو؟'' نعمان ایزد کا گلا خشک ہونے لگا تھا۔ ''بلیک میلنگ'' وہ دو لفظ ہی ادا کر پائے تھے۔

''میں نے تمہارے سامنے تب ہاتھ جوڑے تھے جب میں اپنی معصوم بیٹی کو تمہاری بیٹی بنا کر رخصت کر رہا تھا لیکن تم نے ان جڑے ہوئے ہاتھوں کی لاج بھی نہ رکھی۔ تم نے تو آگے بڑھ کر حارث کے منہ پر ہاتھ رکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی بلکہ..... بلکہ میری بیٹی کی اُجڑتی ہوئی دنیا کا خاموش تماشائی بن کر تماشہ دیکھتے رہے تم۔''

نعمان ایزد کو جگہ نہ مل رہی تھی کہ وہ زمین میں ہی گڑھ جائے۔ کیونکہ بصیر احمد ان کے تمام دوستوں میں سے وہ دوست تھے جو نعمان ایزد کی پرانی زندگی سے بھی واقف تھے اور ان کے بہت زیادہ قریب تھے۔

''بصیر احمد..... اجوان اولاد کو نکیل ڈالنا بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے ہوا اور پانی کو سنگلوں سے باندھنے کی بیوقوفانہ سوچ رکھی جائے۔''

''کیا تمہارا تمہاری اس بہن پر بھی اختیار نہیں ہے جس نے اس ہنستے بستے نشیمن کو شک کی چنگاری سے آگ لگا کر بالکل ہی راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔'' نعمان ایزد کو اُن کا یہ لہجہ بہت بُرا لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے لہجے پر قابو نہ رکھ سکے اور سخت لہجے میں بولے۔

''بصیر احمد! یہ مت بھولو کہ تم میرے گھر میں کھڑے ہو کر میری بہن کی عزت پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔''

''اور تم بھی یہ مت بھولو کہ میں اب اس بیٹی کا باپ نہیں رہا ہوں جو تم جیسے بے غیرت اور بے شرم کی بہو ہے۔''

بصیر احمد کا جوابی وار بھی بہت کاری تھا۔ ''اور نعمان ایزد! میری بیٹی کو طلاق دینے کے بعد تم یہ بھول جاؤ کہ خوشی اس گھر کی چوکھٹ پار کر کے اندر آ سکے گی۔ اس معصوم کی آہیں اور سسکیاں تم سب کے کانوں میں اس طرح گونجتی رہیں گی کہ تمہیں یہ دعا کرنا پڑے گی کہ تمہاری سماعتیں بہری ہو جائیں۔'' بصیر احمد کا تلخ اور تیز لہجہ سن کر سیکیورٹی گارڈز ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے لیکن آگے بڑھنے کی جرأت کسی میں بھی نہ تھی۔

''نعمان ایزد! اپنے اس محل نما قلعے کی دیواریں اونچی کروا لو..... کیونکہ بہت جلد تمہاری عزت ان نیچی دیواروں کو پھلانگی ہوئی تمہارے مستقبل اور اس منہ پر کالک ملنے ہی والی ہے۔''

''بصیر احمد!'' نعمان ایزد حلق کے بل دھاڑے تو بصیر احمد نے اپنی شہادت کی اُنگلی کھڑی کر کے اُنہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولے۔

''نعمان ایزد! تمہارے لٹنے اور برباد ہونے کا وقت شروع ہو چکا ہے..... اب میں بہت جلد صائمہ کو تمہارے مقابل کھڑا کرنے والا ہوں۔ جہاں تک بھاگنا ہے بھاگ لو نعمان ایزد!'' بصیر احمد نے آخری پتہ بم کی صورت میں نعمان ایزد کے منہ پر مارا تھا اور نعمان ایزد کو اپنا نہ وجود ریزہ ریزہ ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے قہقہہ لگا کر سکندر کی طرف دیکھا اور اس کی گود میں سر رکھتی ہوئی سگریٹ کا کش لگا کر دھواں سکندر کے منہ پر پھینکا تو وہ بھی ہنسنے لگا۔ ''جویریہ!.....ایاز.....بے چارے ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں.....بس ایک تصویر ہی کام کر گئی۔'' اقصیٰ کا پھر قہقہہ بلند ہوا تو سکندر پھر ہنسنے لگا۔

''ویسے اقصیٰ ڈارلنگ! تم ہو بہت کمال کی چیز۔'' سکندر نے اس کے چہرے پر پیار سے انگلی پھیری تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''سکندر! میرا نام اقصیٰ ہے اور اقصیٰ اپنا شکار نہیں چھوڑتی۔ جویریہ کی بچی کیا سمجھتی تھی کہ وہ مجھے نیچا دکھا دے گی۔ میں نے اس کے ارادے بھانپ لیے تھے اور اپنے کمرے کی صفائی اچھی طرح پہلے ہی کر دی تھی۔''

''مجھے اپنی جان پر فخر ہے۔'' سکندر نے کہا تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''سکندر! تم نے تو مجھے نئی زندگی سے آشنا کروایا ہے۔ تم جیسا بھرپور مرد ہی میری زندگی کی تلاش کا مقصد تھا۔ اور تم دیکھو کہ تقدیر نے تمہارا پیار میری جھولی میں ڈال دیا۔''

''اب کیا ارادہ ہے؟'' سکندر اس کے حواس پر پوری طرح چھا گیا تھا۔ وہ سکندر کی مرضی سے ہی سانسیں لے رہی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تم بتاؤ۔''

''میری اتنی جرأت کہاں جان من!'' سکندر اس کو مزید بانس پر چڑھاتا ہوا بولا تو وہ کھل کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''تم تو میری زندگی ہو سکندر! حکم کرو۔ اقصیٰ تمہارے لیے ہر وقت حاضر بھی ہے اور دنیا کے کسی بھی کونے میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے۔''

''تو پھر تین دن بعد میں اس گھر، شہر اور صوبہ کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔'' سکندر نے بہت بڑا فیصلہ سنایا تو وہ چونک کر اٹھی تو اعضاء کی شاعری نے سکندر کو بے ایمان کر دیا لیکن اقصیٰ کو اس کی بے ایمان نظروں کی اب کوئی بھی پروا نہ تھی۔

''یعنی کہ تین دن بعد؟'' اس نے سکندر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی بات کی تصدیق چاہی تو وہ اس کے ہونٹوں پر شرارت کرتا ہوا بولا۔ ''اعتبار نہیں ہے کیا؟''

''اپنی جان سے بھی زیادہ اعتبار ہے سکندر!'' وہ مخمور لہجے میں بولی تھی۔ ''لیکن تم ایک ہفتہ مزید ٹھہر جاؤ۔ میں اپنے تمام اکاؤنٹس سے رقم اور لاکرز سے تمام زیورات نکال لوں۔ میں اس جائیداد سے اپنا وہ حصہ لے کر ہی جاؤں گی جو نعمان ابرو نے ضبط کر رکھا ہے۔''

اقصیٰ کا ارادہ اور لہجہ اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ وہ سکندر کی خاطر اس گھر اور خاندان کو چھوڑ کر تو جائیگی لیکن تمام کیش اور زیورات بھی لے کر وہ اس گھر اور شہر کو چھوڑ دے گی۔ کیونکہ وہ سکندر سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ اور سکندر اس کی اس بیوقوفی کا بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے تیار تھا۔ وہ فوراً ہی مان گیا تھا کہ اقصیٰ اپنی بھرپور تیاری کر لے وہ ایک ہفتہ تو کیا دس پندرہ دن بھی گزار سکتا ہے۔ رات کا آخری پہر

http://kitaabghar.com

تھا سکندر نے اقصیٰ کی آمد کا مقصد جان کر اس کی خواہش پوری کی تو وہ اس کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے کے لیے وسیع لان سے گزرنے لگی۔ عین اسی لمحہ حارث اپنی کھڑکی میں بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے لان میں انسانی ہیولے کو کوئی چوکیدار یا گارڈ ہی سمجھا تھا لیکن غور کرنے پر وہ چونک پڑا تھا۔ کیونکہ وہ مدہم روشنی میں اقصیٰ کو پہچان چکا تھا۔ اس نے اپنی نظروں کا زاویہ سکندر کے کوارٹر کی جانب کیا تو سکندر کے کوارٹر کی لائٹ آف ہوگئی۔

حارث کے ذہن میں یکدم دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ اس کو جویریہ کی بات یاد آنے لگی کہ اقصیٰ سکندر سے ملتی ہے اور اس سے ڈر گزلیتی ہے۔ وہ چیخ چیخ کر کہتی رہی مگر حارث نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور اس کو طلاق دے کر اس پر ایسا بم گرا دیا کہ وہ اس کے ملبے تلے آ کر اپنی محبت کے ساتھ ساتھ اپنی کوکھ کو بھی دفن کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

حارث منہ کھولے جویریہ کی سسکیاں اور آہیں یاد کر کے کانپنے لگا تھا۔

''لیکن وہ ایاز سے کیوں ملی تھی؟'' اس نے خود ہی یہ سوال دہرایا اور اس کے محرکات پر غور کرنے لگا۔ جب وہ ایاز سے ملی تھی تو تب مطربہ بھی جویریہ کے ساتھ تھی۔ اس کے بعد حارث نے جویریہ کی کوئی بھی دلیل نہ سنی تھی اور اس کو ناکردہ گناہ کی سزا سنا دی تھی۔ اس کو اپنے بچے کا اس طرح چلے جانا بہت دکھ دے رہا تھا۔ اور اس نے جویریہ سے جو محبت کی تھی وہ آن کی آن میں ہی نفرت بلکہ شدید نفرت میں بدل جانے کی وجہ صرف اور صرف شک تھا اور اس کو اقصیٰ نے ایسی کہانی سنائی تھی کہ وہ جویریہ کی محبتوں کو فراموش کر کے نفرتوں کا سوداگر بن گیا۔ کتنا بڑا فیصلہ چند گھنٹوں کی فلم نے اس سے کروا دیا تھا۔

''لیکن اقصیٰ ٹھیک بھی کہہ سکتی ہے.....'' وہ خود کو تسلی دیتا ہوا بولا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ صبح ہونے پر وہ مطربہ سے یہ ضرور پوچھے گا کہ اس دن ایاز نے مارکیٹ میں جویریہ سے کیا باتیں کی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ بیڈ پر لیٹ گیا تو فجر کی اذانیں اس کو صبح ہونے کی نوید سنانے لگیں۔ اس کو نیند نہ آ رہی تھی۔ پہلے تو اس کو جویریہ کی چیخیں اور منتیں کرنے کی آوازیں بے سکون کر رہی تھیں لیکن اب ایک بچے کے رونے کی آوازیں اس کی سماعتوں کو زخمی کرنے لگی تھیں۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو وہ کمرے میں اکیلا تھا لیکن اس کمرے کی دیواروں سے جویریہ کے بین کرنے کی آوازیں اُبھر اُبھر کر اس کو پچھتاوے کے کچوکے لگا رہی تھیں۔ اس کو بچے کے مسلسل رونے کی آوازیں بھی دہشت زدہ کرنے لگی تھیں۔ وہ خوفزدہ ہو کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخنے لگا۔

''بند کر دو یہ سب کچھ..... بند کرو ان آوازوں کو..... کون چیخ رہا ہے۔ کون رو رہا ہے۔ کوئی ان کو چپ کیوں نہیں کراتا..... خاموش ہو جاؤ..... خاموش ہو جاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ دیوانوں کی طرح زور زور سے چیخنے لگا تھا۔ اس کی چیخوں کی آواز اس کے کمرے تک ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ پورے محل میں گونجنے لگی تھیں اور سب یہی باری باری بے سکون ہو کر گہری نیند سے بیدار ہونے پر بے زاری کا اظہار کرنے لگے تھے۔

http://kitaabghar.com

نعمان ایزد جہاں پرا بیگم کے ساتھ اس کے کمرے کے باہر پہنچے تو وہ زور سے چیخا۔

''میں مر جاؤں گا۔'' نعمان ایزد نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو حارث نعمان کارپٹ پر اوندھا پڑا ہوا تھا اس کے دونوں ہاتھ اس کے کانوں پر تھے اور وہ زار و زار رو رہا تھا۔ جہاں آرا بیگم کے لیے یہ منظر بہت کربناک تھا۔ وہ جوان بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپتی ہوئی آگے بڑھیں اور اس کو گود میں بھرتی ہوئی بولیں۔

''کیا ہوا حارث! کیا ہوا؟'' حارث نعمان نے دہشت زدہ نظروں سے ان کی طرف اور پھر نعمان ایزد کی طرف دیکھا اور شعور کی دنیا میں لوٹتا ہوا اپنی حالت پر غور کرتا ہوا نفی میں سر ہلانے لگا۔

''کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہوگا۔'' نعمان ایزد نے اس کی سنبھلتی ہوئی حالت دیکھ کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے جبکہ جہان آرا بیگم وہیں کھڑی حارث کی کیفیت کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ زمین سے اُٹھ کر آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ گیا تو جہان آرا بیگم اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولیں۔

''مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کیا ہوا ہے کیوں خوفزدہ رہتے ہو؟'' جہان آرا بیگم کی پریشانی ان کی آواز اور ان کے لہجے سے نمایاں تھی۔ اور جو فکر ایک ماں کو ہوتی ہے وہ ان کے الفاظ سے واضح ہو رہی تھی۔

''کچھ نہیں مما! بس طبیعت کچھ خراب ہے۔'' حارث مردہ لہجے میں بولا تو وہ تڑپ گئیں۔

''تو بیٹا! ڈاکٹر کو چیک اپ کرواؤ۔''

''مما! کیا آپ کو لگتا ہے کہ جویریہ کو طلاق دینا چاہیے تھی؟''

اس سوال کی اتنی اہمیت نہ تھی جتنی حارث کے لہجے کی تھی۔ کیونکہ اس کے لہجے میں شکست اور پچھتاوہ نمایاں تھا۔

''اب اس بات کا کیا فائدہ..... وہ لڑکی تمہارے قابل ہی نہ تھی۔'' جہان آرا بیگم نے بیٹے کو دلاسہ دیا تھا یا اپنی بہو کے خلاف روایتی زہر اُگلا تھا اس بات کا فیصلہ کرنے کا وقت نہ تھا۔

''میں تمہاری شادی اس سے بھی اچھی لڑکی سے کروں گی۔ اور تم دیکھنا کہ یہ شادی تمہاری پہلی شادی سے بھی زیادہ دھوم دھام سے ہوگی۔'' جہان آرا بیگم کے دلاسے نے حارث نعمان کے اندر ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھرتا ہوا بولا۔

''دوسری شادی؟''

''ہاں بیٹا! اب تمہاری شادی میری مرضی سے ہوگی۔'' جہان آرا بیگم گردن اکڑاتی ہوئی بولیں۔ تو وہ آنسو بہاتا ہوا بولا۔ ''اب میں کوئی شادی نہیں کروں گا..... میں پہلے اس بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں کہ جویریہ نے ایسی حرکت کیوں کی کہ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچی۔ اور میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔''

''تم کیوں اپنا آپ جلا رہے ہو میں نے کہا نا کہ میں اس رشتے سے پہلے دن سے ہی خوش نہ تھی۔ یہ تو تمہارے بابا کی پسند تھی۔''

http://kitaabghar.com

جہان آرا بیگم کے لہجے میں جویریہ کے لیے رعونت بھری ہوئی تھی۔ ''تم اب آرام کرو۔ لگتا ہے کہ ساری رات ہی نہیں سو سکے ہو۔'' وہ حارث کو مشورہ دے کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

حارث نے اپنی اس کسک کو مطربہ سے بات چیت کے ذریعے نکالنے کی ٹھان لی تھی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں تو صبح کا ہلکا ہلکا اُجالا پھیلنے لگا تھا اس کو معلوم تھا کہ مطربہ صبح سویرے ہی بیدار ہو جاتی ہے۔ وہ چند منٹ اور اس کا انتظار کرنے کا بہلاوہ دل کو دینے لگا تھا۔ نیند کی وادی نے گویا اس پر احسان کیا تھا وہ چند منٹوں بعد ہی پُرسکون نیند تو سو گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر تھکن اور پریشانی کے آثار واضح تھے۔

اُس کی آنکھ کھلی تو دوپہر کے دو بجے رہے تھے۔ وہ کسلمندی سے اُٹھا فریش ہو کر اس نے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تو مطربہ لان میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی شمعون بھی دوسری کرسی پر براجمان تھا۔ حارث نے ناشتہ ان کے پاس بیٹھ کر کرنے کا سوچا اور لان میں چلا آیا تو مطربہ اور شمعون اس کو آتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس آ کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ناشتے کے لیے کچن میں ملازم سے کہہ دیا تھا۔

''مطربہ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' مطربہ نے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا اور پھر شمعون کی طرف دیکھا تو وہ اُٹھتا ہوا بولا۔ ''تو پھر میں جاؤں بھائی؟''

''میں نے ایسا تو نہیں کہا میں نے تو بات مطربہ سے کرنا ہے تم کیوں جا رہے ہو۔'' وہ شمعون کی طرف حیرانگی سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''بیٹھو تم بھی''۔ شمعون اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم ایاز سے پڑھتی رہی ہو۔ وہ کیسا بندہ ہے؟'' حارث کا اس طرح کا سوال کرنا ہی مطربہ کے لیے پریشان تھا اور شمعون کے لیے حیران کن تھا کیونکہ ایاز شمعون کا کلاس فیلو تھا اور وہی اس کو ٹیوٹر کی حیثیت سے اس گھر میں لایا تھا۔

''وہ میرے استاد ہیں بھائی! اور استاد ہمیشہ اچھے ہی ہوتے ہیں۔'' مطربہ نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا تو حارث اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا وہ استاد کے علاوہ بھی تمہارا کچھ تھا؟'' یہ بہت ہی تلخ سوال تھا شمعون اور مطربہ سمجھ رہے تھے کہ حارث آج کل ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ مگر اس سوال کی کیا تک بنتی تھی کہ ایک جوان بہن سے ایسا سوال پوچھا جائے جس کا جواب ہی عزت پر کیچڑ اُچھالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

''بالکل وہی رشتہ تھا جو میرا آپ سے اور شمعون سے ہے۔''

''اور ایاز کا جویریہ سے کیا تعلق تھا؟'' وہ مطربہ کے جواب سے مطمئن نہ تھا۔

''احترام کا رشتہ تھا بھائی۔'' مطربہ بولی تو وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''مجھے لفظوں کی جادوگری میں مت اُلجھاؤ۔ صاف صاف بتاؤ۔''

''یہی سچائی ہے بھائی کہ وہ جویریہ بھابھی کی بہت عزت کرتے تھے اور آپ کی بھی۔'' مطربہ اس کو وہ سچائی بتا رہی تھی جس پر

http://kitaabghar.com

اقصیٰ نے اپنی چالاکی سے پردہ ڈالا ہوا تھا۔

''جس دن وہ تمہیں اور جویریہ کو مارکیٹ میں ملا تھا اس نے تم سے اور جویریہ سے کیا باتیں کی تھیں؟'' حارث نعمان کو یہ بھی علم تھا کہ مطربہ ایسے حالات میں کوئی بھی بات جھوٹ نہیں کہے گی لیکن وہ پھر بھی بولا۔ ''مطربہ! اس سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دینا۔''

''لیکن اب کیا فائدہ؟'' مطربہ کی ہمت تھی کہ وہ اتنی بڑی بات کر گئی۔

''ایک کسک ہے دل میں..... جو مجھے چین نہیں لینے دیتی۔'' حارث افسردگی سے بولا تھا۔ ملازم نے ناشتہ لا کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''لیکن بھائی! اب تو کوئی سچائی بھی آپ کے پچھتاوے کا مداوا نہیں بن سکتی۔'' شمعون نے داخل اندازی کی تو خلاف توقع حارث اس کی طرف جھکی ہوئی نظروں سے متوجہ ہوتا ہوا بولا۔

''پچھتاوا اور افسوس میرا اثاثہ بن گئے ہیں مگر میں اس جائیداد کو شک سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔''

''ایاز بھائی نے میرے پر پیار سے ہاتھ رکھا اور ایگزام کے بارے میں پوچھا تھا۔'' مطربہ اس دن کا احوال بتانے لگی تھی۔

''اور جویریہ بھابی سے سلام لینے کے بعد صرف یہی پوچھا کہ حارث بھائی کیسے ہیں؟ کیا آپ اب بھی کتابیں اسی شوق سے پڑھتے ہو؟'' مطربہ کی زبانی سن کر حارث کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔ ''ان کی بات سن کر جویریہ بھابی نے محض یہ جواب دیا کہ اب وقت نہیں ملتا لیکن میرے سرکار یقینی کہ آپ اب بھی کتب پڑھ لیتے ہیں اور جویریہ بھابی نے کہا کہ مجھے فخر ہے کہ میں نے حارث کو چنا ہے کیونکہ حارث کتب سے محبت کرنے والا پیارا شخص ہے۔''

اب تو حارث باقاعدہ رونے لگا تھا۔ جویریہ اس کو اس کی سوچ سے بھی بڑھ کر چاہتی تھی لیکن یہ کیا کیا حارث نے اس کے ساتھ۔ اس کو طلاق کا لیبل ماتھے پر سجا کر اس معاشرے میں خود ایک کتاب بنا کر چھوڑ دیا تھا اور وہ کتاب بھی ایسی کہ جس کی کہانی ابھی ادھوری تھی۔

''پھر اس کے بعد ایاز بھائی نے بتایا کہ وہ اپنی امی جان کے لیے کچھ شاپنگ کرنے آئے ہیں۔ پھر وہ چلے گئے اور ہم لوگ نے کی شاپنگ کر کے گھر آ گئے۔'' مطربہ نے یہ کہا تو حارث اُن دونوں سے نظریں چراتا ہوا وہاں سے اُٹھ کر بغیر کچھ کھائے پیے ہی چلا گیا تھا۔

شمعون اور مطربہ اس کو جاتا دیکھ رہے تھے اور شمعون بولا۔

''مطربہ! میں ایاز کو کافی عرصہ سے جانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کو اس گھر میں ایک اُستاد بنا کر لایا۔ حالانکہ وہ نوجوان تھا اور تم بھی اپنی عمر کی اس سیڑھی پر پاؤں رکھ چکی ہو جب انسان کے بہکنے یا لڑکھڑانے کے بہت سے چانسز ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے تم پر تو اعتماد تھا ہی کیونکہ تم میری بہن ہو۔ لیکن اس سے کئی گنا اعتماد مجھے ایاز پر تھا۔''

مطربہ شمعون کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''مجھے تو ان کی نظروں میں آپ سے بھی زیادہ پیار نظر آتا تھا شمعون بھائی۔''

''تو پھر غلطی کہاں ہے مطربہ؟'' شمعون بھی خاصا پریشان لگ رہا تھا۔ اس کو بھی جویریہ پر ترس آ رہا تھا اور حارث کی جلد بازی پر

http://kitaabghar.com

افسوس بھی ہو رہا تھا لیکن وہ اس بات سے مطمئن تھا کہ ایاز اس تمام معاملے میں بے گناہ تھا۔ تو پھر گنہگار کون تھا؟ جویریہ؟ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی یا پھر اقصیٰ؟ جس کے کمرے سے بھی کچھ نہ ملا تھا اور جویریہ اپنا بہت بڑا الزام اس پر ثابت نہ کر سکی تھی۔ وہ مزید پریشان ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں اس ''گھنجلوں'' کا سرا نہ آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

لیقہ کی طبیعت ایک بار پھر اچانک بگڑ گئی تھی۔ اس کو ایمرجنسی میں ہسپتال لایا گیا تھا۔ اُس کی سیریس کنڈیشن کو دیکھتے ہوئے تو ایک بار ڈاکٹرز بھی پریشان ہو گئے تھے۔ انصر احمد اور ثانیہ بیگم اس کے پاس تھے۔ انصر احمد پچھلے کافی دنوں سے خاصا ڈسٹرب تھا کیونکہ جویریہ کی طلاق نے گھر کا ماحول افسردہ کر دیا تھا اور پھر اس کے بیٹے کی مردہ حالت میں پیدائش نے بھی اس گھر کے ہر فرد کو کیا بلکہ ہر انیٹ کو سوگوار کر دیا تھا۔

جویریہ کی طلاق کے بعد اُس نے مطربہ سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا اور نہ ہی مطربہ نے کوئی ایسی کوشش کی تھی۔ اگر انصر اپنی بہن کی طرف دیکھتا تو کبھی بھی مطربہ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرتا لیکن محبت نے ایک زبردست کچوکا لگا کر اُنا کو کچلنے کی نوید سنائی اور دل کی تڑپ نے محبت، محبت کا راگ الاپنا شروع کیا تو اس کو مطربہ کے ساتھ گزارا ہوا وقت یاد آنے لگا۔ وہ ہسپتال کی کینٹین میں بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اُس کو بصیر احمد نے وہ تمام باتیں بتا دی تھیں جو اُنہوں نے ایاز اور جویریہ کے درمیان ہسپتال کے کمرہ میں سنی تھیں۔ انصر احمد نے بھی ایاز کو بے گناہی کی چٹ تھمائی تھی۔ اُس نے تہیہ کیا کہ وہ اقصیٰ کا حدود اربع معلوم کرے گا اور وہ جویریہ کی طلاق کی وجوہات ضرور جانے گا۔

کیونکہ اس کی زندگی مطربہ کے نام کے ساتھ ہی چل رہی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر مطربہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ابھی تک کچھ بھی ایسا نہ تھا کہ وہ آسانی سے مطربہ کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا۔ اُس نے ہنستی بستی جویریہ کے آنسوؤں میں جو کرب اور دُکھ محسوس کیا تھا وہ اس کو لرزا رہا تھا۔

لیکن اس تمام وقوعہ میں مطربہ تو بے گناہ تھی۔

لیکن وہ حارث کی بہن اور نعمان ایزد کی بیٹی ہے۔

لیکن اس کا اس میں کیا قصور ہے کہ وہ نعمان ایزد کے گھر میں پیدا ہوئی ہے۔

انصر تانے بانے بنتا جاتا تھا اور پھر خود ہی ان کے گھنجل کھولنے میں ناکام ہو جاتا تھا۔

مطربہ نے ابھی تک اس کو فون کیوں نہیں کیا؟

ہو سکتا ہے وہ مجبور ہو اور نعمان ایزد نے اس کو منع کر دیا ہو۔

لیکن نعمان ایزد کو تو معلوم ہی نہیں ہے کہ مطربہ انصر سے محبت کرتی ہے..... وہ شدید اُلجھن محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ بصیر احمد جویریہ کے ساتھ ہسپتال کے برآمدے میں چلے آ رہے تھے اور یقینی طور پر سیکیورٹی گارڈز باہر ہی رُک گئے ہونگے کیونکہ انصر اپنے

http://kitaabghar.com

باپ کو اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ نمود و نمائش کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ انصران کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیسی ہے اب وہ؟'' بصیر احمد مردہ دلی سے بولے تو انصر احمد نظریں جھکاتا ہوا بولا۔

''ویسی ہی کنڈیشن ہے پاپا۔'' انصر کا سوگوار لہجہ سن کر جویریہ آگے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تو انیقہ ہوش میں تھی اور ثانیہ بیگم اس کے پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ جویریہ کو دیکھ کر انیقہ نے مسکرا کر اس کی طرف اس انداز میں دیکھا کہ وہ جویریہ کی ہی منتظر تھی۔

''آپی!'' وہ بولی تو ثانیہ بیگم نے چونک کر جویریہ کی طرف دیکھا تو دُکھ کی ایک پتلی سی لہر ان کے ہونٹوں پر مسکان کی صورت میں پھیل گئی۔

''انیقہ!.....کیسی ہو تم؟'' جویریہ اس پر قربان ہو رہی تھی۔ وہ اپنا دُکھ وقتی طور پر بھول گئی تھی اُس کو انیقہ کی زندگی کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تلقین ڈاکٹرز کی طرف سے کی گئی تھی کہ انیقہ کو خوش رکھنے کے لیے ہر وہ کوشش اور ہر وہ حربہ استعمال کیا جائے جس سے انیقہ کی توجہ بیماری سے ہٹ جائے۔

''آپی!'' وہ کربناک مسکان سے بولی تو ثانیہ بیگم اور جویریہ اُس کی جانب متوجہ ہوئیں۔ ''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے''۔

دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو ثانیہ بیگم بولیں۔

''ابھی تمہیں ڈسچارج کر دیا جائیگا پھر گھر جا کر باتیں کر لینا۔ ابھی آرام کرو۔''

جویریہ نے بھی ثانیہ بیگم کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے تائیدی انداز میں سر ہلایا تو وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''وقت بہت کم اور بات بہت ضروری ہے مما!'' انیقہ کا دردناک لہجہ ثانیہ اور جویریہ کو رُلا گیا تھا اسی اثنا میں بصیر احمد اور انصر احمد بھی کمرے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔

''کہو میری جان؟ کیا بات ہے؟'' جویریہ نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''آپی!'' وہ بولنے لگی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جبکہ جویریہ اس کا ہاتھ سہلانے لگی۔

''مما!'' انیقہ ثانیہ بیگم سے مخاطب ہوئی تو وہ آنسوؤں پر قابو پاتی ہوئی بولیں۔

''بولو بیٹا! میں سن رہی ہوں۔''

''مما! آپ آپی کی شادی.....ایاز سے کر دیں۔'' یہ سن کر جویریہ نے اس کا ہاتھ چھوڑنے کی کوشش کی لیکن اس نے جویریہ کا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔ ''آپی! ایاز آپ سے محبت کرتے ہیں۔ بہت زیادہ محبت۔ لیکن اپنے سٹیٹس کی وجہ سے وہ اظہار نہ کر سکے..... میں نے ان کی آنکھوں میں تمہارے لیے جو دیپ جلتے ہوئے دیکھے ہیں ان کی روشنی کبھی مدہم نہیں ہوگی۔'' اب انیقہ کے چہرے پر تکلیف نمایاں ہونے لگی تھی۔

''انیقہ! بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے..... تم گھر جانے کی تیاری کرو۔'' ثانیہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

http://kitaabghar.com

''مما! گھر ہی تو جانا ہے..... ابھی تھوڑی دیر بعد چلتے ہیں۔'' وہ درد سے کراہتی ہوئی بولی۔ ''آپی! پلیز میں نے آپ سے زندگی میں کچھ بھی نہیں مانگا لیکن پتہ نہیں کیوں..... میرا دل چاہتا ہے کہ اس لمحہ میں موت سے بھی لڑ جاؤں اور ایاز کے لیے آپ کی منت بھی کر لوں.....'' جویریہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''مگر کیوں انیقہ..... آخر تم میری زندگی کے اہم ترین فیصلے کے لیے ضد کیوں کر رہی ہوں..... ویسے بھی میں اب شادی نہیں کروں گی۔''

انیقہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''آپی! زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو۔ نا کہ اس کے ساتھ جس کو آپ چاہتے ہوں..... حارث کی چاہت محض دکھاوا تھا۔ لیکن ایاز آپ کو دل سے چاہتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے ساتھ خوش رہیں گی..... وعدہ کریں آپی پلیز.....'' انیقہ کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے جویریہ کا ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر زور زور سے چیخنے لگی۔

انفر کو ہوش آ گیا وہ فوراً ڈاکٹر کو بلانے کے لیے بھاگ گیا تو بصیر احمد آگے بڑھے انہوں نے روتی ہوئی سرخ آنکھوں سے انیقہ کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلانے لگی۔

''بچے..... میری بیٹی..... ہوش کر انیقہ..... اس طرح نہ کرو..... ورنہ بابا مر جائیگا۔ انیقہ.....!'' بصیر احمد اس سے زیادہ نہ کہہ سکے وہ اپنی لاڈلی بیٹی کو موت سے لڑتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن اس جگہ وہ آرڈر آرڈر کہہ کر موت کے فرشتے کو روک نہ سکتے تھے اور نہ ہی ان کی گھن گرج سن کر کوئی خاموش ہونے والا تھا۔

''پاپا..... پلیز..... یہ میری آخری خواہش ہے..... پلیز پاپا..... آپ آپی کی شادی..... ایاز سے ضرور.....'' اس کے بعد انیقہ خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور سانسیں رکی ہوئی تھیں۔ دھڑکنیں خاموش ہو گئی تھیں۔ اس کا ہاتھ جویریہ کے ہاتھ میں ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

''انیقہ! انیقہ..... انیقہ..... آنکھیں کھولو..... آنکھیں کھولو انیقہ۔'' تانیہ بیگم اس سے لپٹ گئیں حالانکہ انیقہ کی آنکھیں تو کھلی ہی رہ گئی تھیں۔

انفر ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو ڈاکٹر نے فوراً اسٹیتھی سکوپ لگا کر انیقہ کو چیک کرنا شروع کر دیا لیکن وہ مایوسی سے مڑا اور بولا۔ ''آئی ایم سوری مسز جج صاحب..... شی از ایک سپائرڈ۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر تو باہر نکل گیا مگر اس کمرے میں ایک ایسا طوفان اُٹھا جو پورے ہسپتال کو دہلا گیا تھا۔

جویریہ اور تانیہ بیگم انیقہ کی میت سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھیں جبکہ بصیر احمد اور انفر احمد کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دلاسہ دینے کے لیے کن الفاظ کو ادا کریں۔

''بہت جلدی روٹھ گئی ہو تم.....'' بصیر احمد بولے۔ ''تمہیں..... تمہیں تو دلہن بنا کر رخصت کرنا میری آرزو تھی لیکن تم نے دھوکا کیا ہے انیقہ..... میرے ساتھ دھوکا کیا ہے تم نے..... لوٹ آؤ انیقہ..... لوٹ آؤ..... لوٹ آؤ میری بچی۔''

http://kitaabghar.com

بصیر احمد اُس لمحہ باپ تھے اور ان کے الفاظ ان کرڈاکٹر بھی رنجیدہ ہو گئے تھے۔ جبکہ جویریہ تو انیقہ کے اوپر ہی لپٹ گئی تھی۔ اس گھر پر تقدیر کی ستم ظریفی کی یہ دوسری ضرب تھی اور اس کاری ضرب نے بصیر احمد کی کمر توڑ دی تھی۔ ایک بیٹی کے ابھی ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی نہ اُترا تھا کہ وہ طلاق یافتہ بن گئی اور دوسری بیٹی جو کہ جوانی کی دہلیز پر قدم تو رکھ پائی تھی لیکن جوانی کی بہاریں نہ دیکھ پائی تھی۔

ایمبولینس گھر پہنچنے پر انیقہ کی میت نکالی گئی تو صائمہ حیرانگی سے دیکھنے لگی کیونکہ اس کو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ انیقہ اس دنیا کو چھوڑ کر جا چکی ہے۔ وہ تانیہ بیگم کو دلاسہ دینے لگی تھی۔ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی تھیں۔ صائمہ نے ایاز کو فون پر بتا دیا تھا کہ انیقہ فوت ہو چکی ہے۔ وہ بھی کالج سے بھاگنے والے انداز میں بصیر احمد کی کوٹھی پر پہنچا تھا۔ وہ بھی انیقہ کی موت پر خاصا افسردہ تھا اور اچانک موت پر حیران بھی تھا لیکن وہ کاتب تقدیر کی تحریر کا اسیر تھا۔ وہ ان معاملات میں انسان کو بے بس سمجھتا تھا کیونکہ زندگی اور موت کے فیصلوں سمیت اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور وہ جب بھی جو بھی چاہے کر سکتا ہے۔

اس کے حکم کے سامنے کسی کو بھی دم مارنے کی جرأت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس سے لڑائی ہے۔ اس کی قدرت نرالی ہے۔ اس کے ہر فیصلے میں انسانوں کے لیے بہتری اور سبق شامل ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے بندوں کا بُرا نہیں چاہتا۔

جسٹس بصیر احمد کی بیٹی کی جوانی کی موت کی خبر پل ہی پل میں میڈیا کے ذریعے پورے شہر اور پھر ملک میں پھیل گئی تھی جویریہ کے سامنے انیقہ کی لاش پڑی تھی اور اس کو وہ پل یاد آ رہے تھے جب وہ دونوں بہنیں مصنوعی لڑائی لڑتے ہوئے کشن اور تکیوں سے ایک دوسری کو پیٹا کرتی تھیں۔

انیقہ کی چھوٹی چھوٹی فرمائشوں میں التجا اور دھمکی زیادہ ہوتی تھی۔ وہ نہ ہنس رہی تھی نہ بول رہی تھی۔ ورنہ وہ تو لوٹ پوٹ ہو جایا کرتی تھی۔ اور پھر جویریہ بھی غصے پر قابو پاتی ہوئی ہنسنے لگتی تھی۔

آج وہ ایک بے جان پتلے کی مانند اس کے سامنے چارپائی پر پڑی تھی۔ وہ نہ ہنس رہی تھی نہ بول رہی تھی۔ نہ ہی کوئی جھگڑا کر رہی تھی اور نہ ہی کوئی ایسی حرکت کر رہی تھی جس سے جویریہ بھی ہنسنے لگتی۔ اور نہ ہی وہ کوئی ایسا ہمدردی اور دلاسہ دینے والا جملہ ادا کر رہی تھی جو جویریہ کو رونے سے منع کر دیتا۔

تانیہ بیگم نے جویریہ کو گلے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ وہ دونوں بیٹیوں کے نصیبوں پر ماتم کر رہی تھیں جبکہ بصیر احمد نے جویریہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا بیٹی..... میں کتنا مجبور باپ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔"

جویریہ نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور چومنے لگی۔

"ہمیں تو آپ سے کوئی گلہ نہیں پاپا..... پلیز ہمیں شرمندہ نہ کریں۔" وہ باپ کے گلے لگ کر زار و زار رونے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

انیقہ کی وفات پر بھی نعمان ایزد کی طرف سے انتہائی سرد مہری کا مظاہرہ اس طرح دیکھنے میں آیا تھا کہ کسی نے بھی اظہار افسوس کے لیے بصیر احمد سے رابطہ نہ کیا تھا لیکن آج انیقہ کو دفنائے ہوئے تیسرا روز گزرنے والا تھا کہ مطربہ کی کال نے انصر احمد کو چونکا دیا۔ وہ گھر سے باہر لان میں تھا کہ مطربہ کے نمبر سے اس کو کال آ رہی تھی اُس نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے مطربہ کی اداس اور سوگوار آواز نے اس کو اور بھی بے چین کر دیا۔

''مطربہ بول رہی ہوں۔''

''پہچانتا ہوں مطربہ!'' انصر احمد سوگواری کے لبادے میں لپٹا ہوا بولا تو چند ثانیے کے لیے مطربہ کی آواز نہ آ سکی۔ شاید وہ الفاظ جمع کر رہی تھی یا پھر ہمت نہ کر پا رہی تھی کہ کن الفاظ میں وہ انصر احمد سے افسوس کا اظہار کرے۔

''میں کافی شرمندہ ہوں انصر!'' وہ بولی بھی تو نہ سمجھنے والے الفاظ کا ایسا جملہ جس کا جواب انصر احمد نے فوراً ہی دینا مناسب سمجھا اور بولا۔ ''تم شرمندہ کیوں ہو؟''

''میں انیقہ کی وفات پر آ نہ سکی۔'' اس نے اپنی مجبوری کو الفاظ کے پیرہن اوڑھا کر کہا تو انصر احمد خشک گلے کو تر کرنے کے لیے تھوک نگلتا ہوا بولا۔ ''بعض اوقات زندگی بہت جلد بے وفائی کر جاتی ہے۔ ہم وہ توقع بھی نہیں کرتے جو کھیل زندگی ہمارے ساتھ کھیل جاتی ہے۔''

''زندگی تو ہمیشہ سے ہی بے وفائی کرتی آئی ہے اس سے گلہ کیسا؟'' وہ آنسوؤں پر قابو پاتی ہوئی بولی تھی۔

''یہی تو المیہ ہے کہ جن کو زندگی سمجھا جاتا ہے وہ بھی بے وفائی کر جاتے ہیں۔'' انصر احمد نے گلے شروع کیے تو اب باقاعدہ مطربہ کے رونے کی آواز آنے لگی تھی۔

''میں بے وفا نہیں ہوں انصر!''

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' انصر احمد نے اس کے سر پر ہی نہیں دل و دماغ پر بم گرایا تھا وہ یقیناً حیرانگی سے موبائل کو دیکھنے لگی ہو گی۔ کیونکہ دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ صرف اس کی سانسیں اس بات کا پتہ دے رہی تھیں کہ کال چل رہی ہے اور مطربہ سن بھی رہی ہے اور ابھی تک شاکڈ ہے کہ ان حالات میں انصر احمد نے اس کو شادی کے لیے پرپوز کیا ہے جب دونوں خاندانوں میں انتہائی بُرے حالات چل رہے ہیں۔

''کب؟'' اس نے بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا شاید۔ یہی تو وجہ تھی کہ وہ ایک ہی لفظ میں اپنی رضامندی اور انصر احمد کا ارادہ بھی پوچھ رہی تھی۔ اب انصر احمد سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ ایک لمبی سانس خارج کرتا ہوا بولا۔ ''اگلے ماہ تک..... میں پاپا کو راضی کر لوں گا''۔

''انکل مان جائیں گے؟'' مطربہ کا خوف اور ڈر چار لفظوں پر محیط ہو کر اس کے مستقبل کے لیے سوال پیدا کر رہا تھا۔

''دیر ہو سکتی ہے..... لیکن انکار نہیں ہو سکتا۔'' انصر کا ارادہ اٹل لگ رہا تھا۔ ''کیونکہ میرے پاپا کم ظرف نہیں ہیں۔''

http://kitaabghar.com

یہ نعمان ایزد پر کھلا طنز تھا لیکن مطربہ خاموش رہی کیونکہ وہ جانتی اور مانتی تھی کہ حارث اور نعمان ایزد نے جویریہ کے ساتھ زیادتی کی ہے اور بصیر احمد کو بیٹی کا باپ ہونے کی سزا دی ہے۔

''میں ان کی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' مطربہ نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے انصر سمجھ نہ سکا تھا۔

''تم اس گھر میں اگر انصر احمد کی بیوی بن کر آؤ گی تو یاد رکھنا..... بصیر احمد کی بیٹی بن کر اس گھر میں رہو گی۔ اور بصیر احمد اتنے کم ظرف نہیں ہیں کہ ایک بیٹی سے اس کے باپ کی غلطیوں کا انتقام لیں۔''

انصر احمد کا یہ اپنا فیصلہ تھا ابھی اس نے بصیر احمد اور تانیہ بیگم سے بات کرنا تھی۔ اُس نے مطربہ کو اس بات کا عندیہ دے دیا تھا کہ وہ اس کو اپنی شریک حیات سمجھ کر اُس کے ساتھ زندگی گزارنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے اور ان کے تمام خاندان میں انتقام نام کی کوئی بھی چیز ذہنوں پر سوار نہیں ہے۔

مہمان وغیرہ جا چکے تھے اب گھر میں صائمہ اور جویریہ کے علاوہ تانیہ بیگم، انصر اور بصیر احمد رہ گئے تھے اور خالی خالی گھر ایقہ کی باتیں سنا رہا تھا۔ بصیر احمد نے بیٹی کو لحد میں اُتارتے وقت رب کریم سے رو رو کر اپنے کسی ناکردہ گناہوں کی معافی مانگی تھی۔

جویریہ کو طلاق اور اس کے بیٹے کی موت کا صدمہ ابھی بصیر احمد سہہ نہ پائے تھے کہ اس کے بعد ایقہ کی ناگہانی موت نے ان کے بازو شل کر دیے تھے۔ وہ عدالت میں انصاف کرنے کی بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ گواہوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر کیے جانے والے فیصلوں میں ان کا تجربہ اور تجزیہ بھی شامل ہوتا تھا۔ لیکن وہ قانون کے پابند ہونے کی بنا پر اپنا فیصلہ اس انداز میں سنایا کرتے تھے کہ مجرم کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ جج بصیر احمد انصاف کا قلم تھام کر انصاف کی معراج کو بلند رکھتے ہیں۔

لیکن وہ کاتب تقدیر سے گلہ بھی نہ کر رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے میں انصاف نمایاں ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہی کسی نہ کسی کوتاہی اور غلط فیصلے کو اپنی اس تباہی کا ذمہ دار قرار دے رہے تھے۔

صائمہ نے ان کے سامنے چائے کا کپ لا کر رکھا اور ایک طرف خاموش ہو کر کھڑی ہو گئی تو بصیر احمد نے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔ ''صائمہ بہن! میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

صائمہ بصیر احمد کے درد کو سمجھتی تھی وہ خاموش رہی۔ اتنی دیر میں تانیہ بیگم بھی آ گئیں تو بصیر احمد نے صائمہ کو بیٹھنے کا کہا تو سمٹتی ہوئی قالین پر بیٹھنے لگی تو بصیر احمد بولے۔

''نہیں صائمہ بہن.....! آپ اوپر بیٹھیں۔'' بصیر احمد کی آواز پھٹ گئی مگر صائمہ کے لیے حیرت کا باعث وہ فقرہ تھا جب اُنہوں نے اس کو صوفے پر بیٹھنے کا کہا تھا۔ وہ ڈرتی ڈرتی صوفے کی نکڑ پر اس انداز میں بیٹھی کہ جیسے ابھی کے ابھی اُٹھ کر بھاگ جائیگی۔

''آپ نے اس گھر کی خدمت میں پچیس سال گزار دیئے ہیں۔'' بصیر احمد نے کہنا شروع کیا تو صائمہ متوجہ ہو گئی۔

''مجھے آپ نے آج تک کسی بھی شکایت کا موقع نہیں دیا ہے اور یہ آپ نے سچ ثابت کر دکھایا کہ جو کام چھوڑ دیا ہے وہ چھوڑ دیا

http://kitaabghar.com

ہے۔" ان الفاظ پر صائمہ کچھ بے چین نظر آ رہی تھی۔ مگر بصیر احمد خاصے سمجھدار اور ذہین و فراست والے آدمی تھے۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ اب یہ کام نہ کیا کریں"۔

صائمہ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ اپنے آنسو چھپاتے ہوئے بولے۔ "اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس گھر میں نہ آیا کریں بلکہ .....آپ اس گھر میں آئیں تو ایک ملازمہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ.....میری بہن کی حیثیت سے آیا کریں۔"

"میں سمجھی نہیں صاحب جی....." صائمہ کی حیرت بجا تھی۔ "میں نے آج تک اس گھر میں خود کو کبھی بھی ملازمہ نہیں سمجھا....."

بصیر احمد نے چائے کا کپ ہونٹوں کو لگایا اور بولے۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اس گھر کو بہت سا وقت دیا ہے۔ اور اپنی محبتیں اس گھر پر ایک فرد کی حیثیت سے ہی نچھاور کی ہیں۔"

"کیا کوئی کوتاہی ہو گئی ہے مجھ سے؟" صائمہ کی آواز لرز گئی تھی۔

بصیر احمد نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے..... میں سمجھتا ہوں کہ اس تمام عرصہ میں مجھ سے یا میرے بچوں سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔" بصیر احمد نے چائے کا کپ رکھ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تو وہ تڑپ کر اٹھی اور بصیر احمد کے جڑے ہوئے ہاتھ پکڑ لیے اور بولی۔

"مجھے کیوں شرمندہ کر رہے ہیں صاحب جی..... آپ نے تو مجھے سر ڈھانپنے کے لیے چھت دی۔ میرے بچوں کو رہنے کے لیے اپنی چھت کی ملکیت کا احساس دیا۔ کھانے کو اچھا کھانا اور پہننے کو اچھے لباس دیئے..... ان بچوں نے مجھے بیگم صاحبہ کی طرح ہی سمجھا ہے اور ہمیشہ عزت کی ہے..... انیقہ کی موت پر مجھے یوں لگا ہے کہ جیسے میری سگی بیٹی اس دنیا سے چلی گئی ہو۔"

صائمہ کے آنسوؤں کا پانی اس کے الفاظ کی سچائی بیان کرنے لگا تو ثانیہ بیگم اور بصیر احمد بھی رونے لگے جبکہ جویریہ اور انصر احمد بھی آ گئے۔ وہ اس سچویشن کو دیکھ کر حیران تھے لیکن کچھ بھی نہ بول سکنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔

"جو کچھ نعمان ایزد نے جویریہ کے ساتھ سلوک کیا ہے..... اس سلوک نے مجھے پچیس سال پیچھے دھکیل دیا ہے۔"

بصیر احمد شاید نہیں چاہتے تھے کہ صائمہ ان بچوں کے سامنے اپنا ماضی کھول کر رکھیں۔ وہ فوراً بولے۔

"آپ گھر جائیں..... میں اور ثانیہ بیگم آپ کے گھر آئیں گے۔"

"میں نے گھر تبدیل کر لیا ہے۔" بصیر احمد حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگے تو وہ بتانے لگی کہ اس کی بیٹی کو اچھی نوکری مل گئی ہے اس نے بھی بصیر احمد کا اشارہ سمجھ کر نعمان ایزد کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا اور بہترین گھر کا بتانے لگی۔

بصیر احمد کے لیے یہ بات خوشگوار تبدیلی کا باعث بنی تھی کہ صائمہ نے اپنا گھر خرید لیا ہے۔

☆.....☆.....☆

نعمان ایزد نے کافی زیادہ شراب پی لی تھی وہ آدھ کھلی آنکھوں سے چیک پر دستخط کر کے ریشم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

http://kitaabghar.com

''عیش کرو جان من!'' ریشم نے دیکھا تو چیک پر اچھی خاصی رقم درج تھی۔ اس نے چیک پکڑا اور کپڑے پہننے کے بعد دیکھا تو نعمان ایزد بیڈ پر بے سدھ لیٹے ہوئے تھے۔

ریشم کو یکدم احساس ہوا کہ یہ شخص عوام کی نمائندگی کے قابل کیسے ہوسکتا ہے جو اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی سے اس طرح گناہ کرتا ہے ..... لیکن ریشم کو تو اس نے کہہ دیا تھا۔ وہ جانا چاہتی تھی تو چلی جائے لیکن وہ اپنے خوابوں کی حقیقت میں بدلنا چاہتی تھی اس نے خود گناہوں کا راستہ چنا تھا اس کو نعمان ایزد سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے نفرت کرنا چاہیے تھی۔

اس نے نفرت سے اپنے وجود کو قد آدم آئینے میں دیکھا تو اس کو اپنی ہی شکل سے نفرت اور کراہت محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے الیکشن کے بعد نعمان ایزد کی نوکری چھوڑنے کا سوچا اور اپنا بیگ اٹھانے کے لیے جھکی ہی تھی کہ ایک زوردار چکر نے اس کو اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ صوفے پر خود کو گرانے والے انداز میں ڈھے گئی تھی۔ اس کو متلی ہونے لگی تو وہ خود کو سنبھالتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھی تو ایک بدی سی قے نے اس کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ خود کو سنبھالتی ہوئی دوبارہ واپس آ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور اپنا سانس درست کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس نے فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پیا اور خود کو پرسکون رکھنے کے لیے آفس سے باہر نکل کر اپنی کرسی پر آ کر ڈھیر ہو گئی۔ وہ اپنی اس حالت سے خاصی پریشان ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے فی الحال اس حالت کو موسم کی تبدیلی قرار دے کر حقیقت سے نظریں چرانے کا فیصلہ کیا۔

اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ دوبارہ واش روم میں جا کر اپنا منہ ہاتھ دھونے لگی۔ خود کو ایک بار پھر فریش محسوس کرتی ہوئی وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے چائے کا مگ تیار کیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی اور جویریہ کی طلاق کے محرکات پر غور کرنے لگی کیونکہ حارث نعمان نے اس کے بھائی ایاز کو مرکزی کردار بنا کر جویریہ کی پاکیزہ محبت پر شک کیا تھا۔ اور ایک ہی دن میں زندگی کا بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس کو اب اس بات کی فکر نہ تھی کہ ایاز کو کوئی اچھی ملازمت نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ایاز کی تعلیم بھی اچھی خاصی تھی اور اب تو اس کا میٹس بھی اچھا ہو گیا تھا۔ اور اگر کسی جگہ ملازمت کی آفر ہوئی تو وہ نعمان ایزد سے کہہ کر اس کی سفارش بھی کروا دے گی۔ لیکن اس کو جہاں ایاز کی صلاحیت پر اعتماد تھا وہیں پر اس معاشرے کی بے حسی اور بے رحمی کا اندازہ بھی تھا۔ نعمان ایزد نے حارث نعمان کو اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے کیوں نہ روکا تھا۔ اس بات کی وجوہات تو اس کو ہی معلوم تھیں کہ اقصیٰ کے ہاتھوں نعمان ایزد خفا سے مجبور ہیں اور پھر جویریہ اپنا کوئی بھی الزام اقصیٰ پر ثابت نہ کر سکی تھی۔

اُس نے دیکھا کہ موبائل پر شمعون کی کال آ رہی تھی۔ وہ شمعون سے محبت کرتی تھی اور باقی زندگی اس کے ساتھ گزارنے کا ایک اور خواب دیکھ چکی تھی اس کو معلوم بھی تھا کہ اس خواب کی تعبیر انتہائی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے لیکن وہ شمعون کی محبت سے ان زخموں پر مرہم لگانا چاہتی تھی جو زخم اس کے باپ نعمان ایزد نے دے کر اس کی روح کو گھائل کر دیا تھا۔

''ہیلو؟'' اس نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے شمعون کی پرسکون آواز اُبھری۔

http://kitaabghar.com

''کیسی ہو ریشم!'' ریشم جانتی تھی کہ شمعون بھی گھر کی پریشانی کو لے کر خاصا اپ سیٹ ہے۔ اس لیے اس کا لہجہ ہی بتا رہا تھا کہ وہ ریشم سے کوئی خاص ہی بات کرنا چاہتا ہے۔

''میں ٹھیک ہوں..... تم کیسے ہو؟''

''ریشم! کیا تم اپنا کچھ وقت مجھے دے سکتی ہو؟'' وہ خاصا اداس لگ رہا تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ میں چند گھنٹے تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔''

''میں آفس میں بالکل فری ہوں.....'' اس نے پیچھے مڑ کر اس انداز سے دیکھا کہ جیسے وہ اپنی ڈیوٹی اب کر چکی ہے۔

''میں آتا ہوں تم آفس سے باہر آؤ..... میں گاڑی لے کر آ رہا ہوں۔'' شمعون کا بات کرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ گھر میں ہے یا بالکل پاس ہی ہے۔ ریشم نے چائے ختم کر لی تھی۔ اس نے آئینے میں خود کو دیکھ کر سنوارا اور دروازہ کھول کر بے سدھ لیٹے ہوئے نعمان ایزد پر سرسری سی نگاہ ڈالی اور آفس سے باہر نکل گئی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ الیکشن سر پر ہوں تو سیاستدانوں کی نیندیں اُڑی ہوتی ہیں لیکن نعمان ایزد دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اس انداز میں سو رہے تھے کہ ان کو الیکشن کی کوئی فکر ہی نہ تھی یا پھر ان کو اس بات کا غرور تھا کہ وہ کچھ کوشش نہ بھی کریں جیت اُن کی ہی ہوگی۔

وہ شمعون کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ چکی تو گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی مین شاہراہ پر آ گئی۔

''کیا بات ہے شمعون؟'' ریشم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم پریشان دکھائی دیتے ہو؟''

شمعون ایک ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا بولا۔ ''حارث بھائی نے بہت جلد بازی میں بہت بڑا فیصلہ کر کے پورے گھر کو اذیت میں مبتلا کر دیا ہے۔'' شمعون کی بات سچی تھی کیونکہ وہ بھی سمجھتی تھی کہ حارث نے بہت جلد بازی کی تھی۔

''اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔'' وہ بولی تو شمعون اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ سکرین کے پار دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے لگتا ہے کہ حارث بھائی دوبارہ جویریہ کو اپنانا چاہتے ہیں۔'' ریشم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اتنی دیر میں گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے جا کر رُک گئی تھی۔ ریشم نے بھی شمعون کی تائید میں اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور گاڑی سے نیچے اُتر آئی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ایک خالی میز کے گرد رکھی گئی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ باوردی دربان نے دروازے پر ان کو سلام کیا تھا اور ویٹرز بھی چوکنے ہو گئے تھے کیونکہ ہوٹل منیجر نے پہچان لیا تھا کہ شمعون نعمان ایزد کا بیٹا ہے۔

''کیا کھاؤ گی؟'' اُس نے ریشم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو وہ مسکان ہونٹوں پر سجاتی ہوئی بولی۔

''جو تم چاہو۔'' شمعون نے ویٹر کو آرڈر کیا اور دوبارہ ریشم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''حارث بھائی کا خیال ہے کہ جویریہ بھابی کسی اور سے شادی کر لیں اور پھر اُس سے طلاق لے کر دوبارہ اُن کے نکاح میں آ جائیں۔'' ریشم اس کی طرف دیکھتی ہوئی حیرت سے بولی۔

http://kitaabghar.com

''حلالہ؟''

''ہوں.....ان کا مقصد ہے کہ حلالہ کے ذریعے جویریہ بھابی دوبارہ ان کی زندگی میں آسکتی ہیں وہ ان سے مل کر اپنی جلد بازی اور غلطی کی معافی مانگنا چاہتے ہیں۔''

''لیکن میں نہیں سمجھتی کہ جویریہ جیسی نازک سی گڑیا اس طرح چکنا چور ہو کر دوبارہ جڑنے کو ترجیح دیگی۔''

وہ ریشم کی بات سے اتفاق کرتا ہوا بولا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے..... کیونکہ جویریہ بھابی نے حارث بھائی کو بہت قریب سے جان لیا ہے اور پھر ابھی تک تو معاملہ جوں کا توں ہے..... میرا مطلب..... اقصیٰ بوا سے ہے۔''

''اُن کی شادی کیوں نہیں کر دیتے آپ لوگ۔'' بالکل سادہ سا سوال تھا۔

''یہ بات اور یہ معاملہ اقصیٰ بوا کے علاوہ کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بالغ اور خود مختار ہیں اور ان کی مرضی کے خلاف تو بابا جان بھی نہیں جا سکتے۔''

ریشم حیران رہ گئی تھی کہ نعمان ایزد جیسا شخص بھی چھوٹی بہن کے ہاتھوں مجبور ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی فیصلہ اقصیٰ پر تھوپ نہیں سکتے تھے۔

''جو کچھ بھی تمہارے گھر میں ہوا ہے مجھے بہت افسوس ہے۔ ایک ہنستا بستا گھر اس طرح اُجڑ جائے تو دکھ کے ساتھ ساتھ حیرت بھی ہوتی ہے۔'' وہ بولی تو شمعون بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگا اور بولا۔

''تم کیا کہتی ہو کہ..... جویریہ بھابی کو دوبارہ اس گھر کی بہو بننا چاہیے؟''

''لیکن حلالہ کے لیے کون راضی ہوگا؟'' ریشم حلالہ کے معاملات کو سمجھتی تھی۔

''کسی کو بھی اچھے خاصے پیسے دے کر اس کام کے لیے راضی کیا جا سکتا ہے۔'' شمعون نے کہا تو وہ اس کی طرف دُکھ اور کرب سے دیکھتی ہوئی حیرانگی سے بولی۔

''کیا جویریہ کوئی گری پڑی لڑکی ہے جو کسی سے بھی اس فعل کے لیے راضی ہو جائے گی۔'' اس کی بات میں دم تھا۔ ''وہ بصیر احمد کی بیٹی ہے شمعون اور بصیر احمد اس ملک کے نامور جج ہیں..... وہ کبھی بھی اپنی بیٹی کو کھلونا بننے کے لیے کسی بھی کے پاس نہیں جانے دیں گے اور پھر.....'' وہ سانس لینے کے لیے رُکی اور پھر پُرسکون انداز میں بولی۔

''یہ تو حارث کا فیصلہ اور تم لوگوں کا پلان ہے اس سے بھی پوچھا ہے کہ اس کے دل پر کیا گزری ہے۔ اور بصیر احمد سے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ان کے گھر میں جو قیامتیں ٹوٹی ہیں..... وہ ان کو جھیل بھی پائے ہیں یا نہیں.....؟'' ریشم کی باتیں جاندار تھیں یا پھر حالات نے اس کو اس نہج پر پہنچا دیا تھا کہ وہ سیانی ہو گئی تھی۔

http://kitaabghar.com

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ریشم۔'' شمعون شرمندگی محسوس کرتا ہوا بولنے لگا۔ ''سچ پوچھو تو میں نہیں چاہتا کہ جویریہ دوبارہ اس گھر میں بہو بن کر آئے۔'' ریشم پھر اس کی طرف حیرت واستعجاب سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''ذرا وضاحت کرو گے؟''

''جویریہ بھابی جیسی لڑکی مارث بھائی کو ملنا ہی نہیں چاہیے تھی۔ کیونکہ محبت تو اعتماد اور بھروسے کا نام ہوتا ہے اور ایک بار یہ بھروسہ ٹوٹ جائے تو آدمی بھی ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔'' ریشم کو اپنی ہی فکر پڑ گئی تھی وہ اداس نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اگر میرا کوئی عاشق پیدا ہو جائے اور تم سے میرے بارے میں کچھ اُلٹا سیدھا کہہ دے تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟''

ریشم نے دل کا چور نکال کر باہر رکھ دیا تھا۔

''اس کو فوراً گولی مار دوں گا۔''

''پھر میرا کیا ہوگا؟'' ریشم ابھی تک اس کی وضاحت سے مطمئن نہ تھی۔

''مجھے تم پر اعتماد ہے ریشم! اور میرا اعتماد اتنا مضبوط ہے کہ اس میں کوئی بھی شک کی دراڑ پیدا نہیں کر سکتا۔'' اس نے ریشم کا ہاتھ پکڑا تو ویٹر کھانا لے کر آ گیا۔ اس نے قرینے سے کھانے کو رکھ کر پلیٹیں ان کے سامنے رکھ دیں اور خود واپس چلا گیا۔

ریشم نے تھوڑا سا کھانا پلیٹ میں نکالا ابھی ایک نوالہ ہی لیا تھا کہ گرم گرم سالن کی خوشبو نے اس کے نتھنوں میں گھس کر اس کے نظام انہضام میں اُتھل پتھل مچا دی تھی۔ وہ ابکائی کرنے لگی تو شمعون کو محسوس ہوا کہ اس کی طبیعت خراب ہے اس نے ریشم کو فوراً بازو سے پکڑا اور واش روم کی جانب لے گیا۔

ریشم نے واش روم میں اُلٹیاں کرنا شروع کر دیں۔ شمعون باہر ہی کھڑا انتظار کرتا رہا۔ ریشم کے باہر آنے پر وہ پریشانی سے بولا۔

''خیریت کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں..... بس جی متلا رہا تھا۔'' ریشم نے اس کو مطمئن کرتے ہوئے کہا تو شمعون اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا واپس میز تک لایا۔ اس نے بٹوے سے کچھ پیسے نکال کر میز پر رکھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل سے باہر لے آیا۔ وہ خود پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر ریشم کو اندر بٹھایا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ہوٹل کی پارکنگ سے گاڑی نکالی تو ریشم نے پوچھ لیا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''ڈاکٹر کے پاس۔'' ریشم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''لیکن کیوں؟ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔''

''تم بالکل ٹھیک نہیں ہو میری جان..... بس خاموشی سے بیٹھی رہو۔ میں تمہاری صحت کے بارے میں کوئی بھی رسک نہیں لینا چاہتا۔'' ریشم اس کی محبت بھری ادا پر قربان ہوتی ہوئی بولی۔

http://kitaabghar.com

''تم خوامخواہ ہی فکر کر رہے ہو۔ میں ٹھیک ہوں دیکھو میری طرف۔''

''تمہاری طرف دیکھ کر گاڑی کسی سے ٹکرا دوں گا جان من..... مجھے ابھی تمہارے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔

گاڑی چند موڑ کاٹتی ہوئی ایک لیڈی ڈاکٹر کے کلینک کے باہر جا کر رک گئی۔

پندرہ بیس منٹ ریشم نے کانٹوں کی سولی پر لٹکتے ہوئے گزارے تھے۔ کیونکہ وہ جس گناہ کی دلدل سے گزر رہی تھی اس کو معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

''آپ کو مبارک ہو مسز شمعون، شی از پریگنینٹ۔'' شمعون پر ایٹم بم بن کر گرنے والے الفاظ نے اس کو حیرت اور پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا جبکہ ریشم شرم سے زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔ شمعون رپورٹ پکڑتا ہوا بولا۔

''میرا خیال ہے ڈاکٹر صاحبہ..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ رپورٹ کسی اور کی ہوگی۔''

ڈاکٹر نے شمعون کا بھرپور لہجہ دیکھتے ہوئے دوبارہ رپورٹ پکڑ کر دیکھی اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مسٹر شمعون میں پندرہ سال سے یہ کلینک چلا رہی ہوں۔ میں نے آپ کے کہنے پر دوبارہ رپورٹ صرف آپ کی تسلی کے لیے دیکھی ہے۔ ان کو تین ماہ کا حمل ہے۔''

شمعون نے درد بھری نظروں سے ریشم کی طرف دیکھا تو اس کی جھکی ہوئی نظروں سے شمعون کو بہت کچھ بتا دیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لایا اور اس کو ایک کرسی پر بٹھاتا ہوا غصے سے پھنکارتا ہوا بولا۔

''کیا ہے یہ سب..... کون ہے یہ..... کیا ہے یہ سب ریشم!'' وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔ ریشم نے اس کے ہاتھ سے رپورٹ پکڑ یا اور نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔

''میں نے کئی بار کوشش کی کہ تمہیں بتا سکوں.....'' لیکن شمعون نے اس کی بات کاٹ دی اور غصے سے بولا۔

''بس ریشم بس۔'' اس کی آنکھیں خون رونے لگی تھیں۔ کلینک میں جمع ہونے والے مریض ان کی جانب متوجہ تھے۔

''مجھے اسی خنجر نے زخمی کیا ہے جو میری ہی آستین میں چھپا ہوا تھا..... کس پر اعتبار کرے انسان..... کس پر؟'' وہ دردناک انداز میں کراہتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

ریشم کو یہ بات صائمہ سے بھی چھپانا تھی۔ اس نے لیڈی ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور ارادہ کیا کہ وہ اس حمل کو ضائع کروا دیگی۔

شمعون نے گاڑی تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور وہ اپنے سامنے سے آنے والے ٹرک کو نہ دیکھ سکا اور پھر ایک زبردست ایکسیڈنٹ نے آن کی آن میں لوگوں کو وہاں پر جمع کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے دس پندرہ دنوں میں اپنے تمام اکاؤنٹس سے رقوم نکلوا لیں تھیں اور گھر میں پڑا ہوا تمام زیور بھی سمیٹ لیا تھا۔ آج اس محل میں اس کی آخری رات تھی بلکہ وہ رات کے آخری پہر میں ہی سکندر کے ساتھ مل کر شب خون مارنے والی تھی۔ اس نے کاغذ پر ایک تحریر

http://kitaabghar.com

لکھنا شروع کر دی تھی۔ تقریباً دس منٹ تک وہ کچھ لکھتی رہی اس نے وہ کاغذ ایک بار پھر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی تحریر اور حرکت سے مطمئن تھی۔

سکندر نے صائمہ کو اپنی تمام پلاننگ سے آگاہ کر دیا تھا اور صائمہ نے بھی اس کو بتا دیا تھا کہ وہ اس سے فون پر ہی رابطہ رکھے گی۔ اب نعمان ایزد پر کاری ضرب لگانے کا وقت آ گیا تھا۔ صائمہ کو اپنے ماضی سمیت جویریہ کی طلاق کا بھی بہت دکھ تھا۔ وہ اس پر کافی دکھ محسوس کر رہی تھی۔ اس کی اور سکندر کی پلاننگ فول پروف تھی۔ اور اس کو اعتماد تھا کہ وہ اپنی اس پلاننگ سے نعمان ایزد کو دھول چاٹنے پر مجبور کر دیگی۔

اقصیٰ نے اپنا اٹیچی کیس اٹھایا اور ایک طائرانہ نظر اپنے کمرے پر ڈالی اور باہر آ کر گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی محل سے باہر نکل گئی۔ نعمان ایزد گھر کے سبھی افراد اس کی اس طرح کی مصروفیات کو جانتے تھے کیونکہ وہ اکثر راتوں کو دیر سے آیا کرتی تھی اور شوٹنگز پر رات رات بھر مصروف رہتی تھی۔

گاڑی مقررہ ہوٹل پر پہنچ کر رک گئی تو سکندر نے ایک طرف سے آ کر اس کے استقبال کے لیے اپنے بازو وا کر دیئے وہ اس کے بازوؤں میں سمٹ گئی اور کافی سکون محسوس کرتی ہوئی بولی۔

''ہمیں رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔'' سکندر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک پاس کھڑی گاڑی میں لے گیا جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر جبار موجود تھا۔ گاڑی چل پڑی اور ایئر پورٹ کی جانب جانے والے راستے میں ایک شاندار ہوٹل کے سامنے جا کر رک گئی۔

''یہاں کیوں سکندر؟''

''ہم یہ رات اس ہوٹل میں گزاریں گے اقصیٰ۔ اور کل شام کی فلائیٹ سے دوبئی کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔'' اس نے ہاتھ سے جہاز کا اشارہ کیا تو وہ مسکرا کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

جبار ان کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اقصیٰ اور سکندر ہوٹل کے بہترین کمرے میں اپنی نئی زندگی گزارنے کی پلاننگ کے ساتھ ساتھ موجودہ آزادی کی زندگی سے بھی بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے انجوائے کرنے لگے تھے۔

اگلے دن سکندر نے اقصیٰ کو دیر سے جگایا تو وہ کسلمندی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجھے سونے دو سکندر۔''

''میری جان۔ دن نکل آیا ہے۔ ناشتہ کر لو اور پھر مجھے اور کام بھی کرنا ہیں۔'' وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی اور سکندر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''تم اس ہوٹل سے باہر جاؤ گے کیا؟''

''میں پاگل نہیں ہوں میری جان۔ مجھے معلوم ہے کہ نعمان ایزد کے کتے مجھے جگہ جگہ ڈھونڈ رہے ہونگے۔ میں جو بھی کروں گا یہیں بیٹھ کر کرونگا۔'' اس نے خوش ہو کر اپنی بانہیں سکندر کے گلے میں حمائل کر دیں۔

http://kitaabghar.com

''اپنی بربادی پر نعمان ایزد ماتم تو کر رہا ہوگا۔'' سکندر نے سوچا اور اور اقصیٰ کے گالوں پر اپنی انگلی پھیرتا ہوا اس کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ ''بے وقوف لڑکی..... محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی۔ سب مفاد اور خود غرضی ہوتی ہے۔''

''سکندر! میں بہت سا کیش اور زیورات لے آئی ہوں۔ ہمیں اپنا مستقبل بنانے کے لیے اب کسی بھی نعمان ایزد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' سکندر نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا لیکن مصنوعی انداز میں بولا۔

''مجھے صرف تمہاری ضرورت تھی ڈارلنگ! یہ روپیہ پیسہ میری ترجیح نہیں ہے۔'' وہ اُس کی اس ادا پر قربان ہوگئی تھی۔

''مجھے بھی تمہاری ہی ضرورت تھی سکندر۔ وہ بے وقوف جویریہ پر مجھے تو ترس آ رہا ہے۔ وہ خوامخواہ ہی اس کھیل میں کود پڑی تھی۔ پاگل زندگی اجاز بیٹھی۔ پتہ ہے..... پتہ ہے سکندر..... کیا کہتی تھی وہ بیوقوف لڑکی۔''

سکندر نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے استفہامیہ انداز میں دیکھا تو وہ قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔

''وہ کہتی تھی کہ تمہاری باعزت رخصتی کبھی نہیں ہوگی۔ تمہیں کوئی بھی بیاہ کر نہیں لے جائے گا۔ تم پاگل ہو جاؤ گی.....'' وہ زوردار قہقہہ لگا کر ایک بار پھر سکندر کی بانہوں میں جھول گئی اور بولی۔

''آ کر دیکھو بیوقوف جویریہ؟ میرے مقدر کا سکندر میرے ساتھ ہے۔ اور وہ میرا مالک ہے اور میں اس کے دل پر راج کر رہی ہوں۔ دیکھو جویریہ؟'' وہ خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی۔ سکندر نے اس کو اپنی بانہوں میں اُٹھایا اور واش روم میں گھس گیا۔ اس کو چھوڑ کر باہر سے کنڈی لگائی اور بولا۔

''ڈارلنگ! تیار ہو کر باہر آنا۔ میں ناشتے کا پرآرڈر کرتا ہوں۔'' اندر سے اقصیٰ کا قہقہہ بلند ہوا۔ ''او کے ڈیئر'' کی آواز نے سکندر کو مطمئن کیا تو اس نے بریف کیس کھولا اس میں نوٹ بھرے ہوئے تھے اور ایک طرف کافی ساری زیورات تھے۔ اس نے موبائل پر کال ملائی اور بریف کیس (اٹیچی) لے کر ہوٹل سے باہر آ گیا جبار اس کی معاونت کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی صائمہ کے ریلوے کوارٹر کی جانب بڑھ گئی۔

صائمہ وہاں اس کی منتظر تھی۔ اس نے اٹیچی کیس صائمہ کو پکڑایا اور اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''آپا! آج میں نے وہ حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے جو کبھی بچپن میں ادا نہ کر پایا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے اٹیچی کیس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اس میں وہ تمام دولت ہے جس کی تم حقدار تھیں۔ لیکن میں تمہارے وہ پچیس سال نہیں لوٹا سکتا جو نعمان ایزد کی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔''

صائمہ نے آگے بڑھ کر اس کو گلے لگایا اور بولی۔

''سکندر! میرا مقصد یہ دولت اور زیورات نہ تھے۔ بلکہ نعمان ایزد کی بربادی ہے۔ میں اس کو گلیوں میں بھیک مانگتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں اور تم دیکھنا وہ وقت بھی قریب آ گیا ہے۔''

http://kitaabghar.com

''آپا! مجھے اجازت دیں اور زندگی میں ہونے والی کسی بھی چھوٹی بڑی غلطی کی معافی دے دینا۔ یہ سوچ کر کہ میرے سر پر ماں باپ کا سایہ نہ تھا۔ بلکہ میں نے بدمعاشوں اور بدتمیز لوگوں میں زندگی گزاری ہے۔'' اُس نے صائمہ کے سامنے ہاتھ جوڑے تو وہ تڑپ اُٹھی اور اس کو سینے سے لگاتے ہوئے بولی۔

''سکندر! تم نے تو وہ کر دیا ہے جس کی مجھے پچیس سالوں سے آس تھی۔'' اُس نے اٹیچی کیس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''سکندر یہ تمہاری امانت ہے جب بھی ضرورت ہو مجھے بتا دینا۔''

وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''نہیں آپا! نہیں..... اس پر آپ کا حق ہے۔ میری گڈی کا حق ہے۔ میں ایک ماموں بن کر اس کو اس کی شادی پر یہ چھوٹا سا تحفہ ہی دے سکتا ہوں''۔ اُس نے روتے ہوئے صائمہ کے پاؤں کو چھوا تو صائمہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو وہ بولا۔

''آپا! اب شاید زندگی میں دوبارہ ملاقات نہ ہو۔ میں نے سبح اللہ سے اپنا انتقام لے لیا ہے اور نعمان ایزد سے تمہارا حصہ اور بچوں کا حق بھی تم تک پہنچا دیا ہے..... اور اقصیٰ کو اس موڑ پر لے آیا ہوں کہ اب وہ کبھی بھی واپس اس محل میں نہ جا سکے گی۔''

صائمہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تم نے واقعی بھائی ہی نہیں بیٹا بن کر اپنا حق ادا کر دیا ہے سکندر میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ سدا خوش رہو۔'' سکندر نے صائمہ کو الوداعی انداز میں دیکھا اور باہر نکل گیا۔

صائمہ کے لیے واقعی سکندر نے بہت بڑا کام کیا تھا۔ اس اٹیچی میں اقصیٰ کی تمام جمع پونجی تھی لیکن نعمان ایزد کے گھر کے تمام زیورات بھی تھے اور صائمہ سمجھتی تھی کہ اس اٹیچی کیس پر اس کے دونوں بچوں کا حق ہے۔

اُس نے کوارٹر کو دیکھا تو اس کی بہتر حالت پر وہ خاصی مطمئن تھی کیونکہ آج سے جب پچیس سال قبل وہ اس کوارٹر میں آئی تھی تو اس کی یہی حالت تھی بلکہ اب تو جدید دور کے مطابق ایازنے اس میں کافی سارے کام کروا دیئے تھے۔ ایک تیز رفتار ٹرین کی آواز سن کر وہ چونکی اور مسکراتی ہوئی کھڑکی سے باہر پٹڑی پر دوڑنے والی ٹرین کو غور سے دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ کو ہوٹل انتظامیہ نے واش روم سے باہر نکالا تھا وہ ان پر برس رہی تھی مگر منیجر نے اس کو دو سو روپیہ پکڑاتے ہوئے کہا کہ سکندر صاحب آپ کے لیے یہ پیسے دے کر گئے ہیں تاکہ آپ کرایہ لگا کر واپس اپنی گاڑی تک پہنچ جائیں اور واپس اپنے گھر جا سکیں۔ وہ ہونق بن کر ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ سکندر اٹیچی کیس سمیت ہی گم ہو گیا تھا اس نے اپنا بیگ اُٹھایا اور واپس اپنی گاڑی تک پہنچی اور سیدھی اپنے گھر جانے والی سڑک پر گاڑی دوڑا دی۔

وہ دعائیں کر رہی تھی کہ اس کی لکھی ہوئی تحریر ابھی تک اس کے کمرے میں ہی ہو اس کو کسی نے نہ پڑھا ہو۔ کیونکہ وہ رات بھر باہر رہی تھی اور اتنی جلدی اس کے کمرے میں کوئی نہ جانے والا تھا۔ اُس نے سکندر کی اتنی بڑی بے وفائی اور دھوکے پر خود کو پرسکون رکھنے کی بھرپور کوشش

http://kitaabghar.com

کی ہوئی تھی۔ وہ گھر پہنچی تو نعمان ایزد، جہان آرا بیگم، حارث نعمان اور مطربہ اس کو وہیں کھڑے مل گئے تھے۔ وہ لان میں کھڑے ان لوگوں کے پریشان چہروں سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آیا معاملہ ان کے علم میں آ گیا ہے یا نہیں۔ وہ گاڑی سے باہر نکل کر آئی اور اپنے کمرے میں جانے لگی تو نعمان ایزد نے اس کو آواز دے کر بلایا۔ وہ نظریں جھکاتی ہوئی ان سب کے پاس آئی تو نعمان ایزد گرج کر بولے۔

''کہاں سے آ رہی ہو؟'' نعمان ایزد کا یہ تلخ اور سخت لہجہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

''کیا مطلب کہ کہاں سے آ رہی ہوں؟'' وہ اپنی ہی ٹون میں بولی تو ایک زوردار تھپڑ نے اس کے چہرے پر اپنے نشان چھوڑ دیے۔ ''نگاہیں نیچی اور لہجہ دھیما رکھو اقصیٰ اور اندر چلو۔'' نعمان ایزد اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھینچنے والے انداز میں اندر لے گئے کیونکہ تھپڑ کی آواز سن کر تمام گارڈز الرٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی طرف متوجہ بھی ہو گئے تھے۔ نعمان ایزد نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو اقصیٰ نے اپنا راز کھل جانے پر نظریں جھکا لیں۔

''حارث نعمان تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے کمرے میں گیا تھا کیونکہ اس کو جویریہ کو طلاق دینے کے بعد پچھتاوے کی جس سولی پر لٹکا ہوا میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہی تھیں اور پھر بصیر احمد کا بھرپور لہجہ کہ اس کی بیٹی فرشتوں سے بھی معصوم ہے۔ یہ سچ ثابت کرنے کے لیے میں نے ہی اس کو تمہارے کمرے میں بھیجا تھا۔ اور اس کو کسی بھی چیز کی تلاشی نہ لینا پڑی کیونکہ تمہاری یہ تحریر اس کو بیڈ پر پڑی ہوئی سامنے ہی مل گئی تھی۔''

نعمان ایزد چیخ چیخ کر اس کو اس کی روداد بتا رہے تھے۔ انہوں نے وہ کاغذ حارث کی طرف بڑھا دیا اور پھنکارتے ہوئے بولے۔ ''اس کتیا کو پڑھ کر سناؤ اور یاد دلاؤ کہ اس نے کتنا بڑا جرم کرتے ہوئے اپنے ہی گھر میں نقب لگائی ہے۔'' حارث نعمان کی آنکھیں رات بھر رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے اس تحریر کو کئی بار پڑھا تھا لیکن وہ اب اس انداز میں پڑھنے لگا تھا کہ جویریہ بے گناہ تھی اور اقصیٰ نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔

''نعمان بھائی!

میں اس گھر کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے مقدر کے سکندر کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' حارث نعمان نے پڑھنا شروع کیا تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ ''وہی سکندر! جو آپ پر جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوئے آپ کی جان بچا گیا لیکن میں اس پر اپنا دل ہار بیٹھی ہوں۔ سکندر میرے دل و دماغ پر چھا گیا ہے۔ اب میں کبھی بھی اس گھر میں نہیں آؤں گی۔ کیونکہ میں نے اپنے حصے کی تمام رقوم اور زیورات بینکوں سے وصول کر لیے ہیں۔ میں ساری زندگی آپ کی محتاج نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میں سکندر کے ساتھ اپنی نئی دنیا بسانے جا رہی ہوں۔

لیکن ایک تلخ سچ ضرور بولنا چاہتی ہوں کہ جویریہ نے جو کچھ بھی میرے بارے میں کہا تھا وہ حرف بہ حرف سچ تھا۔ وہ اس معاملے میں بے گناہ اور بے قصور تھی۔ اور اس کا ایاز کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ حارث بے وقوف بن کر اتنا بڑا فیصلہ کرے گا کیونکہ جویریہ حارث کو بے پناہ چاہتی تھی لیکن میری بات پر اعتبار کر کے حارث نے اپنا گھر تو برباد کیا ہی تھا میرا راستہ بھی صاف کر دیا۔ مجھے

http://kitaabghar.com

ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اقصیٰ"

حارث نعمان وہ خط پڑھ کر نعمان ایزد کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔

"کیوں کیا تم نے اقصیٰ.....؟ میرے ساتھ ایسا کیوں کیا.....؟ بتاؤ جواب دو..... کیوں میرے ساتھ ایسا کیا؟ کیوں؟"

وہ زور زور سے چیختے ہوئے رونے لگا۔

"اب واپس کیوں آ گئی ہو؟" نعمان ایزد بولے تو وہ ان کی طرف عجیب سے انداز میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"وہ..... سکندر..... سکندر بارات لینے گیا ہے..... ابھی آتا ہی ہوگا..... ابھی آنے والا ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا تو نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر ایک اور زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کر دیا لیکن وہ مسلسل قہقہے لگانے لگی اور دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانے لگی۔

نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر اس کو بالوں سے پکڑا اور گھسیٹ کر صوفے پر پھینکا۔

"ایکٹنگ کرنے کا شوق ابھی ختم ہو جائے گا تمہارا۔" وہ واپس مڑے اور حارث سے بولے۔ "اس کو سنگلوں سے باندھ کر کوارٹرز کے تہہ خانے میں پھینک آؤ۔ الیکشن کے بعد اس کو نکال کر اداکاری اور سکندر کی محبت کا بھوت میں اس کے سر سے اس طرح اُتاروں گا کہ اس کی روح تک کانپ جائے گی۔"

لیکن اقصیٰ فوراً اٹھی اور زوردار قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔

"خاموش..... شی..... میرا سکندر..... بینڈ باجا لے کے بارات لا رہا ہوگا۔ مجھے دلہن بنا دو..... جلدی کرو۔ مجھے دلہن بنا دو۔" وہ باہر کی جانب دیکھنے لگی۔ "سکندر..... میں آ رہی ہوں سکندر....." وہ یہ کہتی ہوئی باہر کی جانب بھاگی تو وہ سب بھی اس کے پیچھے ہی بھاگ گئے۔ وہ سکندر کو آوازیں دیتی ہوئی اس کے کوارٹر کی طرف بھاگ گئی تھی۔ وہ سکندر کے کوارٹر کا دروازہ دھڑ دھڑ پیٹنے لگی۔ "سکندر دروازہ کھولو..... دیکھو تمہاری اقصیٰ آئی ہے۔ تمہاری دلہن بن کر آئی ہوں سکندر....." وہ دروازہ پیٹتی ہوئی بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

نعمان ایزد شرمندگی سے ملازموں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے حارث نعمان سے کہا کہ ڈاکٹر کو بلا کر اس کا چیک اپ کرواؤ۔ وہ واپس مڑے تو ان کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو۔" اُنہوں نے باوقار انداز میں کہا تو دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد بولے۔

"ہاں ہاں وہ میرا بیٹا ہے....." پھر وہ دوسری طرف کی آواز سن کر زور سے چیخے۔ "کیا..... کس ہسپتال میں؟" وہ جہان آرا بیگم اور مطربہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "ہم آ رہے ہیں۔ ہم آ رہے ہیں ڈاکٹر"۔ اُنہوں نے یہ کہہ کر کال منقطع کی اور جہان آرا سے بولے۔

"شمعون کا سیریس ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ ہسپتال میں ہے۔ فوراً چلو۔" پھر وہ حارث سے مخاطب ہوئے۔ "اس کو اُٹھا کر اس کے کمرے میں بند کر آؤ۔ ابھی ہسپتال چلو فوراً۔"

http://kitaabghar.com

جہان آرا بیگم تو پیٹنے لگی تھیں۔ ''کس کی نظر لگ گئی ہے میرے ہنستے بستے گھر کو۔ میرے بچوں کی زندگیاں تباہ ہو گئی ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔'' نعمان ایزدان کو لے کر اندر گئے۔ اُنہوں نے حارث کو کچھ ہدایات دیں اور پھر وہ چند منٹوں بعد ہسپتال کی جانب اپنی گاڑی کو بھگائے جا رہے تھے۔

شمعون زندگی اور موت کے بیچ کی سانسیں گن رہا تھا۔ اُس کو وینٹی لیٹر میں آکسیجن لگا دی گئی تھی۔ وہ اُکھڑی ہوئی سانسیں لے رہا تھا۔ نعمان ایزداس کی سیریس کنڈیشن دیکھ کر رو پڑے تھے۔ اور جہان آرا بیگم تو باقاعدہ سر پیٹ رہی تھیں۔ لیکن حارث نعمان ان کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''شمعون کی اگر زندگی بچ جاتی ہے تو وہ اس نوجوان کی مرہون منت ہو گی۔'' ڈاکٹر نے ایک جانب بینچ پر بیٹھے ہوئے نوجوان کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر ان سے منہ موڑ کر جانے لگا تو ڈاکٹر بولا۔

''اس نوجوان نے ہمارے منع کرنے کے باوجود بھی دو بوتلیں خون کی ایک ساتھ ہی شمعون کو دی ہیں۔''

''ایاز؟'' نعمان ایزد بولے تو وہ رُک گیا۔ ''ایاز..... تم میرے شمعون جیسے ہو..... تم نے اس کو خون دے کر میری نسلوں پر احسان کیا ہے۔ میں تمہارا مشکور ہوں۔'' ایاز نے ان کی طرف باری باری دیکھا اور بولا۔

''میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے سر! میں نے اپنے دوست کو خون اس لیے دیا ہے کہ اُس کے خاندان کو علم ہو جائے کہ میں نمک حرام نہیں ہوں اور مالک کی عزتوں پر ہاتھ ڈالنا تو دور کی بات ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔'' اُس نے جویریہ کی طلاق کا وہ بدلہ لیا تھا جو ان سب گھر والوں نے اس کی ذات کے ساتھ جویریہ کو تنہا کر کے جو کچھ اچھالا تھا وہ ناقابل برداشت تھا۔

''میں تمہارا گناہگار ہوں ایاز۔'' حارث آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''میں تم سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو یار۔'' حارث نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تو وہ طنزیہ مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''یہ کام کسی غریب کے لیے چھوڑ دیں حارث بھائی! آپ کی معافی جویریہ کی زندگی کی وہ خوشیاں واپس نہیں لا سکتی جو اس نے آپ کے ساتھ اپنے بیٹے کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے خریدنے کی کوشش کی تھی۔'' وہ جانے کے لیے واپس مڑا اور پھر ان کی طرف پلٹا اور نعمان ایزد سے مخاطب ہوتا ہوا بولا۔ ''تقدیر سے اُلجھنے کی بجائے اُس کی تدبیر کا اسیر بن جانا ہی عقلمندی ہے۔ ذرا سوچئے جویریہ کو طلاق دے کر حارث پچھتاوے اور ندامت کی بھٹی میں جل رہا ہے اور اندر آپ کا دوسرا بیٹا موت کو شکست دینے میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں.....'' وہ چند قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''سر! کیا یہ مکافات عمل تو نہیں ہے؟''

وہ واپس مڑا اور باوقار انداز میں چلتا ہوا ہسپتال سے باہر نکل گیا۔ وہ بت بنے اس کو دیکھتے رہے اور پھر شمعون کی زندگی کے لیے دعائیں کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

صائمہ نے غور سے ریشم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''سچ بتاؤ کہ کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے تم نے؟'' ریشم اُس سے نظریں چرا گئی تھی۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہے امی!'' ریشم نے کہا تو وہ اس کا چہرہ اور اوپر کرتی ہوئی بولی۔

''میری عمر اور تجربے کو غلط فہمی کا نام دے کر میری ممتا کی توہین نہ کرو ریشم!'' ریشم کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں صائمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا تو وہ تڑپ گئی۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن صائمہ کی گرفت اس کے ہاتھ پر مضبوط تھی۔

''میری قسم کھا کر بکو ریشم کہ میں جو سمجھ رہی ہوں وہ جھوٹ اور میری غلط فہمی ہے۔'' ریشم رونے لگی تھی وہ روتی ہوئی صائمہ کے قدموں میں گر گئی تھی۔ اس کے ندامت بھرے آنسوؤں نے صائمہ پر تمام حقیقت کھول دی تھی۔ وہ زمین میں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن زمین پھٹی نہ تھی اور نہ ہی آسمان اس پر گرا تھا جس کی وجہ سے وہ غرق ہو جاتی۔ اس نے روتی ہوئی آنکھوں سے ریشم کو اٹھایا اور اس کا منہ اوپر کرواتی ہوئی بولی۔

''اب بتا کہ وہ کون ہے؟''

''لعنان ایزدا'' یہ نام سن کر صائمہ پر آسمان گر پڑا تھا۔ اس نے بے خیالی میں اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیے اور زمین پر اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کے اوپر بہت ہی منزلہ عمارت کی تمام کی تمام اینٹیں گر رہی ہوں۔ اس نے اپنے سر کو بالکل زمین کے ساتھ لگا لیا تو ریشم نے روتے ہوئے اس کے جسم سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''میں نے اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لیے یہ زہر پیا ہے امی'' صائمہ کے بے چین اور بے جان وجود میں ہلچل ہوئی۔

''مجھ سے نہیں دیکھا جاتا تھا کہ ایاز پھٹی پرانی شرٹ کے ساتھ کالج اور یونیورسٹی جاتا۔'' ریشم چیخ چیخ کر کہنے لگی۔

''مجھ سے یہ بھی برداشت نہیں ہوتا تھا کہ تم لوگوں کی اترن ہمیں پہناؤ۔ اور ان کا جھوٹا کھانا ہمیں کھلاؤ۔''

''ساری زندگی ٹوٹے کوارٹر میں گزار کر آپ نے کوئی کمال نہیں کیا امی! بلکہ اپنی جان پر ظلم کیا ہے ظلم۔'' وہ چیخی تو صائمہ نے اس کو بالوں سے پکڑ لیا اور بولی۔

''ظلم..... ظلم تو تم نے اپنے اور میرے ساتھ ساتھ ایاز پر کیا ہے اس گھر پر کیا ہے۔ ہم نے تو کبھی تم سے یہ سب آسائشیں نہ مانگی تھیں۔ تو پھر تم نے کیوں میرے سفید بالوں پر اپنی گندگی کی سیاہی پھیرنے کا ارادہ کیا ریشم؟''

صائمہ اس کو چھوڑ کر پیٹنے لگی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگی تھی۔ پھر اس نے آسمان کی جانب منہ کر لیا اور بولی۔ ''میرے پروردگار! مجھے معاف کر دے..... میں اس تمام گناہ کی ذمہ دار ہوں۔ مجھے علم تھا لیکن میں اپنی جھوٹی انا اور ضد کے ہاتھوں قیدی بن کر اس کو اجازت دیتی رہی۔ میرے اللہ تو دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ اس گناہ کی ذمہ دار میں ہوں میرے مالک! مجھے معاف فرما دے۔ مجھے معاف فرما دے۔'' وہ زور زور سے چیختی ہوئی بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوج گئی تھیں۔

ریشم کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے پانی کا گلاس بھر کر چھینٹے صائمہ کے منہ پر مارنا شروع کر دیے تھے۔ صائمہ ہوش میں آنے کے بعد ریشم سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی۔ وہ جھکی ہوئی نظروں سے ہی بولی۔

http://kitaabghar.com

''تمہیں علم ہی نہیں ہے ریشم کہ تم نے خود پر کتنا بڑا ظلم کر لیا ہے۔'' گو کہ اس کا لہجہ دھیما تھا لیکن کرب اور درد اس لہجے میں نمایاں تھا۔ ''میں تمہیں بتاؤں کی کہ تم نے کیا کر لیا ہے لیکن اس سے پہلے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔''

ریشم اس کے پاس آ گئی اور بولی۔ ''میں ہر وہ کام کروں گی جو آپ کہو گی۔''

''اس بچے کو ہلاک نہیں کروانا۔''

انوکھا حکم سن کر ریشم چند قدم پیچھے ہٹ کر ماں کی جانب حیرت زدہ خوفناک انداز میں دیکھنے لگی۔

''میں اس گناہ کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی امی۔ مجھے اس گناہ کو مزید پلنے سے پہلے ہی ختم کرنا ہوگا۔''

''نہیں ریشم! اس گناہ کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک ایسے راز سے پردہ اٹھانا چاہتی ہوں جو پچیس سالوں سے میرے سینے میں دفن ہے اور میرے دل پر بوجھ بن کر میری دھڑکنوں کو ہر روز روکنے کی کوشش کرتا ہے۔''

''راز؟ کیسا راز امی؟'' ریشم کو اس وقت صائمہ کوئی پُراسرار کردار لگنے لگی تھی۔

''تم کل نعمان ایزد کے سر کے بال کاٹ کر لا سکتی ہو۔ یا اس کے ناخنوں کو تراش کر لا سکتی ہو؟'' ریشم سمجھ نہ پا رہی تھی لیکن وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''ہاں لا سکتی ہوں''۔

صائمہ کے چہرے پر ایک عجیب سی پرسکون کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے ریشم کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تم اب گھر سے باہر نہ نکلنا۔ میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اپنی چادر اوڑھ کر گھر سے باہر نکل گئی۔ لیکن ریشم کے لیے کئی ایسے سوال چھوڑ گئی تھی کہ جن کا حل صرف اور صرف صائمہ کے پاس تھا۔

ایاز گھر میں داخل ہوا تو اس کی طبیعت کافی خراب لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بھی زردی مائل ہو رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر گرنے والا تھا کہ اس نے دیوار کا سہارا لے کر خود بچایا۔ ریشم اس کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ تھامتی ہوئی بولی۔

''کیا ہوا ایاز۔ تم کہاں سے آ رہے ہو؟'' ایاز نے خود کو سنبھالا اور ریشم کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''شمعون کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' اتنا سننا تھا کہ ریشم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کون شمعون؟'' وہ اپنی تسلی کے لیے پوچھ رہی تھی۔ حالانکہ اس کو بھی معلوم تھا کہ ایاز کس شمعون کی بات کر رہا ہے۔

''نعمان ایزد کا بیٹا شمعون..... اس کی حالت کافی سیریس ہے۔ میں اس کو خون دے کر آ رہا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ ''آپی مجھے دودھ پتی چائے پلا دو۔ میں چائے پی کر آرام کرنا چاہتا ہوں''۔

وہ ریشم کو وہیں بت بنا چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ریشم کا راز شمعون کے سامنے کھل گیا تھا۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا اور وہ بھی اس سے محبت کرتی لیکن نعمان ایزد کے ساتھ گزارا ہوا وقت گناہ بن کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اب وہ شمعون کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہی تھی اور اب وہ اس گناہ کا گلا گھونٹ کر گھر میں

http://kitaabghar.com

ہی باقی زندگی گزارنے کا سوچ رہی تھی۔ لیکن ریشم کو اس منطق کی سمجھ نہ آئی تھی کہ صائمہ کیا کرنا چاہتی ہے کیونکہ صائمہ نے اس کو فی الحال اس گناہ کو ختم کرنے سے منع کیا تھا اور نعمان ایزد کے ناخن اور سر کے بال لانے کو کہا تھا۔ اس نے پڑھا تھا کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہوتی ہے۔ لیکن صائمہ ایسا کیوں چاہتی تھی۔ کیا وہ نعمان ایزد کو بلیک میل کرنا چاہتی ہے؟

یہ خیال آتے ہی وہ کانپ کر رہ گئی کیونکہ نعمان ایزد جیسا کایاں آدمی کبھی بھی صائمہ کے ہتھکنڈوں سے مرعوب ہونے والا نہ تھا۔ وہ بہت چالاک اور بہادر آدمی تھا لیکن وہ ریشم پر دل ہار بیٹھا تھا یہی وجہ تھی کہ آج ریشم کے پاس اپنا یہ بہترین گھر تھا۔ کھانے کو اچھا کھانا اور پہننے کو بہترین لباس تھا اور باقی زندگی گزارنے کے لیے بھی اس کے اکاؤنٹ میں اچھا خاصا کیش موجود تھا۔

اُس نے ایاز کو چائے کا مگ بنا کر دیا اور صائمہ کا انتظار کرنے لگی۔ اس کو مختلف وہموں اور وسوسوں نے گھیر لیا تھا لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ صائمہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ جان لیوا انتظار کے بعد صائمہ خالی ہاتھ آئی تو ریشم بے چینی سے اس کی طرف بڑھتی تو صائمہ نے پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تمہیں کل ہر حال میں نعمان ایزد کے سر کے بال اور ہاتھوں کے ناخن لے کر آنا ہونگے۔ میں نے لیڈی ڈاکٹر سے بات کر لی ہے۔ کل تم ان دونوں اشیا کو لے کر آنا وہ اس رپورٹ کی روشنی میں ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے لیبارٹری سے رابطہ کر کے ہمیں ایک جامع اور مفصل رپورٹ لا دے گی۔''

''لیکن آپ کیا کرنا چاہتی ہو اسی۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا؟'' ریشم واقعی کچھ نہ سمجھی تھی اور اس کی اُلجھن ہنوز برقرار تھی۔ صائمہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اگر تم کل ہی یہ کام کر لو تو تمہیں دو دن بعد ہی پتہ چل جائیگا کہ میں کیا کرنے والی ہوں بس اب تم کوئی سوال نہیں کرو گی۔''

صائمہ نے گویا اپنا فیصلہ سنا کر اس فائل کو بند کر دیا تھا۔ ''ایاز آیا کہ نہیں؟''

''وہ شمعون کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا..... اس کو خون دے کر آیا ہے اندر ہے۔'' صائمہ یہ سن کر خوفزدہ ہو گئی کہ کہیں اس کی باتیں ایاز نے نہ سن لی ہوں۔ وہ اندر کی جانب بڑھی تو ایاز کو بے سدھ سوتے ہوئے پایا اس کے پاس چائے کا خالی مگ پڑا تھا۔ صائمہ نے پُرسکون سانس خارج کی اور باہر آ کر ریشم سے بولی۔

''کیسے ہوا اس کا ایکسیڈنٹ؟'' ریشم بھلا اس بات کا کیا جواب دے سکتی تھی۔ پھر بھی اس نے صائمہ کی بات کا جواب دینا مناسب سمجھا۔ ''اس کی گاڑی کسی دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ اور اس کی حالت سیریس ہے۔''

''نعمان ایزد! میں نے کہا تھا نا کہ تمہاری بربادی کا آغاز ہو گیا ہے۔ تقدیر کی بے آواز لاٹھی تمہارے سر پر برسنا شروع ہو گئی ہے۔'' صائمہ کا یہ انداز اور لب و لہجہ نہ صرف پراسرار تھا بلکہ حیران کن بھی تھا۔ ریشم حیرانگی سے اپنی ماں کو دیکھتی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

شمعون کی زندگی بچ گئی تھی۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش نے اس کی جان بچانے کی جو تگ و دو کی تھی وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے تھے لیکن اس میں مرتزی کردار ایاز احمد کا بھی تھا جس نے موقع پر پہنچ کر اس کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے ایک ہی وقت میں دو بوتلیں خون کی دے دی تھیں۔

ڈاکٹرز اب پرسکون تھے کیونکہ ان پر کافی پریشر تھا نعمان ایزد کا سیاسی رعب اور پھر ان کی دولت کا دبدبہ اور ملکی حالات پر اُن کی گرفت نے بھی ڈاکٹرز کو پریشان کر رکھا تھا۔ لیکن اب ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ جہان آرا بیگم اور دوسرے مکین بھی خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔

الیکشن سر پر تھے اور آئے روز کی مصیبتوں اور ناگہانی آفات نے نعمان ایزد کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ اور پھر اُن کو یہ بھی خوف تھا کہ اگر ان کے مقابلے میں جسٹس بصیر احمد نے صائمہ کو الیکشن میں کھڑا کر دیا تو وہ اس کا تیا پانچہ کر سکتی تھی۔ ایک ایسا راز جس کا صرف صائمہ اور نعمان ایزد کو ہی علم ہونا چاہیے تھا لیکن بصیر احمد ان کا دوست تھا اور اس لحاظ سے ان کے ساتھ ہر خوشی و غمی میں بھی شریک رہا تھا۔ اس لیے وہ اس اہم ترین راز سے بھی واقف تھا۔

نعمان ایزد صائمہ کے متعلق سوچتے ہوئے اپنے بیڈروم میں لیٹے ہوئے تھے ان کو ماضی یاد آنے لگا تھا لیکن وہ اس تلخ ماضی کو یاد نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ ماضی کو کھنگالیں گے تو تمام قصور ان کا ہی نکلے گا۔ اس لیے وہ کڑوی کسیلی یادوں سے اپنا ذائقہ خراب نہ کرنا چاہتے تھے۔ کئی دنوں کی تھکاوٹ نے ان کو گہری نیند سونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور یہی موقع تھا کہ ریشم اس سے فائدہ اٹھاتی۔

ریشم نے اپنا کام پرسکون انداز میں احسن طریقے سے کر لیا تھا۔ اس نے نعمان ایزد کے سر کے بال کاٹ کر ایک پلاسٹک کے لفافے میں محفوظ کر لیے تھے اور ہاتھ کے ناخنوں کو بھی گہری نیند میں سوتے ہوئے نعمان ایزد کا کام کر دیا تھا۔ اس کو کوئی بھی خوف نہ تھا کیونکہ جاگتے میں بھی وہ ہی اکثر نعمان ایزد کے ناخن کاٹا کرتی تھی۔ اگر نعمان ایزد جاگ بھی جاتے تو وہ مسکرا کر کہہ دیتی کہ ناخن بڑھ گئے تھے اور اس کو معلوم تھا کہ نعمان ایزد اس کی دلفریب ادا پر قربان ہو جاتے اور اس کو اپنے ساتھ ہی لٹا لیتے۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ ہر کام تسلی اور پرسکون انداز میں کرنے کے بعد ریشم نے ایک نظر اس شاندار "مذبح خانے" پر ڈالی اور آنکھوں میں آنسو بھرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

اس نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر کاؤنٹر کے دراز سے اپنے ضروری کاغذات نکالے اور طائرانہ نظروں سے اس آفس کا جائزہ لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں سے باہر نکل آئی۔

اس نے باہر آ کر ایک پرسکون سانس خارج کی اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ کافی دیر کسی تنگ قید خانے میں گزارنے کے بعد آج پہلی بار کھلی فضا میں تازہ سانس لے رہی ہے۔ گیٹ پر کسی بھی ملازم یا گارڈ کی اتنی جرأت نہ تھی کہ اُس کو روک سکتا۔ اس لیے وہ بلاخوف و خطر وہاں سے نکل کر ٹیکسی کے ذریعے اپنے گھر کی جانب رواں ہو گئی۔ جہاں صائمہ اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

صائمہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کو شہوتوں کے ساتھ لے کر ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ ان دونوں کو واپسی قریباً ایک گھنٹہ بعد ہوئی تھی۔ اب صائمہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

''اب تم دو تین دن بعد اس گناہ سے نجات حاصل کر سکتی ہو ریشم!'' صائمہ نے ریشم سے کہا تو وہ حیرانگی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی اور بولی۔ ''لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟'' وہ ہنوز پریشان تھی۔ صائمہ نے آنکھوں میں نفرت سجا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''پچیس سالوں سے جو راز میرے سینے میں ایک خزانے کی طرح دفن ہے۔ یہ کام اس خزانے کی کنجی ہے ریشم!''

پھر وہ آسمان کی جانب دیکھنے لگی اور بولی۔ ''اللہ مجھے معاف فرمائے تمہارے اس گناہ میں مَیں بھی شامل ہوں۔'' اس بار پھر ریشم کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔ لیکن وہ صائمہ سے پوچھ نہ سکی کہ وہ کس طرح اس گناہ میں شامل ہے اور خود کو ذمہ دار کیوں سمجھتی ہے۔

☆.....☆.....☆

بصیر احمد اسی کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے تھے فرق صرف اتنا تھا کہ آج ان کے ساتھ نعمان ایزد نہ تھے اور وہ خوشی بھی نہ تھی جو گزشتہ برسوں میں ہوا کرتی تھی۔ وہ کافی کے مگ پر اپنی انگلی پھیر رہے تھے۔ ایک سال میں کتنا کچھ بدل گیا تھا۔ جویریہ کی شادی، طلاق اس کے بچے کی موت اور پھر انیقہ کی اچانک موت نے ان کے گھر کو ماتم کدہ بنا دیا تھا۔ اُنہوں نے سوچا تھا کہ انیقہ اور انصر کی شادی ایک ہی دن کر دیں گے۔ انصر اپنی دلہن بیاہ لائے گی اور انیقہ دلہن بن کر اس کے گھر کی چوکھٹ پار کر جائیگی۔ اور سرخ جوڑے میں وہ پری لگے گی۔

لیکن انصر کی شادی تو اب بھی ہو سکتی تھی مگر انیقہ دلہن بن کر نہیں لاش بن کر سفید کفن پہن کر ان کے گھر کی چوکھٹ کو پار کرنی تھی۔ کبھی بھی واپس نہ آنے والے سفر پر وہ روانہ ہو چکی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے انیقہ کی دلخراش موت کا منظر چلنے لگا تھا۔ وہ دل مسوس کر رہ گئے لیکن آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ اُنہوں نے انگلی کی پور سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور کافی کا گھونٹ بھر کر اپنے دائیں جانب دیکھا تو چونک کر رہ گئے کیونکہ انصر احمد مطربہ کے ساتھ کافی ٹینس حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ یقیناً اُن دونوں نے بصیر احمد کو نہ دیکھا ہوگا۔

انصر کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ کئی راتوں سے پرسکون نیند سویا نہ تھا اور ایسا ہی کچھ مطربہ کے ساتھ بھی تھا وہ بھی روئی ہوئی آنکھوں کے ساتھ انصر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

بصیر احمد تمام معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے۔ ان کو انصر کی فرمانبرداری پر پیار آنے لگا کہ اس نے جویریہ کی طلاق کو سامنے رکھتے ہوئے آج تک مطربہ سے پیار کی بات نہ چھیڑی تھی یعنی اس نے گھر میں کسی کو بھی یہ نہ بتایا تھا کہ وہ نعمان ایزد کی بیٹی اور حارث نعمان کی بہن سے پیار کرتا ہے اور اس کو اپنا شریک زندگی بنانا چاہتا ہے۔

اب بصیر احمد کو ایک باپ بن کر فیصلہ کرنے میں کافی دقت ہونے والی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جویریہ کبھی بھی یہ نہ چاہے گی کہ حارث نعمان کی بہن اس کی بھابی بنے اور اس گھر میں آئے۔ لیکن انصر احمد تو مطربہ کو اپنی زندگی سمجھ رہا تھا اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے بہن اور باپ کی اجازت کا طلبگار تھا۔

http://kitaabghar.com

اب ان کے سامنے ان کا بیٹا مدعی تھا اور ہونے والی بہو ایک مجرم کی بہن تھی مجرم بھی وہ تھا جس نے ان کی شرگ پر چھری چلاتے ہوئے ان کا دھڑ ہی الگ کر دیا تھا۔ وہ جویریہ کی آہیں اور سسکیاں آج بھی نہ بھولے تھے۔ وہ اس کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جویریہ زندہ نہیں ہے بلکہ ایک لاش ہے جو چند سانسیں اُدھار لے کر اس گھر میں آ گئی ہے اور ادھار لوٹانے کی منتظر ہے۔

ان کو ایاز کے آخری الفاظ بھی یاد آ رہے تھے کہ ایاز کے ساتھ جویریہ کی شادی کر دینا کیونکہ ایاز اس کو بہت چاہتا ہے اور زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو نا کہ اس کے ساتھ جس کو آپ چاہتے ہوں۔

اُنہوں نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے وہ باوقار انداز میں چلتے ہوئے انفر اور مطربہ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے تو ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انفر احمد نے تو شرمندگی سے سر جھکا لیا مگر مطربہ کے چہرے پر خوف کے آثار واضح دیکھ کر بصیر احمد نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور بولے۔

''تم تو بیٹی ہو..... اپنے بھائی اور باپ کے گناہوں اور جرموں پر تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

مطربہ ان کے بڑے پن سے متاثر ہو کر آنکھوں میں آنے والی نمی کو روک نہ سکی اور آگے بڑھ کر ان کے سینے سے اپنا سر ٹکاتی ہوئی بولی۔ ''انکل! میں انفر کے بغیر مر جاؤں گی۔''

انفر احمد اس کی محبت کے برملا اعتراف پر باپ سے نظریں چرا گیا۔ بصیر احمد نے مطربہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولے۔

''یہی بات اپنے باپ کے سامنے کر سکتی ہو؟'' مطربہ نے آنکھیں اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور آنسو پیتے ہوئے مصمم اور اٹل لہجے میں بولی۔ ''ہاں انکل! میں بابا جان کے سامنے بھی یہ کہہ سکتی ہوں۔''

بصیر احمد نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور انفر احمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''میری بہو کو لے کر گھر آؤ۔'' یہ کہہ کر وہ کافی ہاؤس سے باہر نکل گئے اور انفر احمد اور مطربہ مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''میں نے زندگی میں بہت کم انسان ایسے دیکھے ہیں جو دشمن کی اولاد کی عزت کے رکھوالے ہوں۔'' مطربہ نے بصیر احمد کی تعریف کی تو انفر فخر سے باہر کی جانب دیکھنے لگا جہاں بصیر احمد گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

اقصیٰ نے اپنے بے ہنگم قہقہوں سے گھر بھر میں ہنگامہ اور شور شرابہ برپا کر رکھا تھا۔ جہان آرا بیگم تو اس سے تنگ آ گئی تھیں۔ اب بھی وہ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ اقصیٰ قہقہے لگاتی ہوئی اُدھر آ نکلی اور سکندر کے کوارٹر کے سامنے جا کر اس کے دروازے کو پیٹنے لگی۔ وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

''سکندر..... سکندر۔ میرے مقدر کے سکندر دروازہ کھولو۔ دیکھو اقصیٰ آئی ہے۔ تمہاری دلہن آئی ہے۔ سکندر مجھے معلوم ہے کہ تم

http://kitaabghar.com

بارات لینے گئے ہو۔ آجاؤ سکندر..... سکندر۔'' وہ چیخ چیخ کر دروازے کے پیٹنے لگی تو جہان آرا بیگم نے شرمندگی سے گارڈز کی طرف دیکھا جو اقصیٰ کا دلچسپ تماشہ دیکھنے میں محو تھے۔

اس وقت گھر میں کوئی بھی نہ تھا۔ شمعون ہسپتال میں زیرِ علاج تھا۔ نعمان ایزد کسی میٹنگ میں گئے ہوئے تھے۔ حارث اپنے آفس تھا جبکہ مطربہ کالج گئی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں جہاں آرا بیگم نے دیکھا کہ اقصیٰ قہقہے لگاتی ہوئی مین گیٹ کی طرف بڑھی تو انہوں نے اشارہ کیا کہ گیٹ کھول دیا جائے۔ وہ بھی اقصیٰ سے جان چھڑانا چاہتی تھیں۔ کھلے ہوئے گیٹ سے نامور ماڈل گرل اقصیٰ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر باہر نکلی اور ایک جانب کو دوڑ لگا دی گارڈز جہان آرا بیگم کے اشارے کے منتظر تھے اُنہوں نے فوراً گیٹ بند کر دیئے۔ جہان آرا نے ایک طرح سے اپنا انتقام لے لیا تھا کیونکہ اقصیٰ نے اُن کے بیٹے کا گھر اُجاڑا تھا۔ ان کی ہستی بستی دنیا میں آگ لگا دی تھی۔ اب وہ اقصیٰ کو اس گھر میں اک پل کے لیے بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں۔

اُنہوں نے پرسکون سانس خارج کی اور اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

اقصیٰ نے اس طرح اچانک مین شاہراہ پر آ کر سب کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ہر شخص کو روک روک کر سکندر سکندر پکارتی اور پھر آگے بڑھ جاتی تھی۔ اس کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ اس کو ڈرگز کی کمی نے ستانا شروع کر دیا تھا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنے بدن کو نوچنے لگی دانتوں سے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو کاٹنے لگی تھی۔ وہ کچرے کے ڈھیر سے کچھ ڈھونڈنے لگی لیکن مطلوبہ چیز نہ ملنے پر آگے بڑھ گئی۔

لوگ اس کو پہچانتے تھے جانتے تھے لیکن نعمان ایزد کی وجہ سے اس کو کچھ بھی نہ کہہ سکتے تھے۔ وہ سارا دن اسی طرح سڑکوں پر آوارہ گھومتی رہی اور شام ڈھلے ایک گاڑی سے ٹکرا کر سڑک پر گر پڑی۔ گاڑی کو ڈرائیو کرنے والی جویریہ بصیر احمد تھی۔

اس نے گاڑی سے نکل کر نور اد دیکھا تو اقصیٰ کو پہچان لی اس نے اقصیٰ کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور اس کی آنکھوں میں ناشناسائی کی جھلک دیکھ کر وہ کانپ کر رہ گئی۔ اقصیٰ زخمی ہونے سے بچ گئی تھی۔ وہ غور سے جویریہ کو دیکھے جا رہی تھی جبکہ جویریہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو گاڑی میں بٹھانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

''میرا سکندر آنے والا ہے..... باجی..... باجی وہ بارات لینے گیا ہے۔ ابھی آ جائے گا۔ مجھے دلہن بنا دو باجی جلدی کرو میرا دلہا میرا انتظار کر رہا ہے۔'' اقصیٰ نے یہ کہہ کر بے ہنگم قہقہے لگانے شروع کر دیئے تو جویریہ نے گاڑی وہاں سے بھگا دی چند ہی منٹوں بعد وہ ہمت اور حوصلے سے نعمان ایزد کے محل کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ اُس نے ہارن بجایا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا کیونکہ وہ سب جویریہ کو پہچانتے تھے اور اقصیٰ کے بے ہنگم قہقہے بھی سب کو اپنی جانب متوجہ کر رہے تھے۔

اقصیٰ کے قہقہوں اور جویریہ کی گاڑی کے ہارن نے سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ نعمان ایزد، حارث نعمان اور جہان آرا بیگم کے ساتھ مطربہ بھی لان میں آ گئی تھی۔ حارث نعمان جویریہ کو دیکھ کر شرمندگی سے نظریں جھکا رہا تھا۔

جویریہ نے ہاتھ پکڑ کر اقصیٰ کو گاڑی سے نکالا اور اس کو گھسیٹتی ہوئی حارث نعمان کے سامنے لیجا کر کھڑی ہو گئی اور باری باری

http://kitaabghar.com

ان سب کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''عزت کے ٹھیکیدارو..... سنبھالو اپنی اس عزت کی مڑی تڑی گٹھڑی کو جو سر بازار اپنا ڈولہا تلاش کر رہی ہے۔'' جویریہ کے الفاظ بم بن کر ان پر برسنے لگے تھے۔ نعمان ایزد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی بولی۔

''بس.....'' اس نے ہاتھ کھڑا کر کے ان سب کو متوجہ کر لیا۔ ''آج میں بولوں گی اور تم خاموش تماشائی بن کر تماشہ بھی دیکھو گے اور میری باتیں بھی سنو گے۔'' ان کے سر شرم سے جھکے ہوئے تھے۔ انصیٰ اپنے بدن کو نوچنے لگی تھی اور زمین پر پڑی ہوئی ماہی بے آب کی طرح تڑپ بھی رہی تھی۔

حارث نعمان نے نیچے جھک کر انصیٰ کو پکڑا تو جویریہ شعلے اُگلتے ہوئے بولی۔

''اعتبار اور بھروسہ وہ چیزیں ہیں مسٹر حارث نعمان جو بازار سے کسی بھی مول نہیں ملتی۔ اگر ان کو خریدنا ہو تو صرف محبت سے ہی خریدا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ تم کو محبت کی کیا قدر..... تم تو خود میرے اعتماد اور بھروسے کے قاتل ہو..... میری محبت کے بھی قاتل ہو۔''

میرے بیٹے کے بھی قاتل ہو۔

میری آرزوؤں اور امنگوں کے بھی قاتل ہو۔

کاش کہ حارث نعمان! تم صرف ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیتے..... اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے تم یقیناً اپنی ہی نظروں سے ضرور گرے ہو گے۔ محبت کی معراج کو تم نے کیا بلند رکھنا تھا تم نے تو میرے چہرے پر تھپڑ مار کر یہ بھی ثابت کر دیا کہ تم انسانیت کے درجے سے بھی گر گئے ہو۔''

جویریہ آگ بنی ہوئی تھی اور اس کے الفاظ ان سب کو جلا جلا کر بھسم کر رہے تھے۔ وہ سانس درست کرتی ہوئی پھر بولی۔ ''اس کا اپنے ہی دانتوں سے بدن کو نوچنا میری بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ ڈر گزرتی ہے اور گلی گلی بازار بازار سر عام سکندر کا نام لے کر پکارنا بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ سکندر کی رکھیل تھی۔'' اس کڑوے سچ کو نعمان ایزد نے برداشت نہ کیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

''تم دو ٹکے کی چھوکری۔ میرے ہی گھر میں آ کر مجھے ذلیل کر جاؤ تو لعنت ہے میری زندگی پر ابھی کے ابھی جہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ چوکیدار سے کہہ کر دھکے مرواتا ہوا اس گھر سے باہر پھینکوا دوں گا۔''

نعمان ایزد کی سانسیں پھول گئی تھیں۔ جویریہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔

''مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے نعمان ایزد صاحب کہ میں اب آپ کی بہو نہیں ہوں۔ اور میں جسٹس بصیر احمد کی بیٹی ہوں دو ٹکے کی چھوکری نہیں اور جن کتوں کے سہارے مجھے دھکے دلوانے کا آپ سوچ رہے ہیں وہ اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ ایس پی انصر کی بہن اور جسٹس بصیر احمد کی بیٹی کی ہوا کو بھی چھو سکیں۔''

اس کے الفاظ اور لہجے کی گھن گرج نے ایک بار تو نعمان ایزد کی کھٹیا گول کر دی تھی۔ وہ ہونٹوں پر طنزیہ مسکان سجاتی ہوئی بولی۔

http://kitaabghar.com

''میں نے کہا تھا نا کہ اقصیٰ کی رخصتی کبھی نہیں ہوگی۔ اس کی بارات کبھی نہیں آئیگی اس کی ندامت بھری راتوں کی داستان آپ کو پڑھنے میں دقت ہو تو اپنی بیوی سے ضرور کہیے گا کہ پڑھ سکتی ہو تو پڑھ لے۔''

یہ بہت بڑا تھپڑ تھا جو اقصیٰ کے حوالے سے نعمان ایزد کے منہ پر پڑا تھا۔ جویریہ کسی شیرنی کی مانند چلتی ہوئی اپنی گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی ریورس کرتی ہوئی کھلے ہوئے گیٹ سے نکال کر باہر لے گئی۔

''میرا دلہا آنے والا ہے..... میرا دلہا.....'' اقصیٰ نے اُٹھ کر نعمان ایزد سے کہا تو اُنہوں نے ایک زوردار تھپڑ مار کر اس کا ہونٹ پھاڑ دیا تھا۔ وہ خون دیکھ کر مزید بپھر گئی تھی۔ وہ زمین پر لوٹنے لگی تو نعمان ایزد نے حارث کی طرف غصے سے دیکھا اور بولے۔

''مینٹل ہسپتال کال کرو کہ وہ آکر اس کو لے جائیں..... اب اس کی باقی زندگی وہیں گزرے گی۔'' نعمان ایزد اپنا فیصلہ سنا کر وہاں سے اندر چلے گئے۔ مطربہ نے ترس کھانے والی نظروں سے نامور ماڈل گرل اقصیٰ کی طرف دیکھا جو بے بسی سے زمین پر پڑی نشہ نہ ملنے پر تڑپ رہی تھی۔

مطربہ اس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکتی تھی وہ آنکھوں میں آنسو بھرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی کیونکہ حارث نے مینٹل ہسپتال والوں کو کال کر دی تھی اور وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک پہنچ گئے تھے۔

اُنہوں نے اقصیٰ کو بازوؤں سے پکڑ کر گاڑی میں ڈالا اور چلتے بنے۔ یہ وہی اقصیٰ تھی جس کا طوطی ماڈلنگ کی دنیا میں بولتا تھا اور سکندر کی دیوانی تھی جبکہ اس کے حسن کے کئی دیوانے تھے۔ یہ سکندر پر اپنا دھن من اور تن لٹا چکی تھی اور سکندر وہ بھنورا تھا جو تازہ کلی کا رس پینے کے لیے مناسب وقت کا منتظر رہا تھا۔ اس نے اقصیٰ کے ذریعے نعمان ایزد کی پیٹھ میں زہر بھرا خنجر اُتار دیا تھا اور اس خنجر کا گھاؤ ہر روز گہرا ہی ہوتا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

جسٹس بصیر احمد کا فیصلہ گھر کے مکینوں نے خوش دلی سے قبول کیا تھا۔ اُنہوں نے مطربہ کو اپنی بہو بنانے کے لیے ثانیہ بیگم اور جویریہ سے بات کی تو اُنہوں نے انفر کی خوشی کو مقدم جانتے ہوئے خوشی سے ہاں کر دی تھی۔ اب انفر احمد ثانیہ بیگم اور جویریہ کے ساتھ لان میں بیٹھے چائے پی رہا تھا۔ اس نے جویریہ کی طرف دیکھا اور زیرِ لب شکر الفاظ میں بولا۔

''شکریہ جویریہ! مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔'' جویریہ اس کی طرف دیکھ کر سوگواری سے مسکرائی اور بولی۔

''مجھے میری محبت نہیں مل سکتی تھی..... لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ کتنا زیادہ کربناک وقت ہوتا ہے۔ میں اس محبت کی راہ میں رکاوٹ کیوں بنتی بھلا!'' ثانیہ بیگم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''ویسے بھی اب ان کو کافی سزا مل چکی ہے۔ اقصیٰ پاگل ہو چکی ہے۔ شمعون ہسپتال میں ہے اور حارث نعمان جویریہ کو کھوکر ذہنی مریض بنتا جا رہا ہے..... مطربہ تو مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے۔''

http://kitaabghar.com

''بھائی! آپ تیار ہو جائیں پاپا جان آتے ہی ہونگے۔'' جویریہ نے کہا تو وہ شرماتا ہوا بولا۔

''تیار کیا ہونا ہے..... بس ٹھیک ہے ایسے ہی۔'' جویریہ پہلی بار کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ وہ طلاق کے بعد آج پہلی بار ہنسی تھی۔

انصر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور بولا۔

''یونہی سدا ہنستی رہو..... خدا کرے کہ تمہاری زندگی میں کبھی بھی کوئی غم نہ آئے۔'' دونوں کی آنکھوں میں چمکنے والے آنسو دیکھ کر تانیہ بیگم بھی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور بولیں۔

''آج تمہارا نکاح ہے۔ آنسوؤں کو رخصت کرو اور آنے والی مطربہ کو خوش آمدید کہو۔''

''امی! اگر وہ نہ آئی تو.....؟'' انصر احمد نے بچوں کی طرح کہا تو جویریہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی بولی۔

''اوئے ہوئے..... اتنی بے تابی بھائی..... کیا اپنی محبت پر اعتماد نہیں ہے؟''

''اعتماد تو ہے لیکن ڈرتا ہوں کہ اس خاندان میں غموں کے بعد آنے والی خوشی شارٹ کٹ راستے سے آرہی ہے کہیں خدانخواستہ کچھ ہو ہی نہ جائے۔''

''کچھ نہیں ہوگا تم دیکھنا وہ ضرور آئے گی۔ اور اس کی طرف سے گواہ بھی آئیں گے۔'' تانیہ بیگم نے کہا تو انصر اور جویریہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''مطربہ کی طرف سے گواہ؟ کون ہوگا مما؟'' انصر کی حیرانگی بجا تھی۔

''صائمہ اس کو ماں بن کر اور ایاز اس کو بھائی بن کر رخصت کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔'' جویریہ اور انصر کے لیے یہ معلومات حیران کن تھیں۔

''اس کا مطلب ہے کہ اب صائمہ بوا میری ساس ہیں؟'' خوشگوار حیرت میں ڈوبا ہوا انصر احمد خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا۔

انصر احمد اندر کی جانب بڑھ گیا تو جویریہ نے تانیہ بیگم سے پوچھا۔

''مما! مطربہ گھر سے کیسے آئے گی۔ اور کیا نعمان ایزد جیسا بندہ اس نکاح کو قبول کرے گا؟''

تانیہ بیگم اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔ ''نعمان ایزد کچھ بھی نہیں کر سکے گا کیونکہ اس نے اس گھر سے ٹکر لینے کی غلطی کر لی ہے جو گھر اپنی عزتوں کا رکھوالا ہے اور قانون جانتا ہے۔ لڑکی بالغ اور باشعور ہو تو وہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا فیصلہ کر سکتی ہے۔'' جویریہ ان کی بات سن کر تائیدی انداز میں سر ہلانے لگی۔ ''مطربہ سیدھی صائمہ کے گھر جائے گی اور وہ اس کو لے کر ادھر آئے گی۔''

''لیکن مما! ایاز یا صائمہ بوا اس شادی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ تو صائمہ کو جانتے بھی نہیں ہیں۔''

جویریہ کا یہ سوال خاصا وزن رکھتا تھا۔

''جویریہ! ایاز کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہنر دیا ہے کہ وہ دوسروں کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔'' تانیہ بیگم کی بات سن کر جویریہ کی

http://kitaabghar.com

نظریں جھک گئیں کیونکہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہو چکا ہے۔ ''اُس نے جب مطربہ کو پڑھانا شروع کیا تھا تو پہلے ہی دن مطربہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی بہن بنا لیا تھا۔ اب تم بھی تیار ہو جاؤ۔''

''ٹھیک ہے امی!'' وہ بے دلی سے بولی تو ثانیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی کہنے لگیں۔

''جویریہ! ایک بات پوچھوں؟''

''جی مما! پوچھیں۔''

''تمہیں اب ایاز کیسا لگتا ہے؟'' ثانیہ بیگم نے یہ کیسا سوال پوچھ لیا تھا۔ وہ ماں کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ وہ دوبارہ بولیں۔ ''میرا مطلب تھا کہ اس طرح تنہا زندگی کو تنہیں گزارے گی۔ تم حارث نعمان کو اپنا تلخ ماضی سمجھ کر بھول جاؤ بیٹا..... اور اپنی نئی زندگی کا آغاز ایاز کے ساتھ کرو..... کیونکہ وہی تمہارا بہترین حال اور روشن مستقبل ہے۔''

''یہ آپ کا خیال ہے؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''نہیں صرف میرا ہی نہیں۔ جج صاحب اور انصر احمد کا بھی یہی خیال ہے۔''

''پاپا جی بھی یہ چاہتے ہیں کہ میں پھر سے شادی کر لوں..... میں اب شادی نہیں کروں گی مما!'' اُس نے اُٹھ کر ثانیہ بیگم کی گود میں اپنا سر رکھنے کے خود کو زمین پر بٹھا لیا۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنگھی کرتی ہوئی بولیں۔ ''ایاز اچھا لڑکا ہے۔''

''میں نے کب کہا کہ وہ بُرا ہے بس میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ غمزدہ نظر آنے لگی تھی۔

''ایاز سے نہیں کرنا چاہتی یا کسی سے بھی نہیں کرو گی شادی؟'' ثانیہ بیگم اس کو لائن پر لانا چاہتی تھیں۔

''کسی سے بھی نہیں کروں گی۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایاز اچھا لڑکا ہے۔'' اس نے ثانیہ بیگم کی آنکھوں میں دیکھا جو مسکرا رہی تھیں۔

''مجھے نہیں پتہ مما!'' وہ بجھی بجھی بولی تو ثانیہ بیگم نے اس کے سر پر بوسہ پھر دیا۔

''میرا اور جج صاحب کا بھی یہی خیال ہے کہ آج تمہارا اور ایاز کا نکاح بھی کر دیا جائے اور رخصتی ایک ماہ بعد کر دیں گے۔'' وہ تڑپ کر اٹھی اور ثانیہ بیگم کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی ثانیہ بیگم نے اس کو سینے سے لگایا اور سمجھانے لگیں۔

''ہم تمہیں یوں ٹوٹا پھوٹا نہیں دیکھ سکتے بیٹی! اور یہ ہمیں چھوڑ کر وہاں چلی گئی ہے جہاں سے کوئی بھی واپس نہیں آتا۔''

ثانیہ بیگم کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''ہم تمہاری خوشیاں دیکھنے کے لیے زندہ ہیں اور تمہیں خوش دیکھنا ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ تمہارے پاپا اندر سے ٹوٹ کر بکھر چکے ہیں۔ میں ان کو اس عمر میں سمیٹنے لگوں گی تو خود بھی بکھر جانے کا ڈر ہے۔ جویریہ بیٹی! ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے لیکن اتنا ضرور سوچو کہ ایاز تم سے محبت کرتا ہے۔ اور تم نے سنا نہیں کہ اوریہ کہتی تھی کہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے جو آپ کو بہت چاہتا ہو اور میری بیٹی..... ایاز تمہیں بہت چاہتا ہے۔''

http://kitaabghar.com

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتی ہوئی بولی۔ ''اور سٹیٹس.....؟'' یہ دو لفظ اس نے نا معلوم کیوں کہے تھے وہ ماں باپ اور بھائی کی رائے چاہتی تھی یا اس کو یہ ڈر تھا کہ ایاز اس کو ایک چھوٹے سے کوارٹر میں رکھے گا۔

''سٹیٹس کی دیواریں تو ہم انسانوں نے اپنے لیے خود ہی کھڑی کی ہیں۔ ویسے بھی صائمہ نے ایک بہت بڑا گھر خرید لیا ہے۔ جو کہ ہر قسم کی آسائش سے مزین ہے۔''

''گھر تو حارث نعمان کا بھی ہر آسائش سے مزین تھا۔'' وہ آہستگی سے نم لہجے میں بولی تو تانیہ بیگم نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر لیا اور بولیں۔ ''وہ شیشے کا گھر تھا لیکن اس کے مکین پتھر کے تھے..... لیکن یہاں معاملہ اُلٹ ہے یہ پتھروں کا گھر ہے اور اس کے لوگ کانچ سے بھی زیادہ نازک ہیں۔ اور جو لوگ خود اتنے نازک ہوں وہ کبھی بھی کسی کو بھی ٹھوکر نہیں لگایا کرتے۔''

تانیہ بیگم کی مضبوط دلیل نے جویریہ کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایاز اس کو بھی اچھا لگتا تھا لیکن اس نے کبھی بھی ایاز سے محبت نہ کی تھی لیکن وہ یہ جانتی تھی کہ ایاز اس کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ اور وہ بھی چاہتی تھی کہ اس کو دل و جان سے ہی چاہا جائے۔

''جاؤ میری بچی! تیار ہو جاؤ۔ تمہارے پاپا صائمہ اور دیگر لوگوں کے ساتھ آنے والے ہی ہوں گے۔''

تانیہ بیگم نے کہا تو وہ ان کی طرف دیکھنے لگی تو اُنہوں نے اس کی پیشانی پر اپنی ممتا کا بوسہ ثبت کر دیا۔ وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

تانیہ بیگم نے ایک پرسکون سانس خارج کی اُنہوں نے وہ کام بخوبی نبھا دیا تھا جو جج صاحب نے ان کے ذمہ لگایا تھا۔ چند منٹوں بعد ہی بصیر احمد، صائمہ، ایاز، ریشم اور مطربہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تو نکاح خوان کے ساتھ ساتھ انصر احمد اور بصیر احمد کے بھی چند دوست آ گئے۔ بصیر احمد نے ان سب کو اکٹھا کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ کافی دیر سے گھر سے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اشاروں سے یہ تانیہ بیگم سے جویریہ کے بارے میں معلوم کیا تو ان کو تسلی بخش جواب ہی ملا تھا۔

صائمہ اپنے ساتھ مٹھائی لے کر آئی تھی۔ ایاز خاصا سوبر نظر آ رہا تھا جبکہ مطربہ خاصی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی اس نے عجیب سی سہمی ہوئی نظروں سے تانیہ بیگم کی طرف دیکھا لیکن اس کو وہاں مسکان اور شفقت ہی نظر آئی تو اس کو خاصی تسلی ہوئی تھی۔

ملازموں نے چند ہی منٹوں میں لان میں کرسیاں بچھا دی تھیں مہمانوں کو بٹھایا گیا ان کی تواضع کی گئی۔ ریشم نے مطربہ اور جویریہ کو ہلکے سے میک اپ میں حوریں بنا دیا تھا۔ ریشم نے پہلی بار جویریہ کو دیکھا تھا تو وہ ایاز کی پسند پر عش عش کر اٹھی تھی جبکہ اس کو حارث نعمان پر کافی افسوس ہو رہا تھا۔

مطربہ اور انصر احمد کا نکاح پڑھوا دیا گیا تھا۔ مبارک باد کی صداؤں میں ایاز کا نکاح جویریہ کے ساتھ پڑھانے لگے تو ایاز نے منع کر دیا۔ سب کو ایاز کا رویہ ورطہ حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔ بصیر احمد نے صائمہ کی طرف دیکھا تو اس نے مطمئن انداز میں آنکھوں کے اشارے سے بتایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ چلتے ہوئے ایاز کے پاس پہنچے اور سہمے اور ڈرے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے ایاز؟''

http://kitaabghar.com

''انکل! میں صرف چند منٹ جویریہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ پلیز..... مجھے اس نکاح سے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں خود اس کی مرضی جاننا چاہتا ہوں۔ پلیز انکل!'' بصیر احمد کی جان میں جان آگئی تھی۔ اُنہوں نے اثبات میں سر ہلا کر اس کو جویریہ سے ملنے کی اجازت دے دی تو وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

اس کو معلوم تھا کہ جویریہ اپنے کمرے میں ہی ہوگی۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو جویریہ نے ہی دروازہ کھولا۔ سامنے ایاز کو کھڑے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ وہ اس وقت یہاں کیا کرنے آیا تھا یہ جویریہ کو معلوم نہ تھا۔ اس نے نظریں جھکا لیں تو ایاز نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

''تمہیں اس بات کا برملا اظہار تو کر ہی چکا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں..... لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میری محبت اتنی طاقت ور ہے کہ وہ کوئی بھی سمجھوتے کی بھینٹ نہیں چڑھے گی؟'' جویریہ اس کی طرف پشت کر کے کھڑی تھی وہ آہستگی سے بولی۔ ''میں آپ کی محبت کی قدر کرتی ہوں ایاز..... میں نے یہ فیصلہ کسی سمجھوتے کے تحت نہیں کیا بلکہ یہ سوچ کر کیا ہے کہ جس کو چاہا جائے اگر وہ نہ ملے تو یہ دنیا پھیکی اور بے رنگ لگنے لگتی ہے..... میں اس کرب سے گزر کر بہت کچھ سیکھ چکی ہوں۔''

''اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ تم میرے ساتھ نکاح نہیں بلکہ میری ذات سے ہمدردی کی بنا پر ہاں کر رہی ہو؟'' ایاز کے لہجے میں کرب نمایاں تھا۔ وہ تڑپ کر مڑی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اگر مجھے آپ سے صرف ہمدردی ہوتی تو آج تک یہ پھول سنبھال کر نہ رکھا ہوتا۔'' جویریہ نے وہی پھول ایاز کی طرف بڑھا دیا جو اس نے اُس کو اسی کمرے میں دلہن بن کر کھڑی جویریہ کو دیا تھا۔ ایاز وہ پھول دیکھ کر حیران رہ گیا اور خوشگوار حیرت سے بولا۔ ''تو اس کا مطلب ہے کہ..... میں..... می اس کا کیا مطلب سمجھوں جویریہ؟''

''اس کی خوشبو آج بھی ویسی تازہ ہے جیسی اس روز تھی لیکن یہ آج میری طرف سے ہے ایاز۔'' جویریہ نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ آنکھیں جھکا کر شکریہ ادا کرتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔

چند منٹوں بعد اس کا اور جویریہ کا نکاح پڑھا دیا گیا تھا۔ بصیر احمد کے گھر میں کافی دیر بعد خوشیاں تو رقصاں ہو گئیں تھیں لیکن انیقہ کی غیر موجودگی نے ان سب کو غمگین کر دیا تھا۔

صائمہ کو مبارک بادیں مل رہی تھیں واس گھر میں پچیس سال تک ملازمہ بن کر رہی تھی اور آج تقدیر کی مہربانی اور محبت کی فتح نے اس کو اس گھر کی سمدھن بنا دیا تھا۔ بصیر احمد بھی کافی خوش تھے۔ صائمہ کو ثانیہ بیگم نے گلے لگایا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے۔ سب مہمانوں کو اچھا کھانا کھلا کر ان کا شکریہ ادا کر کے رخصت کر دیا گیا تھا۔

انصر احمد مطربہ کو پا کر بہت خوش تھا اور مطربہ بھی انصر احمد کی محبت مل جانے پر بہت خوش تھی۔ اب جویریہ کی رخصتی ایک ماہ بعد ہونا تھی لیکن پلان کے مطابق اب نعمان ایزد کو فون کرنا باقی تھا اس کو بتانا تھا کہ اس کی بیٹی کا نکاح بصیر احمد کے بیٹے کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔

http://kitaabghar.com

اب گھر کے افراد ہی رہ گئے تھے۔ لاؤنج میں بیٹھ کر بصیر احمد نے مطربہ اور صائمہ کی طرف دیکھا اور لینڈ لائن سے نعمان ایزد کے موبائل کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی تو دوسری طرف سے نعمان ایزد کی آواز سن کر مطربہ کے آنسو بہنے لگے۔

''نعمان ایزد بول رہا ہوں بصیر احمد!'' یقینی طور پر ان کے موبائل میں اس گھر کا اور ہر فرد کا نمبر ابھی تک محفوظ تھا۔

''میں نے جب اپنی بیٹی تمہاری جھولی میں ڈالی تھی تو تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا کہ اس کو بہو بنا کر نہیں بیٹی بنا کر رکھنا۔'' بصیر احمد کے زخموں کے ٹانکے ایک بار پھر کھل گئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں تیرنے والی نمی نے سب کو غمگین کر دیا تھا۔ ''جو بھی بات ہے بصیر احمد کھل کر کہو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے''۔ ماؤتھ پیس کی بجائے اُن کی آواز سپیکر سے اُبھر رہی تھی جو وہاں پر بیٹھے ہوئے گھر کے تمام افراد سن رہے تھے۔

''نعمان ایزد! میں نے ایک بیٹی کو دفن کر کے دوسری بیٹی کا نکاح کر دیا ہے۔'' بصیر احمد نے کہا تو دوسری طرف چند سیکنڈ خاموشی رہنے کے بعد نعمان ایزد کی آواز اُبھری۔ ''لیکن یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟''

''تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ جب یہ بیٹی بھی رخصت ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی..... تب میرے گھر کو ایک بیٹی کی کمی شدت سے محسوس ہو گی۔'' بصیر احمد بہت ہی پرسکون انداز اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں گفتگو کر رہے تھے۔

''تو.....؟'' مختصر اسوالیہ لفظ تھا۔

''تو میں نے اُس بیٹی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے تمہاری بیٹی کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔'' اب تو دوسری طرف مکمل ہی خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید نعمان ایزد موبائل کو گھورنے لگے تھے یا اپنی سماعتوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔

''یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟'' کئی سیکنڈز کی خاموشی کے بعد نعمان ایزد کی غراتی ہوئی آواز سپیکر سے گونجی تو بصیر احمد ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ ''فکر نہ کرو یہ میری بہو نہیں بلکہ ایقہ اور جویریہ بن کر رہے گی..... لو اپنی مطربہ سے بات کر لو۔'' بصیر احمد نے ریسیور مطربہ کی طرف بڑھایا تو اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور پکڑ کر کانوں سے لگایا اور بصیر احمد کی طرف دیکھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر اس کو تسلی اور حوصلہ دیا تو وہ بولی۔

''بابا جان!''

''مطربہ! مطربہ تم..... تم ان کے گھر میں کیا کر رہی ہو..... واپس آؤ..... فوراً واپس آؤ۔ یہ شخص تمہیں مار ڈالے گا۔ یہ تم سے جویریہ کا انتقام لے گا..... مطربہ میری بچی واپس آ جاؤ جلدی سے.....'' نعمان ایزد کی آواز میں جھلاہٹ، غصہ اور التجائیں ملی جلی ہوئی نظر آنے لگی تھیں۔

''میں نے اپنی مرضی سے انصر احمد سے نکاح کر لیا ہے بابا جان!'' مطربہ نے کہا۔ ''میں اب کبھی واپس نہیں آؤں گی بابا جان..... مجھے معاف کر دیں پلیز۔ مما سے بھی کہیں کہ مجھے معاف کر دیں کیونکہ میں انصر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔''

http://kitaabghar.com

مطربہ رونے لگی تو ریسیور پھر بصیر احمد نے پکڑ لیا اور بولے۔

''نعمان ایزد، مطربہ بالغ و عاقل ہے اور اس کے نکاح کی گواہی صائمہ نے ماں بن کر دی ہے اور شریعت اور قانون مطربہ کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے۔''

''تم..... تم دھوکے باز ہو بصیر احمد..... تم نے دوست بن کر مجھے دھوکا دیا ہے۔ تم نے میری بیٹی کو اغوا کیا ہے۔'' نعمان ایزد غصے سے بلبلا رہے تھے۔ ''میں کل ہی پریس کانفرنس میں تم کو ننگا کر دونگا۔ تم دیکھنا تم کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔'' نعمان ایزد نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کال منقطع کر دی تھی۔

بصیر احمد نے پیار سے مطربہ کی طرف دیکھا اور بولے۔

''تم بے فکر ہو کر اس گھر میں بیٹی بن کر رہو۔ ایقہ اور جویریہ کی طرح تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ دونوں حقدار ہیں اور تم بھی مجھ سے ضد کر کے اگر اپنی بات منوانا چاہو..... تو ایقہ کی طرح منوا سکتی ہو۔ مجھے خوشی ہو گی۔''

بصیر احمد کی آنکھوں کے گوشے ایقہ کے ذکر پر بھیگ گئے تھے۔

مطربہ نے اُٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

نعمان ایزد کسی بپھرے ہوئے شیر کی مانند ادھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں جویریہ کو طلاق دینے کے بعد گویا خوشیاں اُن کے گھر سے روٹھ گئی تھیں۔

سب سے پہلے ان کو ان کی بہن اقصیٰ نے دھوکا دیا تھا۔ وہ تمام کیش اور زیورات لے کر ان کے خاص کارندے سکندر کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ اور سکندر اس کو بھی دھوکا دے کر تمام کیش اور زیورات لے کر نہ جانے کس دنیا میں گم ہو گیا تھا کہ ابھی تک اس کو نعمان ایزد جیسے نامور بندے کے بندے بھی کھوج نہ سکے تھے۔ اور اس کی جدائی اور بے وفائی کا صدمہ لگا کر اقصیٰ پاگل ہو کر پاگل خانے پہنچ چکی تھی۔

شمعون کے ایکسیڈنٹ نے ان کے لبوں سے مسکراہٹیں ہی چھین لی تھیں۔ وہ موت کو شکست دے کر بمشکل آج ہی ہاسپٹل سے گھر آیا تھا۔ حارث نعمان جویریہ کے روگ میں بزنس پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے بزنس کی دنیا کا ناکام ترین بزنس مین گنا جا رہا تھا۔ اب مطربہ نے بھی گھر کی عزت کو نقب لگا کر دشمن کے بیٹے انفر احمد سے نکاح کر لیا تھا۔ اور اس کے نکاح کی خبر سن کر جہان آرا بیگم بھی رات سے بیمار پڑ گئی تھیں۔

نعمان ایزد کو اتنی ساری مصیبتوں نے گھیر لیا تھا اور گزشتہ دونوں سے ان کی پرسنل سیکریٹری ریشم بھی آفس نہ آ رہی تھی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ اس پوری لنکا کو ہی آگ لگا دیں لیکن وہ سیاستدان تھے اُنہوں نے مشکل سے مشکل ترین حالات میں بھی بڑے مصمم ارادوں اور مضبوط اعصاب سے ہر طرح کی مصائب کا مقابلہ کیا تھا۔ اب بھی وہ خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہے تھے.....

http://kitaabghar.com

آنے والا الیکشن نعمان ایزد کو ہر صورت میں جیتنا تھا اگر بصیر احمد یا صائمہ اس کے لیے مخالفین کے ساتھ مل کر کوئی محاذ کھڑا کرتے تو یقیناً جیت ان کے لیے محض اک خواب بن کر رہ جاتی اور پھر وہ آج تک اپنی بنی ہوئی ساکھ کو برقرار نہ رکھ پاتے اور پارٹی قیادت بھی اُن کی ناقص کارکردگی سے ناراض ہو کر یہ سیٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی اور کو دے دیتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پھر نعمان ایزد کے لیے خودکشی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔

اُنہوں نے کل پریس کانفرنس بلا کر بصیر احمد کو ننگا کرنے کی پلاننگ بنائی تھی۔ اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے ان کو بہت سے گواہوں اور ثبوتوں کی ضرورت تھی اور ان کے کارندے قریہ قریہ گلی گلی اور عدالتوں تھانوں اور کچہریوں میں اس بات کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے کہ کوئی بھی ثبوت بصیر احمد کے خلاف مل جائے تاکہ نعمان ایزد اس ایشو پر بات کر سکے۔

رات گہری ہونے پر اُنہوں نے اپنا موبائل فون آف کیا اور بیڈ پر لیٹ گئے۔ اُنہوں نے آنکھیں بند کیں لیکن اچانک اس طرح بڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے کہ ان کو کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

''صائمہ نے ماں بن کر مطریہ کے نکاح کی گواہی دی ہے۔'' بصیر احمد کے یہ الفاظ ان کی سماعتوں کو زخمی کرنے لگے تھے۔ وہ صائمہ کے متعلق سوچنے لگے تھے کہ وہ اس طرح اچانک ان کی زندگی میں ایک بار پھر کیوں طوفان مچانے آ گئی تھی۔ وہ ماضی کے دھندلکوں میں کھو کر صائمہ اور اپنے تعلقات کے بارے میں جاننے کے لیے پچیس سال پیچھے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

نعمان ایزد نے کالج میں آنے والی اس لڑکی کو غور سے دیکھا تو اس کی پتلی کمر کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ وہ ایک خاص ادا سے چلتی ہوئی کسی لڑکے سے اپنی کلاس کے بارے میں معلوم کر رہی تھی۔ اس کے لمبے گھنے بال اس کی کمر کو ناگن کی طرح بل دیئے ہوئے تھے۔ سر سے دوپٹہ سرک کر شانوں پر جھولنے لگا تھا اس کی عمر بمشکل سترہ سال ہو گی لیکن اس کے جسم کی ساخت اس کو اس وقت کالج میں موجود لڑکیوں سے منفرد ظاہر کر رہی تھی۔

نعمان ایزد تو اپنا دل پکڑ کر رہ گیا تھا وہ ایک کلاس سینئر تھا اور اس کو لگا کہ اس لڑکی کی رہنمائی کرنا چاہیے۔ وہ گھاس سے اُٹھتا ہوا اس کی جانب چل پڑا۔ وہ سہمی ہوئی تو نہ تھی لیکن خاصی نروس لگ رہی تھی کیونکہ کوئی بھی اس کے ساتھ فرسٹ ایئر فول بنا سکتا تھا۔ اس کے بے داغ کپڑوں پر پین یا سرنج سے سیاہی پھینک کر یا پھر کسی بھی شرارت سے اس کو ہوٹ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کے ساتھ کسی بھی مذاق کا نہ ہونا اس بات کی بھی نشان دہی تھی کہ لڑکے اور لڑکیاں اس کی سحر انگیز شخصیت سے خاصے متاثر نظر آ رہے تھے۔

''ایکسکیوزمی!'' اُس نے جان بوجھ کر پاس سے گزرنے والے نعمان ایزد سے کہا تو وہ اپنے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا رُک گیا۔ ''جی.....فرمایئے۔''

''مجھے اپنی کلاس نہیں مل رہی؟'' وہ الفاظ کی صحیح ادائیگی نہ کر پائی تھی۔ تبھی تو نعمان ایزد مسکراتا ہوا بولا۔

http://kitaabghar.com

''اب مجھے کیا معلوم کہ آپ کی کلاس کیا ہے؟'' وہ نعمان کی بات کا مطلب سمجھتی ہوئی کھل کر ہنسی تو یوں لگا کہ کئی کلیاں ایک ساتھ ہی کھل اُٹھی ہوں۔ اس کی کول کول گہری آنکھوں نے نعمان ایزد کو اپنے اندر غوطہ لگانے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ ابھی تک اس گہری جھیل میں غوطے ہی کھا رہا تھا کہ وہ پھر بولی۔

''فرسٹ ایئر'' نعمان ایزد اس جھیل سے بمشکل نکلتا ہوا کنارے پر پہنچا اور ایک جانب اشارہ کرتا ہوا اس کو سمجھانے لگا۔ تو وہ اُس کی بات سن کر اس کی طرف ایک خاص ادا سے دیکھتی ہوئی اس کو گھائل کر کے آگے بڑھ گئی۔ مگر نعمان ایزد پہلی ہی نظر میں پہلی ہی ملاقات میں دل گنوا بیٹھا تھا۔ وہ اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا تو اس کے کندھے پر کسی کا بے تکلفانہ ہاتھ اس انداز میں پڑا کہ وہ درد سے کراہ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سامنے ہی اس کا کلاس فیلو ابوذر مکرو مسکرا رہا تھا۔

''وہ تو گئی..... بالکل اُسی طرح جس طرح سٹیشن سے کوئی گاڑی وقت سے چند منٹ پہلے ہی نکل جاتی ہے''۔ اس کی عجیب و غریب مثالوں نے اس کو کالج میں فیس سٹوڈنٹ کے طور پر مشہور کر دیا تھا۔

''میں تو اس کی سیلیب کے لیے بتا رہا تھا کہ وہ کدھر سے گزرتی ہوئی اپنی کلاس تک جا سکتی ہے۔'' نعمان ایزد کھسیانا سا ہو کر ابوذر کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تو پھر آ جاؤ کنٹین پر تمہارا جگر انتظار کر رہا ہے۔'' ابوذر نے اس کو کھینچا تو وہ ''چلتا ہوں'' کہہ کر اس کے ساتھ کالج کنٹین کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں اس کا دوست، اس کا جگر اس سے ایک کلاس سینئر بصیر احمد انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر کھل اُٹھا تھا۔ آگے بڑھ کر پرتپاک انداز میں گلے لگا کر ملا تو نعمان ایزد حیران رہ گیا کیونکہ وہ ابھی کل ہی تو ملے تھے اور بصیر احمد اس سے اس انداز میں مل رہا تھا جیسے کہ عرصہ بیت گیا ہو۔ اور وہ مدت بعد ملے ہوں۔ بصیر احمد نے اس کے گال پر بوسہ دیا اور بولا۔

''میں بھلا کیوں خوش ہوں..... بوجھو تو جانیں۔'' نعمان ایزد اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اتنی خوشی کی اس کو سمجھ نہ آ رہی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''خود ہی بتا دے یار..... دماغ مت چاٹ۔'' بصیر احمد جانتا تھا کہ نعمان ایزد مصنوعی بے زاری کا اظہار کر رہا ہے وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ آج کولڈ ڈرنک کے ساتھ کیا لو گے۔ نمکو یا بسکٹ یا پھر کوئی نرم کیک۔'' بصیر احمد خلاف توقع خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''کولڈ ڈرنک۔ نمکو اور پھر نرم کیک چلے گا۔'' نعمان ایزد نے کہا تو ابوذر نے بصیر احمد کے بولنے سے پہلے ہی کنٹین والے کو آرڈر بھی کر دیا۔ بصیر احمد منہ کھولے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر فوراً ہی سنبھل گیا اور بولا۔

''میں بھلا آج کیوں خوش ہوں؟''

اس بار بھی نعمان ایزد کی لاعلمی حقیقی تھی اسی لیے وہ کندھے اچکاتا ہوا نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''اوئے پاگل! میرا سب سے بڑا خواب بھلا کیا تھا؟'' بصیر احمد نے کہا تو اس بار نعمان ایزد بولا۔

http://kitaabghar.com

''یہی کہ تم لوگ شہر آ کر آباد ہو جاؤ۔''

''تو پھر میرے بچے ہم کل شہر میں شفٹ ہو رہے ہیں۔ بُرے۔'' بصیر احمد نے خود ہی نعرہ لگایا اور ہنسنے لگا۔

''اباجی نے گاؤں کی تمام زمین بیچ دی ہے اور گھر بھی فروخت کر دیا ہے۔ اب شہر میں ایک بہترین گھر خرید لیا ہے اور دادا جی کو جو ریلوے کا کوارٹر ملا تھا وہ کیس بھی اباجی نے جیت لیا ہے۔ اب وہ کوارٹر بھی ہماری ملکیت ہوگا اور تم تو جانتے ہی ہو کہ اباجی اس شہر کے بہترین وکیل ہیں اور اب میں توجہ سے پڑھ کر ان کی اس خواہش کو پورا کروں گا کہ ان کا اکلوتا بیٹا جج بن جائے۔'' بصیر احمد ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا گیا تو نعمان ایزد اس کو اُٹھا کر گلے لگاتا ہوا بولا۔

''واہ بھئی واہ تمہاری تو لاٹری نکل آئی ہے۔ اب کولڈ ڈرنک کے بعد چائے بھی چلے گی۔'' ابوذر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''چلے گی کیا نعمان بھائی۔ میں نے تو آرڈر بھی کر دیا ہے وہ دیکھیں آ بھی گئی ہے۔'' بصیر احمد نے اس کی طرف غصے سے دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''ناراض نہ ہو بچو..... بل میں دے دوں گا۔'' نعمان ایزد نے بصیر احمد کو چھیڑا تو وہ کھسیانا سا ہو کر بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے..... پیسے تو میں لے کر ہی آتا ہوں۔'' اس نے اپنی جیب تھپتھپا کر پیسوں کی موجودگی کا اندازہ لگایا تو تینوں ہی مسکرانے لگے اور پھر اشیاء پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔

نعمان ایزد کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اگر اس لڑکی میں دلچسپی لینے لگا ہے تو وہ بھی اس میں انٹرسٹڈ ہے۔ انٹرسٹڈ کیوں نہ ہوتی نعمان ایک شاندار گاڑی میں کالج آتا تھا وہ گاؤں کے چوہدری سمیع اللہ کا بیٹا تھا اور اکلوتا بیٹا ہونے کے ناطے لاڈلا بھی تھا۔ سمیع اللہ کے دو ہی بچے تھے ایک بیٹی تھی جو نعمان سے چھوٹی تھی وہ گاؤں کے سکول میں ہی زیر تعلیم تھی۔ ایزد نے اس کی بہت بڑی مشکل حل کر دی تھی۔ اس نے لڑکی کا نام معلوم کر لیا تھا۔ اس کو صائمہ کہتے تھے اور وہ دھان پان سی لڑکی شہر کے ہی کسی ایریا سے کالج آنے لگی تھی۔

آج اس کو کالج میں ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور نعمان حیلے بہانوں سے اس کے قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اب بھی وہ کینٹین پر بیٹھے ہوئے تھے کہ صائمہ کو آتا دیکھ کر نعمان ایزد اُٹھ کر جانے لگا تو بصیر احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''اگر وہ بھی تم میں انٹرسٹڈ ہے تو پھر وہ کہیں بھی نہیں جائیگی۔ سیدھی اِدھر ہی آئے گی۔'' نعمان بصیر احمد کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اور وہی ہوا صائمہ اس کو ڈھونڈتی ہوئی اُدھر ہی آ نکلی تھی۔

''ہیلو ایوری باڈی۔'' اس نے اپنے مخصوص سٹائل میں کہا تو نعمان ایزد چہکتا ہوا بولا۔

''ہیلو فرام ایوری باڈی۔'' ایک جاندار قہقہہ لگا تھا کہ سبھی طلبا ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ لیکن ان کو کسی کی بھی فکر نہ تھی۔ وہ رئیس زادے تھے اور ویسے بھی کالج میں لڑکے لڑکیوں کی دوستیاں کالج تک ہی محدود تھیں کیونکہ وہ معاشرہ کبھی بھی برداشت نہ کرتا تھا کہ کسی کی لڑکی غیر لڑکے سے دوستی بڑھائے اور اس کو گھر تک لے کر آئے۔ لیکن رئیس زادے ایسی پابندیوں سے آزاد تھے۔

http://kitaabghar.com

''صائمہ! میں نے کل گھر میں ایک پارٹی رکھی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی آؤ۔'' بصیر احمد نے کہا تو وہ خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''لیکن میں کیوں؟''

''نعمان ایز دمیرا جگری دوست ہے اور اس کے دوست میرے دوست ہیں۔'' بصیر احمد عام روٹین میں کہہ گیا تھا۔ لیکن صائمہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''لیکن نعمان نے تو مجھے دوست نہیں بنایا۔'' یہ سن کر نعمان کے دل کی کلی کھل گئی تھی وہ برجستہ بولا۔ ''دوست تو پہلے ہی دن سمجھ بھی لیا تھا اور مان بھی لیا تھا۔ لیکن اظہار نہیں کر سکا۔''

اس کے شرمندہ ہو جانے والے انداز پر ایک بار پھر جاندار قہقہہ طلبا کو ان کی جانب متوجہ کر گیا تھا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب میری اور تمہاری دوستی پکی؟'' صائمہ نے نعمان ایز دکی آنکھوں میں دیکھا تو وہ آنکھیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ کیونکہ صائمہ اس کے دل میں اُتر گئی تھی۔

اگلے دن بصیر احمد کے گھر میں پارٹی رکھی گئی تھی۔ بصیر احمد نے نیا گھر خریدا تھا۔ اس کے والدین ابھی گاؤں میں ہی تھے وہ چند دنوں بعد آنے والے تھے بصیر احمد نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر دوستوں کو گھر میں مدعو کیا تھا۔ خوب ہلا گلا کرنے کا پروگرام تھا۔

نعمان ایز دخاصی بے چینی سے صائمہ کا منتظر تھا۔ صائمہ نے اس سے دوستی کا اظہار کر کے اس کی نیندوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے سکون وقرار کو لوٹ لیا تھا۔ وہ راتوں کو کھلی آنکھوں سے صائمہ کے سپنے دیکھنے لگا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ صائمہ سیاہ رنگ کی ساڑھی میں ملبوس ہو کر کوٹھی کے گیٹ سے داخل ہو رہی تھی۔ نعمان ایز دنے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ صائمہ کی آمد کے ساتھ ہی موسم نے بھی رنگ تبدیل کر لیا تھا۔ مدہم دھوپ نے پیار کی ردا اوڑھ کر اس پر سایہ کر دیا تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ بھی ترنم اور لے میں بولنے لگی تھی۔ ہوائیں بھی سروں میں محبت کے ترانے گانے لگی تھیں۔

صائمہ اک خاص ادا سے چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تو خوشبو کا تازہ جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرا گیا۔ وہ نشیلی آنکھوں سے اس کو دیکھے جا رہا تھا۔ ''کیا دیکھ رہے ہو نعمان ایز د؟''

اس کی آواز سن کر وہ چونکا اور کھسیانا ہو کر بولا۔ ''یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ قدرت اب بھی شاہکار تخلیق کرتی ہے؟'' اس نے بہت ہی اچھے الفاظ میں سترہ اٹھارہ سال کی صائمہ کی تعریف کی تھی وہ کلیوں کی طرح مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''قدرت کی تخلیقات بہت وسیع ہیں۔''

''لیکن میرے لیے تو قدرت یہیں سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔'' نعمان ایز دشاعرانہ انداز میں بولا تو وہ ہونٹوں پر مسکان سجاتی ہوئی بولی۔

''شاعرانہ انداز اور عشق میں بھیگے ہوئے الفاظ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ جناب کو کسی سے محبت ہو گئی ہے۔''

اس نے نعمان ایز د کا جواب بھی نہ سنا اور آگے بصیر احمد کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے مسکراہٹ سے صائمہ کا استقبال کیا تھا۔

http://kitaabghar.com

صائمہ کو دیکھ کر بہت سے لڑکے دل تھام کر رہ گئے تھے۔ جبکہ اس کی کلاس فیلوز اس کو حسرت اور حسد کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔

وہ رونق محفل بنی ہوئی تھی۔ ناچ گانے میں محو صائمہ کی ساڑھی کا پلو ڈھلک گیا تو اعضا کی شاعری نے واضع ہو کر نعمان ایزد کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا بلکہ وہاں پر موجود سلطان نامی نوجوان نے صائمہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ شراب پیئے ہوئے لگ رہا تھا۔ صائمہ نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر نعمان ایزد نے معاملہ کو سنجیدگی سے نوٹ کیا اور آگے بڑھ کر سلطان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''سلطان صائمہ کا ہاتھ چھوڑ دو۔'' نعمان نے تحمل مزاجی سے کہا تو سلطان جو کہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ اور نشے میں دھت بھی تھا۔ وہ نعمان ایزد کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''دیکھو بھئی نعمان! یہ ہمارے کالج کی لڑکی ہے اور اس پر سب کا ہی حق ہوا نا؟'' مگر اس کی بات سن کر نعمان ایزد نے ایک زور دار تھپڑ سلطان کے منہ پر دے مارا تو اس کا سارا نشہ ہی کافور ہو گیا تھا۔

''تم..... تم..... تم نے اس لڑکی کی خاطر میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے نعمان۔ کیا لگتی ہے یہ تمہاری۔ بتاؤ..... کون ہے۔ یہ کیا لگتی ہے؟'' نعمان ایزد نے صائمہ کی طرف دیکھا اور اس کا پہلی بار ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

''میں اس سے محبت کرتا ہوں۔'' اس کا اعلان محبت سن کر صائمہ بھی ہکی بکی رہ گئی۔ وہ بھی نعمان ایزد کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کسی کو بھی میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ میری محبت پر گندی نظر ڈالے۔ میں صائمہ سے محبت کرتا ہوں اور اس بات کا اعلان کرتا ہوں..... اب اگر کسی میں جرأت ہے تو آئے اور صائمہ کو چھو کر بھی دکھائے۔''

نعمان ایزد کی اس حرکت پر صائمہ تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو ہی گئی تھی۔ لیکن بصیر احمد کی پارٹی خراب ہو گئی تھی۔ سٹوڈنٹس ایک ایک کر کے واپس جانے لگے تھے۔

''میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' نعمان ایزد نے صائمہ سے کہا تو وہ تشکر آمیز نظروں سے بولی۔

''تمہیں خوامخواہ ہی تکلیف ہو گی۔''

''میں نے تم سے محبت کا اظہار نشے کی حالت میں نہیں کیا ہے۔ دل سے کیا ہے۔'' نعمان کے پیارے انداز پر اس کو کافی پیار آ گیا تھا۔ ''چلو''۔

بصیر احمد نے ان کو رخصت کیا اور گاڑی مین روڈ پر آ گئی تو نعمان نے صائمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا حسن تو کسی کو بھی بے ایمان کر سکتا ہے۔'' صائمہ کی یہ تعریف نعمان نے پہلی بار نہ کی تھی۔ وہ اس کی طرف پیاری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''کیا تم بھی بے ایمان ہو؟'' یہ بہت بڑا سوال بھی تھا اور اس بات کا اعتراف کروانے کا وار بھی تھا کہ کیا نعمان ایزد نے پارٹی میں اپنی بلے بلے کروانے کے لیے تو نہیں بھڑک ماری تھی۔

http://kitaabghar.com

''صائمہ! میں نے گزشتہ ہفتہ بے آرامی اور بے قراری سے گزارا ہے۔ تم نے مجھے اپنا ہی بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں اس کیفیت کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا لیکن بھلا ہو سلطان کا جس نے مجھے اس کیفیت کو محبت کا نام دینے کا ایسا موقع فراہم کیا کہ میں نہ صرف تم پر بلکہ سب دوستوں پر بھی واضح کر چکا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''اُس نے وضاحت اور فیصلے پر اب پچھتاوا تو نہیں ہو رہا۔'' صائمہ نے ونڈ سکرین سے پارسڑک پر دیکھتے ہوئے بال اس کے کورٹ میں پھینکی تو وہ مسکان ہونٹوں پر سجاتا ہوا بولا۔

''محبت تو وہ بیوپار ہے جس میں ہر بیوپاری نفع کماتے کماتے گھاٹا کھانا شروع کر دیتا ہے لیکن پھر بھی اس بیوپار کو چھوڑتا نہیں کیونکہ اس بیوپار میں پچھتاوا نہیں بلکہ لطف محسوس ہوتا ہے۔''

''تو میرے ساتھ کون سا بیوپار کرنا چاہتے ہو نعمان ایزد۔'' صائمہ کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ رینگنے لگی تھی۔

''میں تمہیں اپنی محبت سے جیتنا چاہتا ہوں صائمہ!'' اس فقرے نے صائمہ کے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔

''مجھے یہیں اُتار دو۔ میرا گھر پاس ہی ہے۔'' وہ ایک چوراہے میں اُتر گئی تھی۔ اس نے تھوڑا سا جھک کر نعمان ایزد کی طرف دیکھا اور مسکراتی ہوئی بولی۔ ''تم مجھے جیت چکے ہو نعمان'' نعمان ایزد کی سماعتوں میں اس کا فقرہ مسلسل گونج رہا تھا۔ ''تم مجھے جیت چکے ہو نعمان''۔ نعمان ایزد نے گاڑی میں ہی سُرے کا نعرہ لگا کر گاڑی گاؤں کی جانب بڑھا دی۔

اُس نے صائمہ کی محبت میں جینے مرنے کے عہد و پیمان کر لیے تھے اور صائمہ بھی اس کی خاطر اپنے گھر والوں کو چھوڑنے پر راضی تھی۔ سال اپنے اختتام کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ بصیر احمد نے نعمان ایزد کو مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ اپنے گھر والوں کی رضامندی سے صائمہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لے تو بہتر ہوگا۔ لیکن نعمان کو یہ بات اچھی نہ لگی تھی۔ اس نے ولی خاص توجہ نہ کی تھی اور اپنی محبت کی پینگیں بڑھاتا ہوا صائمہ کے قریب تر ہو گیا تھا۔

ایک دن صائمہ کو ایک دس سالہ لڑکا کالج چھوڑنے آیا تھا۔ نعمان ایزد نے پوچھا تو صائمہ نے بتایا کہ یہ اس کا چھوٹا بھائی ہے اور اس کا صائمہ کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ نعمان ایزد اس بچے سے خاصا متاثر ہوا تھا جس کا نام سکندر تھا۔

''دیکھو صائمہ! اگر تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر کیوں نہ ہم کورٹ میرج کر لیں۔'' ایک دن نعمان ایزد نے اُس کے دل کی آواز پر لبیک کہا تو وہ خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور بولی۔

''تمہارے گھر والے؟''

''ہم کورٹ میرج کر لیں گے اور شہر میں ہی رہیں گے۔ پھر میں حالات بہتر دیکھتے ہوئے تمہیں اپنے گھر والوں سے بھی ملوا دوں گا۔'' نعمان ایزد کی پلاننگ میں لچک اور جھول تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ تمہارے گھر والے کبھی بھی مجھے قبول نہیں کریں گے۔'' صائمہ نے سوگواری سے کہا تو نعمان نے اس کے

http://kitaabghar.com

چہرے پر آجانے والی لٹ کو اپنی انگلی سے ہٹایا اور اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی پھونک ماری اور بولا۔

''اس کھڑے پراداسی ابھی نہیں لگتی..... میری طرف دیکھو.....'' صائمہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہاں پیاری پیار نظر آ رہا تھا۔ ''میں نے تم سے محبت کی ہے صائمہ! اور اس محبت کو نبھا کر بھی دکھاؤں گا۔''

''لیکن میرے بھائی کا کیا ہوگا نعمان؟'' صائمہ سکندر کے لیے پریشان تھی۔

''تم کیوں فکر کرتی ہو۔ وہ بھی ہمارے ساتھ شہر میں رہا کرے گا اور میں اس کو شہر کے اچھے سے سکول میں داخل بھی کروادوں گا۔'' صائمہ کے لیے یہ بات خوشگوار تھی کہ سکندر کو بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور نعمان اس کو سکول میں بھی داخل کروادے گا۔

''لیکن نعمان..... میری تعلیم کا کیا بنے گا؟''

''جان من! پڑھ لکھ کر بھی تو تمہیں نعمان ایزد کی بیگم صاحبہ ہی بننا ہے..... مجھے تم ایسے ہی قبول ہو۔'' نعمان کا خوبصورت انداز اس کو گھائل کر گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔

بصیر احمد نے نعمان ایزد کو کئی بار سمجھایا تھا کہ وہ صائمہ کے گھر بار کے بارے میں معلومات لے لے۔ وہ کون ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ کس کی بیٹی ہے کیسے لوگ ہیں؟ لیکن نعمان ایزد کسی بھی بکھیڑے میں نہ پڑنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے دل میں یہ چور تھا کہ اگر وہ صائمہ کے بارے میں معلومات اکٹھی کریگا تو صائمہ کے والدین بھی نعمان کے بارے میں پوچھنے پوچھتے اس کے گاؤں اس کے گھر تک پہنچ جائیں گے اور ابھی سے اگر بات سمیع اللہ کے کانوں میں پڑ جاتی تو پھر نعمان ایزد کو ابھی کے ابھی کالج سے ہٹا کر گاؤں میں ہی نظر بند کر دیا جاتا تھا۔

نعمان ایزد نے بصیر احمد کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی تھی کیونکہ اس کے اپنے بھی تحفظات تھے وہ کسی بھی صورت پر صائمہ کو کھونا نہ چاہتا تھا اور صائمہ کو پانا ہی اس کی زندگی کا حصول تھا۔

اُس نے بصیر احمد کو راضی کیا کہ وہ اپنا ریلوے والا کوارٹر ان کو عارضی طور پر دے دے گا۔ وہ چند ماہ اس کوارٹر میں صائمہ کو رکھ کر پھر حالات بہتر ہونے پر گاؤں لے جائیگا۔ بصیر احمد نے شش و پنج میں مبتلا ہو کر اس سے حامی بھرلی اور شرط پر رکھی کہ وہ اُس کے اباجی کو کرایہ ادا کرتا رہے تا کہ ان کو کسی بھی قسم کا شک نہ رہے۔ نعمان ایزد کے لیے پیسہ کوئی پرابلم نہ تھا۔

اُس نے ہر طرف سے راہ ہموار کر کے ایک دن صائمہ کو کالج یونیفارم میں ہی پرپوز کر دیا تو وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرانے لگی۔ ''نعمان! میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تم محبت کے معنی تو جان لو۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ یہ راہ بہت کٹھن ہے۔ ایک بار پھر سوچ لو۔ میرے بارے میں اچھی طرح جانچ پڑتال کر لو۔''

وہ مسکراتا ہوا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

''صائمہ! میں نے تم سے محبت کی ہے۔ تمہارے آگے پیچھے کیا ہے۔ کون ہے۔ کیسا ہے۔ کیوں ہے۔ اس بات کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں جو سچائی دیکھی ہے وہی میری محبت کی سند ہے۔ بس..... اس کے بعد کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

http://kitaabghar.com

صائمہ خود کو خوش قسمت سمجھنے لگی تھی کیونکہ اس کو جوانی کی پہلی ہی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی نعمان جیسا وجیہہ شخص مل گیا تھا جو اس کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر سکندر کا تذکرہ کیا تو نعمان ایزد نے اس کو یقین دلایا کہ وہ ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔ صائمہ کو ہر طرح سے اطمینان دلانے کے بعد نعمان ایزد نے کوارٹر کی صفائی ستھرائی کروا کر اس کو پینٹ وغیرہ کروایا اور ایک کمرے کو بہترین طریقے سے سنوارا۔

اب صائمہ کی رضامندی پر اگلے جمعہ کا دن طے کیا گیا تھا کہ ان دونوں کا نکاح چند دوستوں کی موجودگی میں ہوگا صائمہ نے امتحان دے دیئے تھے لیکن نعمان ایزداس سے سنٹر کلاس میں تھا اس لیے اس کے ایگزام ابھی باقی تھے۔ اُس نے اپنے ایگزام کی پروانہ کی اور دوستوں کو جمعہ والے دن کوارٹر میں مدعو کر لیا تھا۔

بصیر احمد اس کے کاموں میں پیش پیش تھے لیکن وہ اس کام کو اچھا نہ سمجھ رہے تھے۔ وہ نعمان کی دوستی کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اُس نے ان کے نکاح کا بندوبست کر دیا تھا۔ صائمہ دلہن بن کر بیٹھی تھی اور نکاح ہونے والا تھا کہ عین فلمی سچویشن کی طرح تین ہٹے کٹے مرد اور دو عورتیں جن کے منہ میں پان تھے اچانک کوارٹر میں آ دھمکے۔

''ٹھہریں مولوی صاحب!''

نعمان ایزداس آواز کو سن کر چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا لیکن صائمہ کے چہرے کی رنگت بھی زرد پڑ گئی تھی۔ وہ ان کو دیکھتی ہوئی اٹھی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''چاچا..... اماما'' ان میں سے دو ہٹے کٹے مرد صائمہ کو گھور رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے نعمان ایزد کو مخاطب کرنا ہی چاہا تھا کہ وہ پہلے ہی بول پڑا۔

''کون ہو تم لوگ..... اور اس طرح یہاں کیسے؟''

''اوئے باؤ۔ سنا نہیں تم نے..... صائمہ نے مجھے چاچا اور اس کو ماما کہا ہے۔'' ان میں سے جو چاچا تھا وہ بولا تو نعمان نے صائمہ کی طرف دیکھا تو وہ نظریں جھکاتی ہوئی بولی۔ ''یہ میرا چاچا اور وہ میرا ماما ہے لیکن ان کو میرے نکاح پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ نکاح شروع ہونے دیں۔'' بصیر احمد نے کہا تو چچا بولا۔

''دیکھیں باؤ جی۔ ہم کنجر لوگ ہیں۔ سونے کا انڈہ دینے والی مرغی کو ذبح ہونے دیں گے۔'' اُس کی بات سن کر نعمان ایزد تو لڑکھڑا کر رہ گیا۔ جبکہ باقی لوگ بھی ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ اور نکاح کو ان کی تو حالت کافی پتلی ہو رہی تھی۔

نعمان ایزد کرب سے صائمہ کی طرف دیکھ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صائمہ کا ماما بولا۔

''باؤ جی! ہم بدنام لوگ ہیں لیکن ہمارا دھندہ ایمانداری پر مبنی ہوتا ہے۔ میں اس بات کی زبان دیتا ہوں کہ اس لڑکی نے طوائف کی کوکھ سے جنم ضرور لیا ہے لیکن یہ طوائف نہیں ہے۔'' نعمان ایزداس کی بات سن کر حیران تھا۔

''طوائف زادی ہو اور طوائف نہ ہو۔ حالانکہ اس کو گھٹی ہی گھنگروؤں کی جھنکار کی ملتی ہے۔'' بصیر احمد بولا تو وہ چاچا آگے بڑھ کر

http://kitaabghar.com

کہنے لگا۔ ''دیکھو باؤ جی..... آپ لوگ شریف لگتے ہو لیکن ہمارے گھر پڑا کہ مارنے کے بھی کچھ اصول ہیں۔''

''مثلاً کیا اصول ہیں؟'' نعمان ایزد بولا تو ماما مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔

''یہ ایک طوائف زادی ہے یہ بات روشن دلیل کی طرح سچی ہے اور یہ بات اس سے بھی زیادہ سچائی پر مبنی ہے کہ صائمہ نے آج تک گھنگرو نہیں باندھے ہیں اور نہ ہی کبھی کسی تماش بین کے سامنے ناچی ہے۔'' ماما کہہ رہا تھا اور نعمان ایزد ان کی طرف دیکھ رہا تھا اور ان کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ ''اس بچی کو آج تک کسی نے چھوا بھی نہیں ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی زبان ہے جو بدنامی کا دھندہ ایمانداری سے کرتا آیا ہے۔ باؤ جی اب آپ کو علم ہو گیا ہے کہ یہ طوائف زادی ہے کیا اب بھی تم اس سے نکاح کرو گے؟'' اس نے اپنی بات ختم کر کے بال نعمان ایزد کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔ نعمان ایزد اور بصیر احمد ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے جبکہ صائمہ کی سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔ وہ نعمان ایزد کی خاطر کوٹھے کی زندگی چھوڑ کر آئی تھی۔ اور وہ اس غلاظت بھری زندگی میں جینا نہ چاہتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر یہاں تک پہنچی تھی۔

نعمان ایزد نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور صائمہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''میں صائمہ سے شادی کروں گا۔'' صائمہ نے سکون کی ایک سانس خارج کی لیکن بصیر احمد کو اس رشتہ پر شاید اعتراض تھا اس لیے اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ ''میں نے صائمہ سے محبت کی ہے اور میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم محبت کی معراج کو بلند رکھنا چاہیں تو ایسی ہی کئی صائمہ اس دنیا کو چھوڑ کر عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں۔''

نکاح خوان چونکہ عالم دین تھے انہوں نے نعمان ایزد کی اس بات کو پسند کرتے ہوئے نکاح پڑھانا شروع کیا تو ماما پھر بول پڑا۔ جبکہ سکندر اس تمام معاملے میں خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔

''مولوی صاحب! اتنی جلدی بھی کیا ہے ہم کیا یہاں امب لینے آئے ہیں.....'' وہ صائمہ کی طرف بڑھا اور جیب سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا بولا۔ ''تمہیں اس بازار کے رسم و رواج یاد تو ہو نگے صائمہ؟'' صائمہ نے وہ کاغذ پکڑے تو نعمان ایزد آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''یہ کیسے کاغذات ہیں؟''

ماما اور چچا قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ ''باؤ جی''۔ ان کی جانب سب متوجہ ہوئے تو ایک چچا ہی بولا۔

''اس بازار میں صائمہ کے نام پر ایک بہت بڑا کوٹھا ہے..... جس کو یہ آباد کر کے اپنی ماں کی کاروباری زندگی کو عروج دے سکتی ہے۔ اگر اس نے اُس بازار کی ریت کو ختم کر کے بغاوت کرنے کا ہی فیصلہ کر لیا ہے تو اس کو وہ کوٹھا پنچایت کے فیصلے کے مطابق چھوڑنا ہوگا۔ اور اس کی اُس کے بعد اس بازار میں کوئی جائیداد نہ ہوگی۔''

''اس کوٹھے کی مالیت کیا ہوگی؟'' بصیر احمد نے یونہی پوچھ لیا تھا۔

''پندرہ لکھ روپیہ اس ٹائم اس کی مالیت ہے باؤ جی۔ پندرہ لکھ۔'' عورتوں میں سے ایک عورت نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔ بصیر

http://kitaabghar.com

احمد اور نعمان ایزد کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب اور سب مہمان بھی حیران تھے کیونکہ اتنی بڑی مالیت کی جائیداد تو کوئی بیوقوف ہی محبت کی خاطر چھوڑ سکتا تھا۔

صائمہ نے وہ کاغذ پکڑ کر پنسل مانگی اور بولی۔

''آج کے بعد میرا اس جگہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور تم سب لوگ بھی مجھ سے کبھی بھی میری زندگی میں اس حوالے سے نہیں ملو گے۔ کیونکہ میں تم سب سے تعلق توڑ کر آج سے نئے رشتے بنانے جا رہی ہوں۔ بولو منظور ہے؟''

ماما اور چچا ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''منظور ہے۔'' صائمہ نے نعمان ایزد کی طرف اس انداز سے دیکھا کہ جیسے وہ اس کی محبت پر ایسی لاکھوں جائیدادیں قربان کر سکتی ہے۔ اس نے کاغذات پر دستخط کر دیئے تو ماما نے جیب سے پیڈ نکال کر صائمہ کا انگوٹھا بھی اس کاغذ پر لگوا لیا۔ اب وہ کوٹھا وہ پراپرٹی صائمہ کی نہ رہی تھی اور اس کا تعلق بھی اس بازار کے ہر رشتے ناطے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔ اس نے بھی نعمان ایزد کو محبت کا جواب محبت سے اس طرح دیا تھا کہ بصیر احمد بھی ایسی محبت پر قربان ہو کر رہ گیا تھا۔

مما چچا اور پھوپھیاں جانے کے بعد پرسکون انداز میں نکاح کی تقریب ہوئی۔ بعد میں مٹھائی کھلائی گئی اور سکندر نے سب کو ایک ایک بوتل پکڑائی اور خود بھی بوتل پیتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اب وہ بھی اس گندگی سے نکل آیا تھا۔ اب وہ بھی سکول جایا کرے گا۔ یقیناً صائمہ نے نعمان ایزد سے نکاح کرنے کے لیے بہت بڑا جوا کھیلا تھا۔ نعمان ایزد تو اس پر قربان ہوتا جا رہا تھا کہ صائمہ نے اس کی خاطر اپنا سب کچھ ہی داؤ پر لگا دیا تھا۔

وہ رات بڑی ہی خوبصورت رات تھی اور اگلی صبح اس سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین لگ رہی تھی۔

صائمہ اب مسز نعمان بن چکی تھی وہ مخمور آنکھوں سے نعمان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''دیکھ رہا ہوں کہ تم سٹوڈنٹ بن کر زیادہ حسین تھی یا میری بیوی بن کر حسین لگ رہی ہو۔'' نعمان ایزد نے دلربانہ انداز میں کہا تو وہ اس کے چوڑے چکلے سینے پر لیٹ گئی اور پوچھا۔ ''پھر کیا لگا تمہیں؟''

''خدا کی قسم دونوں ہی صورتوں میں قیامت ہو قیامت۔'' دونوں ہی ہنسنے لگے تو تیز رفتار ٹرین کی سیٹی نے ان کو یکدم سہم جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فیکٹریوں اور مزدوروں کی ہڑتال ختم ہو گئی ہے تبھی تو رات کو کوئی بھی ٹرین اس پرسکون رات کا مزہ کرکرہ نہ کر سکی تھی۔

''کالج جانا ہے آج؟'' نعمان ایزد نے اس کو چھیڑا تو وہ جھینپتی ہوئی بولی۔

''کیا آج بھی کالج میں کینٹین پر میرا پیچھا کرتے ہوئے آؤ گے؟''

''اُس میں تو اپنا ہی مزہ ہے جان من!'' اس نے ایک بار پھر صائمہ کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

http://kitaabghar.com

''تم نے میری خاطر سب کچھ چھوڑ دیا صائمہ!'' نعمان ایزد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سچائی پڑھنے کی ایک بار پھر کوشش کی تو اس کو محبت ہی محبت نظر آئی۔ ''تمہاری محبت کی خاطر تو صائمہ زندگی بھی چھوڑ سکتی ہے۔''

نعمان نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''بدشگونی کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ اب ہم اس زندگی کو ساتھ مل کر گزاریں گے۔''

''اور تمہارے گھر والے؟'' صائمہ نے نعمان ایزد کو یاد دلایا کہ وہ گاؤں میں اپنا ایک گھر اور بڑا خاندان بھی چھوڑ کر آیا ہے۔ ایک لمحے کو تو اس کے ماتھے پر تفکر کی لکیریں نمایاں ہوئی تھیں لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا اور بولا۔

''میں انہیں منالوں گا۔''

''اگر وہ نہ مانے تو.....؟'' صائمہ کا خوف اس کے الفاظ بن رہا تھا اور اس کی زبان سے ادا ہو رہا تھا۔

''اگر صائمہ میری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ سکتی ہے تو میں کیوں نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

''ایسا کرتے ہیں محبت کی معراج و بلند رکھنے کا کھیل کھیلتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کون ہارتا ہے اور کون جیتا ہے۔'' صائمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سمجھتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی تک تو تم ہی جیتی ہو۔ میں بھی کوئی بڑا فیصلہ کر کے تم پر بازی لے جانے کی کوشش کروں گا۔'' لیکن وہ نعمان ایزد کی بات سنتی ہوئی نفی میں سر ہلا کر بولی۔ ''یاد رہے کہ بازی محبت اور محبت کے درمیان ہوگی۔ صائمہ اور نعمان کے درمیان نہیں..... بولو منظور؟'' صائمہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو نعمان ایزد اس پر اپنا ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔

''منظور!'' دونوں نے مسکرا کر کوارٹر کی کھڑکی سے جھانکنے والے سورج کا خیر مقدم کیا اور فریش ہو کر ناشتہ بنانے کا پروگرام بنا۔ لیکن نعمان ایزد نے بازار سے ناشتہ منگوا کر شادی کے اگلے دن کا لطف دوبالا کر دیا تھا۔

سکندر کو سکول داخل کروا دیا گیا تھا۔ نعمان ایزد ہفتہ میں ایک رات صائمہ کے پاس کوارٹر میں رہتا اور باقی راتیں وہ گاؤں میں گزارتا تھا جبکہ کالج سے واپسی پر وہ سارا وقت صائمہ کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ بصیر احمد کے اباجی کو کوارٹر کا کرایہ پہنچ رہا تھا اس لیے ان کو کوئی اعتراض نہ تھا کہ کرایہ دار کون ہے۔

صائمہ کی طبیعت خراب ہونے پر اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا تو ایک بہت بڑی خوش خبری نے نعمان ایزد کو ناچنے پر مجبور کر دیا تھا وہ ابھی کالج کا طالب علم تھا کہ باپ بن گیا تھا۔ صائمہ بھی اس خوش خبری سے بہت خوش تھی۔

''پہلی اولاد بیٹی ہونی چاہیے۔'' صائمہ نے کہا تو نعمان ایزد اس کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

''یہ تو اللہ کی دین ہے۔ جو بھی ہو بس ہماری اولاد تو ہوگی نا۔'' اس بات نے نعمان ایزد کو کچھ پریشان کر دیا تھا اس نے وعدہ کیا کہ وہ اس ہفتہ میں موقع دیکھ کر بات کریگا۔

اسی ہفتہ نعمان ایزد نے سمیع اللہ کو بتایا کہ اس نے شہر میں اپنی کلاس فیلو سے شادی کر لی ہے۔ سمیع اللہ اس اکلوتے بیٹے کی اس

http://kitaabghar.com

اپنی مرضی پر آگ بگولہ ہو گئے۔ پورے گھر میں کہرام برپا ہونے والی کیفیت نے حویلی کی اس خبر کو پورے گاؤں میں پھیلا دیا تھا۔

سمیع اللہ گاؤں میں سر نیچا کر کے چلنے لگے تھے لیکن اُنہوں نے سوچا کہ اس طرح تو گاؤں والے لوگ ان پر حاوی ہو جائیں گے۔ اُنہوں نے بہت سوچ وچار کے بعد نعمان ایزد کو طلب کیا اور شرط رکھی کہ اس کو ایک شادی گھر والوں کی مرضی سے بھی کرنا پڑے گی اور اس کی دونوں بیویاں ہی حویلی میں اس گھر کی بہوئیں بن کر رہیں گی۔

نعمان ایزد نے صائمہ کو اس خاندان میں مقام دلانے کے لیے حامی بھر لی لیکن دوسری شادی تین سال بعد کرنے کی شرط رکھی وہ اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ صائمہ حویلی والوں کے دل جیت لے گی اور اس طرح سمیع اللہ اور دوسرے لوگ اس کی دوسری شادی کا خیال دل سے نکال دیں گے۔

صائمہ اس گھر کی بہو بن کر آئی تو حویلی والوں نے اس دھان پان سی لڑکی کو تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کو ایک کمرہ دے گیا تھا۔ سمیع اللہ کے بھائی جو کہ نعمان ایزد کے چچا اور تائے تھے ان کی بیویوں نے شہر کی اس خوبصورت لڑکی کو اس حویلی کی بہو بن جانے پر اپنی بچیوں کی توہین تصور کیا اور صائمہ سے بیر رکھنا شروع کر دیا تھا۔

اُنہوں نے صائمہ کے کاموں میں کیڑے نکالنا شروع کر دیئے تھے حالانکہ وہ بڑی دل جمعی سے گھر کے کاموں میں اپنا پورا پورا کردار ادا کرتی تھی۔ سمیع اللہ بھی اس سے خائف ہی تھے کیونکہ وہ ان کی پسند نہ تھی۔ لیکن صائمہ نے یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ اس کی ذات سے حویلی والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

اسی دوران اللہ نے صائمہ کو ایک خوبصورت بیٹی سے نوازا تو صائمہ اور نعمان ایزد کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ سمیع اللہ نے اس بچی کو نفرت سے دیکھا اور بولے کہ اس حویلی کو بیٹے کی ضرورت تھی کیونکہ بیٹیاں تو پہلے ہی اس صحن میں بھری پڑی ہیں لیکن نعمان ایزد نے ان کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔

اُس بچی کا نام مریم رکھا گیا تھا۔ صائمہ کی ساری توجہ اپنی بچی کی طرف ہی مبذول ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دن اُن دونوں نے شہر سے خریداری کا پروگرام بنایا اور گاڑی میں شہر چلے آئے تھے۔ سکندر کو حویلی میں ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ سمیع اللہ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ گاؤں آنے کی وجہ سے اس کا سکول بھی فی الحال چھوٹ گیا تھا۔ سکندر بھی بھانجی کی مبارک پر بہت خوش تھا اس نے مریم کو گڈی کہنا شروع کر دیا تھا۔ حویلی والوں نے اس کو ملازم بنا رکھا تھا۔ وہ جانوروں کے لیے چارہ بھی کاٹتا تھا اور کھیتوں میں کام بھی کیا کرتا تھا۔ وہ صائمہ کی وجہ سے ہر صعوبت برداشت کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔

صائمہ جیسے ہی ایک دکان سے نکلی تھی تو سامنے ہی اس کا ماما/ اور چچا نظر آ گئے۔ انہوں نے بھی صائمہ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر کھل اُٹھے تھے نعمان ایزد اندر بل ادا کر رہا تھا جیسے ہی وہ باہر نکلا تو ان دونوں کو صائمہ کے ساتھ کھڑے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

http://kitaabghar.com

''میں تو کہتا ہوں کہ اب بھی لوٹ آؤ۔'' ماما بولا تو صائمہ غصے اور نفرت سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں آج سے ایک سال قبل تم سے اور اس بازار سے ہر قسم کا رشتہ توڑ چکی ہوں۔'' نعمان ایزد کو صائمہ کی سچائی پر یقین تھا وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''تم لوگوں کو اب کوئی حق نہیں ہے کہ تم اس کو پریشان کرو۔''

''ہم پریشان نہیں کر رہے باؤجی۔ ہم تو اس کو اس کا مستقبل بتا رہے ہیں۔'' چاچا مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا اور اس کی نظر صائمہ کی گود میں مریم پر پڑی تو وہ خوش ہوتا بولا۔ ''اب تو دو دو صائمہ ہو گئی ہیں۔''

نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور غصے سے بولا۔

''یہ میری بیوی اور بیٹی ہے۔ اور ہم شریف لوگ ہیں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

چاچا نے دھیرے سے اپنا گریبان چھڑایا اور مسکراتے ہوئے۔ ''باؤجی..... ہم کنجر لوگ ہیں اگر یہاں شور مچا دیں تو تمہاری نکے کی عزت نہیں رہے گی۔ لیکن تم شریف آدمی ہو اس لیے تم کو مشورہ دیتے ہیں کہ ہماری چیزیں ہمیں ہی لوٹا دو۔ کیونکہ یہ وہ گندگی کی اینٹ ہے جو تمہارے محل میں تو لگ گئی ہے لیکن یاد رکھنا گندگی اب تمہارے گھر کے ہر فرد کا مقدر بن جائیگی۔''

''تم بکواس کرتے ہو چاچا۔ تمہیں شرم آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے کیوں میرا گھر اجاڑنے پر تلے ہوئے ہو۔''

صائمہ نے چیخ چیخ کر کہنا چاہا تو نعمان اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گیا۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل گئے۔ نعمان ایزد نے ایک پوش جگہ پر گاڑی روکی جہاں سے آئسکریم کھانے کے لیے وہ اکثر صائمہ کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ اب بھی اس نے صائمہ کا موڈ فریش کرنے کے لیے اسی آئسکریم پارلر کے سامنے گاڑی روکی اور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اب موڈ ٹھیک کر لو۔''

''نعمان..... میرا اب ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' صائمہ کے رخسار پر آنسو بہہ گئے تھے۔ نعمان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے یقین ہے.....'' اس نے اپنی انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ مسکرانے لگی۔

''لیکن میں آئسکریم نہیں کھاؤں گی۔'' نعمان ایزد نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیوں؟''

تو وہ مسکراتی ہوئی مریم کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''اس کو فیڈ کروانا ہوتا ہے نا۔'' نعمان ایزد مسکرانے لگا اور گاڑی آگے بڑھاتا ہوا بولا۔ ''تو پھر مریم کا ڈیڈی بھی آئسکریم نہیں کھائے گا۔'' دونوں ہنستے مسکراتے ہوئے گاؤں پہنچ گئے تو ایک حیران کن منظر صائمہ کا منتظر تھا۔

سمیع اللہ نے سکندر کو مرغا بنا کر اس پر چار اینٹیں رکھی ہوئی تھی اور وہ رو رو کر ہلکان ہو رہا تھا۔ وہ تڑپ کر گاڑی سے نکلی اور سمیع اللہ کی طرف دیکھا تو وہ نفرت سے بولے۔

''ہم سے اس کا جرم مت پوچھنا۔'' صائمہ کے بولنے سے پہلے ہی سکندر روتی ہوئی آواز میں بولا۔

''آپی میں نے چوری نہیں کی ہے۔ میں چور نہیں ہوں۔'' صائمہ چوری کے الفاظ سن کر گنگ رہ گئی تھی۔ اس نے نعمان ایزد کی

http://kitaabghar.com

طرف دیکھا تو وہ سمیع اللہ سے پوچھنے لگا۔

''آپ بتائیں تو سہی کیا معاملہ ہوا ہے؟'' سمیع اللہ غصے سے پھنکارتے ہوئے نعمان ایزد کی طرف دیکھا اور بولے۔

''اب تمہاری اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ تم باپ سے سوال پوچھو گے..... اس گستاخ لڑکی کی زبان تمہارے منہ میں بولنے لگی ہے ..... جاؤ نہیں بتاتا میں کہ اس کا قصور کیا ہے؟'' سمیع اللہ غصے میں سرخ ہو گئے تھے۔ جبکہ صائمہ رونے لگی تھی۔ ''اگر بے قصور ہی اس کو سزا دی جا رہی ہے تو پھر آپ غلط کر رہے ہیں ابا جی۔'' نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر سکندر کی کمر سے انھیں اُٹھا کر دور پھینکی اور اس کو کان چھوڑنے کا کہا تو وہ کھڑا ہونے کی بجائے گر گیا۔ اس کے پاؤں کی سوجن بتا رہی تھی کہ اس کو کافی دیر سے مرغا بننا پڑا ہے۔

وہ اپنا آپ گھسیٹتا ہوا صائمہ کے قدموں تک آ پہنچا تو وہ بھی بیٹھ گئی اور اپنے ماں جائے کی اس طرح کی ابتر حالت پر رونے لگی۔

''آپی..... میں نے تائی جی کے زیور نہیں چرائے۔'' سکندر نے صائمہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو وہ تڑپ کر اس کی طرف اور پھر سمیع اللہ کی طرف دیکھنے لگی۔ پورا گاؤں اس دلچسپ تماشے کو دیکھنے کے لیے اُمڈ آیا تھا۔ حویلی کی عورتیں گھونگھٹ نکالے دیکھ رہی تھیں۔

''اس نے تمہاری تائی کا زیور چرایا ہے یہ چور ہے چور۔'' سمیع اللہ نے نعمان ایزد کی باغیانہ حرکت پر سکندر کا قصور بتایا تو نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر سکندر کو کندھوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے بتاؤ سکندر..... ابا جی جو کہہ رہے ہیں کیا وہ کام تم نے کیا ہے؟''

''اس کا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' سکندر کے بولنے سے پہلے ہی سمیع اللہ بول پڑے تھے۔

''میں نے یہ نہیں کہا ابا جی۔'' نعمان کا لہجہ بدستور دھیما اور مہذب تھا۔ ''مجھے اس سے بھی تو پوچھ لینے دیں ناں۔''

''یہ تو کہے گا ہی کہ وہ چور نہیں ہے۔'' نعمان ایزد کا ایک تایا آگے بڑھ کر تیز لہجے میں بولا تو نعمان ایزد نے اس کی بات سن کر سکندر کی طرف دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر نعمان کے قدموں میں گر گیا اور روتا ہوا بولا۔

''مجھے اپنی مری ہوئی ماں کی قسم ہے نعمان بھائی..... میں نے چوری نہیں کی ہے۔ میں تو آج تک تائی جی کے کمرے میں بھی کبھی نہیں گیا۔'' نعمان ایزد نے اس کو قدموں سے اُٹھایا اور صائمہ سے بولا۔

''تم سکندر کو لے کر کمرے میں جاؤ۔'' سکندر صائمہ کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گیا تو نعمان ایزد نے سمیع اللہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

''آپ کو اگر واقعی یقین ہے کہ سکندر نے ہی تائی امی کے زیورات چرائے ہیں تو پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں کہ آپ کو پکا یقین ہے۔'' سمیع اللہ کو بھی حویلی کے اندر سے ہی شور شرابے سے پتہ چلا تھا کہ اس کی بھابی کا زیور چوری ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس وقت سکندر کھیتوں میں گیا ہوا تھا۔

سکندر کو آتا دیکھ کر تائی جی نے چیخی چیخ کر اس کو چور چور کہنا شروع کر دیا تھا تو وہ سمیع اللہ کی عدالت میں ایک چوری کی طرح کھڑا تھا۔ سمیع اللہ اپنے اکلوتے بیٹے کی قسم کبھی بھی نہ کھا سکتے تھے۔ وہ منہ پھیر کر چل دیئے تو منھی اقصیٰ نے آگے بڑھ کر ایک تھیلی ان کی طرف

http://kitaabghar.com

بڑھائی اور بولی۔

''تائی امی کے زیور تو ان کے کمرے میں ہی تھے..... یہ دیکھیں وہ تو جھوٹ بول رہی تھیں۔'' ننھی اقصیٰ کے سچ نے سب کو شرمندہ کر دیا تھا۔ تایا جی کا سر بھی جھکا ہوا تھا۔ اور سمیع اللہ بھی نعمان ایزد سے نظریں چرا رہے تھے۔ جبکہ نعمان ایزد کی نظروں میں طنز نمایاں تھا۔ وہ سکندر کے بے گناہ ہونے پر خوش تھا وہ اپنے تائے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''تایا جی..... ایک بات ضرور یاد رکھنا آپ۔'' سمیع اللہ بھی اس کی دھمکی آمیز آواز سن کر واپس پلٹے اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''سکندر اور صائمہ اور اب مریم اس گھر کے افراد ہیں۔ آئندہ ایسا کوئی بھی کھیل کھیلنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا کہ اسی طرح کی عدالت میں گھر کے ہر فرد کو آنا پڑے گا۔ چاہے وہ نعمان ایزد کا تایا ہو، چچا ہو یا پھر.....'' وہ سمیع اللہ کی طرف مڑ کر ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ سمجھ گئے ہونگے ابا جی۔'' نعمان ایزد کی دھمکی محض دھمکی نہ تھی بلکہ گھر کے ہر فرد کو علم تھا کہ نعمان ایزد ضدی اور خود سر ہے اور وہ آئندہ محتاط ہی رہیں تو بہتر ہے۔

☆.....☆.....☆

صائمہ کو حویلی میں آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ بیت گیا تھا اُس کے ساتھ ناروا سلوک کو نعمان ایزد نے بھی کئی بار محسوس کیا تھا لیکن وہ مجبور تھا۔ سکندر پر مظالم کے پہاڑ حیلوں اور بہانوں سے توڑے جاتے تھے۔ وہ اگر اقصیٰ کے ساتھ کھیلنے لگتا تو سمیع اللہ کی طرف سے اس کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ تائے چاچے اور عورتیں بھی سکندر اور صائمہ سے نفرت کرتے تھے۔

ایک دن سمیع اللہ کو اُس کے مخبر نے جو خبر دی تھی جو وہ ان پر بجلی بن کر گری تھی۔ وہ ناقابل یقین نظروں سے مخبر کی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ اُس دن صائمہ شہر گئی ہوئی تھی وہ پُر امید سے تھی مریم دو سال کی ہو گئی تھی۔ نعمان ایزد نے اپنی پڑھائی مکمل کر لی تھی۔ اب وہ کسی بڑے کاروبار کی سوچ رہا تھا۔ لیکن اس کی شرط کے تین سال پورے ہونے پر اس کو خاندان والوں کی مرضی سے ایک اور شادی کرنا تھی۔ وہ اس شادی سے پہلے پہلے ہی اپنا اچھا خاصا بزنس کر کے صائمہ کو اس دنیا سے دور لے جانا چاہتا تھا۔

نعمان نے اس کو مارکیٹ میں چھوڑا اور خود کالج سے رزلٹ اور ڈگریاں وغیرہ لینے کے لیے چلا گیا۔ اُس نے صائمہ کو اچھی خاصی رقم دی تھی کہ وہ چیک اَپ کے بعد آنے والے بچے کے لیے ابھی سے شاپنگ بھی کر لے کیونکہ بار بار شہر آنا بھی مسئلہ تھا اور صائمہ کے اس حالت میں باہر نکلتے ہوئے بھی حویلی والوں کو اعتراض تھا۔ نعمان ایک گھنٹہ کا کہہ کر گیا تھا اس نے جہاں صائمہ کو چھوڑا تھا وہیں سے آ کر لینا تھا۔ صائمہ نے پیاری سی گڑیا مریم کو اُٹھایا ہوا تھا۔

''آہا! کیا خوب ہے..... ماں کی طرح!'' اس آواز نے اس کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ وہ چونک کر مڑی تو سامنے ہی ماما/ اور چچا کھڑے تھے آج ان کے ساتھ ایک بھدی سی عورت بھی تھی صائمہ اس کو اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ اس بازار کی دلالن ہے اور گندی ترین عورت ہے۔

http://kitaabghar.com

''کیسی ہو بیٹا رانی۔'' ماما نے آگے بڑھ کر کہا اور مریم کو گود لینے کی کوشش کی تو صائمہ نے اس کو پیچھے کر لیا۔ ماما ہنستا ہوا بولا۔ ''میں اب بھی کہتا ہوں صائمہ کہ ہم سے ناراضگی ختم کر لو اور واپس آ جاؤ۔ اب تو تمہارا پڑھائی کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔'' وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ نعمان ایزد سڑک کے دوسرے کنارے گاڑی میں بیٹھا ان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ آج جان بوجھ کر گاڑی سے نہ اُترا تھا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ صائمہ کو کس حد تک تنگ کرتے ہیں یا پھر صائمہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ نعمان ایزد کے ذہن میں ایک شک نے فوری طور پر جنم لیا تھا کہ یہ لوگ صائمہ کو ادھر ہی کیوں ملتے ہیں۔ کیا صائمہ کا ان کے ساتھ کوئی رابطہ ہے؟ وہ اس شک کو دور کرنے کے لیے سڑک کے اس پار ہی رہا۔

''میں تم سے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ میرا اس بازار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم لوگ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔''

صائمہ روہانسی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اس کو نعمان ایزد کا انتظار تھا۔

''دیکھو صائمہ! میں نے نکاح والے دن سچ بول کر تمہارے نکاح میں آسانیاں پیدا کی ہیں۔'' ماما بولا تو وہ حیرانگی سے بولی۔

''کیسا سچ؟''

''یہی کہ تم طوائف زادی ضرور ہو مگر ابھی تک طوائف نہیں بنی ہو۔ نہ ہی گھنگرو باندھے ہیں۔''

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ ''تو پھر ماما جی سچائی بھی تو یہی ہے نا۔'' نعمان ایزد کو اس کا ہنسنا کچھ اچھا نہ لگا تھا۔

''میں دلال ہوں صائمہ! میں اگر جھوٹ بھی کہہ دیتا تو میرا کون سا ایمان خراب ہونا تھا لیکن یاد رکھو کہ میرے جھوٹ سے تمہارا نکاح نہ ہو سکتا تھا۔'' چچا اور ماما اس کو بلیک میل کر رہے تھے۔

''تو پھر اب کیا چاہتے ہو مجھ سے؟'' اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو ماما مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا۔

''اس بچی کو ہمیں دے دو۔ ہم اس کو صائمہ بنا لیں گے۔'' مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی صائمہ نے اس کی طرف اسانداز میں گھور کر دیکھا کہ ماما کو خاموش ہونا پڑا۔

''میں اس گندگی سے نکلنے کے لیے اپنی تمام جائیداد تم لوگوں کو دے چکی ہوں اور یہ میری بیٹی کوئی جائیداد نہیں ہے کہ ایسے بھی تم جیسے گندے لوگوں کو سونپ دوں۔ یہ میری عزت ہے ماما اور صائمہ اپنی عزت کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتی ہے۔''

نعمان ایزد تک ان کی باتیں تو نہیں پہنچ رہی تھیں لیکن اس نے محسوس کیا کہ اب صائمہ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہو رہی ہے کیونکہ اس نے دو سالہ مریم کو بھی اُٹھایا ہوا تھا اور وہ امید سے بھی تھی۔ نعمان ایزد نے گاڑی وہیں رہنے دی اور اُتر کر سڑک کراس کرتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا تو ماما اور چچا وہاں سے کھسک گئے۔ نعمان ایزد نے صائمہ کی گود سے مریم کو لیا اور سڑک کراس کر کے گاڑی تک آ گئے۔

''کہاں رہ گئے تھے تم یہ لوگ مجھے کافی دیر سے تنگ کر رہے تھے۔'' صائمہ نے گاڑی سڑک پر دوڑتے ہی نعمان سے روہانسی آواز میں کہا تو وہ بولا۔ ''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ لوگ تمہارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔''

''یہ بہت ظالم اور بے غیرت لوگ ہوتے ہیں۔ آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہوتے۔'' صائمہ نے فکرمندی سے کہا تو

http://kitaabghar.com

نعمان ایزد اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تو پھر ان سے جان چھڑانے کا کیا طریقہ ہے؟''

''ہم شہر ہی نہیں آیا کریں گے۔'' صائمہ نے کہا تو نعمان ایزد کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''ڈاکٹر نے کیا بتایا؟'' صائمہ کو پریشانی میں یاد ہی نہ رہا تھا کہ ڈاکٹر کی بات بھی نعمان ایزد سے کرنا ہے۔

''اس نے کہا کہ سب ٹھیک ہے۔ احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''تو پھر احتیاط کرنا چاہیے نا؟'' نعمان ایزد کا یہ جواب کچھ پراسرار لگا تھا۔

''یہ تو حویلی والوں پر ہی منحصر ہے کہ وہ کیسا سلوک کرتے ہیں۔'' صائمہ بولی۔

''لازمی نہیں کہ سارا قصور ان کا ہی ہو۔ تمہیں بھی احتیاط کرنا ہوگی۔'' نعمان ایزد کا اس بار رویہ اور لہجہ کچھ سرد تھا۔ ''میں سمجھی نہیں نعمان۔''

''تم سے بار بار ان لوگوں کا ملنا مجھے ڈسٹرب کرتا ہے صائمہ۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔

''لیکن یہ تو محض اتفاق تھا نعمان۔'' صائمہ نے اپنی صفائی پیش کی تو وہ آہستگی سے بولا۔

''کیسا اتفاق ہے کہ ہر بار اتفاق ہی ہوتا ہے.....'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

''تم مجھے قصوروار سمجھ رہے ہو؟'' صائمہ کا انداز رونے والا تھا۔

''پلیز صائمہ! میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا..... اپنا خیال رکھو تمہاری کوکھ میں میرا بچہ پل رہا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بدمزگی پیدا ہو۔'' صائمہ کو نعمان کے سرد اور تلخ رویے سے کافی دکھ ہوا تھا۔ وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے ٹھنڈی سانس خارج کر کے اپنا سر سیٹ سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی حویلی کے سامنے جا کر رک گئی تو نعمان ایزد گاڑی سے اتر کر خود اندر چلا گیا۔ صائمہ نے مریم کو اٹھایا اور گاڑی سے باہر نکلی تو سکندر نے آگے بڑھ کر مریم کو گود میں اٹھا لیا۔ وہ اس کو لے کر ایک طرف چلا گیا تو صائمہ جیسے ہی حویلی میں داخل ہوئی تو سمیع اللہ رشتہ داروں کی پنچایت لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

نعمان ایزد بھی اس اکٹھ کو دیکھ کر حیران تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے لگے تو سمیع اللہ کی کڑک دار آواز نے ان دونوں کو روکنے پر مجبور کر دیا۔ ''ٹھہرو نعمان ایزد..... اور اپنی بیوی سے بھی کہو کہ یہیں رک جائے۔''

نعمان ایزد اور صائمہ وہیں رک گئے تو سمیع اللہ نے بات شروع کی۔

''جب تم نے اس لڑکی سے شادی کی تھی تو کیا تم اس کے خاندان والوں سے ملے تھے؟'' نعمان ایزد کو سمیع اللہ کی طرف سے اس سوال کی توقع نہ تھی۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر صائمہ کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

http://kitaabghar.com

''نہیں.....'' صائمہ اس سوال وجواب کا مقصد نہ سمجھتے ہوئے نعمان ایزد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا تمہیں اب معلوم ہے کہ تمہاری بیوی کا تعلق کس خاندان سے ہے؟'' اس سوال نے نعمان ایزد اور صائمہ پر واضح کر دیا تھا کہ سمیع اللہ کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ صائمہ بازار حسن کی پیداوار ہے۔

''جی مجھے اب معلوم ہے کہ صائمہ کا تعلق کس خاندان سے ہے۔'' نعمان ایزد کا مطمئن جواب سن کر سمیع اللہ طیش میں آ گئے اور غصے سے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھے تو اُن کے ساتھ باقی سب لوگ بھی اُٹھ گئے۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج تک تم ہمیں اور اس خاندان کو بیوقوف ہی بناتے رہے ہو۔''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا اباجی۔'' نعمان ایزد کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ''اور ویسے بھی صائمہ ان سب سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ چکی ہے اب اس کا اُس جگہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''طوائف طوائف ہی ہوتی ہے اور ایک بات یاد رکھو جب بازار حسن کے غنڈے و شریفوں کے گھروں میں بجنے لگیں تو سمجھو کہ شرافت کا جنازہ نکلا ہی نکلا۔'' سمیع اللہ بول نہ رہے تھے غصے سے چنگاڑ رہے تھے۔

''ہم اس حویلی میں اس لڑکی کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔'' سمیع اللہ نے فیصلہ سنایا تو نعمان ایزد سب کی طرف دیکھتا رہا۔

''میں صائمہ کو شہر لے جاؤں گا۔''

''تو پھر اس تمام جائیداد سے ہاتھ بھی دھونا پڑیں گے۔'' سمیع اللہ نے کہا تو نعمان ایزد تڑپ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ صائمہ نے آگے بڑھ کر سمیع اللہ کے پاؤں پکڑے اور روتی ہوئی بولی۔

''اباجی! میرا اس بازار سے کوئی تعلق نہیں ہے میں اپنی بچی کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ میرا یقین کریں۔ میں نے نعمان کے ساتھ رہنے کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ اباجی یہ ظلم نہ کریں۔ میں اس حویلی کے ایک کونے میں پڑی رہوں گی۔ اس حویلی کی نوکرانی بن کر جی لینے دیں اباجی۔''

سمیع اللہ نے اس کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا اور نفرت سے بولے۔

''جب سے تمہارے گندے اور ناپاک قدم اس گھر میں پڑے ہیں اس گھر سے برکت ہی ختم ہو گئی ہے۔ موری کی اینٹ چوبارے کو لگا لیں تو وہ بھی گندہ ہی ہو جاتا ہے۔'' سمیع اللہ کا لہجہ سخت اور نفرت آمیز تھا۔ نعمان نے صائمہ کو اُٹھایا اور بولا۔ ''مجھے کچھ سوچنے کا وقت دیں میں آپ کو بتا دوں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''ایک بات اور یاد رکھنا نعمان ایزد..... شہر جاتے وقت یہ ضرور سوچنا کہ واپسی کا کوئی بھی راستہ اس گاؤں کی طرف نہیں آتا ہوگا..... یہ لڑکی یا ہم!'' سمیع اللہ نے سکندر کو دیکھا جس نے مریم کو گود میں اُٹھایا ہوا تھا۔ وہ سکندر کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تو دکھ ہو رہا ہے کہ حرامزادہ مجھے کھانا دیتا رہا ہے۔ اور مجھے پانی پلاتا رہا ہے۔ آخ تھو۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر سکندر کے منہ پر تھوک دیا تو

http://kitaabghar.com

سکندر نے غصیلی آنکھوں سے سمیع اللہ کی طرف دیکھا لیکن صائمہ نے آگے بڑھ کر اس کو گلے سے لگایا اور بولی۔ ''نہیں سکندر اپنی نظریں نیچی ہی رکھو۔''

سکندر نے کرب سے صائمہ کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ نعمان ایزد بھی ان کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

صائمہ نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ نعمان ایزد بیڈ پر بیٹھا ہوا اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''نعمان! اب کیا ہوگا؟'' صائمہ نے روتے ہوئے کہا تو وہ خاموش رہا صائمہ پھر بولی۔

''نعمان!'' تو وہ غصے سے بھڑک اُٹھا۔

''تم اپنی چونچ بند رکھو..... مجھے کچھ سوچنے دو۔'' صائمہ دو سالوں میں پہلی بار نعمان ایزد کا یہ تلخ روی اور ترش لہجہ سن کر وہ حیران ہو رہی تھی۔ ''مجھے شک ہونے لگا ہے کہ تم..... تم.....'' وہ غصے سے باہر نکل گیا لیکن صائمہ کے لیے لفظ ''تم'' اس انداز میں ادا کر کے گیا تھا کہ وہ اب بھی صائمہ کو اسی بازار کی زینت سمجھتا تھا۔

صائمہ اُس شک کے کیڑے کو نعمان کے ذہن سے نہ نکال سکی تھی اور اس بات کا اظہار آج نعمان ایزد نے کر کے اس کو پھر اسی کوٹھے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اس کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق کسی بھی غم اور پریشانی سے احتیاط کرنا ہوگی۔ اس نے اپنی کوکھ میں پلنے والے بچے کی خاطر اپنے آنسو پونچھے اور سکندر سے بولی۔ ''تم ان لوگوں کے ساتھ کوئی بھی بدتمیزی نہ کرنا..... یہ میرا سسرال ہے اور تم اس کی نوکری کر کے بھی خود پر فخر کرنا۔'' صائمہ رونے لگی تو سکندر نے ننھی مریم کو بیڈ پر لٹا دیا اور روتے ہوئے بولا۔

''آپی! ہم اس بازار میں تھے تو کبھی بھی ماں کی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔ لیکن آج عزت داروں کے گھر میں ہر رشتے کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔'' صائمہ نے اس کو گلے لگا لیا تھا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں جو ہوں۔ تمہاری ماں۔ بہن، بھائی اور ہر وہ رشتہ جسے تم محسوس کرنا چاہو۔'' سکندر کھل کر رونے لگا تھا نا معلوم وہ کتنے دنوں سے اس غبار کو اپنے اندر چھپا کر کھل کر رونا چاہتا تھا۔ شاید اس کو کوئی گوشہ تنہائی میسر نہ آ رہا تھا۔ اور آج وہ صائمہ کے گلے سے لگا تھا تو اس کو ماں یاد آ گئی تھی۔

نعمان ایزد نے باہر جا کر سمیع اللہ سے کہا کہ وہ ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔

سمیع اللہ تمام رشتہ داروں سے اجازت لے کر کچھ دور چلے آئے جہاں ان کی باتیں سننے والا کوئی نہ تھا۔

''ابا جی میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' نعمان ایزد نے کہا تو سمیع اللہ نے خوش ہو کر اس کی طرف دیکھا تو وہ پھر بولا۔ ''آپ مجھ پر ایک مہربانی کریں..... صائمہ کو یہ پھر اس حویلی میں جن لینے دیں.....''

''لیکن..... تم اس کو ابھی کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں مرضی جائے۔'' سمیع اللہ کافی بے تاب تھے کہ نعمان ایزد ابھی کے ابھی

http://kitaabghar.com

صائمہ کو طلاق دے دے اور فارغ کر دے۔

''میں اس کو ابھی نہیں چھوڑ سکتا اباجی۔ آپ بھی بات کو سمجھیں۔ وہ ہم پر کیس کر دے گی اور ان بچوں کا خرچہ مانگے گی اور آپ کو بھی عدالت میں بلا سکتی ہے۔'' نعمان ایزد پڑھا لکھا تھا اور سمیع اللہ کو آج احساس ہوا تھا کہ تعلیم کتنی ضروری ہوتی ہے۔ وہ نعمان کی بات سن کر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''تم ٹھیک کہتے ہو نعمان..... میں اس بچے کے جنم تک انتظار کروں گا۔ لیکن بچے کی پیدائش کے اگلے ہی دن تم اس حرافہ کو طلاق دے دو گے..... بولو منظور؟''

''جی.....'' نعمان ایزد نے اثبات میں سر ہلا کر باپ کو یقین دلایا تو انہوں نے نعمان ایزد کو سینے سے لگا لیا اور بولے۔

''میں خواہ مخواہ ہی نہیں کہتا کہ میرا نعمان ایزد میرا غرور ہے۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے لیکن نعمان ایزد کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس کے قمیص کے کالر میں جذب ہوتے ہوئے کسی نے نہ دیکھے۔

حویلی کی فضا پراگندہ ہو گئی تھی۔ سکندر پر ظلم و تشدد کی سختیاں اور بڑھ گئی تھیں لیکن وہ سمیع اللہ کی زیادتیاں ہنس ہنس کر سہتا رہا اور کندن بنتا گیا۔

صائمہ نے پھول جیسے بیٹے کو جنم دیا تو حویلی میں خوشیوں کی بجائے سوگ کی فضا چھا گئی تھی۔ سمیع اللہ نے نعمان ایزد کی طرف دیکھا اور بولے۔ ''تمہیں بیٹے کی مبارک ہو۔''

''آپ کو بھی بابا۔'' نعمان ایزد بجھا ہوا تھا۔

''اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟'' سمیع اللہ نے نعمان ایزد کو اس کا وعدہ یاد دلایا تو وہ خاصی سمجھداری سے بولا۔

''صرف دو ماہ تک آپ کو صبر کرنا ہوگا اباجی۔''

''لیکن کیوں؟'' سمیع اللہ کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''اباجی۔ اگر اس کو ایک دن کے بچے کے ساتھ گاؤں سے نکال دیں گے تو پورے کا پورا بازار اس گاؤں پر چڑھ دوڑے گا۔ اور پھر وہ علی اعلان یہ کہیں گے کہ سمیع اللہ کی پوتی کو اس بازار کی زینت بنائیں گے۔'' سمیع اللہ کی سمجھ میں بات آئی تو ان کی روح تک کانپ کر رہ گئی۔ لیکن پھر وہ نعمان ایزد کی طرف شک کی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''کہیں تم میرے ساتھ کوئی گیم تو نہیں کھیل رہے ہو نعمان ایزد۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں بھلا آپ کے ساتھ کوئی گیم کیوں کھیلوں گا اباجی۔''

''اتنا یاد رکھنا نعمان ایزد۔ میرا باپ بننے کی کوشش مت کرنا۔'' سمیع اللہ غصے سے بولے تو ان کا بدن بھی لرزنے لگا تھا۔ ''میں دو ماہ بعد کوئی بھی عذر نہیں سنوں گا۔''

http://kitaabghar.com

نعمان ایزد نے اندر آ کر بیٹے کو چوما اور صائمہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ تو بالکل میرے جیسا ہے۔'' صائمہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اس کا نام کیا رکھیں گے؟'' اتنی دیر میں سکندر بھی اندر آ گیا تو نعمان ایزد اس کو دیکھ کر بولا۔

''لو بھئی سکندر تم اس بیٹے کا نام رکھو۔'' وہ فوراً بولا۔

''پپو۔'' صائمہ اور نعمان قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

''اس کو تم پپو کہہ لینا لیکن میں تو اس کو حاشر کہوں گا۔'' نعمان ایزد نے بیٹے کا نام حاشر رکھ دیا تھا۔

صائمہ کو سکون محسوس ہونے لگا تھا کہ نعمان ایزد کا رویہ اُس کے ساتھ پھر سے پہلے جیسا ہو گیا تھا۔

پندرہ بیس دن سکون سے گزرے ہو گئے کہ حویلی میں چور چور کا شور مچ گیا اور پھر چند منٹ بعد گولی چلنے کی آواز نے پورے گاؤں کو گہری نیند سے جگا دیا تھا۔

حویلی کی روشنیاں جلائی گئیں تو حویلی کا ملازم کمالا خون میں لت پت تڑپ رہا تھا اور سکندر اس کے پاس کھڑا تھا۔ اور سکندر کے پاس ایک دونالی بندوق پڑی ہوئی تھی۔

''اوئے حرامزادے؟ یہ کیا کیا تم نے..... کمالے کو قتل کر دیا ہے۔'' سچ اللہ کی اس آواز نے سکندر کے حواس چھین لیے تھے۔

''چوہدری صاحب میں نے کچھ نہیں کیا یہ تو پہلے سے ہی اِدھر پڑا ہوا تھا۔'' سکندر کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے وہ تو کمالے کی لاش دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔

''سکندر! سکندر یہ تم نے کیا کر دیا۔'' نعمان ایزد بھی چیختا ہوا صحن میں آ نکلا تھا۔ کمالا خون میں لت پت اُلٹا پڑا تھا۔ لیکن سکندر اس کے پاس پاگلوں کی طرح کھڑا تھا۔ وہ رونے لگا تو صائمہ کے کانوں میں بھی اس کی آواز پہنچنے لگی وہ بمشکل اُٹھ کر صحن میں پہنچی تو دھنگ رہ گئی۔

کمالا خون میں لت پت پڑا تھا اور سکندر کو پولیس ہتھکڑی لگا رہی تھی۔ وہ بھاگنے والے انداز میں آئی اور حیرانگی سے تمام صورت حال کو دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیا ہوا یہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے..... یہ خون کیسا کمالے کو کیا ہوا.....'' وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی لیکن کوئی بھی اس کی باتوں کا جواب دینے کا پابند نہ تھا۔ ''کوئی مجھے بتاتا کیوں نہیں کہ کیا ہوا ہے۔ اس نے چیخ کر کہا تو نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''سکندر نے کمالے کو گولی مار دی ہے اور کمالا مر گیا ہے۔'' وہ بے یقینی کی کیفیت میں سکندر کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور نعمان ایزد کی بات کا یقین کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

''میں نے قتل نہیں کیا ہے آپی۔ نعمان بھائی۔ میں نے کمالے کو قتل نہیں کیا ہے.....'' سکندر خوف و ہراس کی کیفیت میں چیخ چیخ

http://kitaabghar.com

کر کہہ رہا تھا لیکن کوئی بھی اس کی بات پر اعتبار کرنے والا نہ تھا عورتوں کی تو کمالے کو دیکھ کر چیخیں نکل گئی تھیں۔ لیکن سکندر کی آہ و بکا پر کوئی بھی کان نہیں دھر رہا تھا۔

''اس حرامزادے کو لے جاؤ انسپکٹر صاحب۔'' سمعی اللہ کی گونجدار آواز گونجی تو سکندر پھر تڑپ اُٹھا۔

''میں نے قتل نہیں کیا جناب..... میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' سکندر روئے جا رہا تھا۔

''نعمان..... سکندر ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ ایسا کیوں کریگا..... سکندر ایسا نہیں ہے..... میرا بھائی مر جائے گا۔ نعمان ان پولیس والوں کو روکو۔ ان کو روکو نعمان.....'' صائمہ چیخ پکار کر رہی تھی لیکن نعمان نے حیرت انگیز طور پر اس کو دلاسہ دینے کی بجائے اندر جا کر آرام کرنے کا کہا۔

سمیع اللہ نے سکندر کو تھانے بھجوا کر حویلی کی تمام روشنیاں بند کروا دی تھیں۔ سب اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے تھے۔ لیکن صائمہ جاگ رہی تھی۔ حاشر نے رو رو کر پوری حویلی سر پر اُٹھا رکھی تھی۔

''صائمہ حاشر کو نیند کرواؤ.....'' نعمان ایزد نے تحمل سے کہا تو صائمہ کو جیسے ہوش آ گیا تھا اس نے حاشر کو گود میں اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا تو چند سیکنڈ بعد ہی اس کے رونے کی آواز ختم ہو گئی۔

''نعمان! پولیس نے میرے بھائی کو مار دینا ہے۔ نعمان وہ بن ماں باپ کا بچہ ہے۔ وہ ایسا کیوں کریگا..... پلیز نعمان اس کا پتہ کریں۔''

صائمہ روئے جا رہی تھی۔ ''تم سو جاؤ میں صبح تھانے جا کر معلوم کروں گا۔'' نعمان کا لہجہ اور انداز ہنوز تحمل سے بھرپور تھا اور وہ اس انداز کو مشکوک طریقے سے دیکھ رہی تھی۔

صائمہ نے وہ رات آنکھوں میں ہی کاٹی تھی۔ کمالے کی لاش کو اس کے وارث دوسرے گاؤں لے گئے تھے۔ حویلی میں سوگ کی فضا طاری تھی۔ سمیع اللہ نے صبح سویرے ہی تھانیدار کی خدمت کر دی تھی اور خود کو مدعی لکھوا کر سکندر پر قتل کا پرچہ بھی کٹوا دیا تھا۔

اب سکندر کو جیل بھیج دیا گیا تھا۔ اس پر جیل میں جو بھی بیت رہی تھی وہ صرف سکندر ہی جانتا تھا یا اس کا پالنے والا خدا ہی جانتا تھا۔

سکندر کو سمیع اللہ نے اپنی راہوں سے کانٹا سمجھ کر صاف کر دیا تھا لیکن اب صائمہ سے اس حویلی کی جان چھڑانا باقی تھا۔ تین ماہ گزر گئے تھے اب نعمان ایزد بھی اپنے وعدے سے مکرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اور پھر ایک دن حویلی میں ماما اور چچا بھی پہنچ گئے۔ ان کو دیکھ کر صائمہ حیران رہ گئی تھی۔ وہ دونوں ہی مونچھوں کو تاؤ دے رہے تھے۔ سمیع اللہ ان کو دیکھ کر حیران تھے۔

''چوہدری صاحب! ہماری دو دو بیٹیوں پر قبضہ کر کے بیٹھے ہو۔ شرم کرو چوہدری۔'' ماے کی بدتمیز زبان نے زہر اُگلا تو آن کی آن میں حویلی اور گاؤں کے تمام مکین ایک بار پھر تماشہ دیکھنے پہنچ گئے تھے.....

http://kitaabghar.com

''کون ہو تم لوگ اور تمہیں میرے ساتھ اس طرح بات کرنے کی کوئی بھی اجازت نہیں ہے۔'' سمیع اللہ کی گھن گرج دیکھ کر چاچا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''چوہدری صاحب! صائمہ ہماری بیٹی ہے اور ہم کنجر لوگ ہیں۔ ہم اپنی بیٹیوں کو کوٹھیوں اور حویلیوں میں بیاہنے لگیں تو پھر ہمارے کوٹھے تو برباد اور ویران ہو جائیں گے نا۔''

''یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو..... اس روز صائمہ نے تم سے ہر قسم کا ناطہ توڑ لیا تھا اور اب اس کا تم لوگوں سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔'' نعمان ایزد سینہ چوڑا کر کے بولا تو صائمہ نے آگے بڑھ کر ماے کا گریبان پکڑا اور بولی۔

''تم یہاں کیوں آ گئے ہو۔ میں نے تمہیں تو لکھ کر بھی دے دیا ہے کہ میری تمام جائیداد اور زمین کے تم لوگ وارث ہو۔ میں اب نعمان ایزد کی عزت ہوں۔ اس حویلی کی عزت ہوں..... میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تمہیں خدا کا واسطہ.....'' وہ ہاتھ جوڑ کر ماے کے قدموں میں گر گئی تو اس نے بالوں سے پکڑ کر صائمہ کو اٹھایا اور غصے سے بولا

''اب ڈرامے کرنا چھوڑ دو صائمہ! ہمارے ساتھ چلو۔ تم نے خود ہی تو ہمیں بلوایا ہے کہ اس حویلی میں تم پر بہت ظلم ہوتے ہیں۔ تم واپس اسی بازار میں جانا چاہتی ہو۔ اور تو اور تم اپنی بیٹی کو اپنی جگہ بٹھانا چاہتی ہو۔'' ماے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر صائمہ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا اور غصے سے پھنکارتی ہوئی بولی۔

''تم بکواس کر رہے ہو..... کیوں میرا گھر اجاڑ رہے ہو۔ کیوں.....؟''

''سنو لڑکی اب یہ ڈرامہ بہت ہو گیا..... اپنی بک بک بند کرو۔ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' سمیع اللہ کی آواز گونجی تو وہ تڑپ کر اٹھی اور سمیع اللہ کے قدموں میں گر گئی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے منتیں اور واسطے دیتی رہی لیکن سمیع اللہ کا دل پتھر کا تھا۔ وہ نعمان ایزد کی طرف بڑھی تو اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا تو صائمہ نے سوجی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ نفرت سے بولا۔

''صائمہ! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے تمہیں کوٹھے سے اٹھا کر کوٹھی میں عزت اور اعلیٰ مقام دیا۔ لیکن تم نے میری محبت کی توہین کی ہے۔ تم نے اپنی داغدار زندگی کے گندے چھینٹے ہم سب کی بے داغ زندگیوں پر اچھالے ہیں۔''

''میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے نعمان۔ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے۔'' اس کو حاشر کے رونے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں لیکن وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

''مجھے تمہاری کسی بھی بات کا یقین نہیں ہے صائمہ!'' نعمان ایزد نے اس سے نفرت سے منہ موڑ لیا تھا۔

وہ اچانک اندر کی طرف بھاگی گئی۔ اور دونوں بچوں کو اٹھا کر لے آئی۔ ان کو زمین پر لٹا دیا اور ان کے سروں پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ ''میں ان بچوں کی قسم کھاتی ہوں نعمان..... اباجی.....'' وہ کبھی نعمان اور کبھی سمیع اللہ کی طرف دیکھ کر ان کی متوجہ کرتی۔ ''اگر میرا اس کوٹھے اور اس بازار سے کوئی تعلق میرے نکاح کے بعد رہا ہو تو اللہ کرے یہ دونوں بچے ابھی مر جائیں۔''

اس کے آخری الفاظ پر پورے پنڈال میں یکدم سناٹا سا چھا گیا تھا۔ کوئی بھی عورت کبھی بھی اتنی بڑی قسم نہیں کھا سکتی تھی۔ لیکن

http://kitaabghar.com

نعمان ایزد کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

''اباجی! یہ ماما جھوٹ بول رہا ہے..... میں سچ کہہ رہی ہوں اباجی.....'' صائمہ نے ان سب کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت اور بے اعتباری دیکھ کر ایک بار پھر اندر کی طرف دوڑ لگا دی تو اس بار ان کی حیرانگی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں اس بار قرآن کریم پکڑا تھا اور اس نے اپنے سر کو اچھی طرح ڈھانپا ہوا تھا۔

وہ جس مصمم ارادے سے ان سب کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک بار تو سمیع اللہ اور نعمان ایزد بھی اپنی جگہوں پر پہلو بدل کر رہ گئے تھے۔ وہ ایک بار پھر پنڈال میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

''نعمان! میں اپنی جان کی جھوٹی قسم تو کھا سکتی ہوں۔ اپنے بچوں کی بھی جھوٹی قسم کھا سکتی ہوں..... لیکن اس عظیم کتاب کی جھوٹی قسم کبھی بھی نہیں کھا سکتی.....'' اس کی گونج دار آواز نے سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ ماما اور چاچا بھی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئے تھے۔

''نعمان ایزد.....!'' وہ کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ ماما بول پڑا۔

''یہ بہت مکار ہے..... یہ قرآن کریم کی قسم بھی جھوٹی کھانے لگی۔ اس کی کسی بھی بات کا اعتبار نہ کرنا۔ یہ ہماری بچی ہے اور اس نے ہی ہمیں بلایا ہے۔ اب یہ ڈرامہ کر کے چوہدری سے پیسے بٹورنا چاہتی ہے۔''

صائمہ نے غصے سے ماما کی طرف دیکھا اور نعمان ایزد کی طرف مڑی تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''ان بچوں کو بھی اٹھاؤ اور یہ ڈرامہ بند کرو صائمہ! میں شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس لیے تمہارا وجود اب کسی بھی صورت مجھے برداشت نہیں ہے۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' صائمہ حیرانگی سے پتھر بنی رہ گئی۔ اس نے قرآن کریم کو بوسہ دیا اور نعمان ایزد کی طرف بڑھی تو نعمان ایزد نے دوسری طلاق اور پھر تیسری طلاق دے دی تو وہ پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گئی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں نعمان ایزد پر جمی ہوئی تھیں۔

''اس کو لیجاؤ ورنہ ابھی کے ابھی یہ گاؤں والے اس کو پتھر مار مار کر ختم کر دیں گے۔'' سمیع اللہ کی آواز گونجی تو وہ یکدم ہوش میں آ گئی۔ پہلے تو اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا لیکن پھر اس کو قرآن کریم کا خیال آیا تو وہ اس کو بوسہ دیتی ہوئی بولی۔

''نعمان ایزد! تم نے میری عزت کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ ایک دن تم دیکھنا تمہاری عزت کے ساتھ بھی ہو گا۔ اور سمیع اللہ تمہاری اذیت ناک موت پر موت بھی بین کرے گی۔'' اس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی لہو کی سرخی نے اس کو اور بھی ڈراؤنا اور پراسرار بنا دیا تھا وہ پھر بولی۔

''میں اس قرآن کریم کو اپنا محافظ اور گواہ بنا کر لائی تھی لیکن تم نے کائنات کی اعلیٰ ترین کتاب کی گواہی بھی نہیں مانی۔ روز محشر تم جانو اور اس کتاب کا مالک جانے۔ لیکن نعمان ایزد۔ میں قسم کھاتی ہوں اس قرآن کی کہ بھیک مانگ کر بھی اپنے بچوں کو پال لوں گی..... لیکن دوبارہ کبھی بھی اس بازار کی زینت نہیں بنوں گی۔'' اس کے لہجے کی سچائی نے نعمان ایزد تو کیا سمیع اللہ ماما کے اور چاچے کو بھی لرزا دیا تھا۔

http://kitaabghar.com

''میں تم سے ایسا انتقام لوں گی نعمان ایزد کہ تمہیں معلوم ہوگا کہ طوائف کا انتقام کیا ہوتا ہے۔ میں تمہاری ہی بیٹی کو تمہاری ہی رکھیل بناؤں گی..... یاد رکھنا..... میں طوائف نہیں ہوں لیکن آج سے تم شریف زادے اور میں طوائف زادی..... دیکھتے ہیں جیت کس کی ہوتی ہے۔ کیونکہ محبت کے کھیل میں تو تم بُری طرح پٹ چکے ہو..... تم جیسے شریفوں پر لعنت ہو بے شمار..... بے شمار لعنت ہو۔ جو اپنی شرافت کا جنازہ چند بدبودار قطروں کی صورت میں اس بازار میں پھینک کر آتے ہیں..... تب مجھ جیسی کئی صائمائیں جنم لیتی ہیں..... کیا معلوم نعمان ایزد کہ یہ صائمہ بھی کسی سبح اللہ جیسے نام نہاد شریف زادے کے گناہوں کی گھٹڑی ہو۔''

اس کی باتوں نے نعمان ایزد اور سبح اللہ کو اتنا ذلیل کر دیا تھا کہ اب وہ مرنے کے لیے زمین ڈھونڈ رہے تھے۔ لیکن زمین ان کو اپنے اندر سمونے کے لیے تیار نہ تھی۔

''میں جا رہی ہوں نعمان ایزد لیکن یاد رکھنا۔ تمہارے گھر میں جب بھی محبت داخل ہوگی صرف ہوس بن کر تمہاری عزت کو داغدار کرنے کے لیے ہی داخل ہوگی.....'' اس نے زمین پر بیٹھی ہوئی مریم اور لیٹے ہوئے حاشر کو اُٹھایا اور چلتی بنی۔ گاؤں والوں نے بڑی دلچسپی سے یہ تماشہ دیکھا تھا۔

نعمان ایزد کی آنکھوں کے سامنے پچیس سالہ پرانی کہانی ایسے چلی تھی کہ جیسے یہ کل کی ہی بات ہو۔

☆.....☆.....☆

تیز برسنے والی بارش نے صائمہ کی نیند خراب کر دی تھی۔ وہ چونک کر جاگی تو بارش کی آواز کافی تیز تھی۔ اس نے اپنے بستر کو چھوڑا اور برآمدے میں آ کر آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا اس کو بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے رب کریم کا شکر ادا کیا تھا کہ وہ آج اس گھر کی سمدھن بن گئی تھی جہاں اس نے پچیس سال ملازمت کی تھی۔ یہ اس کے لیے بہت بڑا انعام تھا جو اس کو صبر کرنے کی صورت میں ملا تھا۔

وہ جسٹس بصیر احمد کی ملازمہ سے بہن بن جانے پر جہاں کاتب تقدیر کی شکر گزار تھی وہیں پر وہ بصیر احمد کی بھی بہت ہی مشکور تھی جنہوں نے اس کو پچیس سالوں تک سہارا دیئے رکھا تھا۔ اس کو رہنے کے لیے اپنی چھت دی تھی جس کے نیچے صائمہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ ملکیتی احساس سے زندگی گزارنے لگی تھی۔ اس کو آج بھی وہ رات یاد تھی جب اس کو نعمان ایزد نے دونوں بچوں کے ساتھ گاؤں سے نکال دیا تھا۔

وہ دونوں بچوں کو لے کر شہر آ گئی تھی۔ کوئی بھی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ وہ رات اس نے ریلوے اسٹیشن پر گزاری تھی اور بھیک مانگ کر اس نے ننھے حاشر کے لیے دودھ لیا تھا۔ ننھی مریم کے لیے کھانا مانگا تھا۔ کئی لوگوں نے تو اس کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ جیسے کھا ہی جائیں گے۔ لیکن کئی خدا ترس اس سے ہمدردی کی بنا پر اس کو خیرات دے دیتے تھے۔ اس نے ریلوے اسٹیشن کے ایک کونے میں اپنا ڈیرہ جما لیا تھا۔

اس کو نعمان ایزد کے ساتھ گزارا جانے والا وقت یاد آنے لگا تھا۔ وہ اس شہر میں سینکڑوں لوگوں کو جانتی تھی لیکن اس کو جو بھی جانتا تھا وہ اسی بازار سے تعلق رکھنے والا تھا۔ صائمہ نے قرآن کریم کو سر پر اُٹھا کر قسم کھائی تھی کہ وہ بھیک مانگ کر اپنے بچوں کی پرورش کرے گی

http://kitaabghar.com

لیکن بازار حسن کا کبھی بھی رخ نہیں کریگی۔

اس کو ایک دن ریلوے اسٹیشن پر بصیر احمد کی ایک جھلک دکھائی تو وہ دیوانہ وار اُس کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس نے دونوں بچوں کو گود میں اُٹھایا ہوا تھا۔ اس نے بصیر احمد کو آوازیں دینا شروع کیں تو وہ اپنا نام کسی عورت کے منہ سے سن کر رک گیا تھا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تو صائمہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ صائمہ کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

''تم صائمہ ہو؟'' بصیر احمد کو اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا تھا یا پھر وہ انجان بن کر اپنی بصارت کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

''ہاں بصیر احمد..... میں صائمہ ہی ہوں۔'' آنسوؤں اور سسکیوں میں اس نے کہا تو بصیر احمد کافی پریشان ہو گیا تھا۔

''تم یہاں اس حالت میں.....؟ نعمان ایز دکہاں ہے؟'' اس کے سوالوں کے جواب دونوں بچوں نے رو رو کر دینے شروع کر دیئے تو صائمہ نے بچوں کو پلیٹ فارم پر بٹھا کر بصیر احمد کے پاؤں پکڑ لیے۔ تو وہ پریشان ہو کر اپنے اِرد گرد لوگوں کا ہجوم دیکھ کر بولا۔ ''یہ تم کیا کر رہی ہو صائمہ۔'' اس نے جھک کر اس کو اُٹھایا اور دوپٹہ اس کے سر پر درست کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو صائمہ نے روتے ہوئے کہا۔

''بصیر احمد! میرے بچے دو دن سے بھوکے ہیں۔ پلیز کچھ کھانے کو دے دیں..... بصیر احمد..... تمہیں خدا کا واسطہ!'' صائمہ کی گریہ زاری بڑھنے لگی تو بصیر احمد نے ننھی مریم کو گود میں اُٹھا لیا اور صائمہ کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ صائمہ نے حاشر کو پکڑا اور بصیر احمد کے ساتھ چلتی ہوئی ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل گئی۔ وہ ایک گاڑی میں بیٹھ کر بصیر احمد کے اسی گھر میں پہنچی جہاں اس نے پارٹی میں حصہ لیا تھا اور وہ سیاہ رنگ کی ساڑھی پہن کر آئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر پانی جاری ہو گیا تھا اس کو بصیر احمد کے ساتھ آتا دیکھ کر بصیر احمد کی جوان بیوی تانیہ بھی حیران تھی۔

اس کو کرسی پر بٹھایا گیا تو وہ سہمی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر اِرد گرد اس انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے کہ اس کو نعمان ایز داس کے کسی حواری کے آنے کا خدشہ ہو۔ اس نے واش بیسن پر منہ دھویا۔ بچوں کا بھی منہ دھویا تو ان کی شکلیں نکھر آئیں۔

تانیہ نے اس کو تولیہ لا کر دیا تو اس نے اپنا اور بچوں کا منہ صاف کیا تو تانیہ ایک بار اس کا حسن دیکھ کر محو ہو گئی۔

بصیر احمد نے اس کو اچھا کھانا کھلایا تھا بچوں کو دودھ اور پھل وغیرہ دیئے اس نے تشکر آمیز نظروں سے تانیہ کی طرف دیکھا جو اس کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین و بے قرار تھی۔

''تانیہ! یہ صائمہ ہیں۔ نعمان ایز دکی بیوی..... یہ ہمارے کالج میں ہم سے جونیئر تھی۔'' بصیر احمد نے اس کا ہلکا سا تعارف کروایا۔ شاید تانیہ نعمان ایز داور صائمہ کی لو سٹوری سے آشنا تھی۔ اس کو بصیر احمد نے بتایا ہوگا۔ وہ صائمہ کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''میں اب نعمان کی بیوی نہیں ہوں بصیر احمد۔'' صائمہ نے یہ دھماکہ کیا تو بصیر احمد چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''بیوی نہیں ہو..... کیا مطلب.....؟ جو بھی ہے صائمہ پلیز مجھے کھل کر بتاؤ۔ کیا ہوا ہے۔ تم اس حالت میں ریلوے سٹیشن پر کیا کر

http://kitaabghar.com

رہی ہو؟"

صائمہ نے اپنی داستان بصیر احمد اور ثانیہ کو سنانا شروع کر دی تھی۔ وہ جوں جوں بتاتی جاتی بصیر احمد کی آنکھیں حیرت سے کبھی کھلتی اور کبھی افسوں سے بند ہو جاتی تھیں۔ ثانیہ کے لیے بھی یہ داستان حیران کن تھی بلکہ وہ محبت کے اس طرح عبرت ناک انجام پر دکھ میں مبتلا ہو گئی تھی۔

مریم اور حاشر وہیں سو گئے تھے۔ پھولوں جیسے نرم و نازک بچے گھاس پر ہی سو گئے تھے۔ ثانیہ کو ان پر بہت ترس بھی آیا اور پیار بھی آیا۔ صائمہ کی آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں۔ ثانیہ کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔

"مجھے آپ اس گھر میں کسی بھی کونے میں جگہ دے دیں..... میں آپ کے گھر کے تمام کام کاج کیا کروں گی..... لیکن میں کبھی بھی اس بازار میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے یہ وعدہ کسی انسان سے نہیں بلکہ قرآن کریم سے کیا ہے۔" بصیر احمد اس کے اس مصمم ارادے سے بہت متاثر ہوا تھا۔

"دیکھو صائمہ! میں تم سے یہ ہمدردی کر سکتا ہوں کہ تم کو رہنے کے لیے چھت دے دوں۔ اور کوشش بھی کروں گا کہ تمہارے ان بچوں کے لیے کھانے پینے کا بھی بندوبست ہو سکے۔" بصیر احمد نے ثانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے بھی مسکراتے ہوئے آنکھیں جھکا کر بصیر احمد کی بات پر مہر ثبت کی۔ بصیر احمد اٹھ کر اندر گیا جب وہ دس منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں قرآن کریم تھا۔ صائمہ اور ثانیہ حیرانگی سے دیکھ رہی تھیں کہ بصیر احمد کیا کرنے والا ہے۔

"صائمہ! میں شریف اور عزت دار آدمی ہوں۔ میرے والدین اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ ثانیہ میری بیوی ہے اور میری کزن بھی ہے۔ تم اس بازار سے آئی ہو اور اس بازار میں واپس نہیں جانا چاہتی۔ میں تمہیں ہمدردی اور انسانیت کی بنیاد پر سہارا دے رہا ہوں۔ اس قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر صرف مجھے ایک بار یقین دلا دو کہ اب تمہارا اس بازار اور نعمان ایزد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور تم آئندہ اس بازار کا رخ کبھی بھی نہیں کرو گی۔"

بصیر احمد اپنی شرافت سے خوفزدہ تھے اور صائمہ اپنی جگہ پر سچی اور اپنے عہد پر مخلص تھی۔ اس نے وضو کر کے قرآن کریم پر ہاتھ رکھا اور قسم کھائی کہ وہ آئندہ اس بازار سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھنا چاہتی بلکہ یہ بھی قسم کھائی کہ نعمان ایزد سے نکاح کے بعد وہ کبھی بھی اس بازار میں نہیں گئی ہے اور نہ ہی ان سے کبھی رابطہ کیا ہے۔

بصیر احمد اور ثانیہ بہت خوش اور مطمئن بھی تھے۔ بصیر احمد نے قرآن کریم پکڑتے ہوئے کہا۔

"صائمہ! میں بصیر احمد آج سے اس قرآن کریم کی گواہی اس لیے لی اور دی تھی کہ ابھی اس کا مستقبل روشن ہونے والا تھا اس نے جج کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ کل کو کوئی بھی صائمہ کا دعویدار اس کو بازار کی زینت بننے پر مجبور کر سکتا تھا اور اس کی عزت اور شرافت پر حرف آ سکتا تھا۔"

اور اس نے قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر صائمہ کو بہن اس لیے مانا تھا کہ صائمہ جوان اور خوبصورت تھی جبکہ ثانیہ بھی جوان اور خوبصورت تھی اور ثانیہ کبھی بھی یہ نہ چاہتی کہ اس کا خاوند صائمہ کی زلفوں کا اسیر بنے اور اس کا گھر برباد ہو۔

http://kitaabghar.com

بصیر احمد کی عقل اور دانشمندی نے ثانیہ کو بھی ذہنی اور دلی طور پر مطمئن کر دیا تھا۔

بصیر احمد نے صائمہ کو وہی ریلوے والا کوارٹر دے دیا تھا اور خاص طور پر تنبیہ کی تھی کہ اب وہ اپنے دونوں بچوں کے نام تبدیل کر دے۔ بصیر احمد نے ہی حاشر کا نام ایاز اور مریم کا نام ریشم رکھ دیا۔ یہ منطق صائمہ کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ لیکن اس نے کچھ بھی نہ کہا بلکہ اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا۔

صائمہ نے ضد کر کے بصیر احمد کے گھر کھانا پکانا شروع کر دیا تھا۔ وہ دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لے آتی تھی اور شام کو واپس اپنے کوارٹر چلی جاتی تھی۔ اس کو تانیہ کھانا اور دودھ بھی ساتھ دے دیتی تھی۔ اسی طرح بچے پلنے بڑھنے لگے تو ریشم کو سکول داخل کروا دیا گیا اس کا تمام خرچ بھی بصیر احمد نے ہی اُٹھایا تھا۔

ایک دن صائمہ ریشم کو سکول چھوڑ کر واپس آ رہی تھی کہ اس کو کمالا نظر آ گیا جو سڑکوں پر بھیک مانگ رہا تھا۔ صائمہ کو پہلے تو اپنی بصارت پر اعتبار نہ آیا کیونکہ کمالے کے قتل کے الزام میں تو سکندر جیل چلا گیا تھا اس نے کمالے کو کندھے سے پکڑا تو کمالا صائمہ کو اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن صائمہ کی گرفت اس پر مضبوط تھی۔

کمالے نے جان نہ چھوٹتی دیکھی تو صائمہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور روتے ہوئے کہنے لگا۔

''چھوٹی بی بی! میں زندہ ہوں۔ مجھے قتل کروا کے سکندر کو جیل بھجوانے کا سارا ڈرامہ نعمان ایزد کا تھا۔'' صائمہ اس کے منہ سے اس اہم انکشاف کو سن کر پاگل ہو گئی تھی۔ وہ نہ یقین آنے والی کیفیت میں کمالے کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ پھر بولا۔ ''رات کو اس پلان کو اس لیے بنایا گیا تھا کہ کوئی بھی خون اور رنگ میں تمیز نہیں کر سکے گا۔ سکندر کو سمیع اللہ نے رات کو اپنے کمرے میں بہانے سے بلایا تھا۔ وہ ان کی ٹانگیں دبا کر جب واپس آیا تو صحن میں مجھے رنگ لگا کر اُلٹا لٹا دیا گیا تھا اور ایک بندوق میرے پاس رکھ دی گئی۔ حویلی کی تمام روشنیاں بند کر دی گئیں تھیں تاکہ کوئی بھی اس سازش سے پردہ نہ اُٹھا سکے۔ سکندر جیسے ہی میرے پاس پہنچا تو نعمان ایزد نے اپنے کمرے سے باہر آ کر ایک ہوائی فائر کر دیا۔ میں نے روشنی جلتی دیکھ کر تڑپنے کی اداکاری کی تو آن کی آن میں پوری حویلی اور گاؤں ہی اس جگہ جمع ہو گیا۔ پھر طے شدہ پلان کے مطابق پولیس بھی عین موقع پر پہنچ گئی تھی۔ سکندر کو گرفتار کروا دیا گیا۔ وہ بے چارہ تو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ جس آلہ قتل سمیت اس کو گرفتار کیا گیا ہے اس کا تو گھوڑا ہی نہ تھا..... پولیس سکندر کو لے کر گئی تو تمام روشنیاں بند کر کے مجھے اُٹھا کر شہر بھاگ جانے کا حکم ملا۔ لیکن چھوٹی بی بی ان کی ایک اور پلاننگ بھی میں نے سن لی تھی۔ وہ لوگ شہر سے کسی مامے اور چاچے کو گاؤں بلا کر آپ کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتے تھے۔''

کمالے نے اس راز سے پردہ اُٹھایا تھا جس نے صائمہ کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ اس کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا یقین سچا تھا کہ سکندر نے قتل نہیں کیا تھا اور ماما اور چاچا خود نہیں آئے تھے۔ ان کو نعمان ایزد اور سمیع اللہ نے خصوصی طور پر گاؤں بلوایا تھا۔

''لیکن نعمان ایزد نے ایسا کیوں کیا؟'' صائمہ پریشانی سے بولی۔ ''وہ تو مجھ سے محبت کرتا تھا۔''

''اونہہ محبت۔'' کمالا طنز سے بولا تو وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ پھر بولا۔

http://kitaabghar.com

''نعمان کی منگنی ان کے رشتہ داروں میں ہو چکی تھی۔ وہ بہت مال دار اور سیاسی رکھ رکھاؤ والے بڑے لوگ ہیں۔ انہوں نے تمہیں طلاق دینے پر نعمان ایزد کو وزیر بنانے کی آفر کی ہے۔ اب تم دیکھنا کہ وہ وزیر بنے گا..... اس نے وزیر بننے کے لیے اپنے بچوں کی پروا بھی نہیں کی.....'' کمالے نے اپنی بات ختم کی اور بولا۔ ''اب مجھے جانے دو چھوٹی بی بی۔''

صائمہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ ایک طرف کو نکل گیا تھا۔

صائمہ نے نعمان ایزد کا گھناؤنا روپ دیکھا تو وہ کانپ کر رہ گئی۔ اُس نے کس طرح جھوٹے فقل میں سکندر کو پھنسوایا اور پھر اس سے نجات پانے کے لیے ماما اور چاچے کو گاؤں بلوا کر ذلیل و رسوا کیا اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔ وہ سوچنے لگی تھی کہ کنجر غلط ہیں یا نعمان ایزد جیسے شریف لوگ۔ یا پھر صحیح بصیر احمد جیسے شریف انفس لوگ۔ جو اس سے ہمدردی کی بنا پر اس کے بچوں کو پڑھا لکھا بھی رہا تھا۔ اور اس کو بچوں کے ساتھ رہنے کے لیے مفت میں بہترین چھت بھی دی ہوئی تھی اور ایک نعمان ایزد تھا جس نے اپنی کرسی کی خاطر اپنی بیوی اور دونوں بچوں کو بھی بے یار و مددگار درندوں کے اس جنگل میں چھوڑ دیا تھا لیکن بصیر احمد جیسا انسان اس کی مدد کو اللہ کی طرف سے اس کا نمائندہ بن کر پہنچ گیا تھا۔

بصیر احمد اور ثانیہ بیگم نے صائمہ کی بات سن کر انتہائی تاسف کا اظہار کیا اُس نے اپنے طور پر سکندر کا پتہ کیا تو وہ اس شہر سے باہر دوسرے شہر کی جیل میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ اور پھر اس کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے کمالے کی موجودگی بہت ہی ضروری تھی۔ صائمہ کو اس دن کے بعد کمالا کہیں بھی نظر نہ آیا تھا۔ صائمہ تھک ہار کر بیٹھ گئی تھی اس نے سکندر کی سزا کو اس کا مقدر سمجھ کر صبر کر لیا تھا۔

''تم اپنے بچوں کی بہتر پرورش کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نعمان ایزد کی ہوا بھی تمہیں چھو نہ پائے گی۔'' بصیر احمد نے صائمہ کو تسلی دی تھی۔ اس نے نعمان ایزد کی بے غیرتی اور بے وفائی پر تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اُس سے ایسا انتقام لے گی کہ نعمان ایزد کی نسلیں تک کانپ کر رہ جائیں گی۔

اس نے ریشم اور ایاز کو پڑھا لکھا کر اس ملک کے اعلیٰ شہری بنانے میں بہت محنت کی تھی۔ اس کو جب گاؤں سے نکالا گیا تھا تو اس کے کانوں میں کانٹے اور دو انگوٹھیاں تھیں جو اس کی مدد کر گئیں لیکن مرکزی کردار بصیر احمد کا تھا۔ اس نے ایاز اور ریشم کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لیے بہت خیال رکھا تھا انہوں نے دونوں بچوں کی تعلیم میں دلچسپی دیکھتے ہوئے اُن پر پیسہ خرچ کرنے سے بھی دریغ نہ کیا تھا۔

وہ اس ملک کے بہترین اور اعلیٰ ترین جج میں شمار ہونے لگے تھے۔ ان کو بہت بڑا گھر اور گورنمنٹ قانون کے مطابق گاڑیاں بھی ملی تھیں۔ ان کے ہاں بھی پہلے بیٹا اور پھر دو بیٹیوں کی پیدائش پر گھر بھر خوشی کا سماں تھا۔ وہ بچے بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑے ہونے لگے۔ صائمہ نے پانچویں جماعت تک ریشم کو بصیر احمد کے گھر لانا چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ گھر میں ایاز کو بھی سنبھال سکتی تھی اور اپنی پڑھائی بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔

وہ آتی جاتی ٹرینوں کو دیکھتی رہتی تھی جوانی میں قدم رکھنے پر صائمہ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں اس کو ریشم کی فکر ہی ستاتی رہتی تھی لیکن اب ایاز بھی اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ ریشم کی دیکھ بھال اور خیال رکھ سکتا تھا۔

http://kitaabghar.com

صائمہ کی خوشی کی انتہا نہ تھی جب ایاز اور ریشم کو نعمان ایزد کے گھر ٹیوشن اور نوکری مل گئی تھی لیکن آج ریشم کے پیٹ میں پلنے والا گناہ نعمان ایزد کا تھا اور یہ اس صدی کا بہت بڑا گناہ تھا اور گنہگار نعمان ایزد تھا۔

''امی!'' ریشم نے صائمہ کو آرام دہ کرسی پر بیٹھے دیکھا تو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہوئی اس کو خیالوں کی دنیا سے واپس لاتی ہوئی بولی۔ ''آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟'' صائمہ نے کرب اور دکھ سے اس کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی جانب دیکھا جو رو رو کر اپنے آنسو ختم کر چکا تھا۔

فجر کی اذان کی آواز سن کر صائمہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ریشم کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''نیند نہیں آ رہی تھی..... خیر اب تو نماز پڑھ کر ہی لیٹوں گی۔'' وہ اٹھی اور حیران و پریشان ریشم کو چھوڑ کر وضو کرنے چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

صائمہ نے تقریباً چالیس منٹ تک بصیر احمد سے بات کر کے موبائل بند کر دیا اور ایاز اور ریشم کی طرف دیکھا وہ دونوں تیار کھڑے صائمہ کے حکم کے منتظر تھے۔

''امی خدا کا واسطہ کچھ تو بتائیں۔ آپ آج اور ابھی نعمان ایزد کے گھر کیوں جانا چاہتی ہیں۔'' صائمہ نے ایاز کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''آج اس کے گھر پر پریس کانفرنس ہے پوری دنیا کا میڈیا آیا ہوا ہے۔ اور آج میں ایک ایسے سچ اور راز سے پردہ اٹھاؤں گی کہ نعمان ایزد کو پچیس سال پیچھے لوٹنا پڑے گا۔''

ریشم خوفزدہ نظروں سے ایاز کی طرف دیکھتی ہوئی خاموش رہی۔

صائمہ کا یہ پراسرار انداز ایاز اور ریشم کی سمجھ سے بالاتر تھا لیکن اس کا حکم تھا اس لیے وہ تیار تھا۔ صائمہ کے موبائل پر بصیر احمد کی کال آئی تو صائمہ نے کال ریسیو کی۔ اور دونوں کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر نعمان ایزد کے محل کی جانب چل پڑی۔

ٹیکسی والے نے ان کو کافی پیچھے ہی اتار دیا تھا کیونکہ بہت سی قیمتی گاڑیوں کے درمیان وہ اپنی ٹیکسی آگے نہ بڑھا سکتا تھا۔ پولیس نے ہر طرف سے راستے بند کر رکھے تھے لیکن وہاں پر اعلیٰ آفیسر کے طور پر انصر احمد خود موجود تھا اور پھر یہ بھی بصیر احمد اور صائمہ کی پلاننگ کا حصہ ہی تھا کہ انصر نے اپنے محکمے کو درخواست کر کے خصوصی طور پر آج کی پریس کانفرنس کو سیکیورٹی دینے کی ڈیوٹی سنبھالی تھی۔

اُس نے صائمہ اور ایاز اور ریشم کو بڑی احتیاط سے کوٹھی کے اندر پہنچایا تو صائمہ اس محل کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر ہی حیران رہ گئی تھی۔ ایاز تو کئی بار یہاں آیا تھا۔ بلکہ اس کو جو یہ ہی اس گھر کے طفیل ملی تھی۔ لیکن ریشم اور صائمہ پہلی بار آئیں تھیں

صحافیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کرسیوں پر براجمان تھا۔ کئی کیمرے اور کئی مائیک سٹیج پر ڈائس بورڈ کے سامنے لگے ہوئے تھے۔ نعمان ایزد اہم اعلان کرنے والے تھے۔ اُس کی پارٹی قیادت جو کہ اُن کے سسرالیوں میں سے ہی تھی سٹیج پر موجود تھی اور نعمان ایزد بھی اپنے رہنماؤں سمیت موجود تھے۔

http://kitaabghar.com

نعمان ایز دسٹیج پر کھڑے ہوئے اور مائیک پر آ کر گلا کھنگارتے ہوئے بولے۔

''آپ سب لوگوں کی پرجوش آمد کا شکریہ۔'' اتنی دیر میں صائمہ، ریشم اور ایاز بھی خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ ایک صحافی نے مائیک آن کر کے صائمہ کو پکڑا دیا تھا۔ وہ انصر احمد کا خاص بندہ تھا۔ جو صحافی کے روپ میں اس پنڈال میں شامل تھا۔ صائمہ نے دیکھا کہ انصر احمد بھی گیٹ پر موجود ہے اور اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر دیا تھا کہ بات شروع کریں۔ نعمان ایز دبول رہے تھے۔

''میں پہلے اپنے دور میں ہونے والے کاموں کی تفصیل بتانا چاہوں گا پھر آپ کے سوالوں کے باری باری جوابات دیئے جائیں گے۔'' لیکن صائمہ مائیک پکڑ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کرسی پر کھڑی ہوئی بولی۔

''لیکن مجھے آپ سے ابھی اور اسی وقت کچھ کہنا ہے مسٹر نعمان ایز دا'' پورے پنڈال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ نعمان ایز دصائمہ کو اس طرح اچانک اپنے گھر میں دیکھ کر حیران اور پریشان ہو گیا تھا۔ صحافیوں کو تو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں۔ لیکن صائمہ نے اپنی گونجدار آواز سے ان سب کو متوجہ کر لیا اور کہنے لگی۔

''میرا نام صائمہ ہے اور میں نعمان ایز دکی پہلی بیوی ہوں۔'' ایک اور زوردار دھماکہ سن کر صحافیوں نے اپنے کیمروں اور مائیکس کا رخ صائمہ کی طرف موڑ دیا تو نعمان ایز دغصے میں جھنجلاتے ہوئے بولے۔

''یہ عورت جھوٹ بولتی ہے۔ یہ دشمنوں اور اپوزیشن کی کوئی گہری چال ہے۔'' لیکن ایک ڈاکس بورڈ فوراً ہی صائمہ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔

ایاز اور ریشم تو غش کھانے والے ہو گئے تھے۔ ایاز اور ریشم کو لگ رہا تھا کہ صائمہ کی پٹی رو بہک گئی ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے کے لیے ان کو بھی ساتھ لے آئی ہے۔ حارث نعمان نے جویریہ کو طلاق دے کر اور ایاز نے جویریہ کو اپنا کر اپنا اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اور اس ناطے نعمان ایز دا ور حارث نعمان اس کے جانی دشمن بھی تھے اور وہ اس وقت اپنے دشمنوں کے گھر میں کھڑا تھا۔ اس نے گھبرا کر انصر احمد کی طرف دیکھا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایاز کو پرسکون رہنے کی تلقین کی تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔

صائمہ نے قرآن کریم کو اپنے بیگ سے نکالا اور ہاتھ میں پکڑتی ہوئی بولی۔

''میں اس قرآن کریم کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نعمان ایز دکی سابقہ بیوی ہوں۔ اور اس کے دو بچوں کی ماں بھی ہوں۔'' ریشم کے دل کی دھڑکنیں اور بھی تیز ہو گئیں تھی۔ وہ خود کو ذلت کے انتہائی غلیظ گھڑے میں گری ہوئی محسوس کرنے لگی تھی۔ کیونکہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس نے یہی دیکھا تھا کہ صائمہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے کرتے بہت زیادہ رویا کرتی تھی۔ اور وہ قرآن کریم سے بہت محبت کرتی ہے اور کوئی بھی مسلمان قرآن کریم سے محبت کرنے کے باوجود اس کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا ہے۔

ریشم کو وہ غلیظ ترین لمحات یاد آنے لگے تھے جو اس نے نعمان ایز دکے ساتھ گزارے تھے اور آج وہ اپنے ہی باپ کے پاپ کو اپنی کوکھ میں لیے پھر رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

صائمہ نے پھر بولنا شروع کر دیا تو جسٹس بصیر احمد بھی گیٹ سے اندر داخل ہوئے اور نعمان ایزد کے زرد ہوتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر ان کو عجیب سی پرسکون سی خوشی اور ٹھنڈی سی راحت محسوس ہوئی تھی۔

''میں بتاتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ اپنے اپنے کیمرے آن کر لو اور اس کانفرنس کو براہ راست پوری دنیا کو دیکھنے دو۔ اپنے قلم اور ٹیپ ریکارڈر بھی چالو کر لو اور لکھنا شروع کر دو۔ میرا نام صائمہ ہے۔''

صائمہ کے منہ سے پہلا فقرہ نکلا ہی تھا کہ شمعون نے بھی اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس دلچسپ ڈرامے کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جوں جوں صائمہ اپنی داستان سناتی جا رہی تھی شمعون کے ساتھ ساتھ پورے پنڈال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ نعمان ایزد تو منہ کھولے اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تھے۔

صحافیوں کے تیز تیز چلنے والے قلم اور کیمروں سمیت موبائلز نے اس کانفرنس کو براہ راست دکھانا شروع کیا۔ تو لوگ جوک در جوک ٹی وی سکرینوں کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ جہاں صائمہ چیخ چیخ کر اپنی بربادی کے پچیس سالوں کی داستان سنا رہی تھی۔ ایاز اور ریشم کو اپنی ماں پر فخر ہو رہا تھا۔ لیکن ریشم کو گناہ در گناہ چین نہ لینے دے رہا تھا۔ صائمہ کے آنسوؤں میں قرآن کریم کی گواہی بھی شامل ہو گئی تھی۔

نعمان ایزد کی پارٹی قیادت سٹیج سے اُتر کر تو اندر چلی گئی تھی لیکن جیسے ہی نعمان ایزد نے آگے بڑھ کر سٹیج سے اُترنا چاہا تو انصر احمد ان کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

''اب میں اس گھر کا داماد بھی ہوں انکل۔ اور آپ مجھے کسی بھی ایسے اقدام پر مجبور نہیں کریں گے جیسا کہ ایک بار پہلے اس گھر میں ہو چکا ہے۔'' انصر نے حارث اور جویریہ کی طلاق کو مثال بنا کر نعمان ایزد کو دھمکی دی تو وہ سٹیج پر پڑے ہوئے صوفے پر نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔

صائمہ کی کہانی سچ پر مبنی تھی شمعون کو شرم سے پانی پانی ہوتا دیکھ کر جہان آرا بیگم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''یہ سب تمہارے پاپا کے خلاف ایک سیاسی سٹنٹ ہے۔'' وہ تڑپ کر مڑا اور ماں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''سٹنٹ؟'' اس کے لہجے میں کرب اور تکلیف نمایاں تھی۔ ''قرآن کریم اُٹھا کر ایک عورت اتنی بڑی باتیں براہ راست کیسے کر سکتی ہے؟''

''سیاست میں سب جائز ہے اور بہت کچھ ہوتا ہے؟'' جہان آرا بیگم نے کہا تو شمعون ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''مما! آپ بتائیں کہ سچائی کیا ہے۔ یہ عورت آپ سے پہلے بابا کے نکاح میں تھی؟''

شمعون کا اٹل لہجہ سن کر جہان آرا بیگم اس سے نظریں چراتی ہوئی بولیں۔

''میں تمہارے لیے گرم دودھ کا مگ بھیجتی ہوں۔ تمہیں اپنے ذہن پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جہان آرا بیگم کا اس طرح نظریں چرا کر کمرے سے باہر نکل جانا صائمہ کی سچائی کی ایک اور دلیل بن گیا تھا۔

''آپ لوگوں نے اس لڑکی کو تو ضرور نعمان ایزد کے ساتھ دیکھا ہوگا۔'' صائمہ نے بازو سے پکڑ کر ریشم کو اُٹھایا تو اس کی جھکی ہوئی

http://kitaabghar.com

نظریں اور ڈھکا ہوا وجود شرمندگی سے چور چور ہو رہا تھا۔

''یہ لڑکی نعمان ایزد کی سیکریٹری کے طور پر اس کے آفس میں گزشتہ ایک سال سے کام کر رہی ہے۔'' ریشم کا ہاتھ پکڑ کر جیسے ہی صائمہ نے اُٹھایا تو شمعون کو ایک تیز کرنٹ کا جھٹکا لگا اور وہ منہ کھولے ریشم کی طرف ہی دیکھے جا رہا تھا۔ ریشم کا اس عورت کے ساتھ کیا تعلق تھا۔

''یہ میری وہی بیٹی ہے جس کا باپ نعمان ایزد ہے۔'' بم ٹکڑوں کی صورت میں آگے بڑھ کر نعمان ایزد کے سینے پر آ کر پھٹ گیا تھا۔ وہ ریشم کو کیسے بھول سکتے تھے اور شمعون بھی اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کو کبھی نہ بھول سکتا تھا۔

''افسوس ہے نعمان ایزد!'' اس بار صائمہ براہ راست اُن سے مخاطب ہوئی تو وہ اپنی ہمت مجتمع کر کے بولے۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''اس کے سچ اور ہر بات کے مدلل ہونے کا میں گواہ ہوں۔'' جسٹس بصیر احمد کو مجمع میں دیکھ کر اور ان کی آواز سن کر نعمان ایزد تو ایک بار پھر ڈھے گئے اور سریل آواز میں بولے۔

''میرے بیٹے نے اس جج کی بیٹی کو طلاق دے دی ہے۔ اسی لیے یہ اس ڈھونگی عورت کو لے کر میرے خلاف آ گیا ہے۔''

جسٹس بصیر احمد مسکرا کر بولے۔

''اگر میں تمہارا دشمن ہوتا تو آج تمہاری بیٹی میری بہو نہ ہوتی..... اور اگر میں بھی تمہاری طرح کم ظرف اور کمینہ ہوتا تو آج وہ بچی بھی طلاق کا لیبل ماتھے پر لگا کر تمہارے گھر واپس آ چکی ہوتی۔'' نعمان ایزد کو بھی معلوم تھا کہ بصیر احمد سچ کہہ رہے ہیں۔ ان کی دونوں باتوں کی سچائی نے صائمہ کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔

''اپنی ہی بچی کو پرسنل سیکریٹری بنا کر اس کے ساتھ عیش کرنے والے باس باپ کو تو شرم سے ہی ڈوب کر مر جانا چاہیے۔'' ریشم وہاں سے چپکے سے نکل چکی تھی۔ لیکن صائمہ نے نعمان ایزد کو باور کرا دیا تھا کہ اس کا گناہ اس کی ہی بیٹی کے پیٹ میں پل رہا تھا۔

شمعون بھی بے وقوف نہ تھا وہ تمام معاملہ سمجھ گیا تھا۔ صائمہ چلتی ہوئی سٹیج پر پہنچی اور نعمان ایزد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی ہوئی بولی۔ ''میں نے کہا تھا نا کہ میں طوائف زادی ضرور ہوں لیکن طوائف نہیں ہوں۔ مگر نعمان ایزد میرا انتقام طوائفوں سے بھی بُرا ہوگا۔ یاد کرو نعمان ایزد کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری ہی بیٹی کو تمہاری رکھیل بناؤں گی..... میں نے یہ بہت بڑا گناہ تمہیں تمہاری اوقات یاد دلانے کے لیے کیا ہے۔'' وہ رونے لگی تھی۔

شمعون نے اپنی ہی بہن سے محبت اور پیار کی پینگیں بڑھانے پر خود کو تا حیات ذلت سے بچانے کے لیے خود کو گولی مارنے کا فیصلہ کیا لیکن وہ مرنے سے پہلے ایک اور فیصلہ کر چکا تھا اس پر عمل درآمد کرنا ضروری تھا۔

اس نے سٹیج پر آ کر نعمان ایزد کو گولیوں سے بھون دیا اور آخری گولی اپنی کنپٹی پر مار لی۔ نعمان ایزد کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ سٹیج پر خون ہی خون بکھر گیا تھا۔ جوان شمعون کی لاش اور اسکے ساتھ ہی نعمان ایزد کی لاش پڑی ہوئی تھی اور خون قالین کو سرخ کر رہا تھا۔

http://kitaabghar.com

پولیس اور انتظامیہ حرکت میں آ چکی تھی۔ ایاز اپنے اس باپ کو دیکھ رہا تھا جس کے زندہ ہونے کے باوجود بھی اُنہوں نے یتیموں جیسی زندگی گزاری تھی۔ جو محرومیوں، لاچاریوں اور بے بسی پر محیط تھی۔ اتنی دولت اور جاگیر کا مالک ان کا باپ ان دونوں بچوں کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔ ایاز نے اس کی طرف دیکھ کر نفرت سے تھوک دیا اور ایک فخر سے اپنی ماں کی طرف دیکھا جس نے دوبارہ اُس بازار کا رُخ نہ کر کے قرآن کریم سے کیا ہوا اپنا عہد نبھایا تھا۔ ریشم نے گھر آ کر خود کو آئینے میں دیکھا تو اس کو ذلت اور گندگی سے اَٹا ہوا اپنا وجود بوجھ لگنے لگا تھا۔ اس کا دل گھبرایا اور متلی ہونے لگی تو وہ واش بیسن پر اپنے اندر کے گند کو نکالنے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی۔ اس نے سٹور روم سے ایک رسہ ڈھونڈ کر اس کو پھندہ بنایا اور الوداعی نظر اپنے گھر پر ڈالتی ہوئی اس پھندے کو گلے میں ڈالا اور چھت کے ساتھ لگے ہوئے پنکھے سے جھول گئی۔

آخری لمحات میں اس کے ذہن میں بہت سی بیٹیوں کی رخصتیاں گھومنے لگی تھیں مگر وہ کتنی بدنصیب اور بدبخت بیٹی تھی جس کو اس کے باپ نے گھر سے رخصت تو نہ کیا تھا لیکن جو جہیز دیا تھا وہ دُنیا کو دکھانے کے قابل نہ تھا۔ چند سیکنڈ تڑپنے کے بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اس نے اپنے باپ کے گناہ کو سزا دینے کا یہی فیصلہ کیا تھا اور اس کے چہرے پر اطمینان ایسا تھا کہ وہ اپنے فیصلے سے مطمئن ہے۔ گھر آ کر صائمہ نے اس گناہ پر رو رو کر اللہ کے حضور معافی کی طلبی کے لیے اپنا سر سجدے میں جھکا دیا تھا۔

.....ختم شد.....

http://kitaabghar.com